اُردوئے مُعلّٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اول مِن تصنیف شاعر شیریں مقال نادرِ عدیم المثال جناب میر مہدی صاحب المتخلص بہ مجروح شاگرد رشید جناب مرزا اسد اللہ خان غالب

ستائش دادارِ جہاں آفریں آسان نہیں کیونکر بیان ہو اور نعت حضرت خاتم المرسلین مشکل ہے زبان کیا مرد میدان ہو وہ دریائے ذخار ہے یہ محیط ناپیدا کنار ہے وہاں ذہن نارسا اور فہم بے سروپا یہاں عقل معترف بعجز و قصور و خرد چار ناچار مجبور پھر اس صورت میں قلم مقطوع اللسان کیا نگارش کرے سوائے اسکے کہ اصل مطلب گذارش کرے اور وہ یہ ہے کہ سخنوران خرد پیشہ اور عقلمندان درست اندیشہ خوب جانتے ہیں کہ ہمیشہ سے کلام عرب کی شیرینی اور زبان عجم کی نمکینی گوش زد خاص و عام ہے اور ہر عقیل و فہیم اسی بات پر متفق الکلام ہے مگر یہ جو زبان اردو نے ہندوستان میں رواج پایا ہے یہی ترکیب کی خوبی اور حسن کی اسلوبی میں انہیں زبانوں کے ہم پایہ ہے اگر فصحائے عرب و عجم کما حقہ اس زبان کی ماہیت پر عبور پائیں تو اپنی زبان سے زیادہ اسکی تحسین فرمائیں بر سبیل ابتدائے رواج آج ہر عہد میں کاملان عصر اس معشوقہ خود فریب کی آراستگی و پیراستگی میں سعی فراواں اور کوشش بیپایاں کرتے آئے ہیں مگر بالفعل اس زمانہ میں اس زبان کی خوبی کا یہ مرتبہ پہنچا ہے کہ بیان سے باہر ہو گیا ہے۔ بدالنور بلبدہ جو کمال ہے آگے ہیم زوال ہے خصوصاً زبان اہل دہلی کہ اردوئے معلیٰ بولنا ان کا حصہ ہے۔ ہر چند بعض حضرات کو اس بات کا غصہ ہے مگر جو صاحب کہ فہم سلیم و ذہن مستقیم و طبع سازمزاج انصاف آشنا رکھتے ہیں۔ وہ اس امر کو مان جاتے ہیں تعج الذہن و کج رائے یونہی باتیں بناتے ہیں بھلا دہلی کا اسقدر کیونکر مرتبہ نہ ہو جب اس عدیم النظیر کا یہ شہر پینو جیر مسکن و ماوا ہو جس کی طبع وقاد نے مدہائے معانی کو وا کیا ہے۔ جس کے ذہن نقاد نے پست و بلند شاہ راہ سخن کو ہموار و مصفا کیا ہے

فصاحت اگر لعل ناب ہے۔ تو وہ اسکی آب ہے اگر بلاغت گوہر بے بہا ہے تو وہ
جوہر فضائے معنی اگر گل ہے تو یہ اسکی نسیم صبح ہے اور سخن اگر آئینہ ہے تو
جوہر نما ہے اسکا سینہ بے کینہ نکات حکمیہ کا گنجینہ اسکا قلب باصفا اسرار علمیہ کا دفینہ شعر و
اس کی ذات نے بڑی رونق بڑھائی ہے۔ اردو نے اسکی زبان پر گذر کر عزت پر
تعریف کو بر مزید کیا ہے۔ یہ جناب نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں صاحب
تخلص کی ذات بابرکات کی خوبیوں کا ایک ادنیٰ

میرا استاد کہ ہے جس کا سخن عالمگیر ہے معنی کا ظہور اور نظیر

حضرت کا جو سخن ہے وہ درِّ عدن ہوتا ہے اور یہ کرامات ہے یہ نثر کی رنگینی یہ نظم کی تیزی یہ غزل کی فصاحت یہ قصیدہ کی متانت یہ لفظوں کی خوبی یہ ترکیب کی خوش اسلوبی یہ جدت معانی یہ طلاقت لسانی یہ سلامت عبارت یہ معانی مطالب یہ سطریں ہیں کہ موتی کی لڑیاں ہیں باتیں ہیں کہ مصری کی ڈلیاں ہیں۔ نثر نثار پر نظم انجم قربان حسن تقریر پر تحریر شعاع ہے نثار کرنیکو آفتاب نہ رہ بلاغت گفتار شکر بار کو جادو کہوں حیران ہو کیا لکھوں لاحول ولا قوۃ کیا حکایتوں کی باتیں کرتا ہوں کیا جادو ہے کیا سحر کا اثر ہے گفتار اعجاز طراز کے رشک سے ہندوستان میں نہ جادو ہے نہ سحر ہے ہاں بابل کے کسی کونے میں چھپا ہو تو کیا خبر ہے بھلا اس عبارت تعالیٰ نشان کا نیا بیان ہو؟ جس کی صفائی استعارات کی خجلت سے درِ شاہوار پانی پانی۔ جس کی رنگینی فقرات ہے جگر خون لعل رمانی نہیں نہیں یہ ستائش کچھ سرمایۂ نازش نہیں۔ کیا موتی کیا لعل ان کی وجہ قدر و مقدار یعنی آب و تاب اندک تغیر میں نایاب ہے اور یہ قیامت تک یکساں۔ تہیا بیان سرمایۂ سخن کر سکیں زبان عبارت متین کی کیفیت دیکھکر جامی تو کیا افلاطون خم نشین کے نشے ہرن ہوتے ہیں اور اسکے ادراک کے غواص میں اپنی عقل و خرد کھوتے ہیں جہاں ایسے ایسے سرخوشان خمستان معنی جرعہ خوار بادہ گفتار اور نشہ حسن بیان سے سرشار ہوں پھر ہم سے نارسیدہ اس پختگی مطالب کو کیا پائیں کہاں سے ایسی قوت متخیلہ لائیں۔ سوائے اس کے کہ یہ راہ باریک دیکھ کر قدم لڑکھڑائیں اور اپنی نافہمی پر عرق انفعال میں غوطہ کھائیں مگر افسوس کہ اس جنس گراں ارز کا کوئی خریدار نہ ہوا اور اس یوسفِ مصر سخندانی کا طالب دیدار نہ ہوا۔ حضرت کا ظہور حضرت اکبر شاہ کے عہد میں ہوتا شاہ عباس دارائے ایران کے عصر میں ہوتا نظیری اپنا نظیر دیکھ لیتا۔ ظہوری کو فن شعر میں اپنا حریف غالب نظر آجاتا خیر ہم یوں دل خوش کرتے ہیں کہ اگر حضرت اسوقت میں زینت بخش جہاں ہوتے تو ہم کہاں ہوتے ہمارے

یہ ہماری خوش نصیبی کہ ایسے منتخب روزگار رجال باکمال سے مقتبس انوار فیض ہوئے
بوسی سے بہرہ اندوز ہوئے۔

حضرت کو دیکھ لیا گویا سب سخندانِ پیشینہ کو دیکھ لیا۔ جب حضرت کا کلام سن لیا سبکا
مین حیرے قول کی یہ اردو کی تحریف ہے کہ سہل الممتنع کیا بلکہ ممتنع النظیر ہے اس دور کا
جسکے دیکھنے سے روح کو اہتزاز ہے کہ بعد تکمیل ہو جانے کلیاتِ نظم و نثر فارسی کہ وہ
وہ گوش فصاحت و پیرایۂ گلو۔ ملت ہے اور ہندوستان سے ایران تک ہر ایک
زبان ہندوزبان ہے مدت سے حضرت کا اس طرز نو ایجاد اردو سے لگاؤ ہے اور خط و کتابت
میں اسی کا برتاؤ ہے جب شائقین ہندوستان نے اس نمک ہندی کا مزہ چکھا ہر ایک سرمایۂ لذت
مائدہ سمجھ کر طلبگار و خواستگار ہوا ایسے واسطے منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر کہ یہ صاحب
اخلاق و مروت میں یکتا اور علم دوست و ہنر آشنا ملازمین و معززین سرکار سے ہیں اور اب پنشن
دار ہیں علم فارسی کو خوب جانتے ہیں۔ اشعار بھی اچھی زبان میں فرماتے ہیں منشی صاحب کے اشعار
قابل دید ہیں جناب مرزا صاحب قبلہ کے شاگرد رشید ہیں چنانچہ جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ ع
در سخن نیم کرہ جوہر نیم

ان کی طبع والا نے یا تقاضا کیا کہ یہ گہرہائے شب افروز سلک تحریر میں منسلک ہو کر زینت بخش
عروس سخن ہوں اور یہ گلہائے پراگندہ جمع ہو کر ایک جا گلدستہ ہوں تا اسکے روح روح پرور سے
دماغ نکہت سرایان غبرت بیز ہو اسو اسطے فخر الدین صاحب مہتمم اکمل المطابع دہلی نے سعی بے
پایاں اور للہ بہاری لال صاحب منشی مطبع مذکور نے کوشش فراواں سے اکثر خطوط جمع
کئے اور بقصد انطباع کیا اور اردوئے معلیٰ نام رکھا گیا۔ اور ان خطوط کو دو حصوں پر منقسم
کیا پہلے حصے میں صاف صاف مکتوبات کے خط تحریر کئے تاکہ طلبائے مدرسہ فائدہ اٹھائیں۔
دوسرے حصہ میں مطالب مشکلہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی تاکہ سخنوران معنی یاب اس کے
دیکھنے سے مزا پائیں اور منشی صاحب موصوف نے اس ہیچمدان خاکسار یعنی مجروح دل افگار
سے اس کا دیباچہ لکھنے کو فرمایا۔ بندہ یہ سن کر حیران ہوا کہ یا رب دو شہوار کے سامنے خزف
ریزوں کا کیا اعتبار اور لعل و زمرد میں پتھر کے ٹکڑوں کا کیا وقار مگر الامر فوق الادب سمجھ کر
دراپیش کیا اسی خوان نعمت کا ذلہ چین جان کر یہ چند سطریں لکھیں بقول عرفی

چونذرہ گرچہ حقیرم نسبتم ایں بس ۔۔۔ کہ آفتاب بود نقطۂ مقابل ما

اُردوئے مُعلّیٰ

حصّہ اوّل

رقعہ بنام نواب میر غلام بابا خان بہادر

نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ فقیر اسد اللہ عرض کرتا ہے کہ آپ کے خط کے آنے نے میری آبرو بڑھائی۔ حق تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے ۲۶ درفش کا دیانی کی رسید پہنچی۔ حسب ارشاد اب اور نہ بھیجوں گا۔ قبلہ! غرض شہرت ہے[1] اس قلمرو میں میں نے جلدیں تقسیم کی ہیں اس ملک میں آپ بانٹ دیں۔ اتنی میری عرض قبول ہو کہ بڑودہ گجرات میں سید احمد حسن صاحب مودودی اور میر ابراہیم علیخاں صاحب[1] کو ایک ایک جلد بھجوا دیجیے گا اور چھ جلدیں مولانا سیف الحق کو عطا کیجیے گا کہ وہ اپنے دوستوں کو بھجوا دیں۔ خواجہ بدر الدین خاں میرے بھتیجے نے بوستان خیال کو اردو میں لکھا ہے اسکا ایک اشتہار اور یہاں ایک اخبار نیا جاری ہونیوالا ہے اس کے دو اشتہار اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں آپ یا آپ کے احباب میں سے کوئی صاحب کتاب کے یا اخبار کے خریدار ہوں تو اشتہار کے مضمون کے مطابق عمل میں لائیں والسلام مع الاکرام میاں سیف الحق سیاح کو سلام۔ ۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سبحان اللہ تعالیٰ شانہ ما اعظم برہانہ جناب مستطاب[1] نواب میر غلام بابا خان بہادر سے بتوسط میاں داد خان صاحب شناسائی بہم پہنچی لیکن واہ۔ اوّل ساعز و درد ہی کیا جگر خون کن اتفاق ہے پہلا عنایت نامہ جو حضرت کا مجھ کو آیا اسمیں خبر مرگ اب میں جو اسکا جواب لکھوں اور یہ میرا پہلا خط ہو گا۔ لامحالہ مضامین اندوہ انگیز ہونگے نہ نامۂ شوق نہ محبت نامہ صرف تعزیت نامہ صریر قلم ماتمیوں کے شیون کا خروش ہے جو نقطہ نکلا وہ سیاہ پوش ہے۔ نواب میر جعفر علیخاں جیسا میر روشن گہر نامور اور رمز شناس اعیان ہند انگلینڈ وسط جوانی یعنی ۴۶ برس کی عمر میں یوں مر جائے ع۔ نخل چمن سروری افتاد پا مال ٹے بیچ تو یوں ہے کہ یہ دہر آشوب غم ہے مجموعِ اہل ہند ماتم دارد

[1] یہاں مخاطب کو ایک غائب تصور کیا ہے۔

سوگوار ہوں تو بھی کم ہے۔ اگرچہ میں کیا اور میری دعا کیا مگر اس کے سوا کہ مغفرت کی دعا کروں اور کیا کروں قطعہ سال رحلت نواب غفران مآب جب دل خار خار غم سے پرخون ہوا ہے یوں موزوں ہوا ہے

گردیدہ نہاں مہر جہاں تاب دریغ — شد تیرہ جہاں بچشم احباب دریغ
ایں واقعہ را ز روئے زاری غالبؔ — تاریخ رقم کرد کہ نواب دریغ

از روئے زاری زا ہونے کے عدد پڑھائے جائیں تو ۱۲۸۰ھ پیدا ہوتے ہیں فہو المطلوب
شریک بزم ماتم میاں داد خاں صاحب کو سلام۔

یکشنبہ بست و یکم ربیع الاول ۱۲۸۰ھ مطابق ششم ستمبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان عنایت فرمائے مخلصان زاد مجدہٗ شکر یاد آوری دوران پروری بجالاتا ہوں پہلے اس سے آپکا مودت نامہ پہنچا ہے وہ میرے خط کے جواب میں تھا اس کا جواب نہیں لکھا گیا۔ پرسوں میاں سیف الحق کا خط پہنچا خط کیا تھا خوان دعوت تھا میں نے کھانے بھی کھائے میوے بھی کھائے ناچ بھی دیکھا گانا بھی سنا خدا تمکو سلامت رکھے کہ اس نالائق درویش گوشہ نشین پر اتنی عنایت کرتے ہو صاحب ریاست و امارت میں ایسے جھگڑے بہت رہتے ہیں۔ بسبب فرط محبت اخبار میں تمہاری افزائش عز و جاہ دیکھکر خوش ہوا اور تم کو تہنیت دی ظفر نامہ ابد بہت مبارک لفظ ہے انشاء اللہ العلی العظیم ہمیشہ مظفر و منصور رہوگے ع کار بجہاں جملہ چناں باد کہ خواہی؛ نجات کا طالب غالبؔ سہ شنبہ۔ سہ اپریل ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ جناب سید صاحب قبلہ بعد بندگی عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ آپ کا پہنچا آپ جو فرماتے ہیں کہ اپنی خیر و عافیت کبھی کبھی لکھا کرو آگے اتنی طاقت باقی تھی کہ لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ طاقت بھی زائل ہو گئی ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو گیا بینائی ضعیف ہو گئی متصدی نوکر رکھنے کا مقدور نہیں عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت پر آ گئے تو میں مطلب کہتا گیا وہ لکھتے گئے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ کل آپکا خط آیا آج ہی ایک دوست میرا آ گیا کہ یہ سطریں لکھوا دیں۔ آپ یہ کبھی نہ فرمائیں کہ منشی میاں داد خاں سے مجھے قطع محبت ہو گیا ہے منشی صاحب کی محبت اور ان کے توسط سے آپکی محبت دل و جان میں اس قدر سمائی ہے جیسا اہل اسلام میں بلکہ ایمان کا پس ایسی محبت کا موجود ہونا کبھی نا ممکن۔ امراض جسمانی کا بیان اور اخلاص ہمہ گر کی شرح کے بعد ہجوم غمہائے کا ذکر کیا کروں جیسا ابر سیاہ چھا جاتا ہے یا ٹڈی دل آتا ہے بس اللہ ہی

اللہ ہے سیف الحق منشی میاں داد خاں کو سلام کہیئگا اور یہ خط پڑھا دیجئے گا۔ نجات کا طالب
غالب روز چہار شنبہ ۶ اپریل ۱۸۶۸ء فقط۔

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان نواب میر غلام بابا صاحب بہادر زاد مجدہٗ! عرض کیا جاتا ہے کہ آپکا عنایت نامہ اور مولانا سیف الحق کا مہربانی نامہ دونو لفافے ایکدن پہنچے سیف الحق کے خط سے معلوم ہوا کہ رجب کے مہینے میں شادیاں قرار پائی ہیں مبارک ہو اور مبارک ہو نظارہ بزم جمشیدی سے محروم رہوں گا مگر میرا حصہ مجھکو پہنچ رہیگا خاطر جمع ہے۔ کیوں حضرت! صاحبزادہ کا اسم تاریخی پسند آگیا یا نہیں نام تاریخی اور پھر سید بھی اور خاں بھی سید مہابت علیخاں عجب ہے؟ اگر پسند نہ آئے اور بہت عجب ہے کہ اس امر کی نہ آپکے خط میں توضیح نہ میاں داد خاں کے خط میں خبر۔ یہ میں نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی یہی نام رکھئے پسند آنے نہ آنیکی تو فقیر کو اطلاع ہو جائے۔ جواب کا طالب غالب ۹ ماہ اگست ۱۸۶۶ء۔

ایضاً۔ ستودہ بہر زباں فنا مور بہر دیار نواب صاحب شفیق کرم گستر مرتضوی تبار نواب میر غلام بابا خان بہادر کو مسرت بعد مسرت وجشن مبارک و ہمایوں ہو ارقعہ گلگوں نے بہار کی سیر دکھلائی لیبوائی بیل روانہ ہونے کی لہر دل میں آئی پاؤں سے اپاہج۔ کانوں سے بہرہ۔ ضعف بصارت اور ضعف دماغ۔ ضعف دل۔ ضعف معدہ۔ ان سب ضعفوں پر ضعف طالع۔ کیونکر قصد سفر کروں۔ تین چار شبانہ روز تنفس میں کس طرح بسر کروں۔ گھنٹہ بھر میں دو بار پیشاب کی حاجت ہوتی ہے ہفتہ دو ہفتہ کے بعد ناگاہ قولنج کے دورے کی شدت ہوتی ہے طاقت جسم میں۔ حالت جان میں نہیں آنا میرا سورتک کسی صورت سے حیز امکان میں نہیں۔ خط لکھتے لکھتے خیال میں آیا کہ سیّد صاحب کی ولادت کی تاریخ تو لکھی سیّدانی صاحب کی بسم اللہ کی تاریخ بھی لکھا چاہیئے مادہ خجستہ بہار۔ ذہن میں آیا سات عدد کم پائے 'خجستہ بہار پر ادب' کے اعداد بڑھائے۔ شمار میں ۱۲۸۳ نظر آئے دوسرے ورق پر وہ قطعہ مرقوم ہے بوڑھوں کی فکر کی طاقت معلوم ہے حرف بجوش محبت سے چار مصرعہ موزوں ہوئے ہیں گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ راقم اسد اللہ خاں غالب ۱۱ نومبر ۱۸۶۶ء و سیف الحق صاحب کو سلام۔ ایک میرے دوست مصوّر خاکسار کا خاکہ اتار کر دربار کا نقشہ اتارنے کو اکبر آباد گئے ہیں وہ آجائیں تو شغل تصویر تمام ہو کر آپکے پہنچ جائے۔ خط ازراہ احتیاط بیرنگ بھیجا ہے قطعہ

خجستہ جشن دبستان نشینی بیگم بفیض ہمت نواب دین واقبالش
چنانچہ خانہ با آموزیست خوش باشد اگر خجستہ بہار ادب بود سالش

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان عالیشان والا دودمان زاد مجدکم۔ سلام مسنون اسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ ان ایام میمنت فرجام میں جو ازروئے اخبار بمبئی آپ کی افزائش عزوجاہ کے حالات معلوم ہوئے متواتر شکر الٰہی بجالایا اور اس ترقی کو اپنی دعا کا نتیجہ جان کر اور زیادہ خوش ہوا خصوصاً عدالت العالیہ میں فتح پانا اور حق حقیقی کا ظہور میں آنا کیا کہوں کیا مسرت و شادمانی کا موجب اور کسطرح کی نشاط و انبساط کا سبب ہوا ہے۔ حق تعالیٰ یہ فتح مبارک و ہمایوں کرے۔ قطعہ

فتح سید غلام باباخان — خود نشان دوام اقبال ست
ہم ازیں رو بود کہ غالب گفت — کہ ظفر نامۂ ابد سال ست

بہار باغ جاہ و جلال جاوداں باد۔ اسد اللہ خان غالب۔ فقط۔

ایضاً۔ جناب نواب صاحب! میں آپکے اخلاق کا شاکر اور آپکی یاد آوری کا ممنون اور آپکے دوام دولت کا دعاگو ہوں۔ اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری میں مقرر آپ تک پہنچتا اور آپکے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا۔ آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہیں خدا آپکو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے خط کے دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے اگر میری اوقات شبا روزی اور میرے حالات آپ دیکھیں تو تعجب کرینگے کہ یہ شخص جیتا کیونکر ہے صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہنا اور پھر دمبدم پیشاب کو اٹھنا ان مجموع مصائب میں سے ایک ادنیٰ مصیبت یہ ہے کہ ۱۲۸۲ھ شروع ہوا ۱۲۱۲ھ کی ولادت ہے اب کے رجب کے مہینے سے سترواں سال شروع ہوگا سترا بہترا بہرہ بوڑھا اپاہج آدمی ہوں جو عنایت تم میرے حال پر رحم فرماتے ہو صرف تمہاری خوبی ہے میں کسی لائق نہیں۔ نجات کا طالب غالب۔ چہارشنبہ ۳۱ مئی ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ بجناب نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون الاسلام و دعائے دوام دولت و اقبال کہ ہمیشہ ورد زبان ہے گھڑی کے عطیہ کا شکر ہر گھڑی اور ہر ساعت بجالاتا ہوں پہلے تو آپ دوست اور پھر امیر اور پھر سید نظران تین امور پر اس ارمغاں کو میں نے بہت عزیز سمجھا اور اپنے سر آنکھوں پر رکھا خدائے عالم آرائے آپکو سلامت رکھے اور ہر گھڑی آپکا ممد و مددگار رہے۔ ظاہرا بوقت روانگی کنجی کا رکھنا سہو ہوگیا۔ خیر یہاں بن جائیگی والسلام بالوف الاحترام۔ خوشنودی احباب کا طالب۔ غالب سہ شنبہ سوم دسمبر ۱۸۶۴ء

ایضاً۔ نواب صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان امیدگاہ درویشان زاد افضالکم آپکا بندہ منت

پذیرِ غالب خونیں صغیر یوں نوا سنج ہوتا ہے کہ عنایت نامہ عزّ ورود لایا اور مژدہ قبول سے میرا رتبہ بڑھایا جو کچھ میرے حق میں ارشاد ہوا ہے اگر اسکو قدردانی کہوں تو لازم آتا ہے کہ اپنے کو ایک طرح کے کمال کا مالک جانتا ہوں البتہ آپنے از راہ حق پسندی سخن کی قدردانی اور میری قدر افزائی کی ہے جو اغلاط فارسی دانانِ ہند کے ذہن میں راسخ ہو گئے تھے ان کو دفع کیا ہے تو کیا برائی کی ہے بات یہ ہے کہ اوچھی پونجی والے گمنام اپنی شہرت کے لئے مجھ سے لڑتے ہیں۔ واہ واہ اپنے نامور بنانے کو ناحق احمق بگڑتے ہیں عطیہ حضرت بتوسط جناب سیف الحق پہنچا اور میں نے اسکو بے تکلف عطیہ مرتضوی سمجھا۔ علی مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا آپکا دادا اور میرا آقا خدا کا احسان ہے کہ میں احسانمند بھی ہوا تو اپنے خداوند کے پوتے کا۔ آج سے کاپی لکھی جانے لگی اور تصحیح کو میرے پاس آنے لگی چھاپے کے واسطے برسات کا موسم اچھا ہے۔ بس اب اسکے چھپ جانے میں دیر کیا ہے نجات کا طالب ۔ غالب صبح یکشنبہ ۱۷ دسمبر ۱۸۶۰ء

بنام منشی میاں داد خاں المخاطب بہ سیف الحق المتخلص بہ سیاح

سعادت و اقبال نشان منشی میاں داد خاں سیاح میں بہت شرمندہ ہوں کہ انکے خطوط کا جواب نہیں لکھا۔ غزلوں کے مسودے گم ہو گئے اس شرمندگی سے پاسخ نگار نہ ہوا اب یہ سطریں جو لکھتا ہوں اس خط کے جواب میں ہیں جو بنارس سے آیا ہے بھائی بنارس خوب شہر ہے اور میرے پسند ہے ایک مثنوی میں نے اسکی تعریف میں لکھی ہے اور چراغِ دیر اسکا نام رکھا ہے وہ فارسی دیوان میں موجود ہے اسکو دیکھنا! اشرف حسین خاں صاحب میرے دوست ہیں فتنہ و فساد کے زمانے سے بہت پہلے انکا خط اور کچھ انکا کلام میرے پاس آیا ہے تم انکو میرا سلام کہنا اور میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ جس طرح تم نے لکھنؤ سے بنارس تک کے سفر کی سرگذشت لکھی ہے اسیطرح آئندہ بھی لکھتے رہو گے میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں ؎

گریہ دل نہ خلد ہرچہ در نظر گذرد
خوشا روانیٔ عمرے کہ در سفر گذرد

خیر اگر سیر و سیاحت میسّر نہیں نہ سہی ذکر العیش نصف العیش پر قناعت کی۔ میاں داد خاں سیّاح کی سرگذشت سیر و سفر ہی سہی غزل تمہاری بھیجے دیتا ہوں اسکے دیکھنے کی بھی فرصت نہیں ہے جیسا تمنے وعدہ کیا ہے جب اور غزلیں بھیجو گے انکے ساتھ ہی اس کو بھی دیکھ

تو لکا بلکہ احتیاط مقتضی اس کا ہے۔ کہ ان غزلوں کے ساتھ اس غزل کو بھی لکھ بھیجنا۔ ناتوانی زور پر ہے بڑھاپے نے نکما کر دیا ہے ضعف۔ سستی۔ کاہلی۔ گرانجانی۔ رکاب میں پاؤں ہے۔ باگ پر ہاتھ ہے بڑا سفر دور دراز درپیش ہے۔ زادراہ موجود نہیں۔ خالی ہاتھ جاتا ہوں۔ اگر ناپرسیدہ بخش دیا تو خیر۔ اگر بازپرس ہوئی۔ تو سقر مقر ہے۔ اور ہاویہ زاویہ۔ دوزخ جاوید ہے۔ اور ہم ہیں۔ ہائے۔ کسی کا کیا اچھا شعر ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائینگے　　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

اللہ اللہ اللہ۔ نجات کا طالب غالب۔ صبح دو شنبہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ صاحب یہ سر پیٹنے کی جا ہے کہ تمہارا کوئی خط ڈاک میں ضائع نہیں ہوتا اور میرا کوئی خط تم کو نہیں پہنچتا ہے سنو چھوٹے صاحب کا خط آیا۔ اس میں قطعہ کا شکریہ اور اجزائے کتاب کے بھیجنے کی تاکید تھی۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا ہے۔ کہ اس کتاب کا چھاپہ یہاں ہی شروع ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بعد انطباع ایک جلد آپ کے واسطے اور ایک جلد میاں دادخان کے واسطے بسبیل ڈاک پارسل بھیجوں گا۔ اب تم نواب صاحب سے میرا سلام کہو۔ اور یہ اپنے نام کا خط اُن کو پڑھا دو۔ اور ایک بیسیہ تم کو دیتا ہوں۔ نواب صاحب کا جو خط طلب کتاب کے باب میں آیا تھا۔ اس میں مندرج تھا۔ کہ اب میں سورت کو جاتا ہوں۔ تم اجزائے کتاب کا پارسل اس پتہ سے سورت بھیجنا بھائی میں نے اسی پتہ سے خط بھیجا تھا۔ نہ پہنچے تو میرا کیا گناہ بیرنگ خط گاہ گاہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں: تاکہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی ہے۔ فقط صبح دو شنبہ ۱۴ ربیع الثانی۔ مطابق ۱۷ ستمبر سال حال غالب۔

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں دادخاں سلمکم اللہ تعالیٰ! فقیر کی طرف دعا سلام قبول کریں۔ چھوٹے صاحب کی تصویر کی رسید میں بھائی محمد حسین خان سے کہا گیا تھا۔ کہ تم تصویر کے پہنچنے کی اطلاع دے دینا۔ سو اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے اطلاع دی ہے۔ حال تصویر کا یہ کہ میں نے اُسے سر پہ رکھا۔ آنکھوں سے لگایا گویا چھوٹے صاحب کو دیکھا لیکن اس کا سبب نہ معلوم ہوا۔ کہ نواب صاحب نے ہم سے بات نہ کی۔ خیر دیدار تو میسر ہوا گفتار بھی اگر خدا چاہیگا۔ تو سن لیں گے۔ دیکھو منشی صاحب آئینہ کی تصویر کی صنعت کو سب پسند کرتے ہیں مگر فقیر اس کا معتقد نہیں۔ اب دیکھو حضرت کی تصویر میں کہنیوں تک ہاتھ کی تصویر ہے آگے پہنچے اور پنجے کا پتہ نہیں۔ مکالمہ ایک طرف مصافحہ کی بھی حسرت رہ گئی۔ اسوقت

جداگانہ خط لکھنے کی فرصت نہیں۔ نواب صاحب سے میرا بہت بہت سلام اور اشتیاق کہنا۔ بلکہ یہ خط اُن کو ضرور دینا کہ وہ پڑھ لیں میں سادات کا نیازمند اور علیؑ کا غلام ہوں۔ ع
بندۂ شاہ شمائیم و ثناخوان شما ۔ نجات کا طالب ۔ غالبؔ ۱۷۔ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ ہجری

ایضاً۔ برخوردار کامگار سعادت نشان منشی میاں دادخاں سیّاح طولعمرہٗ۔ درویش گوشہ نشین غالبؔ حزیں کی دعائے درویشانہ سے کامیاب و بہرہ مند ہوں۔ لکھنؤ کی ویرانی پر دل جلتا ہے مگر تم کو یاد رہے کہ وہاں بعد اس فساد کے کون ہوگا۔ یعنی راہیں وسیع ہو جائینگی۔ بازار اچھے نکل آئینگے جو دیکھے گا وہ داد دیگا۔ اودھ کی کے فساد کے بعد کون نہیں ہے۔ یہاں فساد در فساد چلا جائے گا۔ شہر کی صورت سوائے اس بازار کے جو قلعہ کے لاہوری دروازہ سے شہر کے لاہوری دروازہ تک ہے۔ سراسر بگڑ گئی اور بگڑ جاتی ہے دیوان کا چھپنا کیسا؟ وہ شخص ناآشنا موسوم بہ عظیم الدین جس نے مجھ سے دیوان منگا بھیجا آدمی نہیں بھوت ہے پلید ہے غول ہے قصّہ مختصر سخت نامعقول ہے مجھ کو اُس کے طور پر انطباع دیوان نامطبوع ہے اب میں اُس سے دیوان مانگ رہا ہوں۔ اور وہ نہیں دیتا۔ خدا کرے ہاتھ آجائے۔ تم بھی دعا مانگو۔ زیادہ کیا لکھوں۔

دوشنبہ ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۰ء۔ غالبؔ

ایضاً۔ صاحب مہربانی نامہ کو گویائی الفاظ اُس کے سراسر نواب میر غلام بابا خان صاحب کی زبانی تھے پہنچا۔ جواب لکھتا ہوں۔ اور پرسش کا شکریہ بجالاتا ہوں۔ ایک قرن زیادہ برس) سے فردوس مکان نواب یوسف علی خان والی رامپور اپنے اشعار میرے پاس بھیجتے تھے اور سو روپیہ مہینہ ماہ بماہ بسبیل ہنڈوی بھجواتے تھے اس مغفور کی اندازہ دانی دیکھئے کہ مجھ سے کبھی اُس روپیہ کی رسید نہیں لی۔ اپنے خط میں ہنڈوی بھیجا کرتے میں خط کا جواب لکھ بھیجتا اس ماہانہ کے علاوہ کبھی دو سو کبھی ڈھائی سو بھیجتے رہتے۔ فتنہ و فساد کے دنوں میں قلعہ کی آمد مفقود۔ انگریزی پنشن مسدود یہ بزرگوار وجہ مقرری ماہ بماہ اور فتوح گاہ گاہ بھیجتا رہا۔ تب میری اور میرے متوسلوں کی زیست ہوئی رئیس حال کو خدا یہ دولت و اقبال ابداً سرمداً سلامت رکھے۔ وجہ مقرری کی ہنڈوی ہر مہینے بحسب دستور قدیم اپنے خط میں بھیجے جاتا ہے فتوح کی رسم دیکھئے جاری رہتی ہے۔ یا نہیں۔ میرے پاس روپیہ کہاں جو قاطع برہان کو دوبارہ چھپواؤں پہلے بھی نواب مغفور نے دو سو روپے بھیجے تھے۔ تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپوایا گیا تھا۔ اب بھی وعدہ کیا تھا۔ کہ اپریل کی وجہ مقرری کے ساتھ دو سو بھیجیں گے۔ وہ آخر اپریل سنہ ۱۸۶۵ء حال میں مر گئے۔ اپریل کا روپیہ رئیس حال سے

ملنے پایا بصرف کتاب کا روپیہ نہ آیا۔ یا دِدلاؤں گا مگر اُس مرحوم وعلا سر رشتہ دفتر سے نہ تھا جو از روئے دفتر اسکی تصدیق ہو۔ بہرحال فکر میں ہوں۔ اگر اسباب نے مساعدت کی فہوالمراد ورنہ ع آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست۔ منشی صاحب! اس خط کو ضروری جان کر بیرنگ بھیجتا ہوں۔

نجات کا طالب غالب۔ ۳۰ جولائی ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ منشی صاحب شفیق بدل مہربان عزیز تر از جان سیف الحق میاں داد خاں کو فقیر غالب علیشاہ کی دعا پہنچے۔ پرسوں نواب صاحب کا خط اور کل تمہارا خط آیا۔ صاحب ٹوپیوں کی حقیقت یہ ہے۔ کہ تم نے لطائف غیبی کی ۵ جلدیں سات روپے آٹھ آنے دام بھیجکر منگوائیں پھر دو روپے کے ٹکٹ بھیجکر ٹوپیاں منگوائیں بیٹے تمہارے بھیجے ہوئے روپیوں کی ٹوپیاں خرید کر تم کو بھیجدیں چاہئے تم بھیجو چاہو چھوٹے صاحب کی نذر کر دو۔ میں نے جو سیف الحق خطاب دیا ہے۔ اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے تعلق کی تلوار تمہارے ہاتھ سے چلتی رہیگی۔ لطائف غیبی نے اعدا کی دھجیاں اُڑا دیں۔ ایک نئی بات سُنو۔ محمد مرزا خاں میرے سیبی بھائی کا نواسہ ہے۔ اُس نے ایک اخبار نکالا ہے مسمّیٰ بہ اشرف الاخبار۔ اس کا ایک لفافہ تم کو بھیجتا ہوں۔ اس کو پڑھکر معلوم کر لوگے۔ کہ تمہارا ایک اعتراض قتیل کے کلام پر چھاپا گیا ہے اس ارسال و اعلام سے صرف اطلاع منظور ہے۔ ہاں ایک بات یہ بھی ہے۔ کہ چھوٹے صاحب کی بھی نظر سے گذر جائے۔ اور اس سرکار میں یہ اخبار خرید کیا جاوے۔ اور تم کو اُن کی طرف سے حکم خریداری ابتداء جنوری ۱۸۶۷ء سے بنام محمد مرزا خاں لکھو۔ اور وہ خط اس پتہ سے دلّی روانہ کرو۔ جو اُن کے اخبار کے آخر میں لکھا ہے حیران ہوں کہ چھوٹے صاحب کے خط کا کیا جواب لکھوں۔ انہوں نے مجھے شرمندہ کیا اپنے کو چھوٹا اور مجھ کو بزرگ لکھا۔ سید تو سب مسلمانوں کے بزرگ ہوتے ہیں تو مسلمانوں میں بھی ایک ذلیل۔ علیل۔ فقیر۔ حقیر آدمی ہوں۔ یہ اُن کی بزرگی ان کی خوبی اُن کی مہربانی ہے۔ حق تعالیٰ اُن کو سلامت رکھے۔ اور ان مقدمات میں من کل الوجوہ اُن کو فتح و ظفر نصیب ہو۔ میرا سلام کہنا اور یہ عبارت پڑھا دینا۔ ہاں صاحب برادر سبحان برادر میرزا معین الدین حسین خاں بہادر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ بھائی میرا جی دیکھنے کو بہت چاہتا ہے پہلے برخوردار شہاب الدین خاں سے پوچھو وہ اجازت دے تو فوراً ریل پیل کرتے چلے آؤ۔ فقط

دیدار کا طالب غالب۔ سہ شنبہ ۷ شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ صاحب کل آپ کا خط آیا۔ میرا دھیان لگا ہوا تھا کہ آیا میاں سیّاح کہاں ہیں اور مجھ کو کیوں

بھول گئے ہیں۔ پہلا خط تمہارا جس کا حوالہ اس خط میں دیتے ہو میں نے نہیں پایا۔ ورنہ کیا امکان تھا۔ کہ جواب نہ لکھتا جناب منشی امیر علی صاحب سے مجھ سے ملاقات نہیں لیکن ان کے محامد و مکارم سنتا ہوں جناب مولوی اظہار حسین صاحب سے البتہ اسی شہر میں دو ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ لیکن میں نے ان کو فقیر دوست اور درویش نواز نہ پایا۔ اغنیا کے واسطے اچھے ہیں۔ ہائے مولوی محمد محسن اور مولوی عبد الکریم اس عہد میں اگر ان بزرگوں میں سے ایک ہوتا تو میں کیوں اپنی قسمت کو روتا وقت گذر جاتا ہے بات رہ جاتی ہے ہاں خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہنچے ہو۔ اور سب صاحبوں سے ملے ہو۔ تو مولوی... فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو۔ کہ اُس نے رہائی کیوں نہ پائی اور وہاں جزیرہ میں اُس کا کیا حال ہے۔ گذارا کس طرح ہوتا ہے۔ غالبؔ جمعہ ۴ ماہ اکتوبر ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ آیئے بیٹھئے مولانا سیاح! اسلام وعلیکم۔ مزاج مبارک۔ سورت کا پہنچنا بہر صورت مبارک ہو بھائی میرا دل بہت خوش ہوا۔ کہ تم اپنے وطن پہنچے لیکن تم کو چین کہاں خدا جانے کے دن بستے یا کے مہینے ٹھہرو گے۔ اور پھر سیاحت کو نکلو گے۔ جی میں کہو گے آؤ اب دکن کی سیر کریں۔ حیدر آباد۔ اورنگ آباد دو تو شہر اچھے ہیں۔ اُن کو دیکھیں میرزا معین الدین حسین خاں اور میرزا محمد حسین خاں یہ دو تو بیٹے ہیں۔ نواب قدرت اللہ بیگ خاں کے۔ اور قدرت اللہ بیگ خاں ابن عم تھے۔ نواب احمد بخش خاں کے اور معین حسین خاں کی بہن منسوب ہے بھائی ضیاء الدین خاں سے۔ یہاں کوئی امر نیا نہیں واقع ہوا وہی حالات و اطوار ہیں جو دیکھ گئے ہو۔ مسجد جامع کے باب میں کچھ پرسشیں لاہور سے آئی تھیں یہاں سے اُن کے جواب گئے ہیں۔ یقین ہے کہ واگذار کا حکم آ جائے اور مسلمانوں کو مل جائے۔ ہنوز بدستور پہرہ بیٹھا ہوا ہے اور کوئی جانے نہیں پاتا۔ والسلام مع الاکرام۔ صبح شنبہ ۲ ذیقعدہ و مئی سنہ غالبؔ ؎

ایضاً۔ نور چشم اقبال نشان سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو غالبؔ نیمجان کی دعا پہنچے واقعی تمہارے دو خط آئے ہیں میں آگے لیٹے لیٹے کچھ لکھتا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں رعشہ آنکھوں میں ضعف بصر۔ کوئی متصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آ جاتا ہے۔ تو اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں۔ بھائی میں تو کوئی دن کا مہمان ہوں۔ اور اخبار والے میرا کیا حال جانیں۔ ہاں اکمل الاخبار اور اشرف الاخبار والے کہ یہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور مجھ سے ملتے رہتے ہیں۔ سو اُن کے اخبار میں میں نے اپنا مفصل حال چھپوا دیا ہے۔ اور اس میں میں نے عذر چاہا خطوں کے جواب اور اشعار کی اصلاح سے اُس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور اشعار

واسطے اصلاحوں کے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔ بوڑھا۔ اپاہج پورا بہرہ۔ آدھا اندھا دن رات پڑا رہتا ہوں حاجتی پلنگ کے تلے دھری رہتی ہے۔ تشت چوکی پلنگ کے پاس لگا رہتا ہے سو تشت چوکی پر تیسرے چوتھے دن اتفاق جانے کا ہوتا ہے اور حاجتی کی حاجت بسبب سرعت بول کے گھنٹہ بھر میں پانچ چھ بار ہوتی ہے۔ تصویر کھینچنے والا جو ہندوستانی ایک دوست تھا۔ وہ شہر چلا گیا۔ ایک انگریز ہے وہ کھینچتا ہے مجھ میں اتنا دم کہاں کہ کوٹھے پر سے اتروں۔ پالکی میں بیٹھوں اور اس کے گھر جاؤں اور گھنٹہ دو گھنٹہ کرسی پر بیٹھوں اور تصویر کھنچوا کر جیتا جاگتا اپنے گھر پھر آؤں۔ اب تم ازراہ مہربانی میر ابراہیم علیخان بہادر اور حکیم سید احمد حسن صاحب اور جب بمبئی سے آجائیں تو نواب غلام بابا خان کو یہ خط پڑھوا دینا تمہارے ہاں لڑکے کا پیدا ہونا اور اس کا مرجانا معلوم ہوکر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ بھائی اس داغ کی حقیقت مجھ سے پوچھو کہ ۷۴ برس کی عمر میں سات بچے پیدا ہوئے لڑکے اور لڑکیاں بھی اور کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی۔ تم ابھی جوان ہو۔ حق تعالیٰ تمہیں صبر اور نعم البدل دے۔ والسلام۔

۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۷ء غالب

ایضاً۔ خان صاحب سعادت و اقبال نشان میاں داد خاں سیاح کو فقیر گوشہ نشین کا سلام پہنچے۔ تمہارا کوئی خط سوائے اس خط کے جس کا جواب لکھتا ہوں۔ ہرگز نہیں پہنچا بہت دن سے مجھ کو خیال تھا۔ کہ مولانا سیاح نے مجھ کو یاد نہیں کیا کل ناگاہ تمہارا خط پہنچا آج اس کا جواب لکھتا ہوں۔ قبر میں تو کھونے کا نہیں جو اس قدر عذر چاہتے ہو۔ کھو دینے میں کیا تکلیف اور کیا زحمت میں احباب کا خادم ہوں۔ میر غلام بابا خان سے میرا سلام کہئے۔ اور وہ نگین مع نقشہ بے تکلف بھیج دیجئے۔ آپ کے حکم کی تعمیل اور اس نگین کی درستی ہو جاویگی۔ خاطر عاطر جمع رہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ اجی سیاح صاحب ہمارا دھیان تم میں لگا رہتا ہے۔ کبھی کبھی خط لکھتے رہا کرو۔ میں ایسا گمان کرتا ہوں۔ کہ اگر میر غلام بابا خان صاحب کو مہر کھدوانی نہ ہوتی اور وہ تم سے نہ کہتے تو تم ہرگز مجھ کو خط نہ لکھتے۔ یہ خط تمہارا گویا میر غلام بابا خان کے حسب الحکم تھا۔ جی میں آیا تھا۔ کہ انہیں کو اس کا جواب لکھوں اور اُن کے نام کا خط بھیجوں۔ مگر پھر سوچا۔ کہ تم آزردہ ہو جاؤ گے تمہیں کو خط لکھا۔ بھائی یہ طریقہ فراموش کاری اچھا نہیں گاہ گاہ خط لکھا کرو۔ والسلام۔ نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ یکم مارچ سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب یہ کیا اتفاق ہے۔ کہ میری بات کوئی نہیں سمجھتا سے

کس زبانِ مرا نمی فہمد　　به عزیزاں چه التماس کنم

یاد کرو اصل مقدمہ یہ تھا کہ میں قاطع بُرہان کو دوبارہ چھپوایا چاہتا ہوں۔ نواب صاحب مدد دیں۔ یعنی سو سو جلدیں خرید لیں۔ حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی۔ بھلا یہ میرے کس کام کی چار دن سوچا کیا کہ پھیر دوں پھر سوچا کہ بُرا مانیں گے۔ آخر کو گھڑی رکھ لی۔ اور یہ خیال کیا۔ کہ کتاب کے انطباع کے بعد سو ڈیڑھ سو جلدیں بھیجدوں گا۔ اِس خط کے ساتھ نواب صاحب کے نام کا خط گھڑی کی رسید کا پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی تم کو معلوم رہے کہ گھڑی کی کنجی نہیں آئی۔ ظاہرا سہو سے وہیں رہ گئی ہوگی۔ ہاں صاحب تیس جلدیں لطائف غیبی کی دو پارسلوں میں آگئے بھیجی ہیں جسکی قیمت دس روپے مجھ کو پہنچی فی الحال ایک جلد اور اپنی طرف سے بھیجی ہے رسید جلد لکھو۔ غالب ۳ دسمبر ۱۸۶۴ء

ایضاً سعادت و اقبال نشان سیف الحق منشی میاں داد خاں سیّاح کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ خط میں آپ نے بہت سے مطالب لکھے مگر تیس کتابوں کی دو پارسلوں کی رسید نہیں لکھی۔ یہ ایک پارسل جو بعد دو پارسلوں کے بھیجا گیا ہے۔ اس میں وہی لطائف غیبی ہے۔ جس کو میں نے اپنے مطالعہ میں رکھ کر صحیح کیا ہے۔ اس کے بھیجنے سے یہ مدعا ہے۔ کہ تم اُن تیس رسالوں کو۔ اس کے مطابق صحیح کرلو۔ اگر چھوٹے صاحب نے رکھ لیا ہے تو اُن سے مستعار لیکر اپنی سب کتابیں صحیح کرلو اور وہ نسخہ اُن کے مذکرہ دو صاحب میں نے صرف اپنے صرف سے لطائف غیبی کی جلدیں نہیں چھپوائیں مالک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپی ہیں۔ بیس میں نے مول لیں۔ تیس تمکو دلوا دیں بیس بھائی ضیاء الدین نے لیں دس مصطفےٰ خاں صاحب نے لیں باقی کا حال مجھے نہیں معلوم دیکھو سیف الحق شیخ سعدی کا قول کیا سچا ہے ؎

اگر دنیا نباشد دردمندم	وگر باشد بمہرش پائے بندم
بلائے زیں جہاں آشوب تر نیست	کہ رنج خاطرست ار ہست ور نیست

جہاں دولت نہیں وہاں مصیبت ہے جہاں دولت ہے وہاں خصومت ہے۔ میں تو میر غلام بابا خان کا دوست ہوں۔ ان کی دعا مانگتا ہوں۔ آپ اتنی مہربانی کریں کہ یہ حالات جو واقع ہوا کریں وہ مجھ کو لکھا کریں۔ غربیلہ کی ہندی نخرہ ہے فارسی میں غربیلہ بولتے ہیں۔

نجات کا طالب غالب۔ پنجم شعبان سنہ ۱۲۸۱ھ

ایضاً۔ بھائی سیف الحق تمہارا خط پہنچا۔ قاضی صاحب کو بدوہ کو معاف رکھو۔ اگر کوئی وجہ اپنے پران کے عتاب کی پاتا تو ان سے عذر کرتا اور اپنا گناہ معاف کرواتا۔ جب سبب ملال کا ظاہر نہیں۔ تو میں کیا کروں۔ تم بُرا نہ مانو کس واسطے کہ اگر میں بُرا ہوں۔ تو اُس نے سچ کہا۔ اور اگر میں اچھا ہوں اور اُس نے بُرا کہا تو اس کو خدا کے حوالے کرو ؎

غالبؔ بُرا نہ مان جو دشمن بُرا کہیں ... ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

صاحب! اس بڑھاپے میں تصویر کے پرچے میں کہاں کھیچا کھیچا پھروں۔ گوشہ نشین آدمی۔ عکس کی تصویر اُتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں۔ دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں کھچی ہوئی ہے اگر ہاتھ آجاویگی تو وہ ورق بھیجدوں گا۔ اجی وہ تو میں نے نواب صاحب کو ہنسی سے ایک بات لکھی تھی دوستانہ اختلاط تھا۔ کہ بمبئی میں بہرا ہوں گا تاکیا سنوں گا۔ بوڑھا ہوں ناچ کیا دیکھوں غذا ماشہ آٹا کھانا کیا کھاؤں۔ بمبئی۔ سورت میں انگریزی شرابیں ہوتی ہیں۔ اگر وہاں آنا اور شریک محفل ہوتا تو پی لیتا۔ نجات کا طالب غالبؔ ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ صاحب تمہارے خط پہنچنے سے کمال خوشی ہوئی۔ ٹوپیاں اگرچہ تمہارے سر پر ٹھیک نہ آئیں لیکن ضائع نہ گئیں میرے شفیق اور تمہارے مربی کے صرف میں آئیں۔ تم کو اور ٹوپیاں بھیجوں کا مقدور سے سخت عاجز ہوں۔ وعدہ ہی وعدہ ہے وفا کا نام نہیں۔ کلیات میر تقی کا انتخاب تمہارے خط کے پہنچنے سے دو دن پہلے میر فخرالدین نے ارسال کر دیا۔ ٹکٹ اُن کے حوالے کر دیئے۔ حضرت بہتان لگانے کی خو کس سے سیکھے ہو۔ میرے پاس کوئی غزل تمہاری نہیں ہے۔ نواب صاحب کو سلام کہنا اور میری زبانی کہنا کہ ٹوپیوں کو میرا ارمغان سمجھنا۔ سیف الحق کی قدر تصور نہ کرنا۔ نجات کا طالب غالبؔ ۲۵ جنوری ۱۸۶۸ء

ایضاً اقبال نشان سیف الحق کو دعا پہنچے۔ پانچ اشتہار اخبار کی خریداری کے اور تین اشتہار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچتے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کرا دیجئے اور اطراف و جوانب دور و نزدیک بھیجئے۔ جو صاحب کتاب اور اخبار دونوں کے خریدار ہوں وہ دونوں کی خریداری کی اطلاع کا خط میر فخرالدین مہتمم اکمل المطابع کے نام لکھیں اور وہ خط میرے پاس بھیج دیں۔ جو صاحب فقط اخبار کے خریدار ہوں وہ اُس کے خریدنے کی اطلاع کا خط۔ جو صاحب فقط کتاب کے خریدار ہوں وہ اس کی اطلاع کا خط لکھیں۔ غالبؔ ۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء

ایضاً مولانا سیف الحق اب تو کوئی خط تمہارا نوٹ اور ہنڈوی اور ٹکٹ سے خالی نہیں ہوتا۔ بھلا یہ تو فرمایئے کہ یہ ڈھائی روپے کس بابت کے اور کس جنس کی قیمت کے ہیں اگلے پانچ روپے پر میں بے مزہ ہوا تھا۔ یہ ڈھائی اور طرہ ہوئے۔ بہرحال ان کا حال لکھو کہ کیسے ہیں۔ اور کاہے کے ہیں اس رقعہ کا جواب جلد لکھو۔ ٹوپیاں بعد عید بھیجی جائینگی۔ عنایت کا طالب غالبؔ ۲۳ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان کو فقیر اسد اللہ کا سلام

سہ شنبہ ۲۰ فروری صبح کے وقت چھ پارسل ۲۷ مہر فش کا دیباتی کے نواب میر غلام بابا خان صاحب کی خدمت میں ارسال کئے کل ہی شام کے وقت آپ کا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ خیر اب اور نہ بھیجوں گا۔ صاحب یہ تم نے پانچ روپے کے ٹکٹ کیوں بھیجے ہیں نہ کتاب فروش نہ دلال یہ حرکت مجھے پسند نہ آئی۔ اور تم نے بُرا کیا۔ حضرت ۱۶ جلدیں لطائف غیبی کی بھیجکر اس کے پانچ سات دن کے بعد میں نامۂ غالب کا پارسل ارسال کیا ہے۔ لطائف کی رسید تم نے بھیجدی یقین ہے کہ نامۂ غالب کا پارسل بھی پہنچ جائے گا۔ گھبراؤ نہیں نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام اور اشتیاق ملاقات عرض کرنا۔

نجات کا طالب غالب ۲۱ فروری سنہ ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب وہی جہان وہی زمین وہی آسمان وہی سورت وہی دلّی وہی نواب میر غلام بابا خان وہی سیف الحق سیّاح وہی غالب نیمجان انگریزی ڈاک جاری ہرکاروں کو ریل کی سواری ربیع الاوّل میں تمہارا خط آیا ربیع الثانی جمادی الاوّل جمادی الثانی۔ رجب آج شعبان کی ۲۶ ہے۔ صبح کے وقت یہ خط لکھ رہا ہوں ۸ بج گئے ہیں اسوقت تک نہ کوئی تمہارا خط آیا۔ نہ کوئی نواب صاحب کا عنایت نامہ۔ واسطے خدا کے میرے اس خط کا جواب جلد لکھو۔ اور اس خط میں ترک نامہ و پیام کا سبب لکھو۔ آج ہی کے دن ایک پارسل چھ ٹوپیوں کا ارسال کرتا ہوں خدا کرے پارسل پہنچ جائے۔ اور ٹوپیاں تمہارے پسند آئیں۔ نواب صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچانا۔ اور عتاب کی وجہ سے دریافت کرکے لکھنا نجات کا طالب غالب ۳ جنوری ۱۸۶۷ء خط بیرنگ ہے اور پارسل پیڈ

ایضاً۔ برخوردار تمہارا خط پہنچا لکھنؤ کا کیا کہنا ہے۔ وہ ہندوستان کا بغداد تھا۔ اللہ اللہ وہ سرکار امیر تھی جو بے سروپا وہاں پہنچا امیر بن گیا۔ اس باغ کی یہ فصل خزاں۔ میں بہت خوشی سے تم کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ اردو کا دیوان غاصب نا انصاف سے ہاتھ آگیا۔ اور میں نے نورچشم منشی شیو نراین کو بھیجدیا یقین کلّی ہے۔ کہ وہ چھاپینگے۔ جہاں تم ہوگے ایک نسخہ تم کو پہنچ جائیگا۔ طریقہ سعادتمندی یہ ہے کہ ہم کو اپنی خیر و عافیت کا طالب جان کر جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھتے رہو۔ اور اپنے مسکن کا پتہ ہم پہنچا ہر کرتے رہو۔ ہم تم سے راضی ہیں۔ اور چونکہ تمہاری خدمت اچھی طرح نہیں کی شرمندہ بھی ہیں۔

راقم اسد اللہ خان مرقومہ شنبہ۔ روز عید۔ مطابق ۳۰ جون سنہ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں دادخان تم سلامت رہو۔ تمہارے خط کے صفحہ سادہ پر یہ سطریں رقم کرتا ہوں۔ تاکہ تم اپنے خط کے پہنچنے پر اطلاع پاؤ۔ نامۂ غالب صاحب مطبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپے جو میں مول لیکر بھیجوں اور تم سے اسکی قیمت مانگ لوں میں

نے آپ تین سو جلدیں چھپوا کر دور و نزدیک بانٹ دیں۔ آج یکشنبہ ہے پارسل روانہ نہ ہوگا۔ جتنے نسخے اب میرے پاس باقی ہیں۔ کل تمہیں بھیج دونگا۔ ہاں صاحب سو روپیہ کا نوٹ پہنچا اور روپیہ وصول ہوا۔ کاپی آج شروع ہوگئی ہے جس دن نوٹ پہنچا اُس کے دوسرے دن روپیہ مل گیا۔ تیسرے دن میں نے تم کو تمہاری رجسٹری وار خط کا جواب لکھ بھیجا یقین ہے کہ میرا خط پہنچ گیا ہوگا اور تم نے بموجب میری خواہش کے نواب صاحب کو دکھا دیا ہوگا۔ کل حضرت کا بھی ایک خط آیا ہے۔ اس کا جواب بھی آج تمہارے خط کے ساتھ ارسال ہوتا ہے۔ بندہ پرور! سچ کہتے ہو۔ رحیم بیگ کا وطن اصلی سردھنہ اور فی الحال میرٹھ میں مقیم اور معلمی اس کا پیشہ ہے اور آٹھ دس برس سے اندھا۔ نظم و نثر میں مولوی امام بخش صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔

راقم غالب علیشاہ۔ یکشنبہ۔ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ صاحب آج تمہارے کئی خطوں کا جواب لکھتا ہوں۔ مولوی کرامت علی صاحب میرے شفیق ہیں۔ جس زمانہ میں وہ دلّی آئے تھے۔ میری اُن کی ملاقاتیں ہوئی تھیں وہ میرے دوست ہیں شاگرد نہیں اور ہرگز قصیدہ اُنہوں نے میری مدح میں نہیں لکھا۔ آغا عبدالرزاق شیرازی نے گویا میری خستگی اور تہمت زدگی کا انتقام لیا۔ بہرحال میں تمہارا احسانمند ہوں۔ اگر تم وہاں نہ ہوتے تو میری اور میر منشی کی صفائی نہ ہوتی۔ اِن دنوں ضعف دماغ و دوران سر میں ایسا مبتلا ہوں۔ کہ والی رامپور کا بھی بہت سا کلام یوں ہی دھرا ہُوا ہے دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی تمہاری بھیجی ہوئی غزلیں سب محفوظ دھری ہوئی ہیں۔ خاطر جمع رکھو۔ جب نواب صاحب کی غزلیں دیکھوں گا۔ تو یہ بھی دیکھی جائینگی۔ جب حال یہ ہو۔ کہ اصلاح نہ دے سکوں تو فکر تاریخ کیا کروں۔ اگر میرا حال درست ہوتا تو جناب مولوی عبدالغفور خان صاحب نساخ کے دیوان کی تاریخ ضرور لکھتا۔ اگر اس خدمت گذاری کو اپنی سعادت سمجھتا۔ آپ جناب مولوی صاحب سے میرا سلام کہیں۔ اور یہ میرا رقعہ ان کو دکھادیں ٭

نجات کا طالب غالب۔ چہارشنبہ۔ ۲۰ نومبر ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ جناب منشی صاحب آپ کا خط مُہری لفٹنٹ گورنر آگرہ کہ وہ میرا بھیجا ہُوا تھا پہنچا اس کے بھیجنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ جب گورنمنٹ اعلیٰ نے مجھ کو خط لکھنا موقوف کیا تو لفٹنٹ گورنروں کے اگلے زمانے کے خطوط سے میرا کیا دل خوش ہوگا۔ ایسے ایسے پچاس ساٹھ خط میرے پاس موجود ہیں مجھ کو تو چھ آنے کے ٹکٹیوں کا افسوس ہے جو تم نے بابت محصول دیئے۔

راقم اسداللہ مرقوم ۱۰ فروری ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ صاحب میرا سلام۔ تمہارا خط پہنچا دونوں غزلیں دیکھیں۔ خوش خوش آمد فقیر کا شیوہ نہیں۔ فن شعر میں اگر اس شیوہ کی رعایت کی جاوے تو شاگرد ناقص رہ جاتا ہے یاد کرو کبھی کوئی غزل تمہاری اس طرح کی نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح نہ ہوئی ہو خصوصاً روزمرہ اُردو میں دونوں غزلیں لفظاً اور معنیً بے عیب ہیں۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہیں۔ آفریں صد ہزار آفریں میر غلام بابا خاں صاحب واقعی ایسے ہی ہیں۔ جیسے تم لکھتے ہو۔ سیاحت میں دس ہزار آدمی تمہاری نظر سے گذرا ہوگا۔ اس گروہ کثیر میں جو تم ایک شخص کے مداح ہو تو بیشک وہ شخص ہزاروں میں ایک ہے لاریب فیہ۔ کیا فرمائش کروں اور تم سے منگاؤں وہاں کونسی چیز ہے کہ یہاں نہیں۔ آم مجھ کو بہت مرغوب ہیں۔ انگور سے کم عزیز نہیں لیکن بمبئی اور سورت سے یہاں پہنچنے کی کیا صورت۔ مالدہ کا آم یہاں پیوندی اور ولائتی کرکے مشہور ہے۔ اچھا ہوتا ہے۔ کمال یہ کہ وہاں بہت اچھا ہوگا۔ سورت سے دلی آم بھیجنے محض تکلف ہے روپیہ کے آم اور چار روپیہ محصول ڈاک اور سو میں سے شاید دس پہنچیں میرے سر کی قسم کبھی ایسا ارادہ نہ کرنا۔ یہاں دیسی آم انواع و اقسام کے بہت پاکیزہ اور لذیذ اور خوشبو افراط سے ہیں۔ پیوندی آم بھی بہت ہیں۔ رامپور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر بسبیل ارمغان بھیجتے رہتے ہیں اب تو آج بریلی سے ایک بہنگی ایک دوست کی بھیجی ہوئی آئی۔ دو ٹوکرے ہر ٹوکرے میں سو آم گلودار و فہ نے میرے سامنے وہ ٹوکرے کھولے۔ دو سو میں سے تراسی آم اچھے نکلے اور ایک سو سترہ آم بالکل سڑے ہوئے اوائل ماہ جون ماہ حال میں ایک ہفتہ مینہ برس کر پھر اب وہی آگ برس رہی ہے اور لو چل رہی ہے۔ سہ شنبہ ۱۷ رجون ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ صاحب میں تم سے شرمندہ۔ پہلا خط تمہارا مع قصیدہ پہنچا میں قصیدہ کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا اب دوسرا خط دیکھ کر قصیدہ یاد آیا۔ ہر چند ڈھونڈا نہ پایا۔ بڑی بات یہ ہے کہ استقدر مجھ کو یاد ہے کہ اُسی وقت میں نے ان اشعار کو سراسر دیکھ لیا تھا۔ اشعار سب ہموار تھے۔ تم اندیشہ نہ کرو اور قصیدہ نظر گذرا تو اور مع الخیر وطن کو جاؤ۔ لیکن بھائی وطن پہنچکر ضرور مجھ کو خط لکھنا اور اپنے گھر کا پتہ لکھنا تاکہ میں اس نشان سے تم کو خط بھیجوں۔ نواب میر غلام بابا خاں کو فقیر کی طرف سے سلام کہنا فقط صبح سہ شنبہ ۱۰ ر نومبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان۔ شکوہ تمہارا میرے سر آنکھوں پر۔ مگر کوئی خط تمہارا جواب طلب نہ تھا۔ اشعار کی اصلاح سے میں نے ہاتھ اُٹھایا۔ کیا لکھوں ایک برس سے عوارض فساد خون میں مبتلا ہوں بدن پھوڑوں کی کثرت سے سرو چراغاں ہوگیا ہے۔ طاقت

نے جواب دیا۔ دن رات لیٹا رہتا ہوں۔ کھانا کھاتے وقت پلنگ پر سے اُتر بیٹھتا ہوں۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھو کر پھر پڑ رہتا ہوں۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ آتنے کے پیشاب کیا جاتا ہے بیت الخلا جانا ایک مصیبت ہے۔ لخت جگر کی سہی مگر کئی قدم جانا پھر آنا کیا ایسا آسان ہے ایک کم ستّر برس کی عمر ہوئی۔ اب نجات چاہتا ہوں بہت جیا کہاں تک جیوں گا اب تم دوسرے صفحہ کو پڑھو)

جناب نواب سیّد غلام بابا خاں صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور ولادت فرزند کی مبارکباد دینا اور یہ قطعہ تاریخ نذر کرنا۔ **قطعہ**

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہ چاردہ | برفراز لوح گردوں گردہ تمثال اوست
فرخی بینی و یابی بہر از نازو طرب | از سر ناز و طرب فرزند فرخ سال اوست

۱۲۸۰ نازکے نون کے پچاس اور طرب کی طے کے نو فرزند فرخ پر بڑھائے ہونگے۔[۵]

غالب روز پنجشنبہ ۱۶۔ اگست ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی میاں داد خاں سیّاح سیف الحق سلّمہ اللہ تعالیٰ دعا اور سلام شکریہ اور سپاس تمہارا خط مرقومہ ۳۰ اگست پرسوں بتاریخ ۹ ستمبر ۱۸۶۵ء کو پہنچا۔ کل دسویں ستمبر ماہ حال کو سو روپے منشی جی اُس کے ایک صرّاف سے وصول ہو گئے۔ چھوٹے صاحب نے بڑی جوانمردی اور بڑی ہمت کی اس صرف میں میرا کام ہؤا اور اُن کا نام ہؤا۔ اللہ اللہ اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں۔ کہ نہ میں نے ان کو دیکھا نہ اُنہوں نے مجھ کو دیکھا۔ نہ میرا کوئی حق ان پر ثابت نہ ان کو کوئی خدمت مجھ سے لینی منظور۔ خیر فقیر ہوں۔ جب تک جیوں گا۔ دعا دوں گا۔ تمام عمر ممنون اور شرمندہ رہونگا۔ تمہارا بھی احسان مانوں گا۔ اب دو ایک دن میں کاغذ آجائے تو اس کا انطباع شروع ہو جائے۔ تم میرا نواب صاحب کو میرا سلام کہو اور یہ خط دکھا دو۔ اور عرض کرو۔ کہ آجتک کسی بھائی یا کسی دوست کا ایسے پیسے کا احسان مند نہیں ہوا تھا۔ اب احسان بھی اٹھایا۔ تو اپنے آقا یعنی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند کا۔ وہ جو ایک کتاب کا تم نے ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملّا مکتب دار کا خط ہے۔ رحیم بیگ اس کا نام میرٹھ کا رہنے والا کئی برس سے اندھا ہو گیا ہے باوجود نابینائی کے احمق

---

[۵] اگر مادۂ تاریخ میں کچھ عدد کم ہوں۔ تو کوئی حرف ان عددوں کا ملا دیتے ہیں۔ اور اس با شارۂ لطیف بیان کرتے ہیں۔ اس عمل کو تعمیہ کہتے ہیں ۵

بھی ہے اس کی تحریریں نے دیکھی تم کو بھی بھیجوں گا۔ مگر ایک بڑے منہ کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جن کو لطائفِ غیبی میں رد کر چکے ہو۔ بہرحال اب اس کے جواب کی فکر نہ کرنا والسلام والاکرام۔ نجات کا طالب غالب۔ دوشنبہ ۱۱۔ ستمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ صاحب میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ تم اپنے وطن گئے۔ اور عزیزانِ وطن کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اور مع الخیر والعافیت اپنے محسن و مربی کی خدمت میں پھر آپہنچے۔ نواب صاحب سے میرا بہت سلام کہنا کہ اس خط میں سلام صرف وفورِ اشتیاق سے لکھا ہے محبت نامہ جدا گانہ جلد بھیجوں۔ اجی ہاں میاں سیف الحق اِم یوسے اگر تین سو جلدیں درفشِ کاویانی کی تیار پائیں۔ نواب میر غلام بابا خاں صاحب کے حصّہ برادرانہ کو ڈیڑھ سو جلد کا پشتارہ بنایا۔ اُس پر ٹاٹ لپٹوایا ڈاک گھر بھیجا یا مسترد آیا۔ سرکاری ڈاک والوں نے ہرگز اس کا بھیجنا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والے۔ پمفلٹ پاکٹ والے۔ ریل والے متفق اللفظ اس کے ارسال سے انکار کرتے ہیں۔ تم یہ رقعہ حضرت کو پڑھواؤ اور اس باب میں جو وہ فرمائیں وہ مجھ کو لکھو۔ مدعا یہ ہے۔ کہ کسی طرح یہ پشتارہ وہاں تک پہنچ جائے۔ اس خط کا جواب جسقدر جلد لکھو گے مجھ پر زیادہ احسان کرو گے۔ نجات کا طالب غالب سہ شنبہ۔ ۲۳۔ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً بھائی تم جیتے رہو۔ اور مراتبِ علیا کو پہنچو! لو ایک ہنسی کی بات سنو۔ تمہارا خط منشی کنھیا لال کے نام میرے پاس آیا۔ ہرچند میں نے خیال کیا اس نام کا کوئی آشنا مجھے یاد نہ آیا۔ یہ نادانی انکی کہ مجھ سے کہہ نہ دیا۔ کہ میرے نام کا خط آئے تو میرے پاس بھیجدینا۔ بیخبری میں جو خط آیا میں نہ نام سے واقف نہ مقام سے واقف۔ خط پھیر نہ دوں تو کیا کروں۔ خط کے واپس کرنے کے بعد ایک دن آپ بھائی مرزا محمد حسین خاں کے ساتھ میرے پاس آئے اور تعارفِ قدیم یاد دلایا۔ دیکھنا میاں! کیا خوب بیان ہے فرماتے ہیں کہ میں غدر سے پہلے دو تین بار تیرے پاس حاضر ہوا ہوں" انصاف کرو دو تین ملاقاتیں اور دس گیارہ برس کی بات میں نسیان کا مبتلا ہیر اقصور کیا۔ بہرحال یہ تحریف ہیں اور عمدہ روزگار کہ گئے ہوئے ہیں صاحب میں نے اودھ اخبار میں دیکھا کہ چھوٹے صاحب مقدمہ جیتے اور بمبئی کے صاحبوں میں اُن کی افزائشِ جاہ وجلال و تعظیم و توقیر کمال ہوئی۔ میں تو تہنیت میں خط لکھوں گا۔ مگر رشک آتا ہے کہ بحوالہ اودھ اخبار لکھوں۔ اور بحوالہ سیف الحق نہ لکھوں زیادہ زیادہ

اسد اللہ خاں غالب ۱۳۔ مارچ ۱۸۶۷ء

ایضاً منشی صاحب سعادت و اقبال نشان عزیز تر از جان سیف الحق میاں داد خاں سیاح کو غالب کی دعا پہنچے۔ پرسوں ایک خط تمہارا اور ایک خط چھوٹے صاحب کا پہنچا۔ تمہارے خط میں

پچاس پچاس روپے کے دو نوٹ پہنچے سو روپے وصول ہو گئے۔ آج تم کو اطلاع اور نواب صاحب کو شکریہ لکھ کر بعد ادا کرتا ہوں۔ بھائی تم نے اخبار اطراف و جوانب میں میرا حال دیکھا ہوگا۔ میں اب محض نکما ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے پچاس جگہ سے اشعار واسطے اصلاح کے آئے ہوئے بکس میں دھرے ہیں۔ انماں جملہ تین صاحبوں کے نام لکھتا ہوں۔ میر ابراہیم علی خان صاحب۔ میر عالم علی خان صاحب۔ نواب عباس علی خان رئیس حال رام پور کے حقیقی ماموں۔ غرضیکہ انہیں اوراق میں تمہارے کاغذ بھی دھرے ہوئے ہیں۔ جس دن ذرا افاقت پاؤں گا۔ تو ان سب کو اغذ کو دیکھوں گا۔

۲۳۔ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان سیاح کو غالب ناتوان نیم جان کی دعا پہنچے۔ بھائی میرا حال اسی سے جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹے لیٹے لکھتا تھا۔ اب رعشہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب حال یہ ہے تو کہو صاحب میں اشعار کو اصلاح کیونکر دوں اور پھر اس موسم میں کہ گرمی سے سر کا بھیجا پگلا جاتا ہے۔ دھوپ کے دیکھنے کی تاب نہیں، رات کو صحن میں سوتا ہوں۔ صبح کو دو آدمی ہاتھ میں لیکر دالان میں لے آتے ہیں۔ ایک کوٹھری ہے اندھیری میں ڈال دیتے ہیں۔ تمام دن اس گوشۂ تاریک میں پڑا رہتا ہوں شام کو پھر دو آدمی بدستور لیجا کر پلنگ پر صحن میں ڈال دیتے ہیں۔ تمہاری غزلیں۔ میر ابراہیم علیخان بہادر کی غزلیں۔ میر عالم علیخان کی غزلیں حکیم میر احمد حسن صاحب کی غزلیں اور کیا کہوں کس کس کی غزلیں یہ سب ایک جگہ دھری ہوئی ہیں۔ اگر کوئی دن زندگی اور ہے اور یہ گرمی خیر سے گذر گئی تو سب غزلوں کو دیکھونگا تصویر کا حال یہ ہے۔ کہ ایک مصور صاحب میرے دوست میرے چہرے کی تصویر اُتار کر لیگئے اس کو تین مہینے ہوئے آجتک بدن کا نقشہ کھینچنے کو نہیں آئے۔ میں نے گوارا کیا آئینہ پر نقشہ اُتروا نا بھی۔ ایک دوست اس کام کو کرتے ہیں۔ عید کے دن وہ آئے تھے میں نے اُن سے کہا۔ کہ بھائی میری شبیہ کھینچدو۔ وعدہ کیا تھا۔ کہ کل نہیں تو پرسوں اسباب کھینچنے کا لے کر آؤں گا۔ شوال ذیقعدہ ذوالحجہ۔ محرم یہ پانچواں مہینہ ہے آج تک نہیں آئے۔ آغا غلام حسین خان صاحب کا قطعہ پہنچا اس میں کچھ تو شعر اصلاح طلب بھی تھے۔ اب اصلاح دے کون۔ میں تو اپنی مصیبت میں گرفتار بارے ایک میرا شاگرد رشید منشی ہر گوپال تفتہ بسواری ریل میرے دیکھنے کو آیا تھا اس کو موقعہ محل بتا دیا جو میں کہتا گیا۔ اس طرح وہ بناتا گیا۔ وہ قطعہ کا کاغذ بعد اصلاح کے اکمل المطابع میں بھیجدیا۔ ہفتہ آئندہ میں تم بھی دیکھ لوگے۔ مرگ ناگاہ کا طالب غالب ۱۱ جون ۱۸۶۶ء

بنام مولوی منشی حبیب اللہ خان المتخلص بہ ذکا

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء بھائی میں نہیں جانتا کہ تم کو مجھ سے اتنی ارادت اور مجھ کو تم سے اتنی محبت کیوں ہے ظاہرا معاملہ عالم ارواح ہے۔ اسباب ظاہری کو اس میں دخل نہیں۔ تمہارے خط کا جواب معہ اوراق مسودہ روانہ ہو چکا ہے وقت پر پہنچے گا۔ ستر اَتّر اردو میں ترجمہ پیر خرف ہے میری تہتر برس کی عمر ہے پس میں اخرف ہُوا۔ حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں سامعہ باطل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی حافظہ کی مانند معدوم ہو گیا۔ اب مہینہ بھر سے یہ حال ہے۔ کہ جو دوست آتے ہیں۔ رسمی پرسش مزاج سے بڑھ کر جو بات ہوتی ہے۔ وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں غذا مفقود ہے۔ صبح کو قند اور شیرۂ بادام مقشر۔ دوپہر کو گوشت کا پانی۔ سر شام تلے ہوئے چار کباب۔ سوتے وقت پانچ روپے بھر شراب۔ اور اسی قدر گلاب خرف ہوں۔ پوچ ہوں۔ عاصی ہوں۔ فاسق ہوں۔ رُو سیاہ ہوں۔ یہ شعر میر تقی کا میرے حسب حال ہے ؎

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

آج اسوقت کچھ افاقت تھی۔ ایک اور خط ضروری لکھنا تھا بکس کھولا تو پہلے تمہارا خط نظر پڑا۔ مکرر پڑھنے سے معلوم ہُوا کہ بعض مطالب کے جواب لکھے نہیں گئے۔ ناچار اب کتابت دوگانہ میں لکھتا ہوں: تاکہ خلعت کا حال اور میرے حالات تم کو معلوم ہو جائیں کہ میں قوم کا ترک سلجوقی ہوں دادا میرا ماوراء النہر سے شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔ سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ صرف پچاس گھوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہُوا ایک پرگنہ سیر حاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ میں پایا۔ بعد انتقال اس کے جب طوائف الملوکی کا ہنگامہ گرم ہُوا۔ تو وہ علاقہ نہ رہا۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر لکھنؤ جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا۔ بعد چند روز حیدر آباد جا کر۔ . نواب نظام علی خان کا نوکر ہُوا تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں جاتی رہی۔ والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔ راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہُوا۔ وہاں کسی لڑائی میں مارا گیا۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا اُس نے مجھے پالا ۱۸۰۶ء میں جب جرنیل لیک صاحب کا عمل ہُوا۔ صوبہ داری کمشنری ہو گئی۔ اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہُوا۔ میرے چچا کو جرنیل لیک صاحب نے سواروں کی بھرتی کا

حکم دیا۔ چار سو سوار کا برگیڈیر ہوا۔ ایکہزار سات سو سو پیادات کا اور لاکہ ڈیڑھ لاکہ روپیہ سال کی جاگیر
مین حیات علاوہ سال بھر مرزبانی کے تھی۔ کہ برگ ناگاہ مر گیا۔ رسالہ برطرف ہو گیا۔ ملک کے عوض نقدی
مقرر ہو گئی وہ اب تک پاتا ہوں۔ پانچ برس کا تھا۔ جو باپ مر گیا۔ آٹھ برس کا تھا جو چچا مر گیا ۱۸۳۰ء میں
میں کلکتے گیا۔ نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی دفتر دیکھا گیا۔ میری ریاست کا حال معلوم
کیا گیا۔ ملازمت ہوئی۔ سات پارچے اور جیغہ سرپیچ مالائے مروارید۔ یہ تین رقم کا خلعت ملا۔ زاں بعد
جب دہلی میں دربار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملتا رہا۔ بعد غدر بجرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و خلعت دونو
بند ہو گئے۔ میری بریت کی درخواست گذری تحقیقات ہوتی رہی تین برس کے بعد چشم چھٹا۔ اب خلعت
معمولی ملا۔ غرضیکہ یہ خلعت ریاست کا ہے۔ عوض خدمت نہیں۔ انعامی نہیں۔ معوج الذہن نہیں ہوں
بدگمان نہیں ہوں جو میں کو سمجھ لیا۔ اس میں فرق نہیں آتا۔ دوست سے راز نہیں چھپاتا۔ کسی صاحب
نے حیدرآباد سے گمنام خط ڈاک میں بھیجا۔ بند بری طرح کیا تھا۔ کھولتے میں سطر کٹ گئی۔ بارے مطلب ہاتھ
سے نہیں جاتا۔ بھیجنے والے کی غرض یہ تھی۔ کہ مجھ کو تم سے رنج و ملال ہو۔ قدرت خدا کی میری محبت اور بڑھ
گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو۔ وہ خط بجنسہ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کر کے
بھیجتا ہوں۔ زنہار دستخط پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا۔ مدعا اس خط کے بھیجنے سے یہ ہے۔ کہ تمہاری منصب
اور افزونی مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تھی۔

ایضاً۔ بندہ پرور تمہارے دونوں خط پہنچے۔ غالب گستہ دم۔ کوتہ قلم نہ لکھے تو کیا دور بات ہے۔ دونوں
خط آپ کے اور ایک پارسل محمد نجیب خان کا بہ تقدیم و تاخیر دو سہ روز موصول ہوئے۔ آپ کا پارسل
بعد مشاہدہ آپ کو بھیجا جائیگا۔ خان صاحب کے پارسل میں ایک کتاب ارمغان اور اوراق اصلاح
بھیجے جائینگے۔ ہا ہا ہا! محرق قاطع کا تمہارے پاس پہنچنا عجب ہے کہ خواستم ز خدا شد۔ میرے جی میں
اس خرافات کا جواب کیا لکھتا مگر ہاں سخن فہم دوستوں کو غصہ آگیا۔ ایک صاحب نے فارسی عبارت
میں اس کے عیوب ظاہر کئے۔ دو طالب علموں نے اردو زبان میں دو رسالے جدا جدا لکھے۔ دانا بینا اور
منصف بعد محرق کو دیکھ کر جانینگے۔ کہ مولف اس کا احمق ہے۔ اور جب وہ احمق دافع ہذیان و سوالات
عبدالکریم اور لطائف غیبی کو پڑھ کر متنبہ ہوگا اور محرق کو دھو ڈالیگا تو معلوم ہوگا۔ کہ بے حیا بھی
ہے۔ دافع ہذیان۔ سوالات۔ لطائف غیبی تینوں نسخے ایک پارسل میں اس خط کے ساتھ روانہ
ہوتے ہیں۔ یقین ہے کہ بتقدیم و تاخیر یک دو روز نظر انور سے گذریں۔ فی الحال اس پارسل کی رسید
بفور ورود لکھئے گا۔ جب آپ کا بھیجا ہوا نسخہ مسترد پہنچے تو اس کی رسید رقم کی جائیگی۔ چار نسخے پارسل

میں ہیں۔ دو آپ لیجئے اور دو محمد نجیب خاں صاحب کو دیجئے۔

دوشنبہ ۲۸۔ نومبر ۱۸۶۴ء۔ غالب

ایضاً۔ میرے شفق میرے شفیق مجھ سے ہیچ و پوچ کے ماننے والے مجھ سے بُرے کو اچھا جاننے والے میرے محب۔ میرے محبوب تم کو میری خبر بھی ہے؟ آگے ناتواں تھا۔ اب نیم جان ہوں آگے بہرا تھا۔ اب اندھا ہُوا چاہتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہ آورد ہے رعشہ و ضعف بصر جہاں چار سطریں لکھیں اُنگلیاں ٹیڑھی ہوگئیں حروف سوجھنے سے رہ گئے۔ اکہتر برس جیا بہت جیا۔ اب زندگی برسوں کی نہیں۔ مہینوں اور دنوں کی ہے۔ پہلا خط تمہارا پہنچا۔ اُس سے تمہارا مریض ہونا معلوم ہُوا تھا۔ متواتر دوسرا خط مع غزل آیا۔ غزل کو دیکھا۔ سب شعر اچھے اور لطیف۔ حافظہ کا یہ حال ہے۔ کہ غزل کی زمین یاد نہیں اتنا یاد ہے۔ کہ ایک شعر میں کوئی لفظ بدلا گیا تھا۔ غرضیکہ وہ غزل بعد مشاہدہ تم کو بھیج گئی اور لکھا گیا۔ کہ نوید حصول صحت جلد بھیجو۔ کل ایک خط جیسُری وار آیا۔ گویا ستارۂ دنبالہ دار آیا۔ حیران کہ ماجرا کیا ہے بارے کھولا اور دیکھا خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی۔ اور شکوہ ہائے بیجا سے لبریز۔ صاحب میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو دیں۔ رہ جائے تو رہ جائے۔ ورنہ دلّی کے ڈاکخانہ میں پہنچکر کیا مجال ہے۔ جو مجھ تک نہ پہنچے۔ وہاں کے ڈاک کے کار پردازوں کو اختیار ہے۔ مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں۔ آپ مرزا صابر کا تذکرہ مانگتے ہیں۔ اس کا یہ حال ہے۔ کہ غدر سے پہلے چھپا اور غدر میں تاراج ہوگیا۔ اب ایک مجلد اس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ بس اب مجھے اتنا لکھنا باقی ہے۔ کہ اس خط کی رسید اور اپنی خیر و عافیت جلد لکھو۔ جواب خط کا طالب غالب۔ صبح جمعہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ ۱۲ مئی ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ مولانا ایک تفقد نامہ پہلے بھیجا تھا۔ اُس کے جواب میں یہاں سے خط کا جواب طلب لکھا گیا تھا۔ پھر ایک اور مہربانی نامہ آیا۔ اس میں میں نے اپنے خط کا جواب نہ پایا۔ ناچار اس خط کے جواب کی نگارش اپنے خط جواب طلب کے پاسخ آنے پر موقوف اور ہمت آزاد نہ فطرت کیا۔ دانہ اس تحریر کے آنے پر معروف رکھی گئی۔ بارے وہ کل نظر فروز اور طبیعت اس کے مشاہدہ سے طرب اندوز ہوئی اب درنگ و رنزی کی تقصیر معاف کیجئے۔ اور اپنی دونوں نگارشوں کا جواب لیجئے۔ صاحب! تاریخ انطباع کلیات خوب لکھی ہے مگر نزاحیف کہ بعد از اتمام انطباع پہنچی۔ اور کتاب کی رونق افزا نہ ہوئی۔ بندہ پرور تم چراغ دودمان مہر و وفا اور منجملہ اخوان الصّفا ہو۔ مجھ سے تمہیں محبت روحانی ہے۔ گویا یہ جملہ تمہاری زبانی ہے۔ دوست کی بھلائی کے

طالب ہو۔ اس شیوہ میں شریک غالب ہو۔ ایک خواہش میری قبول ہوتا کہ مجھ کو راحت حصول ہو۔ مبادی کا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ واقعۂ حال دلنشیں کرتا ہوں۔ جناب مولوی مویّد الدین خان صاحب کے بزرگوں میں اور فقیر کے بزرگوں میں باہم وہ خلت وصفت مرعی تھی کہ وہ مقتضی اسکی ہوئی کہ ہم میں اور انمیں برادرانہ ارتباط و اختلاط باہم ہے اور ہمیشہ یونہی بلکہ روز افزوں رہیگا۔ خط میں خط ملفوف کرنا جانب حکام سے ممنوع ہے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو میں اُنکے نام کا خط میں ملفوف کرکے بھیجتا ناچار اب آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب سے ملیں اور انکو یہ خط اپنے نام کا دکھائیں اور میری طرف سے بعد سلام یہ کہیں کلیات کی پارسل کا اُنکے پاس پہنچنا اور اُن کے ذریعہ اس مجلد کا حضرت فلک رفعت نواب مختار الملک بہادر کی نظر سے گذرنا اور جو کچھ اُسکے گذرنے کے بعد واقع ہو۔ دریافت کرکے مجھ کو مطلع فرمائیں۔ جمعہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۸۶۳ء۔ غالب

ایضاً۔ منشی صاحب الطاف نشان سعادت و اقبال توامان منشی حبیب اللہ خان کو غالب سوختہ اختر کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط پہنچا پڑھ کر دل خوش ہوا۔ تم میری بات پوچھتے ہو مگر میں کیا لکھوں ہاتھ میں رعشہ۔ انکھیاں کہنے میں نہیں ایک آنکھ کی بینائی زائل۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے۔ تو اُس سے خطوط کا جواب لکھوا دیتا ہوں۔ مشہور ہے یہ بات کہ جو کوئی کسی اپنے عزیز کی فاتحہ دلاتا ہے۔ تو مُوتے کی روح کو اس کی بو پہنچتی ہے۔ ایسے ہی میں غذا کو سونگھ لیتا ہوں۔ پہلے مقدار غذا کی تولوں پر منحصر تھی اب ماشوں پر ہے زندگی کی توقع آگے مہینوں پر تھی اب دنوں پر ہے بھائی اس میں کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ بالکل میرا یہی حال ہے انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

اپنی مرگ کا طالب غالب۔ دوم شوال ۱۲۸۴ھ

ایضاً۔ جان غالب! تم نے بہت دن سے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ ایک خط میرا ضروری جواب طلب گیا ہوا ہے اور آمد و رفت ڈاک کی مدّت گذر گئی۔ اس کا جواب تو سو کام چھوڑ کر لکھتا تھا۔ مویّد یہاں میرے پاس بھی آگئی ہے اور میں اس کی خرافات کا حال بقید شمار صفحہ و سطر لکھ رہا ہوں وہ تمہارے پاس بھیجوں گا۔ شرط مُودت البشرطِ آنکہ جاتی نہ رہی ہو اور باقی ہو) یہ ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں تم اس کا جواب اور میرے کھینچے ہوئے اقوال جہاں جہاں مناسب جانو درج کر دو۔ میں اب قریب مرگ ہوں۔ غذا بالکل مفقود اور امراض مستولی بہتّر برس کی عمر انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔ میاں محمد میرں کو دعا۔ جواب کا طالب غالب ۱۴ مارچ ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ بندہ پرور آج تمہارا عنایت نامہ آیا۔ اور آج ہی میں نے اس کا جواب ٹکٹ بین بھجوایا اور اس خط کے ساتھ پارسل کلیّات کا بھی ارسال کیا۔ دسویں بارھویں دن خط اور مہینہ بیس دن میں پارسل پہنچیگا۔ خط کا جواب ضروری الارسال نہیں لیکن پارسل کی رسید ضرور لکھئیگا۔ آپ کے خط کی عبارت تو میں سمجھا لیکن مدعا مجھ پر نہ کھلا۔ میں نے پارسل کب آپ کے پاس بھیجا؟ اور کب آپ کو لکھا کہ آپ یہ پارسل

مویدالدین خان کو دیدیجیئے گا ؟ پارسل کا لفافہ مولوی صاحب کے نام کا اور آپ کو اس کے ارسال کی اطلاع اور آپ سے یہ خواہش کہ مولوی مویدالدین خان صاحب سے ملئے اور میرا خط جو آپ کے نام کا ہے۔ انہیں دکھا دیئے اور اُن سے پارسل کا حال دریافت فرمایئے۔ آپ ولایتی بھی نہیں جو میں یہ تصدیق کروں۔ کہ اردو عبارت سے استنباطِ مطلب اچھی طرح نہ کر سکے۔ بہرحال اب مدعا سمجھ لیجیئے۔ اور مولوی صاحب سے ملنے کا ارادہ فرمایئے۔ اور پارسل کا حال معلوم کرکے لکھیئے۔

داد کا طالب غالبؔ ۵۔ جمادی الاول و نوزدہم اکتوبر روز ورودِ نامی نامہ۔

ایضاً۔ بندہ پرور کل آپ کا تفقد نامہ پہنچا۔ آج میں پاسخ طراز ہوا جس کاغذ پر میں یہ نقوش کھینچ رہا ہوں۔ آپ کے خط کا دوسرا ورق ہے پہچان لیجئے اور معلوم کیجئے۔ کہ آپ کا مجموعہ کلام معجز نظام اور اس کے بعد پیہم دو خط پہنچے۔ میں صحیفہ شریفہ کی رسید لکھ چکا ہوں بلکہ اُسی خط میں محمد نجیب خان کو سلام اور ارمغان کا شکر ادا اور اوراق اشعار اصلاح طلب کی رسید میں نے لکھ دی ہے پارسل کے سرنامے سے میرا نام مٹا نہیں پارسل تلف ہوا نہیں آٹھ دس معذ ہوئے ہونگے کہ وہ مجلد اسی پارسل میں کہ اس کو رو گردان کر لیا ہے۔ بعد ادائے محصول آپ کا نام لکھ کر روانہ کر دیا ہے۔ یقین ہے کہ بعد آپ کے خط کی روانگی کے آپ کے پاس پہنچ گیا ہوگا۔ ہاں صاحب! خط دیعتہ کے ساتھ ایک خط مولوی نجف علی صاحب کے نام کا مع اس حکم کے کہ میں اس کو مولوی صاحب پہنچا دُوں میں نے پایا۔ حال یہ ہے کہ مولوی صاحب سے میری ملاقات نہیں صرف اتحاد معنوی کے اقتضا سے اُنھوں نے واقع ہذیان لکھ کر فن سخن میں مجھ کو مدد دی ہے۔ منشی گوبند سنگھ دہلوی ایک ان کے شاگرد اور میرے آشنا ہیں ان کو وہ خط بجنسہ بھیجدیا یقین ہے۔ کہ وہ مولوی نجف علی صاحب کو بھجوا دیں گے انہیں کے اظہار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد بنگالہ میں ہیں۔ نواب ناظم نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے ان کو نوکر رکھ لیا ہے۔ ہر شخص نے بقدر حال ایک ایک قدردان پایا

غالبؔ سوختہ اختر کو ہنر کی داد بھی نہ ملی ؎

کسم بخود نہ پذیرفت و دہر بازم برد ۔۔۔ چو نامۂ کہ بود نانوشتہ عنوانش

یہ شعر میرا ہے ولی عہد خسرو دہلی میرزا فتح ملک بہادر مغفور کے قصیدہ کا اور دیکھو ایک رباعی میری ؎

دستم بہ کلید فتح نے می بایست ۔۔۔ ور بود تہی بہ دامنے مے بایست

یا ہیچ گہم بکس نیفتادے کار ۔۔۔ یا خود بزمانہ چون منے می بایست

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ دوست روحانی و برادر ایمانی مولوی حبیب اللہ خان میر منشی کو فقیر غالب کا سلام۔ تم نے یوسف علی

خاں کو کہاں سے ڈھونڈھ نکالا اور ان کا تخلص اور ان کا خطاب کس سے معلوم کیا۔ بغیر نشان محلہ کے اُن کو خط کیونکر بھیجا اور وہ خط ان کو کیونکر پہنچا ع حیرت اندر حیرت ہست اے یار من پہلے یہ تو کہو کہ درفش کاویانی اور وہ قطعہ جس کی پہلی بیت یہ ہے تم کو پہنچا ہے یا نہیں اگر پہنچا تو مجھ کو رسید کیوں نہ لکھی۔

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ درخصوص گفتگوئے پارس انشا کردہ است

اگر یہ پارسل پہنچ گیا ہے۔ تو رسید لکھو اور دیباچہ ثانی جدید کی داد دو۔ اور اگر نہیں پہنچا تو مجھ کو اطلاع ہو کہ ایک نسخہ اور بھیجوں۔ زیستن دشوار۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے ستترواں برس شروع ہوا۔ غذا صبح کو سات بادام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ۔ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا گاڑھا پانی قریب شام کبھی کبھی تلے ہوئے کباب چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب خانہ ساز اور اسی قدر عرق شیر۔ اعصاب کے ضعف کا یہ حال کہ اُٹھ نہیں سکتا۔ اگر دونوں ہاتھ ٹیک کر چارپایہ بن کر اُٹھتا ہوں۔ تو پنڈلیاں لرزتی ہیں۔ معہذا دن بھر دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر میں پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی پلنگ کے پاس لگی رہتی ہے۔ اُٹھا اور پیشاب کیا۔ اور پڑ رہا۔ اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدخواب نہیں ہوتا بعد اراقہ بول بے توقف نیند آجاتی ہے ماہ مے کی آمد نہ تار کا نرخ ہر مہینے میں ماللعہ کا گھاٹا۔ کہو زندگی دشوار ہے یا نہیں۔ مرنا بدیہی طور پر ناگوار ہوتا ہے پھر مرنا کیونکر گوارا ہوگا۔ جواب خط کا طالب غالب۔ سہ شنبہ اندروئے جنتری ۲۶۔ اور اندروئے روئیت ۲۵ رجب ۱۲۸۳ھ اور ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء بھائی یہ خط از راہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔

ایضاً جاناں بلکہ جان مولوی منشی حبیب اللہ خاں کو غالب خستہ دل کا سلام اور نور دیدہ سرور سینہ منشی محمد میراں کو دعا اور مجھ کو فرزند ارجمند کے ظہور کی نوید۔ جو نگارش صاحبزادہ کی طرف سے تھی۔ رسم الخط بعینہ تمہارا تھی اب تم بتاؤ۔ کہ رقعہ اسی کی طرف سے تم نے لکھا ہے۔ یا خود اس نے تحریر کیا ہے۔ لڑکا تمہارا تمہارے ساتھ حیدرآباد نہیں آیا تھا اب تم نے وطن سے بلایا ہے۔ مفصل لکھو۔ کہ نخل مراد کا ثمر یہی ہے۔ یا اس کے کوئی بھائی بہن اور بھی ہے یہ اکیلا آیا ہے یا قبائل کو بھی اس کے ساتھ تم نے بلایا ہے ہاں صاحب محمد میراں: یہ اسم مقتضی اس کا ہے کہ آپ قوم کے سید ہوں۔ منشا بہ افراط پرستش و فور محبت ہے نہ فضولی۔ یوسف علی خاں شریف و عالی خاندان ہیں۔ بادشاہ دہلی کی سرکار سے تیس روپیہ مہینہ پاتے تھے۔ جہاں سلطنت گئی وہاں وہ تنخواہ بھی گئی۔ شاعر ہیں ریختہ کہتے ہیں۔ ہوس پیشہ ہیں۔ مضطرب ہیں ہر مدعا کے حصول کو آسان سمجھتے ہیں۔ علم اسی قدر ہے کہ لکھ پڑھ لیتے ہیں۔ ان کا باپ میرا دوست تھا

میں ان کو بجائے فرزند سمجھتا ہوں۔ ابتدا اپنی دستگاہ کے کچھ مہینہ مقرر کر دیا ہے۔ مگر بسبب کثرت عیال وہ ان کو مکتفی نہیں۔ تم ان کی درخواست کے جواب سے قطع نظر نہ کرو گے۔ تو کیا کرو گے۔ صاحب میں بہ عنایت الٰہی کثیر الاحباب ہوں ایک دوست نے کلکتہ سے مجھے اطلاع دی کہ مولوی احمد علی مدرس مدرسہ کلکتہ نے ایک رسالہ لکھا ہے نام اُس کا موید برہان ہے۔ اُس رسالہ میں دفع کئے ہیں۔ تیرے وہ اعتراض جو تو نے دکنی پر کئے ہیں اور تیری تحریر پر کچھ اعتراضات وارد کئے ہیں۔ اور اہل مدرسہ اور شعرائے کلکتہ نے تقریظیں اور تاریخیں بڑی دھوم کی لکھی ہیں پس بھائی میں نے اس مدعا پر ایک قطعہ لکھ کر چھپوایا۔ اور کئی ورق اس دوست کو اور چار جلدیں درفش کاویانی علاوہ اوراق مذکور بھیج دیئے اسی زمانہ میں تین چار ورق خوب یاد ہے۔ کہ درفش کی جلد میں رکھ کر تمکو بھیجے ہیں۔ یا تو مجھے غلط یاد ہے۔ یا تم نے درفش کھول کر دیکھا نہیں۔ وہ اوراق مع درفش زینت طاق نسیان ہیں۔ دو ورق اس لفافہ میں اپنے نزدیک مکرر بھیجتا ہوں۔ تم بھی دیکھو اور صاحبزادہ بھی دیکھے اور یہ جانے کہ فی الحال نظم فارسی یہی ہے۔ اور بس۔ ہاں صاحب اودھ اخبار میں ایک قصیدہ مولوی غلام امام کا دیکھا۔ مکان تنگ ہے جہاں تنگ ہے در مختار الملک میں متضمن استدعائے مسکن وسیع پھر مہینہ بھر بعد اسی اودھ اخبار میں یہ خبر دیکھی کہ نواب نے مسکن تو نہ بدلا مگر تیس روپیہ بڑھا دیا۔ اسی اخبار میں پھر دیکھا گیا۔ کہ ایک صاحب نے مولوی غلام امام کے کلام پر اعتراض کیا ہے۔ اور ان کے شاگرد وضیح تخلص نے اس کا جواب لکھا ہے۔ آپ سے اس روداد کی تفصیل اور جواب و اعتراض و معترض کے نام کا طالب ہوں۔ بسبیل استعجاب۔ دوشنبہ ۱۶۔ شعبان سنہ ۱۲۳۵ھ ؛

بنام منشی ہرگوپال صاحب المخاطب بمرزا تفتہ

آج منگل کے دن ۵۔ اپریل کو تین گھڑی دن رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا ایک خط منشی صاحب کا اور ایک خط تمہارا اور ایک خط بابو صاحب کا لایا۔ بابو صاحب کے خط سے اور مطالب تو معلوم ہو گئے مگر ایک امر میں حیران ہوں کہ کیا کروں یعنی اُنہوں نے ایک خط کسی شخص کا آیا ہوا میرے پاس بھیجا ہے۔ اور مجھ کو یہ لکھا ہے کہ اس کو اُلٹا میرے پاس بھیج دینا حال آگے مجھ کو لکھتے ہیں۔ کہ میں اپریل کی چوتھی کو سیالکوٹ یا آبو جاؤنگا۔ اور آج پانچویں ہے۔ پس وہ تو کل روانہ ہو گئے۔ اب میں وہ خط کس کے پاس بھیجوں۔ ناچار تم کو لکھتا ہوں۔ کہ میں خط کو اپنے پاس رہنے دونگا۔ جب وہ آکر مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع دینگے تب وہ

خط اُن کو بھیجوں گا۔ تم کو تردد نہ ہو کیا خط ہے۔ خط نہیں مینڈھو لال کا نتیجہ غمازی کی عرضی تھی۔ بنام مہاراجہ بیکنٹھ باش سعادت بابو صاحب پر مشتمل کہ اس نے لکھا تھا۔ کہ ہردیو سنگھ جانی جی کا دیوان اور ایک شاعر دہلی کا دیوان مہاراجہ بھرت پور کے پاس لایا ہے اور جانی کی درستی دربار بھرت پور کی سرکار میں کر رہا ہے۔ اور اس کے بھیجنے کی یہ وجہ کہ پہلے اُن کے لکھنے سے مجھ کو معلوم ہوا تھا۔ کہ کسی نے ایسا کہا ہے۔ میں نے ان کو لکھا تھا کہ تم کو میرے سر کی قسم اب ہردیو سنگھ کو بلا لو میں امر جزوی کے واسطے امر کلی کا بگاڑ نہیں چاہتا۔ اُس کے جواب میں اُنہوں نے وہ عرضی بھیجی اور لکھ بھیجا کہ راجہ مرنے والا ایسا نہ تھا۔ کہ ان باتوں پر نگاہ کرتا اُس نے یہ عرضی گذرتے ہی میرے پاس بھیج دی فقط بابو کے خط کے آنے سے جانی جی کی طرف سے میری خاطر جمع ہو گئی۔ مگر اپنی فکر پڑی یعنی بابو صاحب آبو پہونچے۔ اگر ہردیو سنگھ پھر کر آئیگا تو وہ بغیر اُن کے مٹے اور ان کے کہے مجھ تک کاہے کو آئیگا۔ خیر وہ بھی لکھتا ہے۔ کہ راول کہیں گیا ہوا ہے اُس کے آنے پر رخصت ہو گی۔ دیکھئے وہ کب آئے اور کیا قرض ہے کہ اُس کے آتے ہی رخصت ہو بھی جائے۔ تمہاری غزل پہنچی۔ یہ البتہ کچھ دیر سے پہنچیگی۔ تمہارے پاس گھبرانا نہیں۔
والدعا اسد اللہ نگاشتہ سہ شنبہ روز ورود نامہ نامی و مرسلہ چہارشنبہ ششم اپریل ۱۸۵۸ء

جواب طلب ۔

ایضاً۔ تمہاری خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ غزل نے محنت کم لی۔ بھائی کا ناترس سے آنا معلوم ہوا آویں تو میرا سلام کہہ دینا۔ یہ تمہارا دعاگو اگرچہ امور میں پایۂ عالی نہیں رکھتا۔ مگر احتیاج میں اس کا پایہ بہت عالی ہے۔ یعنی بہت محتاج ہوں۔ سو دو سو میں میری پیاس نہیں بجھتی۔ تمہاری ہمت پر سو ہزار آفرین جے پور سے مجھ کو اگر دو ہزار نقد آ جاتے تو میرا قرض اُتر جاتا اور پھر اگر دو چار برس کی زندگی ہوتی تو اتنا ہی قرض اور مل جاتا۔ ان پانسو میں سے تو بھائی تمہاری جان کی قسم متفرقات میں جا کر سو ڈیڑھ سو بچینگے۔ سو وہ میرے صرف میں آوینگے۔ مہاجنوں کا سودی جو قرض ہے وہ بقدر پندرہ سولہ سو کے باقی رہیگا اور وہ جو سو بابو صاحب سے منگوائے گئے تھے۔ وہ صرف انگریزی سوداگر کے دینے تھے۔ قیمت اس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حلال اور تمہارے مشرب میں حرام ہے۔ سو وہ دیئے گئے۔ یقین کہ آج کل میں بابو صاحب کا خط مع ہنڈوی آ جائے۔ بابو صاحب کے جو خطوط ضروری اور کاغذ ضروری میرے پاس آئے ہوئے تھے وہ میں نے پنجشنبہ ۲۶ مئی کو پارسل میں اُن کے پاس روانہ کر دیئے۔ اور اس میں لکھ بھیجا۔ کہ ہنڈوی اور میرے بھیجے ہوئے لفافے بلا بھیج دو۔ پنجشنبہ

لہ۔ مینڈھو بکسر اول و حرف چہارم تحتانی۔ غمازی بدگوئی۔

آج پندرہ دن پورے ہوئے۔ از اسد اللہ نگاشتہ پنجشنبہ نہم جون ۱۸۵۳ء

ایضاً بھائی جس دن تم کو خط بھیجا تیسرے دن ہردیو سنگھ کی عرضی اور پچیس روپے کی رسید اور پانسو کی ہنڈوی پہنچی تم سمجھے بابو صاحب نے پچیس روپے ہردیو سنگھ کو دیئے اور مجھ سے مجرا نہ لئے بہرحال ہنڈوی ۱۲ دن کی میعادی تھی۔ ۶ دن گذر گئے تھے۔ ۶ دن باقی تھے مجھ کو صبر کہاں ہتی کاٹ کر روپے لے لئے قرض متفرق سب ادا ہوا۔ بہت سبکدوش ہو گیا آج میرے پاس مع اللعہ نقد بکس میں اور ہم بوتل شراب اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں موجود ہیں۔ الحمد للہ علی احسانہ بھائی صاحب آ گئے ہوں۔ تو میر قاسم علی خان کا خط ان کو دیدو اور میرا سلام کہو۔ اور مجھ کو لکھو۔ تاکہ میں ان کو خط لکھوں یا بو صاحب بھرت پور آ جائیں۔ تو آپ کاہلی نہ کیجئے گا۔ اور ان کے پاس جایئے گا۔ کہ وہ تمہارے جویائے دیدار ہیں۔ اسد اللہ سہ شنبہ ۲۸ جون ۱۸۵۳ء۔

ایضاً۔ صاحب! کیوں مجھے یاد کیا کیوں خط لکھنے کی تکلیف اٹھائی۔ پھر یہ کہتا ہوں کہ خدا تم کو جیتا رکھے کہ تمہارے خط میں مولوی قمرالدین خاں کا سلام بھی آیا۔ اور بھائی منشی نبی بخش کی خیر و عافیت بھی معلوم ہوئی وہ تو پنشن کی فکر میں تھے۔ ظاہرا یہی مناسب دیکھا ہوگا۔ جو پھر نوکری کی خواہش کی حق تعالیٰ انکی جو مراد ہو بر لاوے۔ ان کو میرا سلام کہہ دینا۔ بلکہ یہ رقعہ پڑھوا دینا مولوی قمرالدین خان کو بھی سلام کہنا تم اپنے کلام کے بھیجنے میں مجھ سے پرسش کیوں کرتے ہو۔ چار جزو ہیں تو۔ بیس جزو ہیں تو بے تکلف بھیجدو۔ میں شاعر سخن سنج اب نہیں رہا۔ صرف سخن فہم رہ گیا ہوں۔ بوڑھے پہلوان کی طرح پیچ بتانے کی گوں کا ہوں۔ بناوٹ نہ سمجھنا۔ شعر کہنا مجھ سے بالکل چھوٹ گیا۔ اپنا اگلا کلام دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں کہ یہ میں نے کیونکر کہا تھا۔ قصہ مختصر وہ اجزا جلد بھیجدو۔ غالب یکشنبہ ۱۲۔ اپریل ۱۸۵۵ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ تمہارے اوراق مثنوی کا پیم فلٹ پاکٹ پرسوں ۱۵ اگست کو اور جناب میرزا حاتم علی کی نثر شاملہ آغا نا اگست میں روانہ کر چکا ہوں۔ اس نثر کی رسید نہیں پائی اور نہ یہ معلوم ہوا کہ میری خدمت مخدوم کے مقبول پذیر ہوئی یا نہیں۔ نہیں معلوم بھائی نبی بخش صاحب کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔ اور کس خیال میں ہیں۔ نہیں معلوم مولوی قمرالدین خان الہ آباد سے آ گئے یا نہیں اگر نہیں آئے تو وہ وہاں کیوں متوقف ہیں۔ میر منشی قدیم وہاں پہنچ گئے اپنا کام کرنے لگے یا کرتے ہیں۔ آپ کو تاکید لکھتا ہوں کہ ان تینوں باتوں کا جواب الگ الگ لکھئے اور جلد لکھیئے۔ اس خط کے پہنچنے تک غالب ہے کہ پارسل پہنچ جائے۔ اس کے پہنچنے کی اطلاع کیجئے گا۔ اب ایک امر سنو میں نے آغاز یازدہم مئی ۱۸۵۷ء سے یکم جولائی ۱۸۵۸ء تک روئیداد شہر اور اپنی سرگذشت یعنی ۱۵ مہینے کا حال

نثر میں لکھا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے اور کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ جو نظم اس نثر میں درج ہے وہ بھی بے آمیزش لفظ عربی ہے۔ ہاں اشخاص کے نام نہیں بدلے جاتے وہ عربی۔ انگریزی۔ ہندی جو ہیں وہ لکھ دئے ہیں۔ مثلاً تمہارا نام منشی ہرگوپال۔ منشی لفظ عربی ہے نہیں لکھا گیا۔ اسکی جگہ شیوا زبان لکھ دیا ہے یہی میرا خط جیسا اس رقعہ میں ہے۔ نہ چھدرا نہ گنجان اوراق بے مسطر پر اس طرح کہ کسی صفحہ میں ۲۰ کسی میں ۲۲ کسی میں ۱۹ ہی سطریں ہیں۔ اور چالیس صفحے یعنے ۲۰ ورق ہیں اگر ۲۱ سطر کے مسطر سے کوئی گنجان لکھے۔ تو شاید دو جزو میں آجاوے۔ یہاں کوئی مطبع نہیں ہے۔ سنتا ہوں کہ ایک ہے۔ اس میں کاپی نگار خوشنویس نہیں ہے۔ اگر آگرہ میں اس کا چھاپہ ہو سکے تو مجھ کو اطلاع کرو۔ اس تہیدستی اور بینوائی میں پچیس کا میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں۔ لیکن صاحب مطبع اتنے پر کیوں مانیگا۔ البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ اگر ہزار نہ ہوں۔ تو پانسو جلد تو چھاپی جائیں یقین ہے کہ پانسو سات سو جلد چھاپنے کی صورت میں ۳ر ۴ر قیمت پڑے کاپی تو ایک ہی ہوگی رہا کاغذ وہ بھی بہت نہ لگیگا۔ لکھائی متن کی تو آپ کو معلوم ہوگئی۔ حاشیہ پر البتہ لغات کے معنی لکھے جائیں گے۔ بہرحال اگر ممکن ہو۔ تو اس کا تکدہ کرو۔ اور حساب معلوم کرکے مجھ کو لکھو اگر منشی قمرالدین خاں آگئے ہوں۔ تو اُن کو بھی شریک مصلحت کرلو ان تینوں باتوں کا جواب اور پارسل کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب یہ سب ایک خط میں پاؤں ضرور ضرور۔ غالب نگاشتہ و روان داشتہ سہ شنبہ ہفتدہم اگست ۱۸۵۸ء جواب طلب واسطے تاکید کے بیرنگ بھیجا گیا۔

ایضاً۔ للہ الشکر تمہارا خط آیا۔ اور دل سودا زدہ نے آرام پایا۔ تم میرا خط اچھی طرح پڑھا نہیں کرتے میں نے ہرگز نہیں لکھا کہ یہ عبارت دو جزو میں آجاوے میں نے یہ لکھا تھا کہ عبارت اسقدر ہے کہ شاید دو جزو میں آجائے لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ حجم زیادہ ہو۔ بہرحال اس نمونہ کی تقطیع اور حاشیہ مطلوب ہے لغات کے معنے حاشیہ پر چڑھیں اس کی روش دلآویز اور تقسیم نظر فریب ہو۔ رباعی حاشیہ پر لکھ دی اچھا کیا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب سے نثر کے دو فقرے حسب محل پر کہ ان کو بتانے ہیں۔ ضرور لکھوا دینا میں نے جو تم کو میرزائی کا خطاب دیا ہے اُن فقروں میں اس کا اظہار کیا ہے۔ یہ امر بہت ضروری ہے۔ اور میں منشی شیو نارائن صاحب کو آج صبح لکھ چکا ہوں تیسرے صفحہ کے آخر یا چوتھے صفحے کے اول یہ جملہ ہے۔ اگر دردم دیگر بہ نہیب مباش ہم زند۔ نہیب کی جگہ نوائے بنا دینا۔ یہ نوائے مباش ہم زند۔ نہیب لفظ عربی ہے اگر رہ جائیگا۔ تو لوگ مجھ پر اعتراض کریں گے تیز چاقو کی نوک سے نہیب کا لفظ چھیلا جائے۔ اور اسی جگہ نوائے لکھ دیا جائے۔ رائے امید سنگھ

نے مجھ پر عنایت اور مطبع کی اعانت کی حق تعالیٰ ان کو اس کارسازی اور فقیر نوازی کا اجر دے صاحب کبھی نہ کبھی میرا کام تم سے آپڑا ہے۔ اور پھر کام بھی کیسا کہ جس میں میری جان اُلجھی ہوئی ہے۔ اور میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالب کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے خدا کے واسطے پہلوتہی نہ کرو۔ اور بدل توجہ فرماؤ۔ کاپی کی تصحیح کا ذمہ بھائی کا ہو گیا ہے چھ جلدوں کی آراستگی کا ذمہ برخوردار عبداللطیف کا کردو۔ میری طرف سے دعا کہو اور کہو کہ میں تمہارا بوڑھا اور مفلس چچا ہوں۔ تصحیح بھائی کریں تزئین تم کرو۔ کہتا ہوں۔ مگر نہیں جانتا کہ تزئین کیونکر کی جائے۔ سنتا ہوں کہ چھاپے کی کتاب کے حرفوں پر سیاہی کی قلم پھیر دیتے ہیں۔ تاکہ حروف روشن ہو جائیں سیاہ قلم سے جدول بھی کھچ جاتی ہے۔ پھر جلد بھی پر تکلف بن سکتی ہے۔ بھتیجے کی دستکاری اور صناعی اور ہوشیاری میرے کس دن کام آوے گی۔ میرزا تفتہ تم بڑے بے درد ہو۔ دلی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا۔ بلکہ تم اس کو آباد جانتے ہو۔ یہاں نیچہ بند تو میسر نہیں۔ صحاف اور نقاش کہاں شہر آباد ہوتا تو میں آپ کو تکلیف کیوں دیتا۔ یہیں سب دستی میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی قصہ مختصر یہ عبارت منشی عبداللطیف کو پڑھا دو۔ میں تو اُن کے باپ کو اپنا حقیقی بھائی جانتا ہوں۔ اگر وہ مجھے اپنا حقیقی چچا جانیں اور میرا کام کریں۔ تو کیا عجب ہے۔ دو روپے فی جلد اس سے زیادہ کا مقدور نہیں۔ جب مجھ کو لکھوگے۔ ہنڈوی بھیجدونگا۔ چھ روپے آٹھ آنے دس روپے ہر بارہ روپے میاں کو سمجھا دینا کمی کی طرف نہ گئیں۔ چیز اچھی بنے۔ نہایت بارہ روپے میں چھ جلدیں تیار ہوں منشی شیونرائن کو سمجھا دینا۔ کہ زنہار عرف نہ لکھیں نام اور تخلص بس۔ اجزائے خطابی کا لکھنا نامناسب بلکہ مضر ہے۔ مگر ہاں نام کے بعد لفظ بہادر کا اور بہادر کے لفظ کے بعد تخلص۔ اسداللہ خاں بہادر غالب بھائی تم نے اوراق مثنوی کی رسید نہ لکھی کہیں وہ پارسل میں سے گر نہ گئے ہوں۔ دیکھو کس لطف سے میرے نام کی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ اور اُن کے چھاپنے کی ممانعت ضرور ہے۔ مگر میں اس کی عبارت کیا بتاؤں۔ صاحب مطبع اس امر کو اُردو میں آخر کتاب پر لکھ دیں۔ منشی جی سے نثر لکھوالو۔ منشی عبداللطیف کو یہ خط پڑھا دو۔ نہیب کی جگہ تو اب نادو۔ صاحب مطبع کو میرا پتہ دو۔ خاتمہ پر ممانعت کا حکم صاحب مطبع سے لکھوا دو۔ برخوردار عبداللطیف سے مقدار روپیہ کی دریافت کر کے مجھ کو لکھ بھیجو اپنی مثنوی کی رسید لکھو اپنے بجان و دل مصروف ہونے کا اقرار کرو۔ ان سب امور کی مجھے خبر دو۔

غالب جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء ہنگام نیم روز

ایضاً میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ دونوں فقرے جس محل پر بتاتے ہیں۔ حاشیہ پر لکھ دیے ہونگے ہنیب کے

نقط کو چھیل کر نواٹے بنا دیا ہوگا۔ برخوردار منشی عبد اللطیف کو میرا خط اپنے نام کا دکھا دیا ہوگا۔ اُنکی سعادتمندی سے یقین ہے۔ کہ میری التماس قبول کریں۔ اور ادھر متوجہ ہوں۔ کاپی لکھی جانی اور چھاپا ہونا شروع ہوگیا ہوگا۔ اگر تنخواہ پڑا ہے۔ تو چاہیئے آٹھ آٹھ صفحے بلکہ بارہ بارہ صفحے چھاپے جائیں اور کتاب جلد طبع ہو جائے بھائی منشی صاحب کی شفقت کا حال پوچھنا ضرور نہیں مجھ پر مہربان اور حُسنِ کلام کے قدردان ہیں اگر تصحیح میں بے پروائی کریں گے۔ تو کیا میری تفضیح کے روادار ہونگے؟ بھائی تم نے بھی اور منشی شیو نرائن صاحب نے بھی لکھا میں بھی ایک عبارت لکھتا ہوں۔ اگر پسند آئے۔ تو خاتمہ عبارت میں چھاپ دو نامہ نگار غالب کا کہنا یہ بیان ہے۔ کہ یہ جو میری سرگذشت کی داستان ہے اس کو میں نے مطبع مفید خلائق میں چھپوایا ہے۔ اور میری رائے میں اس کا یہ قاعدہ قرار پایا ہے۔ کہ اور صاحبان مطابع جب تک مجھ سے طلب رخصت نہ کریں۔ اپنے مطبع میں اُس کے چھاپنے پر جرأت نہ کریں اس کے سوا اگر کوئی اور طرح کی تحریر منظور ہو۔ تو منشی شیو نرائن صاحب کو اجازت ہے کہ میری طرف سے چھاپ دیں یہ سب باتیں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ اب جو امر ضروری الاظہار تھے۔ اس واسطے یہ خط لکھا ہے۔ ایک تو اردو عبارت۔ دوسرے یہ کہ میرے شفیق مکرّم سیّد مکرّم حسین صاحب کا خط میرے نام آیا ہے اُن اُنھوں نے ایک بات جواب طلب لکھی ہے۔ اس کا جواب اسی خط میں لکھتا ہوں تم کو چاہیئے۔ کہ اُن سے کہدو بلکہ یہ عبارت اُن کو دکھا دو۔ بندہ پرور نواب عطاء اللہ خان میرے بڑے دوست اور شفیق ہیں۔ ان کے فرزند رشید میر غلام عباس المخاطب بہ سیف الدولہ یہ دو نو صاحب صحیح و سالم ہیں۔ شہر سے باہر دو چار کوس پر کوئی گاؤں ہے۔ وہاں رہتے ہیں۔ شہر میں اہل اسلام کی آبادی کا حکم نہیں اور اُن کے مکانات قرق ہیں۔ ضبط ہو گئے ہیں۔ نہ واگذاشت کا حکم ہے۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسانا تمہارا ہی کام ہے۔ بھائی تضمین گلستان چھپوا کر کیا فائدہ اُٹھایا ہے۔ جو الطابع سنبلستان سے نفع اُٹھاؤ گے۔ روپیہ جمع رہنے دو۔ آمد اچھی چیز ہے اگرچہ قلیل ہو۔ اور اگر روپیہ لینا منظور ہے۔ تو ہرگز اندیشہ نہ کرو۔ اور درخواست دیدو۔ بعد تو مہینے کے روپیہ تم کو ملجائیگا۔ یہ میرا ذمہ کہ اس نو مہینے میں کوئی انقلاب واقع نہ ہوگا۔ اگر احیاناً ہو ابھی تو ہوتے ہوتے اسکو مدت چاہیئے۔ رستخیز بیجا ہو چکا۔ اب ہو تو رستخیز ہو۔ یعنی قیامت اور اس کا حال معلوم نہیں کہ کب ہوگی۔ اگر اعداد کے حساب سے دیکھو تو بھی رستخیز کے ۱۲۷۷ ہوتے ہیں۔ بدیں صورت احتمال فتنہ سال آئندہ پر رہا۔ سو بھی ماہوم۔ میاں میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں۔ تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔

ایک گروہ کا قول ہے۔ کہ یہ شخص والیٔ رامپور کا اُستاد تھا۔ اور وہاں گیا تھا۔ اگر نواب نے کچھ سلوک
نہ کیا ہوگا۔ تو بھی پانچ ہزار روپے سے کم نہ دیا ہوگا۔ ایک جماعت کہتی ہے۔ کہ نوکری کو گئے تھے۔ مگر نوکر
نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے۔ کہ نواب نے نوکر رکھ لیا تھا۔ دو سو روپیہ مہینہ کر دیا تھا۔ لفٹنٹ گورنر
الہ آباد جو رامپور آئے۔ اور اُن کو غالب کا وہاں ہونا معلوم ہوا۔ تو اُنھوں نے نواب صاحب سے کہا۔ کہ اگر
ہماری خوشنودی چاہتے ہو۔ تو اس کو جواب دو۔ نواب نے برطرف کر دیا۔ یہ تو سب سُن لیا۔ اب تم اصل
حقیقت سُنو۔ نواب یوسف علی خان بہادر تیس اکتیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس
سے میرے شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیجدیا کرتے تھے۔
اب جولائی ۱۸۵۹ء سے سو روپے مہینہ ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ بلاتے رہتے تھے۔ اب میں گیا دو
مہینے رہ کر چلا آیا۔ بشرط حیات بعد برسات کے پھر جاؤں گا۔ وہ سو روپیہ مہینہ یہاں رہوں
وہاں رہوں۔ خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہے۔ غالب ۳۱۔ مارچ ۱۸۶۲ء

ایضاً کیوں صاحب۔ کیا یہ آئین جاری ہوا ہے۔ کہ سکندر آباد کے رہنے والے دلّی کے خاک
نشینوں کو خط نہ لکھیں بھلا اگر یہ حکم ہوا ہوتا تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا۔ کہ زنہار کوئی خط سکندر
آباد کو یہاں کی ڈاک میں نہ جائے بہر حال ع کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم۔ کل جمعہ کے دن ۱۲
تاریخ نومبر کو ۳۲ جلدیں بھیجی ہوئی برخوردار شیونرائن کی پہنچیں۔ کاغذ۔ خط۔ تقطیع۔ سیاہی۔ چھاپا سب
خوب دل خوش ہوا اور شیونرائن کو دعا دی۔ سات کتابیں جو میرزا حاتم علی صاحب کی تحویل میں ہیں۔ وہ بھی
یقین ہے آجکل پہنچ جائیں معلوم نہیں منشی شیونرائن نے اندور کو واسطے راجہ امید سنگھ کے کس طرح بھیجی ہیں
یا ابھی نہیں بھیجیں۔ صاحب تم اس خط کا جواب جلد لکھو اور اپنے قصد کا حال لکھو۔ سکندر آباد کب
تک رہوگے۔ آگرہ کب جاؤ گے۔ شنبہ ۱۳۔ نومبر ۱۸۵۸ء۔ جواب طلب۔

ایضاً۔ صاحب ۲۵ اپریل کو ایک خط اور ایک پارسل ڈاک میں ارسال کر چکا ہوں۔ آج ۳۰ ہے
یقین ہے خط اور پارسل دونوں پہنچ گئے ہونگے۔ ایک امر ضروری باعث اس تحریر کا ہے کہ جو میں اس
وقت روانہ کرتا ہوں۔ ایک میرا دوست اور تمہارا ہمدرد ہے۔ اُس نے اپنے حقیقی بھتیجے کو بیٹا کر لیا تھا
اٹھارہ انیس برس کی عمر قوم کا کھتری۔ خوبصورت وضعدار نوجوان ۱۲۷۳ھ میں بیمار پڑ کر مر گیا اب
اس کا باپ مجھ سے آرزو کرتا ہے۔ کہ ایک تاریخ اس کے مرنے کی لکھوں ایسی کہ وہ فقط تاریخ نہ ہو۔ بلکہ
مرثیہ ہو۔ کہ وہ اس کو پڑھ پڑھ کر رویا کرے۔ سو بھائی اس سائل کی خاطر مجھ کو عزیز اور فکر شعر متروک معدوم
واقع تمہارے حسب حال ہے۔ جو خونچکان شعر تم نکالو گے۔ وہ مجھ سے کہاں نکلیں گے بطریق مثنوی بیس تیس

شعر لکھ دو مصرعہ آخر میں مادہ تاریخ ڈال دو۔ نام اس کا برج موہن تھا۔ اور اس کو بابو بابو کہتے تھے۔ چنانچہ میں بحر ہزج مسدس مخبون میں ایک شعر تم کو لکھتا ہوں چاہو اس کو آغاز میں رہنے دو۔ اور آئندہ اسی بحر میں اور اشعار لکھ لو۔ چاہو کوئی اور طرح نکالو۔ لیکن یہ خیال میں رہے۔ کہ سائل کو متوفی کے نام کا درج ہونا منظور ہے۔ اور بابو برج موہن سوائے اس بحر کے یا بحر رمل کے اور بحر میں نہیں آ سکتا۔ شعر میرا یہ ہے ؎

برم چوں نام بابو برج موہن　　　چکد خون دل ریش از لب من

غالب۔ نگاشتہ روز جمعہ۔ سی ام۔ اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی تمہارا وہ خط جس میں اوراق مثنوی ملفوف تھے پہنچا۔ اوراق مثنوی اوراق دستنبو کے ساتھ پہنچیں گے۔ اب تمہارے مطالب کا جواب جدا جدا لکھتا ہوں۔ الگ الگ سمجھ لینا۔ صاحب تم نے مرزا حاتم علی صاحب سے کیوں کہا۔ بات اتنی تھی۔ کہ وہ مجھ کو لکھ کر بھیجنے کہ نثر آتی ہے۔ اور مرزا صاحب نے پسند کی اب اُن سے میرا سلام کہو بعد یہ کہو کہ آپکے شکر بجا لانے کا شکر بجا لاتا ہوں۔ چھاپے کے باب میں جو آپ نے لکھا وہ معلوم ہوا۔ اس تحریر کو جب دیکھو گے۔ تب جانو گے اہتمام اور عجلت اس کے چھپوانے میں اس واسطے ہے۔ کہ اس میں سے ایک جلد نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر بھیجوں گا۔ اور ایک جلد بذریعہ اُن کے جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی نذر کرونگا۔ اب سمجھ لو کہ طرز تحریر کیا ہوگی اور صاحبان مطبع کو اس کا انطباع کیوں نامطبوع ہوگا۔ جیتے رہو۔ اس غمزدگی میں مجھ کو ہنسایا وہ کون ملا تھا۔ جس کو تم نے پڑھایا ع

گرچہ عمل کار خردمند نیست ؛ عمل کار اہل کار۔ یہ شعر شیخ سعدی کا بادشاہ کی نصیحت میں ہے۔ ع

جز بسجز و مسند فرما عمل ؛ یعنی خدمت و اعمال سوائے علما اور عقلا کے اور کی تفویض نہ کر پھر خود کہتا ہے ع گرچہ عمل کار خردمند نیست ؛ یعنی اگرچہ خدمات و اشغال سلطانی کا قبول کرنا خردمندوں کا کام نہیں اور عقل سے بعید ہے۔ کہ آدمی اپنے کو خطرے میں ڈالے عمل الگ ہے۔ اور کار مضاف ہے بطرف خردمند کے۔ ورنہ دہائی خدا کی عمل کار اہل کار کے معنے پر نہیں آتا۔ مگر قتیل اور واقف یا اور پورب کے ملکیوں کی فارسی ہے۔

ایضاً۔ میری جان کیا سمجھے ہو۔ سب مخلوقات تفتہ و غالب کیونکر بن جائیں ع ہر کسے را بہر کارے ساختند انت متاسرتنا۔ مصری میٹھی نمک سلونا کبھی کسی قضیے کا مزہ نہ بدلیگا۔ اب جو میں اُس شخص کو نصیحت کروں وہ کیا نہ سمجھے گا۔ کہ غالب کیا جانے کہ عبدالرحمان کون ہے اور مجھ سے اُس سے کیا رسم و راہ ہے بے شبہ جانیگا۔ کہ تفتہ نے لکھا ہوگا۔ میں اس کی نظر میں سبک ہو جاؤں گا۔ اور تم سے وہ اور بھی سرگراں

ہو جائیگا۔ اور یہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ تم نے اُس شخص کو اپنے عزیزوں میں گنا ہے۔ بندہ پرور میں تو بنی آدم کو مسلمان ہو یا ہندو۔ یا نصرانی عزیز رکھتا ہوں اور اپنا بھائی گنتا ہوں۔ دوسرا مانے یا نہ مانے باقی رہی وہ عزیز داری۔ جس کو اہلِ دنیا قرابت کہتے ہیں۔ اُس کو قوم اور ذات اور مذہب اور طریق شرط ہے اور اس کے مراتب و مدارج ہیں۔ نظر اس دستور پر اگر دیکھو تو مجھ کو اُس شخص سے خس برابر علاقہ عزیزداری کا نہیں۔ ازراہِ حُسنِ اخلاق اگر عزیز لکھ دیا یا لکھ دیا تو کیا ہوتا۔ زین العابدین خاں عارف میرے سالے یہ شخص اُس کے سالے کا بیٹا اس کو جو چاہو سمجھ لو۔ خلاصہ یہ کہ جب ادھر سے آمدینت نہ ہوئی۔ تو اب اس کو لکھنا لغو بے فائدہ بلکہ مضر ہے۔ تمہارا میرٹھ جانا اور نواب مصطفےٰ خان سے ملنا ہم پہلے ہی دریافت کر چکے ہیں۔ اب تمہارے خط سے مراد آباد ہو کر سکندر آباد آنا معلوم ہو گیا۔ حق تعالےٰ شانہٗ تم کو خوش و خرم رکھے۔ مرقومہ ۲۳۔ ستمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط مع رقعہ مردِ سخن فہم پہنچا۔ تمہاری خوشامد نہیں کرتا۔ سچ کہتا ہوں تمہارے کلام کی تحسین کرنے والا فی الحقیقت اپنے فہم کی تعریف کرتا ہے جواب میں درنگ اس راہ سے ہوئی کہ میں مصطفےٰ خاں کی ملاقات کو بہیل ڈاک میرٹھ گیا تھا تین دن وہاں رہا۔ کل وہاں سے آج تم کو یہ خط بھجوایا محررہ دو شنبہ چہار شنبہ ۲۶۔ جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ہرکارہ وہ جو خط بانٹا کرتا ہے آیا اور اس نے پارسل موم جامے میں لپٹا ہوا دیا۔ پہلے تو میں بھی حیران رہا۔ کہ پیکٹ خطوں کی ڈاک میں کیوں آیا۔ بارے جو کی تحریر دیکھی تو تمہارے ہاتھ کا پم فلٹ لکھا ہوا۔ اور دو ٹکٹ لگے ہوئے مگر اس کے آگے کالی مہر اور کچھ انگریزی لکھا ہوا ہرکارہ نے بجہ دلوائے۔ دلوا دیئے اور پارسل لے لیا مگر حیران کہ یہ کیا پیچ پڑا۔ قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو ڈاک گھر گیا اس کو خطوں کے بکس میں ڈال آیا۔ ڈاک کے کارپردازوں نے غور نہ کی اور اس کو بیرنگ خطوں کی ڈاک میں بھیج دیا۔ وہ صاحب جو میرے عرف سے آشنا اور میرے نام سے بیزار ہیں یعنی منشی بھگوان پرشاد مثل خواں میرا سلام قبول کریں غالب جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ بھائی مجھ میں تم میں نامہ نگاری کاہے کو ہے مکالمہ ہے آج صبح کو ایک بھیج چکا ہوں۔ اب اسوقت تمہارا خط اور آیا۔ سنو صاحب لفظ مبارک میم حا میم دال اس کے ہر حرف پر میری جان نثار ہے۔ مگر چونکہ یہاں سے ولایت تک حکام کے ہاں سے یہ لفظ یعنی محمد اسد اللہ خان نہیں لکھا جاتا میں نے بھی موقوف کر دیا ہے۔ رہا میرزا و مولانا تو اب اس میں تم کو اور بھائی کو اختیار ہے جو چاہو سو لکھو۔ بھائی کو کہنا۔ اُن کے خط کا جواب صبح کو روانہ کر چکا ہوں۔ مرزا تفتہ اب تم تزئین جلد ہائے کتاب کے باب

ہیں برادرزادہ سعادتمند کو تکلیف نہ دو۔ مولانا مہرباں کو اختیار ہے جو چاہیں سو کریں۔ خط تمام کر کے خیال میں آیا۔ کہ وہ جو مرزا صاحب سے مجھ کو مطلوب ہے تم پر بھی ظاہر کروں۔ صاحب وہاں ایک اخبار موسوم بہ آفتاب عالمتاب نکلتا ہے اُس کے مہتمم نے التزام کیا ہے کہ ایک صفحہ یا ڈیڑھ صفحہ بادشاہِ دہلی کے حالات لکھتا ہے نہیں معلوم آغاز کس مہینے سے ہے حکیم احسن اللہ خان یہ چاہتے ہیں۔ کہ سابق کے جو اوراق ہیں جب سے ہوں وہ چھاپہ خانہ میں مسودہ رہتے ہیں۔ اس کی نقل کاتب سے لکھوا کر یہاں بھیجی جائے اُجرت جو لکھی آئیگی وہ بھیجی جائیگی۔ اور ابتدائے ۱۸۵۳ء سے اُن کا نام خریداروں میں لکھا جائے دو ہفتہ کے دو نمبر اُن کو ایک لفافہ میں بھیجدیئے جائیں۔ اور پھر ہر مہینے ہفتہ بہفتہ اُن کو لفافہ اخبار کا پہنچا کرے۔ یہ مراتب جناب مرزا حاتم علی صاحب کو لکھ چکا ہوں۔ اور اب تک آثار قبول ظاہر نہیں ہوئے نہ لفافے حکیم صاحب کے پاس پہنچے۔ نہ ان صفحات کی نقل میرے پاس آئی۔ آپ کو اس میں سعی ضرور ہے اور ہاں صاحب آفتاب عالمتاب کا مطبع تو کشمیری بازار میں ہے۔ مگر آپ مجھ کو لکھیں کہ مفید خلائق کا مطبع کہاں ہے۔ عجب ہے کہ ان صاحب شفیق نے میری تحریرات کا جواب نہیں لکھا فرمائش حکیم احسن اللہ خان صاحب کی بہت اہم ہے۔ عند الملاقات میرا سلام کہہ کر اس کا جواب بلکہ وہ اخبار اُن سے بھجواؤ۔ جمعہ ۲ ستمبر ء

ایضاً۔ بھائی میں نے مانا۔ تمہاری شاعری کو میں جانتا ہوں۔ کہ کوئی دم تم کو فکر سخن سے فرصت نہ ہوگی پر جو تم نے التزام کیا ہے ترصیع کی صنعت کا اور دو لخت شعر لکھنے کا اس میں ضرور نشست معنی بھی ملحوظ رکھا کرو۔ اور جو کچھ لکھا اسکو دوبارہ سہ بارہ دیکھا کرو۔ کیوں صاحب یہ ڈبل خط پوسٹ پیڈ بھیجا اور وہ بھی دلی سے سکندرآباد کو آیا۔ حاتم کے سوا اور میرے سوا کسی نے کیا کہا ہوگا؟ کیا ہنسی آتی ہے۔ تمہاری باتوں پر خدا تم کو جیتا رکھے۔ اور جو کچھ تم چاہو تم کو دے۔ جانی جی کی بڑی فکر ہے۔ میں تم کو لکھا چاہتا تھا۔ کہ اُن کا حال لکھو۔ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہیں یقین ہے کہ اجمیر میں ہونگے۔ اگر وہاں مقیم ہیں۔ تو خط پھر بھی نہیں بھیجا جا سکتا اس لئے کہ اگر ہو سکے تو کسی کو لکھ کر خبر منگوالو۔ اور جو کچھ تم کو معلوم ہو وہ مجھ کو بھی لکھو۔ منشی صاحب مع منشی عبداللطیف کل یہاں آ گئے کل ان کا خط مجھ کو آیا تھا۔ آج اس کا جواب بھی روانہ کر دیا۔

اسد اللہ یکشنبہ ۲۱۔ ماہ اگست ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ بھائی آج مجھ کو بڑی تشویش ہے۔ اور یہ خط میں تم کو کمال سراسیمگی میں لکھتا ہوں۔ جس دن میرا خط پہنچے۔ اگر وقت ڈاک کا ہو۔ تو اسی وقت جواب لکھکر روانہ کرو۔ اور اگر وقت نہ رہا ہو تو چار و ناچار

دوسرے دن جواب بھیجو۔ منشا تشویش و اضطراب کا یہ ہے کہ کئی دن سے راجہ بھرت پور کی بیماری کی خبر سُنی جاتی تھی۔ کل سے اور بُری خبر شہر میں مشہور ہے۔ تم بھرت پور سے قریب ہو۔ یقین ہے کہ تم کو تحقیق حال معلوم ہوگا۔ جلد لکھو کہ کیا صورت ہے۔ راجہ کا مجھ کو غم نہیں۔ مجھ کو فکر جانی جی کی ہے۔ کہ اسی علاقہ میں تم بھی شامل ہو۔ صاحبانِ انگریز نے ریاستوں کے باب میں ایک قانون وضع کیا ہے۔ یعنی جو رئیس مر جاتا ہے۔ سرکار اس ریاست پر قابض و متصرف ہو کر رئیس زادہ کے بالغ ہونے تک بندوبست ریاست کا اپنے طور پر رکھتی ہے۔ سرکاری بندوبست میں کوئی قدیم الخدمت موقوف نہیں ہوتا۔ اس صورت میں یقین ہے کہ جانی صاحب کا علاقہ بدستور قائم رہے۔ مگر یہ وکیل ہیں۔ معلوم نہیں مختار کون ہے اور ہمارے بابو صاحب میں اور اس مختار میں صحبت کیسی ہے۔ رانی سے ان کی کیا صورت ہے تم اگر چہ بابو صاحب کی محبت کا علاقہ رکھتے ہو۔ لیکن انہوں نے ازراہِ دور اندیشی تم کو متوسل اُس سرکار کا کر رکھا ہے۔ اور تم مستغنیانہ اور لاابالیانہ زندگی بسر کرتے تھے زنہار اب وہ روش نہ رکھنا اب تم کو لازم آپڑا ہے۔ جانی جی کے ساتھ ہو کر روشناس حکام والا مقام ہونا پس چاہیے کول کی آرائش کا ترک کرنا اور خواہی نخواہی بابو صاحب کے ہمراہ رہنا۔ میری رائے میں یوں آیا ہے۔ اور میں نہیں نہ لکھ سکتا کہ موقع کیا ہے۔ اور مصلحت کیا ہے۔ جانی جی بھرت پور آئے ہیں۔ یا اجمیر میں ہیں؟ کس فکر میں ہیں؟ اور کیا کر رہے ہیں؟ واسطے خدا کے نہ مختصر نہ سرسری بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع ہوا۔ ہو اور جو صورت ہو مجھ کو لکھو۔ اور جلد کہ مجھ پر خواب و خور حرام ہے۔ کل شام کو میں نے سُنا آج صبح قلعہ نہیں گیا اور یہ خط لکھ کر ازراہِ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے۔ تم بھی اس کا جواب بیرنگ روانہ کرنا۔ آدھ آنہ ایسی بڑی چیز نہیں ڈاک کے لوگ بیرنگ خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں۔ اور پوسٹ پیڈ پڑا رہتا ہے۔ جب اس محلّے میں جانا ہوتا ہے تو اس کو بھی لے جاتے ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں کہ پریشان ہوں۔ نوشتۂ چاشتگاہ دوشنبہ ۲۸ مارچ ۱۸۵۳ء ضروری۔ جواب طلب۔

ایضاً میاں میرزا تفتہ ہزار آفرین کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے واہ واہ چشم بد دور تسلسل معنی سلاست الفاظ ایک مصرعہ میں تم کو محمد اسحٰق شوکت بخاری سے توارد ہوا یہ بھی محلِ فخر و شرف ہے کہ جہاں شوکت پہنچا وہاں تم پہنچے وہ مصرعہ یہ ہے ع چاک گردیدم واز جیب بداماں رفتم۔ پہلا مصرعہ تمہارا اگر اس کے پہلے مصرعہ سے اچھا ہوتا تو میرا دل اور زیادہ خوش ہوتا۔ خدا تم کو اتنا جلائے۔ کہ ایک دیوان، ۲۰ جزو قصائد کا کہہ لو۔ مگر خبردار قصاید بقید حروف تہجی نہ جمع کرنا۔ صاحب! مجھے اس بزرگوار کا معاملہ اور یہ جو تم نے اس کا وطن اور پیشہ اب لکھا ہے سابق کا تمہارا لکھا ہوا سب

یاد ہے میں نے اسکو دوست بطریق طنز لکھا ہے بہرحال وہ جو میں نے خاقانی کا شعر لکھ کر اس کو بھیجا اس کی ماں مرے اگر میرے اس خط کا جواب لکھا ہو۔ بڑا پرانا قصہ تم نے یاد دلایا۔ داغِ کہنۂ حسرت کو چمکایا۔ میاں یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے نصیر الدین حیدر کے پاس گذرا۔ اور جس دن گذرا اسی دن پانچ ہزار روپے کے بھیجنے کا حکم ہوا۔ متوسط یعنی منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی۔ مظفر الدولہ مرحوم لکھنؤ سے آئے۔ انہوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا نام منشی محمد حسن کو نہ لکھنا۔ ناچار میں نے شیخ امام بخش ناسخ کو لکھا۔ کہ تم دریافت کر کے لکھو۔ کہ میرے قصیدہ پر کیا گذری۔ انہوں نے جواب لکھا۔ کہ پانچ ہزار ملے۔ تین ہزار روشن الدولہ نے کھائے دو ہزار منشی محمد حسن کو دیئے۔ اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب جانو۔ غالب کو بھیجدو۔ کیا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا۔ اگر نہ بھیجا ہو تو مجھ کو لکھو میں نے لکھ بھیجا۔ کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں پہنچے اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو اس کا مضمون یہ ہو۔ کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ قصیدہ حضور میں گذرا۔ مگر یہ میں نے نہیں جانا۔ کہ اس کا صلہ کیا مرحمت ہوا۔ میں کہ ناسخ ہوں۔ اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر ان کا کھایا ہوا روپیہ ان کے حلق سے نکال کر تم کو بھیجدونگا۔ بھائی یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا آج خط روانہ ہوا۔ تیسرے دن شہر میں خبر اڑی۔ کہ نصیر الدین حیدر مرگیا۔ اب کہو میں کیا کروں۔ اور ناسخ کیا کرے۔ غالب دوشنبہ ۱۹۔ اگست سنہ ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ او مرزا تفتہ میرے گلے لگ جاؤ۔ بیٹھو اور میری حقیقت سنو۔ یکشنبہ کو مولوی مظہر الحق آئے تھے ان سے یہ حال معلوم ہوا۔ پہلا خط تم کو ان کے بھائی مولوی انوار الحق نے بموجب حکم رنگٹن صاحب کے لکھا تھا۔ پھر ایک خط صاحب نے آپ مسودہ کر کے اپنی طرف سے تم کو لکھا۔ دو تو دیوان تمہارے اور نشترِ عشق اور ایک تذکرہ یہ چار کتابیں تمہاری بھیجی ہوئی ان کو پہنچیں۔ صاحب تم سے بہت خوش اور تمہارے بہت معتقد ہیں کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں۔ اتنا بڑا شاعر کوئی اور ہندوستان میں نہ ہوگا۔ کہ جو پچاس ہزار بیت کا مالک ہو۔ فائدہ اس التفات کا یہ کہ تمہارا ذکر بہت اچھی طرح سے لکھ بھیجیں گے بلی ماجیر شما بسلامت ہاں ان کے تحت میں جو عمدہ مشاہرہ کے علاقے ہیں اگر تمہاری اجازت ہو تو اس امر میں ان سے کلام کروں۔ میرا عجب حال ہے۔ حیران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں نہیں آتا ؎

گمانِ زیست بود برمنت ز بے دردی   بداست مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست

سامعہ مرگیا۔ اب باصرہ بھی ضعیف ہوگیا۔ جتنی قوتیں انسان میں ہوتی ہیں۔ سب مضمحل ہیں۔ تو اس

سراسر مہمل ہیں۔ حافظہ گویا کبھی نہ تھا۔ شعر کے فن سے گویا کبھی مناسبت نہ تھی۔ رئیس رامپور سو روپے مہینہ دیتے ہیں۔ سال گذشتہ اُن کو لکھ بھیجا کہ اصلاح نظم حواس کا کام ہے۔ اور میں اپنے میں حواس نہیں پاتا متوقع ہوں۔ کہ اس خدمت سے معاف رہوں۔ جو کچھ مجھے آپ کی سرکار سے ملتا ہے۔ عوض خدمات سابقہ میں شمار کیجئے تو میں سکہ لبر سہی ورنہ خیرات خوار سہی۔ اور اگر یہ عطیہ بشرط خدمت ہے تو جو آپ کی مرضی ہے وہی میری قسمت ہے۔ برس دن سے ان کا کلام نہیں آتا۔ فتوح مقرری تو میر تک آتی۔ اب دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے آج تک نواب صاحب اندازہ مقرری دئے جاتے ہیں۔ اور بھائی تمہاری مشق چشم بد دور صاف ہو گئی رطب و یابس تمہارے کلام میں نہیں رہا۔ اور اگر خواہی نہ خواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے۔ تو میری جان میرے بعد کیا کروگے۔ میں چراغ دم صبح و آفتاب سر کوہ ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۴ رجب نجات کا طالب غالب۔

ایضاً مرزا تفتہ عجب اتفاق ہوا پنجشنبہ کے دن ۲۲ اپریل کو کلیان خط ڈاک میں ڈال کر آیا اُس کے متعاقب پارسل کا ہرکارہ آیا۔ اور تمہارا بھیجا ہوا پاکٹ لایا رسید لکھنی میں نے تو اپنڈ بھیجی اور اس کا دیکھنا شروع کیا۔ بیکا نخض اور تنہا ہوں پانچ پہر کاغذ میری بڑی حل لگی ہوگئی۔ خوب دیکھا صحیح تو بولا ہے۔ کہ ان اشعار میں سے بیت خط اُٹھایا۔ جیتے رہو۔ تمہارا دم غنیمت ہے۔ بھائی کا حال مفصل لکھو۔ پنشن کے طالب ہیں یا نوکری کے منشی عبد اللطیف کہاں ہے اور کس طرح ہے۔ علاقہ بنا ہوا ہے یا جاتا رہا۔ صاحب لفٹنٹ گورنری کا محکمہ بالکل الہ آباد کو گیا یا ہنوز کچھ یہاں بھی ہے منشی غلام غوث صاحب کہاں ہیں۔ نوکر ہیں یا مستعفی۔ عدالت دیوانی کا محکمہ یہیں رہیگا۔ یا الہ آباد جائیگا۔ اس کا اور گورنری کے محکمہ کا ساتھ ہے چاہیے یہ بھی وہیں جاوے۔ آج تمہارے اشعار کا کاغذ پاکٹ اسی خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجا گیا ہے یقین ہے کہ یہ خط کل پرسوں اور وہ پاکٹ پانچ چار دن میں پہنچ جائے۔

غالب یکشنبہ ۲۵- اپریل ۱۸۵۸ء

ایضاً مرزا تفتہ۔ ایک امر عجیب تم کو لکھتا ہوں اور وہ امر بعد تعجب مفرط کے موجب نشاط مفرط ہوگا۔ میں اجرائے پنشن سرکار انگریزی سے مایوس تھا۔ بائے وہ نقشہ پنشن داروں کا جو یہاں سے بنکر صدر کو گیا تھا اور یہاں کے حاکم نے بہ نسبت میرے صاف لکھ دیا تھا۔ کہ یہ شخص پنشن پانے کا مستحق نہیں ہے۔ گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حاکم کی رائے کے میری پنشن کے اجرا کا حکم دیا۔ اور وہ حکم یہاں آیا۔ اور مشہور ہوا میں نے بھی سنا اب کہتے ہیں۔ کہ ماہ آئندہ یعنی مئی کی پہلی کو تنخواہوں کا بٹنا شروع ہوگا۔ دیکھا چاہیئے پچھلے روپے کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے۔ غالب ۱۶ اپریل ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا میں نے اپنے سب مطالب کا جواب پایا۔ امراؤ سنگھ کے حال پر اس کے واسطے مجھ کو رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے اللہ اللہ ایک وہ ہیں۔ کہ وہ بار ان کی بیڑیاں کٹ چکی ہیں۔ اور ایک ہم ہیں۔ کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ تو پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اس کو سمجھاؤ۔ کہ تیرے بچوں کو میں پال لونگا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے۔ وہ بو محمد عنہم نے لکھا ہے۔ وہ حکیم سنائی کا ہے۔ اور وہ نقل حدیقہ میں مرقوم ہے ؎

پسرے با پدر بزاری گفت کہ مرا یار شو بہ بہرہ جفت
گفت بابا نہ ماکن، وزن نہ پند از خلق گیر و از من، نہ
ورزن ار بگیرد ت کسے بہلہ کو گرفت چوں تو بسے
زن کنی ہرگزت رہا نہ کند ورتو بگزاریش چہا نہ کند

پس تو اب تم سکندر آباد میں رہے کہیں اور کیوں جاؤ گے۔ بنک گھر کا روپیہ اُٹھا چکے ہو اب کہاں سے کھاؤ گے۔ میاں نہ تو میرے سمجھانے کو دخل ہے۔ نہ تمہارے سمجھنے کی جگہ ہے ایک جنج ہے کہ وہ چلا جاتا ہے۔ جو ہوتا ہے وہ ہوا جاتا ہے اختیار ہو تو کچھ کیا جائے۔ کہنے کی بات ہو تو کچھ کہا جائے۔ مرزا عبدالقادر بیدل خوب کہتا ہے ؎

رغبت جاہ چہ نفرت اسباب کدام زیں ہوسہا بگذر و یا مگذر می گذرد

مجھ کو دیکھو کہ نہ آزاد ہوں نہ مقید نہ رنجور ہوں نہ تندرست نہ خوش ہوں نہ ناخوش نہ مردہ ہوں نہ زندہ۔ جئے جاتا ہوں باتیں کئے جاتا ہوں روٹی روز کھاتا ہوں۔ شراب گاہ پئے جاتا ہوں جب موت آئیگی مر رہونگا نہ شکر ہے نہ شکایت ہے جو تقریر ہے بہ سبیل حکایت ہے بارے جہاں ہو جس طرح رہو ہر ہفتہ میں ایک بار خط لکھا کرو۔ یکشنبہ ۱۹ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً دیکھو صاحب یہ باتیں ہم کو پسند نہیں ۱۸۵۸ء کے خط کا جواب ۱۸۵۹ء میں بھیجتے ہو۔ اور مزہ یہ ہے کہ جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہو گے کہ میں نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے لطف اس میں ہے کہ میں سچا اور تم بھی سچے آج تک رائے امید سنگھ یہیں ہیں۔ اور ابھی نہیں جائینگے تمہارا مدعا حاصل ہو گیا ہے۔ جس دن وہ آئے تھے۔ اُسی دن مجھ سے کہہ گئے تھے۔ میں بھول گیا۔ اور اس خط میں تم کو نہ لکھا۔ صاحب وہ فرماتے تھے کہ میں نے کئی مجلد مرزا تفتہ کے دیوان کے اور کئی نسخے تضمین اشعار گلستان کے ان کی خواہش کے بموجب کوئی پارسی ہے۔ بمبئی میں اس کے پاس بھیجدیئے ہیں یقین ہے۔ کہ وہ ایران کو ارسال کریگا۔ امید سنگھ نے اُس پارسی کا نام بھی لیا تھا میں بھول گیا اب

جو تم کو اس خیال میں مبتلا پایا تو اُن کا بیان مجھ کو یاد آیا۔ جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتے ہیں دوبارہ اُن کے گھر گیا ہوں۔ مگر محلہ کا نام نہیں جانتا نہ میرے آدمیوں میں کوئی جانتا ہے۔ اب کسی جاننے والے سے پوچھ کر تم کو لکھونگا میر بادشاہ صاحب سے عند الملاقات میری دعا کہہ دینا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لکھنے کے قابل بات پھر بھول گیا۔ کل میر کرامت علی صفا تخلص کہ میں نے آگے ان کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ناگاہ مجھ سے آ کر ملے اور تمہارا حال پوچھتے رہے۔ میں نے کہہ دیا۔ کہ بخیر و عافیت سکندرآباد میں ہیں۔ جب میں نے اُن سے کہا کہ کیا وہ تمہارے آشنا ہیں۔ اُنہوں نے کہا صاحب وہ بزرگ اور استاد ہیں۔ میں ان کا شاگرد ہوں کہیں مدرسے کے علاقوں میں نوکر ہیں۔ بسبیل ڈاک آئے تھے۔ اور آج ہی بسبیل ڈاک انبالہ کو گئے۔ انبالہ اُن کا وطن ہے اور نوکری وہ اسی ضلع میں ہیں۔ غالب نگاشتہ دوشنبہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب قصیدہ کے چھاپے جانے کی بشارت صاحب مطبع نے مجھ کو بھی دی ہے خدا اُن کو سلامت رکھے کل مرزا صاحب کے خط میں اُن کو ایک مصرعہ کسی اوستاد کا لکھ چکا ہوں۔ میں سراسر اُن کا ممنون احسان ہوں۔ میرا سلام کہنا اور لفافے اخبار کے نہ پہنچنے کی اطلاع دینا میرے نام کا کوئی لفافہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جانے اس پر کیا بجوگ پڑا۔ ظاہرا انہوں نے پوسٹ پیڈ بھیجا ہوگا۔ پھر پوسٹ پیڈ بھی کیوں تلف ہو۔ شیشہ بمعنی صدائے اسپ لغت فارسی ہے۔ بشین مکسور و یائے معروف و ہائے ہوز مفتوح و ہائے ثانی زدہ اور عربی میں اسکو صہیل کہتے ہیں۔ جیہہ کوئی لغت نہیں ہے۔ نہ عربی نہ فارسی اگر غنیمت کے کلام میں صیہہ لکھا ہے۔ تو کاتب کی غلطی ہے۔ غنیمت کا کیا گناہ۔ درخور ندوہ مہندسہ کا بے شمار یافت۔ اصل مصرع یوں ہے۔ میں نے سہو سے خدا جانے کیوں لکھ دیا۔ بھائی مہر خوان کے دو معنی ہیں ایک تو خطاب جو سلاطین امرا کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھیں یعنی عرف حاشیہ پر شوق سے لکھوا دو۔ مگر تم نے دیکھا ہوگا۔ کہ اس عبارت سے جو تمہارے ذکر میں ہے۔ پہلے مہر خوان کے معنی حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں۔ مگر دہ لکھنے کی حاجت کیا ہے۔ اور اگر لکھ بھی دو۔ تو قباحت کیا ہے۔ بھائی صاحب کیوں مضائقہ فرمائیں۔ حال اوراق کی تحریر کا معلوم ہوا۔ صاحبان کونسل کی جائے ولایت آگرہ یعنی میرے محکمہ میں منظور و مقبول۔ تمام میرا جس طرح چاہو لکھ دو ؎

بنام آنکہ او نامے ندارد — بہر نامے کہ خوانی سر بر آورد

شفیق بالتحقیق مولانا مہر غفرلہ بیمقدار کا سلام قبول کریں۔ کل آپ کو خط لکھ چکا ہوں آج یا کل پہنچ جائیگا۔ رات سے ایک بات اور خیال میں آئی ہے۔ مگر چونکہ محکمہ و کار فرما ہے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں ڈرتے ڈرتے عرض کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ دو جلدیں طلائی لوح کی ولایت کیواسطے تیار

ہونگی اور دو چار جلدیں جو یہاں کے حکام کے واسطے درکار ہونگی۔ ان کی صورت یہی ٹھیری ہے۔ کہ سیاہ قلم کی لوح اور انگریزی جلد۔ کیوں بھائی صاحب قرار داد اور تجویز یہی ہے۔ اور یہ سمجھا چاہیئے کہ یہ چار جلدیں کس کس نذر ہیں۔ نواب گورنر جنرل بہادر چیف کمشنر بہادر صاحب کمشنر بہادر دہلی۔ ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی۔ یہ کیا میری بد وضعی ہے کہ جناب اڈمنسٹن صاحب کی نذر نہ بھیجوں۔ آخر گورنمنٹ کی نذر انہیں کی معرفت بھیجوں گا۔ صاحب ایک جلد اُن کی نذر بہت ضروری ہے۔ آپ گنتی اُٹھا ڈال کر جیسی یہ چار جلدیں بنوائیں ایک اور بھی ایسی ہی بنوالیں۔ یقین ہے کہ آپ اس رائے کو پسند فرماویں گے۔ اور چار کی جگہ پانچ بنوائیں گے۔ یہ عرض معقول اور یہ گستاخی کی بار بار آزار دیتا ہوں معاف ہو بھائی مرزا تفتہ کل کے مرزا صاحب کے خط میں سے اُس مادہ تاریخ کا قطعہ لکھ لینا۔ تم کو لکھ چکا ہوں ایک قطعہ مرزا صاحب کا ایک قطعہ تمہارا بلکہ ایک قطعہ مولانا حقیر بھی لکھوا لیجو۔

صبح پنجشنبہ سیلم ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً - اجی مرزا تفتہ تمہارے روپیہ بھی کھویا اور اپنی فکر کو اور میری اصلاح کو بھی ڈبو دیا۔ ہائے کیا بُری کاپی ہے۔ اپنے اشعار کی اور اس کاپی کی مثال جب تم پر کھلتی کہ تم یہاں ہوتے اور بیگمات قلعہ کو پھرتے چلتے دیکھتے صورت ماہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے پائچے لیرلیر جوتی ٹوٹی یہ مبالغہ نہیں بلکہ بے تکلف سنبلستان ایک معشوقہ خوبصورت ہے۔ بد لباس ہے۔ بہرحال دونوں لڑکوں کو دو دو جلدیں اور معلم کو حکم دیا۔ کہ اسی کا سبق دے۔ چنانچہ آج سے شروع ہو گیا۔ مرقومہ صبح سہ شنبہ ۱۹ ماہ اپریل ۱۸۶۱ء غالب۔

ایضاً - پنجشنبہ کے دن ۱۸ نومبر کو تمہارا خط آیا۔ اور میں آج ہی جواب لکھتا ہوں کیا تماشہ ہے کہ خط تمہارا پہنچتا ہے اور میرا خط نہیں پہنچتا میرے خط کے نہ پہنچنے کی دلیل یہ ہے کہ تم نے اصلاحی غزل کی رسید نہیں لکھی میں نے کتب کا پہنچنا تم کو لکھا تھا اس کا تم نے ذکر نہ لکھا صاحب ۳۳ کتابیں پہنچ گئیں اور تقسیم ہو گئیں سات کتابیں مرزا مہر کی بھیجی ہوئی موافق اُن کی تحریر کے آج شام تک اور مطابق منشی شیونرائن کی اطلاع کے کل تک میرے پاس پہنچ جائینگی اور بھی منشی شیونرائن نے اندور کی کتابوں کی روانگی کی اطلاع دی ہے منشی نبی بخش صاحب تمہارے خط نہ لکھنے کا بہت گلہ رکھتے ہیں۔ شاید میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں۔ میر قاسم علی صاحب کی بدلی کا حال معلوم ہو۔ یہ میرے بڑے دوست ہیں۔ دلی ان دنوں میں آئے تھے مجھ سے مل گئے ہیں۔ اُن کو ایک کتاب ضرور دیدینا۔ بھائی میں ہرگز نہیں۔ جانتا کہ میر بادشاہ دہلوی کون ہیں اور پھر ایسے کہ جو کہیں کے مصنف ہوں۔ کچھ ان کے خاندان کا حال اور اُن کے والد کا نام لکھو تو میں غور کروں

ورنہ میں تو اس نام کے آدمی سے آشنا نہیں ہوں۔ پنجشنبہ ۸ نومبر ۱۸۵۶ء وقت دوپہر

ایضاً۔ بندہ پرور ایک مہربانی نامہ سکندرآباد سے اور ایک علی گڑھ سے پہنچا یقین ہے۔ کہ بابو صاحب تمہارے خط کے جواب میں کچھ حال لکھینگے اور تم موافق اپنے وعدہ کے مجھ کو لکھو گے اب جب اس خط کا جواب تمہارے پاس سے آئیگا تب تمہارے اشعار تم کو پہنچینگے ہائے ہائے میر تفضل حسین خاں ہائے ہائے

ع رفتی و مرا خبر نہ کردی بر بیکسیم نظر نہ کردی

یہاں یہ سنا گیا ہے۔ کہ میر احمد حسین بڑا بیٹا اُن کے کام پر مقرر ہوا اور میر ارشاد حسین بدستور نائب ہے۔ اسد اللہ ۲۳ فروری ۱۸۵۷ء

ایضاً۔ صاحب ایک خط تمہارا پرسوں آیا۔ اُس میں مندرج تھا۔ کہ میں میرٹھ جاؤنگا۔ آج صبح کو ایک خط تمہارا آیا۔ اُس میں مندرج کہ پہلی جولائی کو جاؤنگا۔ اور تجھ سے ملتا ہوؤنگا۔ پرسوں کے خط میں بھی اور آج کے خط میں بھی پارسل کا ذکر تھا۔ کہ بیس جون کو ہم نے بھیجا ہے۔ بیسویں جون کو آج دسواں دن ہے۔ اسدن میں کوئی پارسل کی پمفلٹ پاکٹ میرے پاس نہیں پہنچا۔ آخری پمفلٹ پاکٹ دو مثنویوں کا وہ تھا کہ جس میں ایک مثنوی بلند شہر کے واقعہ کی تھی کہ ایک لڑکا مر گیا۔ اُس کی ارتھی پھکتی رہی اُس کا عاشق سامنے کھڑا جلتا رہا۔ سو ان دونوں مثنویوں کو میں نے اصلاح دیکر تمہارے پاس بھیجدیا ہے۔ بلکہ یوں یاد پڑتا ہے۔ کہ تم نے اس کی رسید بھی لکھ بھیجی ہے۔ لیکن مجھ کو گمان یہ ہے۔ کہ یہ امر ۲ جون سے آگے کا ہے۔ بہر تقدیر بعد اس پارسل کے کوئی اور پارسل میرے پاس نہیں آیا۔ اصلاحی کاغذ ہر طرف کے عموماً اور تمہارے خصوصاً دو دن سے زیادہ میں نہیں رکھتا۔ جو کاغذ مجھ تک نہ پہنچے میں ناچار ہوں۔ بلکہ خود میرے ایک خط کا جواب تم پر فرض ہے۔ یا تو وہ نہ پہنچا۔ یا تم نے اس کا جواب لکھنا ضرور نہ جانا۔ وہ خط جس میں میر بادشاہ کا کا جی آنا۔ اور اُن کا مجھ سے ملنا۔ اور تمہارا ذکر مجھ میں اُن میں ہونا۔ مہندرا راجہ امید سنگھ کا دلّی میں آنا اور بغیر میرے گھر آجانا۔ اور تمہارا اُن سے ذکر ہونا۔ اور اُن کا یہ کہنا کہ اُن کا کل ایک خط میرے پاس آیا تھا۔ سو میں نے اس کا جواب بھی بھیجا تھا۔ اب میں کیا جانوں کہ تم کو یہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا تمہارا وہ پارسل جس کو تم اب مانگتے ہو۔ میرے پاس ہرگز نہیں آیا۔ غالب چہارشنبہ ۲۹ جون ۱۸۵۹ء وقت نیمروز

ایضاً۔ اچھا میرا بھائی نیب والے دو ورقے چار سو ہوں۔ سب بدلوا ڈالنا۔ کاغذ کا جو نقصان ہو وہ مجھ سے منگوا لینا۔ اس لفظ کے رہجانے میں ساری کتاب نکمی ہو جائیگی۔ اور میرے کمال کو دھبّہ لگ جائیگا۔ یہ لفظ رہ گیا ہے ہر چند مسودہ میں بنا دیا تھا۔ لیکن کاتب کی نظر سے رہ گیا لکھتے ہو۔ کہ مرزا صاحب دو جلدیں درست کریں گے یہ تو صورت اور ہے۔ یعنی میں نے چھ جلدیں بارہ روپیہ کی لاگت میں

بکارسازی و ہنرپروری) برخوردار منشی عبداللطیف چاہیے انھیں منتظر تھا۔ کہ اب ان کا قیوال کرنا مجھ کو لکھیے اور روپیہ مجھ سے منگواؤ گے۔ نظاہر عبداللطیف نے پہلوتہی کی۔ مرزا صاحب اگر کفیل ہوئے تھے۔ تو چھ جلدیں بنواتے نہ کہ دو۔ البتہ اس احتمال کی گنجائش ہے کہ تہ بہت تپ تکلف اور چار بہ نسبت اُس کے کچھ کم اگر یوں ہے۔ تو یہ مدعائے دلی میرا ہے مگر اطلاع ضرور ہے۔ رائے امید سنگھ کے نام کا خط باحتیاط رہنے دو جب وہ آئیں ان کو دیدو۔ جو تم لکھتے ہو۔ کہ تہیب کا لفظ لکھ دیا گیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھاپا شروع ہو کر دور تک پہنچ گیا کیا عجب ہے کہ کتابیں جلد منطبع ہو جائیں ہمارے منشی شیو نارائن صاحب اپنے مطبع کے اخبار میں اس کتاب کے چھاپے کا اشتہار کیوں نہیں چھاپتے تاکہ درخواستیں خریداروں کی فراہم ہو جائیں۔ میرزا تفتہ ان دنوں میں میرے محسن حکیم احسن اللہ خاں آفتاب عالمتاب کے خریدار ہوئے۔ اور میں نے بموجب اُن کے کہنے کے برادر دینی مولانا مہر کو لکھا ہے۔ حضرت کا دو نمبر جواب میں نہیں لکھا۔ تم ان سے کہو کہ وہ ستمبر ۵۸ء سے خریدار ہیں۔ آج ۱۶ ستمبر کی ہے دو نمبر اخبار کے حکیم صاحب کے نام کا سرنامہ خان چند کے کوچہ کا پتہ لکھ کر روانہ کریں۔ آئندہ ہفتہ بہ ہفتہ بھیجے جائیں۔ اور حکیم احسن اللہ خاں کا نام خریداروں میں لکھ لیں۔ دوسرے اخبار مذکور میں ایک صفحہ ڈیڑھ صفحہ بادشاہ دہلی کے اخبار کا ہوتا ہے جس دن سے کہ وہ اخبار شروع ہوا ہے۔ اُس دن سے صرف اخبار شاہی کا صفحہ نقل کر کے ارسال کریں کاتب کی اُجرت اور کاغذ کی قیمت یہاں سے بھیجدی جائیگی۔ بھائی تم مرزا صاحب سے اس کو کہہ کر جواب لو۔ اور مجھ کو اطلاع دو۔ تہیب کے تہیب سے مرا جاتا ہوں۔ اسکی درستی کی خبر بھیجو۔ باقی جو چھاپے کے حالات ہوں۔ اُسکی آگہی ضرور ہے غالب پنجشنبہ ۱۶ ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً میری جان آخر لڑکے ہو بات کو نہ سمجھے میں اور تفتہ کا اپنے پاس ہونا غنیمت نہ جانوں میں نے یہ لکھا تھا۔ کہ بشرط اقامت بلاؤنگا۔ اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھیری تو بے تمہارے نہ رہونگا۔ ورنہ ہرگز نہ رہونگا۔ منشی بالمکند بے صبر کا خط بلند شہر سے دلی اور دلی سے رامپور پہنچا۔ تعلق نہیں ہوا اگر میں یہاں رہ گیا۔ تو یہاں سے اگر دلی چلا گیا۔ تو وہاں سے اصلاح دیکر اُن کے اشعار بھیجدونگا۔ بے صبر کو ایک بار جھڑکیے پھر صبر چاہیے۔ وہ لفافہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ از بسکہ یہاں کے حضرات مہربانی فرماتے ہیں۔ اور ہر وقت آتے ہیں۔ فرصت مشاہدہ اوراق نہیں ملی تم اُسی رقعہ کو اُن کے پاس بھیجدینا۔ غالب سہ شنبہ ۱۴۔ فروری ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ کیوں صاحب مجھ سے کیوں خفا ہو آج مہینہ بھر ہو گیا ہوگا۔ یا بیدو چار دن کے ہو جائے گا۔ کہ

آپکا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو۔ کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا۔ کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیو جی رام برہمن اور بالمکند اس کا بیٹا یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔ اس سے گذر کر لکھنؤ اور کالپی اور فرخ آباد اور کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے تھے۔ ان دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ وہ آمد خطوط کی موقوف۔ صرف تم تین صاحبوں کے آنے کی توقع اس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ۔ ہاں ایک تم ہو کہ ہر مہینے میں ایک دو بار مہربانی کرتے ہو۔ سنو صاحب اپنے پر لازم کر لو۔ ہر مہینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا اگر کچھ کام آ پڑا دو خط تین خط ورنہ صرف خیر و عافیت لکھی اور ہر مہینے میں ایک بار بھیجدی بھائی صاحب کا بھی خط دس بارہ دن ہوئے کہ آیا تھا اس کا جواب بھیجدیا گیا۔ مولوی قمر الدین خان یقین ہے۔ کہ الہ آباد گئے ہوں کیونکہ اسطرح کچھ کوشش میں لکھا تھا۔ کہ اوائل جون میں جاؤں گا۔ بہرحال اگر آپ آزردہ نہیں تو جس دن میرا خط پہنچے اس کے دوسرے دن اس کا جواب لکھئے اپنی خیر و عافیت منشی صاحب کی خیر و عافیت مولوی صاحب کا احوال اس سے سوا گوالیار کے فتنہ و فساد کا ماجرا جو معلوم ہوا ہو وہ الفاظ مناسب وقت میں ضرور لکھنا۔ راجہ جو وہاں آیا ہوا ہے۔ اس کی حقیقت دھولپور کا رنگ صاحبان عالیشان کا ارادہ وہاں کے بندوبست کا کس طرح یہ ہے۔ آگرہ کا حال کیا ہے۔ وہاں کے رہنے والے کچھ خائف ہیں یا نہیں۔ غالب نگاشتہ شنبہ ۱۹ جون ۱۸۵۸ء

ایضاً بفوروا میرزا تفتہ دوسرا مسودہ بھی کل پہنچا تم اچھے اور میں معذور۔ اب میری کہانی سنو۔ آخر جون میں صدر پنجاب سے حکم آ گیا کہ پنشن داران ماہ بماہ نہ پائیں۔ سال میں دوبارہ بطریق ششماہہ فصل بہ فصل پایا کریں۔ ناچار ساہو کار سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا تا ارمیوں کی آمد میں مل کر صرف ہو یہ سود ہر چھینے تک اسی طرح کٹوا دینا پڑیگا۔ ایک معقول رقم گھاٹے میں جائیگی ؎

رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک خلق ہے اُسی چلن پہ مدار
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقید حیات اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار

دس گیارہ برس سے اس تنگنا میں رہتا تھا۔ سات برس تک ماہ بماہ چار روپیہ دیا گیا اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ یکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا جس نے لیا ہے۔ اس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کر دو۔ مکان کہیں ملے تو میں اٹھوں۔ بیدرد نے مجھ کو عاجز کیا اور مدد لگا دی وہ صحن پاخانے کا جسکا دو گز کا عرض اور دس گز کا طول اس میں پاٹ بندھ گئی رات کو وہیں سویا گرمی کی شدت پاخانے کا قرب۔ گمان یہ گذرتا تھا۔ کہ کٹگھڑے ہے اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملیگی تین راتیں اسی طرح گذریں۔ شنبہ ۹ جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آ گیا وہاں جا رہا جان بچ گئی یہ مکان بہ نسبت اس

مکان کے بہشت ہے اور یہ خوبی کہ محلّہ وہی بلّی ماروں کا۔ اگرچہ یہ یوں کہ میں اگر اور محلّے میں جا رہتا تو قاصد ان ڈاک میں پہنچتے یعنی اب اکثر خطوط لال کنوئیں کے پتے سے آتے ہیں۔ اور بے تکلف پہنچتے ہیں۔ بہرحال تم وہی دلّی بلّی ماروں کا محلّہ لکھ کر خط بھیجا کرو۔ دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے صبر کا یہ تین کاغذ در پیش ہیں۔ دو ایک دن میں بعد اصلاح ارسال کئے جائیں گے۔ خاطر عاطر جمع رہے۔ جمعہ ۲۰ جولائی ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ کاشانۂ دل کے ماہِ دو ہفتہ منشی ہرگوپال تفتہ تحریریں کیا کیا سحر طرازیاں کرتے ہیں اب حضرت دو آتشہ ہے۔ کہ ہم بھی جواب اُسی انداز سے لکھیں۔ سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زین العابدین خان مرحوم میرا فرزند تھا۔ اور اب اس کے دونوں بچے کہ وہ میرے پوتے ہیں۔ میرے پاس آ رہے ہیں۔ اور دم بدم مجھ کو ستاتے ہیں اور میں تحمل کرتا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں۔ پس تمہارے نتائج طبع میرے معنوی پوتے ہوئے۔ جب اُن عالم کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے مجھ کو دوپہر کو سونے نہیں دیتے ننگے ننگے پاؤں میرے پلنگ پر رکھتے ہیں۔ کہیں پانی لڑھاتے ہیں کہیں خاک اُڑاتے ہیں، میں نہیں تنگ آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ اُن میں یہ باتیں نہیں میں کیوں گھبراؤں گا۔ آپ اُن کو جلد میرے پاس بسبیل ڈاک بھیج دیجئے۔ کہ میں ان کو دیکھوں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ پھر جلد اُن کو تمہارے پاس بسبیل ڈاک بھیج دونگا۔ حق تعالےٰ تمہارے عالم صورت کے بچوں کو جیتا رکھے۔ اور اُن کو دولت اقبال دے اور تم کو اُن کے سر پر سلامت رکھے۔ اور تمہارے معنوی بچوں یعنی نتائج طبع کو شہرت فروغ شہرت اور حسن قبول عطا فرمائے بابو صاحب کے نام کا خط اُن کے خط کے جواب میں پہنچتا ہے۔ اُن کو دیدیجئے گا اور ہاں صاحب بابو صاحب اور تم آگرہ کو جانے لگو تو مجھ کو اطلاع کرنا۔ اور تاریخ روانگی لکھ بھیجنا۔ تاکہ میں بیخبر نہ رہوں۔ والدعا۔ اسد اللہ نگاشتہ جمعہ ۱۸ رجون سنہ ۱۸۵۲ء

ایضاً۔ شفیق بالتحقیق منشی ہرگوپال تفتہ ہمیشہ سلامت رہیں۔ آپ کا وہ خط جو آپ نے کانپور سے بھیجا تھا۔ پہنچا بابو صاحب کے سیر و سفر کا حال اور آپ کا لکھنؤ جانا اور وہاں کے شعرا سے ملنا سب معلوم ہوا اشعار جناب رند کے پہنچنے کے ایک ہفتہ کے بعد درست ہو گئے۔ اور اصلاح اور اشارے اور فوائد جا لیا کہ میرا شیوہ ہے عمل میں آیا۔ جب تک کہ ان کا یا تمہارا خط نہ آوے۔ اور اقامت گاہ معلوم نہ ہو میں وہ کاغذ ضروری کہاں بھیجوں اور کیونکر بھیجوں اور کیوں بھیجوں۔ اب تمہارے لکھنے سے جانا کہ ۱۹ر فروری تک اکبرآباد آؤ گے۔ تو میں نے یہ خط تمہارے نام لکھ کر لفافہ کر رکھا ہے۔ آج اُنیسویں ہے پرسوں اکیسویں کو لفافہ آگرہ کو روانہ ہوگا۔ بابو صاحب کو میں نے خط اس واسطے نہیں لکھا کہ جو کچھ لکھنا چاہیئے تھا۔ وہ خاتمہ اوراق اشعار پر لکھ دیا ہے۔ تم کو چاہیئے۔ کہ ان کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دو اور سفر کے انجام اور حصول مرام کی

میاں کیا دو دو اوراق اشعار گذرانو اور یہ عرض کرو۔ کہ جو عبارت خاتمہ پر مرقوم ہے اسکو غور سے پڑھیئے اور اپنا دستور العمل گردانئے نہ کہ یہ سرسری دیکھئے۔ اور بھول جائیے بس تمام ہوا۔ وہ پیام کہ جو بابو صاحب کیتحریر میں تھا۔ اب پھر تم سے کہتا ہوں۔ کہ وہ جو تم نے اس شخص کولی کا حال لکھا تھا۔ معلوم ہوا ہر چند اعتراض اُن کا انواور پرسشش انکی بےمزہ ہو۔ مگر ہمارا یہ منصب نہیں۔ کہ معترض کو جواب نہ دیں۔ یا سائل سے بات نہ کریں۔ تمہارے شعر پر اعتراض اس راہ سے کہ وہ ہمارا دیکھا ہوا ہے گویا ہم پر ہے۔ اس سے ہمیں کام نہیں کہ وہ مانیں یا نہ مانیں کلام ہمارا اپنے نفس میں معقول و استوار ہے۔ جو زباندان ہوگا۔ وہ سمجھ لیگا۔ غلط فہم و کج اندیش لوگ نہ سمجھیں نہ سمجھیں ہم کو تمام خلق کی تہذیب و تلقین سے کیا علاقہ تعلیم و تلقین واسطے دوستوں کے اور یاروں کے ہے نہ واسطے اغیار کے۔ تمہیں یاد ہوگا۔ کہ میں نے تمہیں بارہا سمجھایا ہے۔ کہ خود غلطی پہ تو ہے اور غیر کی غلطی سے کام نہ رکھو۔ آج تمہارا کلام وہ نہیں کہ کوئی اس پر گرفت کر سکے۔ مگر ہاں ع

حسود را چہ کنم کو ز خود برنج در است۔ السلام والاکرام۔ اسد اللہ رقم زدہ ۱۹ رفروری و مرسلہ بست و یکم فروری ۱۸۵۲ء۔

ایضاً منشی صاحب تمہارا خط اس دن یعنی کل بدھ کے دن پہنچا کہ میں چار دن سے لرزے میں مبتلا ہوں۔ اور مزہ یہ ہے۔ کہ جس دن سے لرزہ چڑھا ہے۔ کھانا مطلق میں نے نہیں کھایا۔ آج پنجشنبہ پانچواں دن ہے۔ کہ نہ کھانا دن کو میسر ہے۔ اور نہ رات کو شراب۔ حرارت مزاج میں بہت ہے ناچار احتراز کرتا ہوں بھائی اس لطف کو دیکھو کہ پانچواں دن ہے کھانا کھائے ہرگز بھوک نہیں لگی۔ اور طبیعت غذا کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ بابو صاحب والا مناقب کا خط تمہارے نام کا دیکھا اب اس ارسال میں وہ آسانی نہ رہی اور بڑی دشواری سے بھاگتا ہے کیوں تکلیف کریں اور اگر بہرحال ان کی مرضی ہے۔ تو خیر میں فرمان پذیر ہوں۔ اشعار سابق و حال میرے پاس امانت ہیں۔ بعد اچھے ہونے کے ان کو دیکھوں گا۔ اور تم کو بھیج دونگا۔ اتنی سطریں مجھ سے بہزار جر ثقیل لکھی گئی ہیں۔ اسد اللہ روز پنجشنبہ ۲ رمارچ ۱۸۵۲ء

ایضاً۔ صاحب تم جانتے ہو۔ کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ اور کیا واقع ہوا۔ وہ ایک جنم تھا۔ کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے۔ اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت در پیش آئے۔ شعر کہے دیوان جمع کئے۔ اُسی زمانہ میں ایک بزرگ تھے۔ کہ وہ ہمارے تمہارے دوست دلی تھے۔ اور منشی نبی بخش ان کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط نہ وہ انبساط بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہٖ مثل پہلے جنم کے ہے یعنی ایک خط میں نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا۔ اس کا جواب مجھ کو آیا۔ اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال و متخلص بہ تفتہ ہو۔ آج

آیا۔ اور میں جس شہر میں ہوں۔ اس کا نام بھی دلّی اور اس محلہ کا نام بلی ماروں کا محلّہ ہے لیکن ایک دوست اُس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پایا جاتا واللہ ڈھونڈنے کو مسلمان اس شہر میں نہیں ملتا کیا امیر کیا غریب کیا اہلِ حرفہ اگر کچھ ہیں تو باہر کے ہیں۔ ہنود البتہ کچھ کچھ آباد ہوگئے ہیں۔ اب پوچھو تو کیونکر مسکن قدیم میں بیٹھا رہا۔ صاحب بندہ میں حکیم محمد حسن خان مرحوم کے مکان میں تو دس برس سے کرایہ کو رہتا ہوں۔ اور یہاں قریب کیا۔ بلکہ دیوار بدیوار ہیں۔ گھر حکیموں کے اور وہ نوکر ہیں۔ راجہ نرندر سنگھ بہادر والیٔ پٹیالہ کے۔ راجہ صاحب نے صاحبان عالی شان سے عہد لیا تھا۔ کہ بروقت غارت دہلی یہ لوگ بچ رہیں۔
چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آبیٹھے اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں مبالغہ نہ جانتا۔ امیر غریب سب نکل گئے۔ جو رہ گئے تھے وہ نکالے گئے۔ جاگیردار پنشن دار۔ دولتمند اہل حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حال لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ ملازمان قلعہ پر شدت ہے۔ اور بازپرس اور دار وگیر میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر ہوئے ہیں۔ اور ہنگامے میں شریک رہے ہیں میں غریب شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعلق ہوا ہوں۔ خواہی اسکو نوکری سمجھو خواہی مزدوری جانو۔ اس فتنہ و آشوب میں کسی مصلحت میں میں نے دخل نہیں دیا۔ صرف اشعار کی خدمت بجا لاتا رہا اور نظر اپنی بے گناہی پر شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف بادشاہی دفتر میں سے یا مخبروں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی۔ لہٰذا طلبی نہیں ہوئی۔ ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیردار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آئے ہیں۔ میری کیا حقیقت تھی۔ غرضیکہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں دروازہ سے باہر نہیں نکل سکتا سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ رہا یہ کہ کوئی میرے پاس آوے۔ شہر میں ہے کون جو آوے۔ گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں جرنیلی بندوبست یازدہم مئی سے آجتک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو نہیں معلوم۔ بلکہ ہنوز ایسے امور کی طرف حکام کو توجہ بھی نہیں دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا ابھی دیکھا چاہئے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں بہرحال منشی صاحب کو میرا سلام کہنا اور یہ خط دکھا دینا اس وقت تمہارا خط پہنچا اور اسی وقت میں نے یہ خط لکھ کر ڈاک کے ہرکارہ کو دیا۔

ایضاً۔ آج سنیچر دیاں کو دوپہر کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور تمہارا خط لایا۔ میں نے پڑھا۔ اور جواب لکھا۔ اور کلیان کو دیا۔ وہ ڈاک کو لیگیا خدا چاہے تو کل پہنچ جائے۔ میں تم کو لکھ چکا ہوں کہ دلی کا قصد کیوں کرو۔ اور یہاں آکر کیا کرو گے۔ بنک گھر میں سے خدا کرے تمہارا روپیہ ملجائے بھائی میرا

حال یہ ہے کہ دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا۔ کسی مخبر نے بہ نسبت میرے کوئی خبر بدخواہی کی نہیں دی۔ حکام وقت میرا ہونا شہر میں جانتے ہیں۔ فراری نہیں ہوں۔ رُوپوش نہیں ہوں۔ بلایا نہیں گیا۔ دار و گیر سے محفوظ ہوں کسی طرح کی باز پرس ہو تو بلایا جاؤں۔ مگر ہاں جیسا کہ بلایا نہیں گیا خود بھی بروئے کار نہیں آیا کسی حاکم سے نہیں ملا خط کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست ملاقات نہیں کی۔ مئی سے پنشن نہیں پایا کہو یہ دس مہینے کیونکر گذرے ہونگے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ زندہ ہوں۔ مگر زندگی وبال ہے۔۔۔ ہرگوبند سنگھ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک بار میرے پاس بھی آئے تھے۔ والدعا۔

غالب روز شنبہ۔ سیُوم جنوری ۱۸۵۸ء۔ وقت نیمروز۔

ایضاً۔ کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے۔ یا کبھی منو گے بھی اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔ یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا خدا کا احسان ہے۔ کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا۔ جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آرہتے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے۔ کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔ ایک دو صبح کو ایک دو شام کو میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن اُن کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گذر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ یعنی تم نہیں آئے۔ خط لکھو۔ صاحب نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آنے میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے۔ تو بیرنگ بھیجو۔ غالب سوموار ۷ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ مہاراج آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ دل میرا اگرچہ خوش نہ ہوا۔ لیکن ناخوش بھی نہ رہا۔ بہرحال مجھ کو کہ نالائق و ذلیل ترین خلائق ہوں۔ اپنا دعاگو سمجھتے رہو۔ کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کریں۔ میرے قصیدے دیکھو۔ تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے۔ اور مدح کے شعر کمتر نثر میں بھی یہی حال ہے نواب مصطفٰے خان کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو۔ کہ اُن کی مدح کتنی ہے۔ میرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچہ کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ دیوان حافظ کے بموجب فرمائش جان جاکوب بہادر کے لکھی ہے۔ اسکو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں ان کا نام اور اُن کی مدح آئی ہے اور باقی ساری نثر میں کچھ اور ہی اور مطالب ہیں۔ واللہ باللہ۔ اگر کسی شہزادے یا امیرزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا۔ تو اس کی مدح نہ کرتا کہ جتنی تمہاری مدح کی ہے۔ ہم کو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔ قصہ مختصر تمہاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمہارے نام کا بدل کر اس کی عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بیٹی میری روش نہیں۔ ظاہراً تم خود فکر نہیں کرتے اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو۔ وہ صاحب تو بیشتر اس نظم و نثر کو مہمل کہیں گے

کس واسطے کہ اُن کے کان اس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ کہ قتیل کو اچھے لکھنے والوں میں جانیں گے وہ نظم و نثر کی خوبی کو پہنچا نہینگے۔ ہمارے شفیق منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو۔ ماء الجبن سے بھی نہ گیا۔ ایک نسخہ طب محمد حسین خانی میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور سود مند ہے۔ مگر اثر اس کا دیر میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ نسخہ یہ ہے۔ کہ پانچ سات سیر پانی لیویں۔ اور اس میں سیر پیچھے تولہ بھر چوب چینی کوٹ کر ملا دیں اور اس کو جوش کریں۔ اور اسقدر کہ چہارم پانی جل جاوے پھر اس باقی پانی کو چھان کر کوری ٹھلیا میں بھر رکھیں۔ اور جب باسی ہو جاوے۔ اسکو پئیں جو غذا کھایا کرتے ہیں کھایا کریں۔ پانی دن رات جب پیاس لگے یہی پیئیں۔ تبرید کی حاجت پڑے اسی پانی میں پیئیں۔ روز جوش کروا کر چھنوا کر رکھ چھوڑیں۔ بس دن میں اس کا فائدہ معلوم ہوگا میرا سلام کہہ کر یہ نسخہ عرض کر دینا۔ آگے اُن کو اختیار ہے ؂

ایضاً۔ تمہارا خط پہنچا مجھ کو بہت رنج ہوا۔ واقعی اُن چھوٹے لڑکوں کا پالنا بہت دشوار ہوگا۔ دیکھو میں بھی تو اسی آفت میں گرفتار ہوں۔ صبر کرو۔ اور صبر نہ کروگے۔ تو کیا کروگے۔ کچھ بن نہیں آتی میں مسہل میں ہوں۔ یہ نہ سمجھنا کہ بیمار ہوں۔ حفظ صحت کے واسطے مسہل لیا ہے تمہارے اشعار غور سے دیکھ کر بھائی نبی بخش صاحب کے پاس لفافہ تمہارے نام کا بھیجدیا ہے۔ جب تم آؤگے تب وہ تم کو دیں گے جہاں جہاں تردد و تامل کی جگہ تھی۔ وہ ظاہر کردی ہے۔ اور باقی سب اشعار بدستور رہنے دئے ہیں۔ اب تم کو یہ چاہئے۔ کہ کول پہنچ کر مجھ کو خط لکھو اس لفافہ کی رسید اور اپنا سارا حال مفصل لکھو۔ اس میں تساہل نہ کرو۔ بابو صاحب کے خط کا جواب اجمیر کو روانہ کردیا جائیگا آپ کی خاطر جمع رہے۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ صاحب تم نے لکھا تھا۔ کہ میں جلد آگرہ جاؤنگا۔ تمہارے اس خط کا جواب نہ لکھ سکا جواب تب لکھ سکتا تھا۔ مگر کلیان کا پاؤں سوجھ گیا تھا۔ وہ چل نہیں سکتا تھا۔ مسلمان آدمی شہر میں سڑک پر بن ٹکٹ پھر نہیں سکتا۔ ناچار تم کو خط نہ بھیج سکا۔ بعد چند روز کے جو کہار اچھا ہوا تو میں تم کو آگرہ میں سمجھ کر سکندر آباد خط نہ بھیج سکا۔ مولوی قمرالدین خاں کے خط میں تم کو سلام لکھا۔ کل ان کا خط آیا وہ لکھتے ہیں۔ کہ میرزا تفتہ ابھی یہاں نہیں آئے۔ اسواسطے آج یہ رقعہ تم کو بھیجتا ہوں۔ میرا حال بدستور ہے۔ دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے۔ حاکم اکبر نے آکر کوئی نیا بندوبست جاری نہیں کیا۔ یہ صاحب میرے آشنائے قدیم ہیں۔ مگر میں مل نہیں سکتا خط بھیجدیا ہے۔ ہنوز کچھ جواب نہیں آیا۔ تم لکھو کہ اکبر آباد کب جاؤگے۔ والدعا۔ غالبؔ جمعہ ۵ مارچ ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب میرٹھ سے اگر تم کو خط لکھ چکا ہوں شاید نہ پہنچا ہو۔ اس واسطے از روئے احتیاط لکھتا ہوں۔ کہ نواب مصطفیٰ خاں کے ملنے کو بسبیل ڈاک میرٹھ گیا۔ اور سہ شنبہ کے دن دلی آ گیا۔ اور چہارشنبہ کے دن تم کو خط بھیجا۔ کل آخر روز راجہ امید سنگھ بہادر میرے گھر آئے تھے۔ تمہارا خط اُن کے دکھانے کو رکھ چھوڑا تھا۔ وہ اُن کو دکھایا۔ پڑھ کر یہ فرمایا کہ کبھی اور مندر میں قصد اقامت نہیں ہے۔ بنیا ایک تکیہ بنایا چاہتا ہوں۔ آدمی بندرابن گئے ہیں۔ کوئی مکان مول لیں گے۔ وہاں اپنی وضع پر رہونگا۔ میرا سلام لکھتا اور یہ پیام لکھتا کہ آپکا کلام بمبئی تک پہنچ گیا۔ اب طہران کو بھی روانہ ہو جائیگا ؎

سواد ہند گرفتی بہ نظم خود لختے بیا کہ نوبت شیراز و وقت تبریز است

صبح یکشنبہ۔ سیوم جنوری ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ اقبال و دولت برخوردار باشند۔ بدھ کا دن تیسری تاریخ فروری کی ڈیڑھ پہر دن باقی رہے ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور خط مع رجسٹری لایا خط کھولا۔ سو روپیہ کی ہنڈوی پائی جو کچھ کہئے وہ ملا۔ ایک آدمی امید مہری ایک تیل کے کٹرے چلا گیا۔ سو روپے چہرہ شاہی لے آیا۔ آنے جانے کی دیر ہوئی۔ اور بس چوبیس روپے دارونہ کی معرفت اُٹھے تھے وہ دیئے گئے پچاس روپیہ محل میں بھیجدیئے چھبیس روپیہ باقی رہے۔ وہ بکس میں رکھ لئے روپیہ کے رکھنے کیلئے بکس کھولا تھا سو یہ رقعہ بھی لکھ لیا۔ کلیان سودا لینے بازار گیا ہوا ہے۔ اگر جلد آ گیا۔ تو آج ورنہ کل یہ خط ڈاک میں بھیجدونگا خدا تم کو جیتا رکھے اور اجر دے۔ بھائی بڑی آپ بیتی ہے۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا قصہ مختصر یہ کہ قصہ تمام ہوا ؎

غالب چہارشنبہ ۳ فروری ۱۸۵۹ء وقت دوپہر

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط میرٹھ سے آیا مراۃ الصحائف کا تماشا دیکھا سنبلستان کا چھاپا خدا تم کو مبارک کرے۔ اور خدا ہی تمہاری آبرو کا نگہبان رہے بہت گذر گئی ہے تھوڑی رہی اچھی گذری اچھی گذر جائیگی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ عرفی کے قصائد کی شہرت سے عرفی کے کیا ہاتھ آیا جو میرے قصائد کے اشتہار سے مجھ کو نفع ہوگا۔ سعدی نے بوستان سے کیا پھل پایا۔ جو تم سنبلستان سے پاؤگے اللہ کے سوا جو کچھ ہے۔ موہوم۔ معدوم ہے نہ سخن ہے نہ سخنور ہے۔ نہ قصیدہ ہے نہ قصد ہے لاموجود الا اللہ جناب بھائی صاحب یعنی نواب مصطفیٰ خان بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہہ دینا۔ ہمشیرہ کی پنشن کا جاری ہو جانا بہت خوشی کی بات ہے مگر خوشی سے تعجب زیادہ ہے کیا عجب ہے۔ کہ اس سے بھی زیادہ خوشی اور تعجب کی بات بروئے کار آئے۔ یعنی آپ کا پنشن بھی واگذاشت ہو جائے ان شاء اللہ۔ صبح یکشنبہ۔ ۲ جنوری

ایضاً۔ بھائی میں نے دلّی کو چھوڑا اور رامپور کو چلا۔ پنجشنبہ ۱۹ رکو مرادنگر اور جمعہ ۲۰ رکو میرٹھ پہنچا آج شنبہ ۲۱ رکو بھائی مصطفیٰ خاں کے کہنے سے مقام کیا۔ یہاں سے یہ خط تم کو لکھ بھیجا کل شاہجہاں پور پرسوں گڈھ مکتیسر رہونگا۔ پھر مرادآباد ہوتا ہُوا رام پور جاؤنگا۔ اب جو مجھ کو خط بھیجو رام پور بھیجنا سرنامہ پر رام پور کا نام اور میرا نام کافی ہے۔ اب اسی قدر لکھنا کافی تھا۔ باقی جو کچھ لکھنا ہے۔ وہ رام پور سے لکھوں گا۔ راقم غالبؔ۔ مرقومہ چاشتگاہ شنبہ ۲۱ رجنوری ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ برخوردار سعادت آثار منشی ہرگوپال سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اس سے آگے تم کو حالات مجمل لکھ چکا ہوں۔ ہنوز کوئی رنگ قرار نہیں پایا۔ بالفعل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر مرادآباد اور وہاں سے رامپور آئیں گے۔ بعد اُن کے جانے کے کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھیریگا۔ منظور مجھ کو یہ ہے کہ اگر یہاں رہنا ہُوا تو فوراً تم بلاؤنگا۔ وہ دن جو زندگی کے باقی ہیں۔ وہ باہم بسر ہو جائیں۔

راقم غالبؔ یکم مارچ ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ بہت دن سے خط کیوں نہیں لکھا۔ آگرہ میں ہو یا نہیں میرحاتم علی صاحب کا شفقت نامہ آیا۔ یہاں سے اس کا جواب بھیج دیا گیا۔ وہاں سے اس کا جواب آگیا۔ میر مکرم حسین صاحب کا خط پرسوں آیا۔ دو چار دن میں اس کا جواب لکھونگا۔ میرا حال بدستور ہے۔ ع نہ نوید کامیابی نہ نہیب ناامیدی۔ بھائی صاحب کا خط کئی دن ہوئے کہ آیا ہے۔ اور وہ میرے خط کے جواب میں ہے دو ایک دن کے بعد جیب جی باتیں کرنے کو چاہیگا۔ تب اُن کو خط لکھونگا۔ تم اگر ملو تو اُن سے کہہ دینا کہ بھائی قاسم علی خاں کے شعر نے مجھ کو بڑا مزہ دیا۔ حسن اتفاق یہ کہ کئی دن ہوئے تھے۔ جو میں نے ایک آلاتی جبّہ اور ایک شالی رومال ڈھائی گز اودلال کو دیا تھا۔ اور وہ اُس وقت روپیہ لیکر آیا تھا میں روپیہ لیکر اور خط پڑھ کر خوب ہنسا کہ خدا اچھے وقت آیا۔ غالبؔ ۱۸ رجولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب تم تو اچھے خاصے عارف اور تمہارا کشف سچا ہے۔ میں یہ دیکھ رہا تھا۔ کہ تمہارا خط آئے تو جواب لکھوں۔ کل تمہارا خط شام کو آیا۔ آج صبح کو جواب لکھا گیا بات یہ ہے کہ نامور آدمی کے واسطے محلّہ کا پتہ ضرور نہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مگر فارسی انگریزی جو خط میرے نام کے آتے ہیں تلف نہیں ہوتے بعض فارسی خط پر پتہ محلّہ کا نہیں ہوتا۔ اور انگریزی خط پر تو مطلق پتہ ہوتا ہی نہیں شہر کا نام ہوتا ہے۔ تین چار خط انگریزی ولایت سے مجھ کو آئے۔ جاتے انکی بلا کہ بلّی ماروں کا محلّہ کیا چیز ہے۔ وہ تو بہ نسبت میرے بہت بڑے آدمی ہیں۔ سینکڑوں خط انگریزی ہر روز ان کو آتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ میں نے پھر اُن کے پاس آدمی بھیجا۔ اور آپکا خط اپنے نام کا بھیجدیا۔ اُنھوں نے میرے آدمی سے کہا کہ نواب صاحب کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ میں

اس کا جواب کیا لکھوں۔ محلے کا پتہ آپ ہی لکھ بھیجئے سو میں پہلے امر واقعی تم کو لکھ کر تمہاری خواہش کے موافق لکھتا ہوں۔ ان کے مکان کا پتہ بلیماروں کا محلہ دسون کا کوچہ۔ دستنبو کا حال یہ ہے کہ میں نے ایک بار سات روپیہ کی ہنڈوی بھیج کر بارہ جلدیں اور ایک جنتری ان سے منگوائی پھر ان کو ۱۲ کے ٹکٹ بھیج کر دو جلدیں ہیں سے سردھنے کو بھجوائیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ میں بعد اس پچاس جلد کے سولہ جلدیں اور اُن سے لے چکا ہوں۔ مگر نقد ہرگز قرض میں نے نہیں منگائے ہیں ایک بار ہنڈوی اور دو بار ٹکٹ بھیج چکا ہوں۔ تم کو میری جان کی قسم سہل طور پر ان کو لکھ بھیجو کہ غالب نے کتنی کتابیں منگائی ہیں اور نقد منگوائی ہیں یا قرض اور جو وہ لکھیں مجھ کو

ایضاً صاحب ہم تمہارے اخبار نویس ہیں۔ اور تم کو خبر دیتے ہیں۔ کہ برخوردار میر بادشاہ آئے ہیں۔ ان کو دیکھ کر خوش ہوا وہ اپنے بھائیوں سے مل کر شاد ہوئے۔ تمہارا حال سن کر مجھ کو رنج ہوا کیا کروں۔ نہ اپنے رنج کا چارہ کر سکتا ہوں نہ اپنے عزیزوں کی خبر لے سکتا ہوں ع ہر آنچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است۔ آج جو تھا دن ہے۔ یعنی منگل کے دن کوئی پہر دن چڑھا ہوگا۔ کہ راجہ امید سنگھ بہادر ناگاہ میرے گھر تشریف لائے۔ پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو۔ فرمایا کہ آگرہ سے آتا ہوں بیساکھن کی گلی میں جو حکیموں کی گلی کے قریب ہے۔ جورس صاحب کی کوٹھی انہوں نے مول لی ہے اور اس کے قریب زمین افتادہ بھی خرید لی ہے۔ اور اس کو بنوا رہے ہیں۔ تمہارا میں نے ذکر کیا کہ ہر خط میں تم کو پوچھتے ہیں کہ میں نے کئی خط بھیجے جواب نہیں آیا۔ بولے کہ ایک خط ان کا آیا تھا۔ اس کا جواب لکھ چکا ہوں۔ پھر ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ بہرحال میرے پھوڑے نکل رہے ہیں۔ میں بازدید کو نہیں گیا۔ شاید وہ آج گئے ہوں۔ یا جاویں۔ پھر اکبرآباد کو جائیں گے میں آج آدمی اُن کے پاس بھیجونگا۔ کل مرزا حاتم علی مہر کا خط آیا تھا تم کو بہت پوچھتے تھے۔ کہ آیا میرزا تفتہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ بھائی اُن کو خط لکھ بھیجو۔ محررہ ۱۷ جون ۱۸۵۹ء۔

ایضاً صاحب الحمدللہ آیا دل خوش ہوا تمہاری تحریر سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ تم کو آگرہ سے کتابوں کا منگوا لینا بے ارسال قیمت مظنون ہے چنانچہ حق تصنیف تم نے لکھا ہے بھائی کیا میں تم کو جھوٹ لکھوں گا۔ اور شیو نرائن نے اگر ذکر ارسال قیمت کا نہیں لکھا کہ بے ارسال قیمت منگوائی ہیں۔ تم کو میرے سر کی قسم اور میری جان کی قسم شیو نرائن سے اتنا پوچھو۔ کہ اُس پچاس جلد کے بعد کی جلدیں غالب نے اور منگائیں اور قیمت بھیج کر منگوائیں یا قیمت اُس سے لیتی ہے دیکھو میں نے قسم لکھی ہے۔ یوں ہی عمل میں لانا راجہ امید سنگھ صاحب یہیں ہیں۔ مجھ سے ان دنوں میں ملاقات نہیں ہوئی۔ جو تمہارے خط کا ذکر کرتا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا اور یہ جو تم نے مجھ کو لکھا تھا۔ اگر دسون کا کوچہ نہ ملیگا۔ تو وہ خط میرے پاس آئیگا۔ سو وہ میرے پاس نہیں آیا۔ صاحب تم کو وہم کیوں ہے ایک امیر نامور آدمی ہے اس کے

تمام خط کیوں نہ پہنچے گا۔

ایضاً اجی میرزا تفتہ۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو تمہارے حال کی بڑی پرسش ہے تم نے اُن کو خط لکھنا کیوں موقوف کیا ہے۔ وہ مجھ کو لکھتے تھے۔ کہ اگر آپ کو میرزا تفتہ کا حال معلوم ہو تو مجھ کو ضرور لکھیئے گا۔ غالب یکشنبہ ۲ر فروری ۱۸۵۹ء۔

ایضاً کیوں میرزا تفتہ تم بے وفا یا میں گنہگار ہیں بھی تو مجھ کو معلوم نہیں۔ کہ تم کہاں ہو ابھی ایک صاحب میری ملاقات کو آئے تھے۔ تقریباً تمہارا ذکر درمیان آیا وہ کہنے لگے۔ کہ وہ کول میں ہیں۔ اب میں حیران ہوں۔ کہ خط کول بھیجوں یا سکندرآباد۔ اگر کول بھیجوں تو سکن کا کیا لکھوں بہرحال سکندرآباد بھیجتا ہوں۔ خدا کرے پہنچ جائے۔ تمہارا دیوان بطریق پارسل میرے پاس آیا۔ میں نے ہرکارے کو راجہ امید سنگھ بہادر کے گھر کا پتہ بتا کر وہاں بھجوا دیا یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔ پانچ چار دن سے سنتا ہوں۔ کہ وہ متھرا اور اکبرآباد کی طرف گئے ہیں۔ مجھ سے مل کر نہیں گئے۔ بہرحال اس خط کا جواب جلد لکھو اور ضرور لکھو۔ بھائی تم سیاح آدمی ہو۔ جہاں جایا کرو۔ مجھ کو لکھ بھیجا کرو کہ میں وہاں جاتا ہوں۔ یا جہاں جاؤ وہاں سے خط لکھو۔ تمہارے خط کے نہ آنے سے مجھے تشویش رہتی ہے میری تشویش تم کو کیوں پسند ہے۔ مرقومہ یکشنبہ ۲۷ر مارچ ۱۸۵۹ء۔ غالب

ایضاً شنبہ ششم مئی ۱۸۶۰ء ہنگام نیمروز۔ بھائی آج اس وقت تمہارا خط پہنچا۔ پڑھتے ہی جواب لکھتا ہوں۔ زرِ سہ سالہ مجتمعہ ہزاروں کہاں سے ہوئے سات سو پچاس روپے سال پاتا ہوں۔ تین برس کے دو ہزار دو سو پچاس ہوئے سو روپے مجھے مدد خرچ ملے تھے وہ کٹ گئے ڈیڑھ سو متفرقات میں گئے رہے دو ہزار روپے میر احمد کا ایک بیٹا ہے اور میں اس کا قرضدار قدیم ہوں اب وہ دو ہزار لایا۔ اُس نے اپنے پاس رکھ لئے اور مجھ سے کہا کہ میرا حساب کیجئے۔ سات کم پندرہ سو اس کے سود مول کے ہوئے۔ قرض متفرق کا اسی سے حساب کروایا۔ گیارہ سو کئی روپے وہ نکلے۔ پندرہ اور گیارہ ۲۶ سو ہوئے۔ اصل میں یعنی دو ہزار میں چھ سو کا گھاٹا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پندرہ سو میرے ہیں دو پانسو سات روپے باقی ہیں تم لے لو۔ میں کہتا ہوں متفرقات کیا دو سو چکا دے نو سو باقی رہے آدھے تو لے۔ آدھے مجھ کو دے۔ پرسوں چوتھی کو وہ روپے لایا ہے۔ کل تک قصہ نہیں چکا میں غلطی نہیں کرتا۔ وہ ایک مہاجن بیچ میں ہیں۔ ہفتہ بھر میں جھگڑا فیصل ہو جائیگا خدا کرے۔ یہ خط تم کو پہنچ جائے۔ جس دن برات سے پھر کر آؤ۔ وہ اسی دن مجھ کو اپنے ورود مسعود کی خبر دینا۔

والدعا۔ غالب

ایضاً۔ نورِ نظر و لختِ جگر میرزا تفتہ تم کو معلوم ہے۔ کہ بڑے صاحب کرم و معظم راجہ امید سنگھ بہادر

یہ رقعہ تم کو بھیجینگے تم اس رقعہ کو دیکھتے ہی اُن کے پاس حاضر ہونا۔ اور جب تک وہاں رہیں تب تک حاضر ہوا کرنا۔ اور دستنبو کے باب میں جو اُن کا حکم ہو بجا لانا اُن کو پڑھا بھی دینا اور فی جلد کا حساب سمجھا دینا۔ پچاس جلد کی قیمت عنایت کریں گے وہ لے لینا۔ جب کتاب چھپ چکے دس جلدیں رائے صاحب کے پاس اندر بھیجدینا۔ اور چالیس جلدیں بموجب اُن کے حکم کے میرے پاس ارسال کرنا اور وہ جو میں نے پانچ جلد کی آرائش کے باب میں تم کو لکھا ہے اس کا حال مجھ کو ضرور لکھنا ہاں صاحب ایک رباعی تیرے سہو سے رہ گئی ہے۔ اُس رباعی کو چھاپہ ہونے سے پہلے حاشیہ پر لکھ دینا۔ جہاں یہ فقرہ ہے کہ نے اختر بخت خسرو در بلندی بجائے رسید کہ رُخ از خاکیان نہفت ؎

جائے کہ ستارہ شوخ چشمی ورزد — افسر فسار دگر زنان ارزن ارزد
خورشید ز اندیشۂ چادر گردش — بر چرخ نہ بینی کہ چساں مے لرزد

چونکہ حاشیہ یعنی لغات سے بھرا ہوا ہے تو تم اس فقرے کے آگے نشان بنا کر اوپر کے حاشیہ پر رباعی لکھ دینا۔ اور حاشیہ یعنی لغات پر جہاں ورقے لکھے ہوئے ہیں وہاں رباعی کے لغات کے معنے خفی قلم سے لکھ دینا افسر افسا گرزن بر ہر دو فتح چادر گردش۔

غالب نگاشتہ ۲۲۔ اگست ۱۸۵۸ء

ایضاً - میرزا تفتہ تمہارا خط آیا فقیر کو خفہ کا حال معلوم ہوا۔ خدا فضل کرے اگر تم اس راز کے اظہار کو منع نہ کرتے تو بھی میرا شیوہ ایسا لغو نہیں ہے۔ کہ میں اُن کو لکھتا لکھتے ہو۔ کہ مرزا ہر کے دو چار روپے زائد صرف ہو گئے۔ تو کیا اندیشہ ہے حال یہ ہے کہ میں نے اُن سے استفسار کیا تھا۔ انہوں نے مجھ کو لکھا کہ کتاب کی درستی میں بارہ روپے صرف ہوئے ہیں۔ تحصیل کی ایک قسم خفیف اگر میں نے اپنے پاس سے دی تو اس کا کیا مضائقہ مجھ کو تمہارا قول مطابق واقع نظر آتا ہے البتہ اُن کے دو تین روپے آٹھ گئے ہونگے لالہ گنگا پرشاد شاہ تخلص اپنے کو تمہارا شاگرد بتلاتے ہیں۔ مگر ریختہ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے۔ کہ یہاں آئے اور بالمکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو لائے۔ وہ دیکھ کر اُن کے حوالے کر دیں۔ ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے معتمد ہیں امن کے دنوں میں ایک ملاقات میری اُن کی ہوئی تھی۔ میں نے اب ایک سادہ بے جلد اُن کو بھیجی تھی کل اُن کا خط مجھ کو اس کتاب کی رسید میں آیا۔ بہت تعریف لکھتے تھے۔ اور وہاں بھی ایک تماشا اور ہے وہ مجھ کو لکھتے تھے۔ کہ یہ دستنبو پہلے اس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے۔ اور ہم اس کو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خلاصہ کتاب کے پہنچا۔ اُن کے اس لکھنے سے یہ معلوم ہوا۔ کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گزری ہو گی کیا اچھی بات ہے۔ کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہنچ جائے گا۔ میں چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں۔ اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر [illegible]

کی نذر یہ پارسل انشاء اللہ تعالیٰ آج روانہ ہو جائیں گے۔ دیکھو حیف کشتہ کیا لکھتے ہیں۔ اور گو زکیا فرماتے ہیں ؎

تا نہال دوستی کے بر دہد — حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

شنبہ ۲۷ نومبر ۱۸۵۸ء غالب۔

ایضاً میرزا تفتہ صاحب پرسوں تمہارا دوسرا خط پہنچا تم سے پردہ کیا ہے ایک فتوح کا منتظر ہوں اُس میں نے اپنے ضمیر میں تم کو شریک کر رکھا ہے زمانہ فتوح کے آنے کا قریب آگیا ہے۔ انشاء اللہ خط میرا مع حصّہ فتوح جلد پہنچیگا۔ پنڈت بدری داس ڈاک منشی کرنال با آنکہ مجھ سے اُس سے ملاقات ظاہری نہیں ہے مگر میں جب جیتا تھا۔ تو وہ اپنا کلام میرے پاس اصلاح کے واسطے بھیجتا تھا۔ بعد اپنے مرنے کے میں نے اُس کو لکھ بھیجا کہ اب تم اپنا کلام منشی ہر گوپال تفتہ کے پاس بھیجا کرو اب تم کو بھی لکھتا ہوں۔ کہ تم میرے اس لکھنے کی اُن کو اطلاع لکھو میں زندہ ہوں۔ اوپر کے لکھے ہوئے کو مردہ لکھا ہے۔ وہ باعتبار ترک اصلاح نظم کہا ہے ورنہ زندہ ہوں۔ مُردہ نہیں بیمار بھی نہیں بُڈھا ناتوان مفلس قرضدار کانوں کا بہرہ قسمت کا ہیچ زیست سے بیزار مرگ کا امیدوار غالب۔

ایضاً۔ بھائی تم سچ کہتے ہو۔ کہ بہت مسودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ہی قصائد پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال تمہیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو۔ کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے۔ کرایہ کی حویلی میں رہتا ہوں۔ جولائی سے مینہ شروع ہوا شہر میں سینکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہ نکلیں بالا خانہ کا جو دالان میرے بیٹھنے اُٹھنے سونے جاگنے جینے مرنے کا محل اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی ہو گئی کہیں لگن کہیں چلمچی کہیں اُگالدان رکھ دیا۔ قلمدان کتابیں اُٹھا کر توشہ خانہ کی کوٹھڑی میں رکھ دیئے مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں کشتیِ نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا اب نجات ہوئی ہے۔ نواب صاحب کی غزلیں اور تمہارے قصائد دیکھے جائینگے میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمہاری خیر و عافیت اُن سے معلوم ہوئی تھی۔ میر قاسم علی صاحب مجھ سے نہیں ملے پرسوں سے نواب مصطفےٰ خان صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات اُن سے ہوتی ہے۔ ابھی یہیں رہیں گے بیمار ہیں احسن اللہ خان معالج ہیں فصد ہو چکی ہے جونکیں لگ چکی ہیں۔ اب مسہل کی فکر ہے سوا اس کے سب طرح خیر و عافیت ہے۔ میں ناتواں بہت ہو گیا ہوں گویا صاحب فراش ہوں۔ کوئی شخص نیا تکلف کی ملاقات کا آ جائے۔ تو اُٹھ بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹے لیٹے خط لکھتا

ہوں کیونکہ لینے مسودات دیکھتا ہوں۔ اسد اللہ۔ صبح جمعہ ۲۴ ماہ اکتوبر ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ پرسوں تمہارا خط آیا۔ حال جو معلوم تھا۔ وہ پھر معلوم ہوا۔ غزلیں دیکھ رہا تھا۔ آج شام کو دیکھنا تمام ہوا تھا۔ غزلوں کو لفافہ میں چاہتا تھا کہ ان کو بند کر کے بھیج دوں۔ کل نو بجے دس بجے ڈاک میں بھیج دوں خط کچھ ضرور نہیں ہے۔ اسی خیال میں تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ آیا جانی جی کا خط لایا۔ اسکو پڑھا۔ اب مجھ کو ضرور ہوا کہ خلاصہ اُس کا تمام لکھوں یہ تو لکھا تھا خلاصہ بطریق ایجاز یہ ہے کہ عرضی گذری دیوان گذرا راول جی کے نام کا خط گذرا۔ راجہ صاحب دیوان کے دیکھنے سے خوش ہوئے جانی جی نے جو ایک معتمد اپنا سعد اللہ خاں وکیل کے ساتھ کر دیا ہے وہ منتظر جواب کا ہے۔ راول جی نئے ایجنٹ کے استقبال کو گئے ہیں۔ اور اب ایجنٹ علاقہ جے پور کی راہ سے نہیں آتا۔ آگرہ اور گوالیار کو ہوتا ہوا اجمیر آئیگا اور اس راہ میں جے پور کا عمل نہیں۔ بس چاہیے۔ کہ راول جی الٹے پھر آویں اُن کے آنے پر عرضی کا جواب ملیگا۔ اور اس میں دیوان کی رسید بھی ہوگی۔ بھائی جانی جی تم کو بہت ڈھونڈتے اور تمہارے بغیر بہت بے چین ہیں۔ میں نہ تم کو کچھ کہہ سکتا ہوں نہ ان کو سمجھا سکتا ہوں۔ تم وہ کرو۔ کہ جس میں سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے ہاں۔ یہ بھی جانی جی نے لکھا تھا۔ کہ بہت دن کے بعد منشی جی کا خط آیا ہے۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ بھائی پرسوں شام ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ اور ایک خط تمہارا ——— مع ایک خط جانی جی کا لایا تمہارے خط میں اوراق اشعار اور بابو صاحب کے خط میں جے پور کے اخبار تھے۔ دو دن سے مجھ کو وجع المفاصل ہے۔ اور میں بہت بے چین ہوں۔ ابھی اشعار کو دیکھ نہیں سکتا۔ بابو صاحب کے بھیجے ہوئے کو اخبار تم کو بھیجتا ہوں۔ اشعار بعد دو چار روز کے بھیجے جاویں گے۔ اسد اللہ سہ شنبہ ۱۵ فروری ۱۸۵۷ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا حال معلوم ہوا ؎

جانیاں زتو برگشتہ اند گر غالب ترا چہ باک خدائے کہ داشتی داری

خدا کے واسطے میرے باب میں لوگوں نے کیا خبر مشہور کی ہے بہ نسبت حکیم احسن اللہ خاں کے جو مشہور ہے۔ وہ محض غلط ہاں مرزا الٰہی بخش جو شہزادوں میں ہیں۔ اُن کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے اور وہ انکار کر رہے ہیں۔ دیکھئے کیا ہو۔ حکیم جی کو اُن کی حویلیاں مل گئی ہیں۔ اب وہ مع قبائل ان مکانوں میں جا رہے ہیں۔ اتنا حکم انکو ہے۔ کہ شہر سے باہر نہ جائیں رہا میں ع تو بیکسی و غریبی ترا کہ می پرسد نہ جزا نہ سزا نہ نفرین نہ آفرین نہ عدل نہ ظلم نہ لطف نہ قہر دو دن پہلے تک دن کو روٹی رات کو شراب ملتی تھی اب صرف روٹی ملتی جاتی ہے۔ شراب نہیں کپڑا ایام تنعم کا بنا ہوا ابھی ہے اس کی کچھ فکر نہیں ہے مگر تم کو میرے سر کی قسم یہ لکھ بھیجو کہ میری خبر تم نے کیا سنی مجھ اس کے معلوم ہونے سے مزا ملیگا۔

غالب۔ شنبہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب عجیب اتفاق ہے۔ آج صبح کو ایک خط تم کو اور ایک خط جاگیرے کا نوکی تہنیت میں اپنے شفیق کو ڈاک میں بھیج چکا تھا۔ کہ دوپہر کو رضی الدین نیشاپوری کا کلام ایک شخص بیچتا ہؤا لایا میں تو کتاب کو دیکھ لیتا ہوں مول نہیں لیتا۔ قضارا جب میں نے اسکو کھولا اُسی ورق میں یہ مطلع نکلا ؎

اگر بہ گنج گہر میسلم او فتاد چہ باک
کف جواد ترا انہ برائے آں دادم

چاہتا تھا کہ تم کو لکھوں کہ ناگاہ تمہارا خط آیا مجھ کو لکھنا ضرور ہؤا آج تمہیں دو خط بھیجے ہیں ایک تو صبح کو پوسٹ پیڈ اور ایک اب بارہ پر تین بجے بیرنگ اس شعر کو اب جا ہو رہنے دو۔ ہائے ہائے تم بھائی سے ملے غیاث اللغات کھلوائی جواد کا لغت دیکھا۔ مگر میرا ذکر نہ کیا۔ کہ وہ تمہارا جویائے حال ہے۔ دستنبو اور اُس کے چھاپے کا ذکر نہ کیا البتہ تم ذکر کرتے تو وہ دونوں کے باب میں کچھ فرماتے اور مجھ کو دعا سلام کہہ دیتے چونکہ تم نے اپنے خط میں کچھ نہیں لکھا اس سے معلوم ہؤا کہ بھائی نے کچھ نہیں کہا۔ اگر اُنھوں نے کچھ نہیں کہا تو اُن کا ستم اور اُن کا کہا ہؤا تم نے نہیں لکھا تو تمہارا کرم بہر حال خوب مصرعہ حافظ کا تم نے مجھ کو یاد دلایا ہے ع۔ یارب مباد کس را مخدوم بے عنایت۔ خواہی تم خواہی منشی نبی بخش سلمہ اللہ تعالیٰ یہ یاد ہے۔ یہ مصرعہ اگر مصرعہ اگرچہ پندنجیرسے باندھ گے تو بھی نہیں بندھے گا۔ اگر دستنبو کو سراسر غور سے دیکھو گے۔ تو اپنا نام پاؤ گے۔ اور یہ بھی جاؤ گے۔ کہ وہ تمہاری اس تحریر سے سو برس پہلے کی ہے۔

آخر روز دوشنبہ ۲۲۔ اگست۔

ایضاً جانِ من وجانانِ من کل میں نے تم کو سکندرآباد میں سمجھ کر خط بھیجا۔ شام کو تمہارا خط آیا معلوم ہؤا کہ تم اکبر آباد پہنچے۔ خیر وہ خط پوسٹ پیڈ ہو گیا ہے شاید اُلٹا پھرے اگر پھر آئیگا تو خیر آج یہ خط تم کو اکبرآباد بھیجتا ہوں پہنچے پر جواب لکھنا۔ تقطیع رباعی کی بہت خوب اگرچہ ہر ایک بات کا وقت ہے۔ ہم کو ہر طرح لطف صحبت اور لطف شعر اُٹھا لینا۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کے نام کا خط پڑھ کر اُن کو دے دینا اور اُس کا مضمون معلوم کر لینا جس حاکم کو میں نے خط اور رقعہ بھیجا ہے۔ اس کے سررشتہ دار کوئی صاحب ہیں من پھول اُن کا نام ہے مجھ سے ناآشنائے محض ہیں۔ اگر تعارف ہوتا تو استدعا کرتا کہ اس تحریر کو پیش کیجیے۔ کاش تم سے آشنائی ہوتی تو تمہیں او پراو پر ایک خط لکھ کر اُن کو بھیج دیتے کہ غالب ایک فقیر گوشہ نشین اور بے گناہ محض اور واجب الرحم ہے۔ اس کے حصول مطالب میں سعی سے دریغ نہ کرنا ؎

مے توان آور د استغنا مغار شتاملہ
چرخ کج رو را اگر دانیم کز یاران کیست

باقی جو حال ہے وہ بھائی کے نام کے ورق میں لکھ چکا ہوں۔ تم پڑھ لوگے دوبارہ لکھنا کیا ضرور

شنبہ ۶ مارچ ۱۸۵۸ء جواب طلب۔

ایضاً۔ میرے مہربان میری جان میرزا تفتہ سخندان تمہارا سکندرآباد اور میرے خط کا تمہارے پاس پہنچنا تمہاری تحریر سے معلوم ہوا زندہ رہو اور خوش رہو۔ میں نثر کی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا۔ بھیک مانگنے آیا ہوں روٹی اپنی گرہ سے نہیں کھاتا سرکار سے ملتی ہے وقت رخصت میری قسمت اور منعم کی ہمت نواب صاحب اندروئے صورت روح مجسم اور باعتبار اخلاق آیت رحمت ہیں خزانہ فیض کے تحویلدار ہیں جو شخص دفتر ازل سے جو کچھ لکھوا لایا ہے اس کے بٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلہ کا محصول معاف کر دیا۔ ایک اہلکار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا۔ اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا منشی نولکشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی خلاصہ عرضی کا سن لیا۔ واسطے منشی صاحب کے کچھ عطیہ بتقریب شادی صبیہ تجویز ہو رہا ہے مقدار مجھ پر نہیں کھلی مصطفیٰ خاں صاحب بتقریب تہنیت مسند نشینی و شمول جشن آنیوالے ہیں۔ اسوقت تک نہیں آئے۔ جشن یکم دسمبر سے شروع ۵ دسمبر کو خلعت کا مسموع نجات کا طالب غالب

دوشنبہ ۲۸ نومبر ۱۸۶۵ء وقت چاشت۔

ایضاً۔ میرزا تفتہ جو کچھ تم نے لکھا یہ بیدردی ہے اور بدگمانی۔ معاذاللہ تم سے اور آزردگی مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوست صادق الولا رکھتا ہوں جس کا ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص ہے تم ایسی کونسی بات لکھو گے کہ موجب ملال ہو رہا غماز کا کہنا اس کا حال یہ ہے۔ کہ میرا حقیقی بھائی کل ایک تھا۔ وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا۔ مثلاً وہ جیتا ہوتا۔ اور ہوشیار ہوتا اور تمہاری برائی کہتا تو میں اس کو جھڑک دیتا۔ اور اس سے آزردہ ہوتا بھائی مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہے برسات کی مصیبت گذر گئی لیکن بڑھاپے کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں۔ بیٹھ نہیں سکتا اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں ہرچند یہ بھی ہے کہ اب مشق تمہاری پختہ ہو گئی خاطر میری جمع ہے کہ اصلاح کی حاجت نہ پاؤنگا اس سے بڑھ کر یہ بات کہ قصائد سب عاشقانہ ہیں بکار آمدنی نہیں خیر کبھی دیکھ لونگا جلدی کیا ہے۔ تین بات جمع ہوئیں میری کاہلی تمہارے کلام کا محتاج بہ اصلاح نہ ہونا کسی قصیدہ سے کسی طرح کے نفع کا تصور نہ ہونا نظر ان مراتب پر کاغذ مجھ پہ ہے لالہ بالمکند بے صبر کا ایک پارسل آیا ہے کہ جس کو بہت دن ہوئے آج تک سرنامہ بھی نہیں کھولا نواب صاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں۔ ؎

ضعف نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ قصیدہ تمہارا کل آیا آج اسوقت کہ سورج بلند نہیں ہوا۔ اس کو دیکھ اصلاح کیا آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھجوایا۔ غالب ۲۷ نومبر ۱۸۶۱ء۔

الضاً منشی صاحب میں سال گذشتہ بیمار تھا بیماری میں خدمت احباب سے مقصر نہیں رہا اب مردہ ہوں مردہ کچھ کام نہیں کر سکتا کمشنر و ڈپٹی کمشنر وغیرہ حکام شہر سے ترک ملاقات ہے مگر ڈپٹی کلکٹر شہر سے کہ وہ مہتمم خزانہ ہے ہر مہینے میں ایک بار ملنا ضرور ہے اگر نہ ملوں تو مختار کار کو تنخواہ نہ ملے۔ ڈکروڈر صاحب ڈپٹی کلکٹر چھ مہینے کی رخصت لیکر پہاڑ پر گئے اُن کی جگہ رینگین صاحب مقرر ہوئے۔ ان سے ناچار ملنا پڑا۔ وہ تذکرہ شعراء ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں۔ مجھ سے بھی انہوں نے مدد چاہی ہیں نے سات کتابیں بھائی ضیاء الدین خان صاحب سے مستعار لیکر ان کے پاس بھیجدیں پھر اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ جن شعراء کو تو اچھی طرح جانتا ہے ان کا حال لکھ بھیج میں نے ۱۶ آدمی لکھ بھیجے نقیہ اس کے کہ اب زندہ موجود ہیں۔ اور اس سوا ر کی صورت یہ ہے نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر رئیس لوہارو فارسی وار دو دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں فارسی میں نیر اور اُردو میں رخشاں تخلص کرتے ہیں اسد اللہ خان غالبؔ کے شاگرد نواب مصطفےٰ خان بہادر علاقہ دار جہانگیر آباد اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے ہیں۔ اُردو میں مومن خان کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ منشی ہرگوپال معزز قانون گو سکندر آباد کے فارسی شعر کہتے ہیں۔ تفتہ تخلص کرتے ہیں۔ اسد اللہ خان غالب کے شاگرد ظاہر بعد اس فہرست کے بھیجنے کے اُنہوں نے کچھ اپنے منشی سے تم کو لکھوایا ہوگا۔ پھر کچھ آپ لکھا ہوگا۔ مجھ کو اس حال سے کچھ اطلاع نہیں تمہارے خط کی رُو سے میں نے اطلاع پائی اب میں مولوی ظہیر الحق کے منشی کو بلواؤں گا۔ اور سب حال معلوم کرونگا۔ اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل نہ کیا جائیگا صرف شاعر کا اور اس کے استاد کا نام اور شاعر کے مسکن وطن کا نام مع تخلص جمع ہوگا خدا کرے کچھ تم کو فائدہ ہو جاوے۔ ورنہ بظاہر سوائے درج ہونے نام کے اور کسی بات کا احتمال نہیں ہے۔ رینگین صاحب اب عدالت خفیفہ کے جج ہوگئے ڈکروڈر صاحب بہادر پہاڑ سے آگئے اپنا کام کرنے لگے۔ رینگین صاحب شہر سے باہر دو کوس کے فاصلے پر جا رہے ہیں جاڑے کا موسم بڑھاپے کا عالم وہاں تک جانا دشوار اور پھر کوئی نکتہ متوقع نظر میں نہیں آتا بہرحال مولوی ظہیر الحق پرسوں یکشنبہ کے دن میرے پاس آئیں گے۔ حال معلوم کر کے اگر میرا جانا یا لکھنا تمہاری فلاح کا موجب ہوگا۔ تو ضرور جاؤنگا۔

غالبؔ روز جمعہ ۹۔ دسمبر ۱۸۶۴ء۔

الضاً۔ بھائی آج صبح کو بسبب حکیم صاحب کے تقاضا کے شکوہ آمیز خط جناب مرزا صاحب کی خدمت میں لکھ کر بھیجا ہے۔ کلیان خط ڈاک میں ڈال کر آیا ہی تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ ایک خط تمہارا اور ایک خط مرزا صاحب کا لایا۔ اب کیا کروں تیر چھٹ چکا ہے۔ شکوہ محبت پڑھا جائیگا۔ مرزا صاحب کی عنایت کا شکر بجا لاتا ہوں۔ یقین ہے کہ جلد میں میری خاطر جمع ہو جائیگی کس واسطے کہ جو آج کے خط میں اُنہوں نے

لکھا ہے۔ وہ آئینہ میرا مکنونِ ضمیر ہے۔ خدا اس کو سلامت رکھے۔ میرا سلام کہہ دینا۔ ان کے خط کا جواب کل پرسوں بھیجوں گا
رائے امید سنگھ بہادر خوبانِ روزگار میں سے ہیں۔ فقیر کا سلام نیاز ان کو کہہ دینا۔ خدا کرے۔ اُن کے سامنے
کتابیں چھپ چکیں۔ بارے جب وہ گوالیار کو تشریف لیجائیں۔ تو مجھ کو اطلاع لکھنا۔ تہذیب کی جگہ تولئے بن جانے
سے خاطر جمع ہو گئی۔ بھائی میں فارسی کا محقق ہوں۔ کاتب اُن اجزا کا جن کی رُو سے کاپی لکھی جاتی ہے فارسی
کا عالم ہے اس کا غیاث اللدین رام پوری اور حکیم محمد حسین دکنی سے زیادہ ہے تصحیح سے غرض یہ ہے۔ کہ کاپی سراسر
موافق ان اوراق کے ہو نہ یہ کہ فرہنگوں میں دیکھا جائے آگے اس قسم کا لکھ چکا ہوں۔ اب صرف اس تحریر
کا اشارہ لکھنا منظور تھا۔ آج جس طرح مجھ کو تمہارا اور مرزا صاحب کا خط پہنچا۔ لازم تھا۔ کہ حکیم صاحب کو بھی
نقشہ اخبار پہنچ جاتا مگر اسوقت تک نہیں پہنچا۔ اور بیدو پہر کا وقت ہے۔ خیر پہنچ جائیگا میں نے تمہارا خط
اُن کے پاس بھیج دیا تھا۔ اُنہوں نے تمہاری رائے منظور کی۔ اب تم وہ اخبار جس طرح کہ تم نے لکھا ہے
اُن کے پاس بھیجدو اور صاحب مطبع قیمت اخبار اور اُجرت کاتب اُن کو لکھ بھیجے اپنے نام اور مسکن سے ان کو
اطلاع دے پس اسکو اچھے طور پر دینہ بھیجدینگے ہم تم واسطہ شناسائی ہم دگر ہو گئے ہاں اگر احیاناً روپیہ کے
بھیجنے میں دیر ہوگی تو میں کہہ کر بھجوا دوں گا۔ یہ البتہ میرا ذمہ ہے۔

ایضاً شفیق میرے کرم فرما میرے تمہارا خط اور تین دو ورقہ چھاپے کے پہنچے۔ شاید میرے دکھانے کیواسطے
بھیجے گئے ہیں ورنہ رسم تو یوں ہے کہ پہلے صفحہ پر کتاب کا نام اور مصنف کا نام اور مطبع کا نام چھاپتے ہیں۔
اور دوسرے صفحہ پر لوحِ سیاہ قلم سے بنتی ہے اور کتاب لکھی جاتی ہے۔ اس کا بھی چھاپا اسی طرح ہوگا۔
غرضیکہ تقطیع اور شمار سطور اور کاپی کا حسنِ خط اور الفاظ کی صحت سب میرے پسند صحت الفاظ کا کیا
کہنا واللہ بے مبالغہ کہتا ہوں۔ اگر بھائی منشی نبی بخش صاحب بدل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ
میں سہو کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کو بھی صحیح کر دینگے۔ تم میری طرف سے اسکو سلام کہنا بلکہ یہ خط
دکھا دینا خدا کرے انجام تک یہی قلم اور یہی خط اور یہی طرز تصحیح چلی جائے۔ جدول بھی مطبوع ہے پہلے
صفحہ کی صورت اور دوسرے صفحہ کی لوح بھی خدا چاہے تو دلپسند اور نظر فریب ہوگی۔ کاغذ کے باب
میں یہ عرض ہے کہ فرخ کا کاغذ اچھا ہے۔ چھ جلدیں جو نذر حکام ہیں۔ وہ اس کاغذ پر ہوں۔ اور باقی جابجا
شیو رامپوری پر اور جا ہو نیلے کاغذ پر چھاپو۔ اور یہ بات کہ دو جلدیں جو ولایت جانے والی ہیں وہ اس کاغذ
پر چھاپی جائیں اور باقی شیو رامپوری ہوں باقی جلدوں میں تمہیں اختیار ہے ہاں صاحب اگر
ہو سکے تو کاپی کی سیاہی ذرا اور سیاہ اور درخشندہ ہو۔ اور آخر تک رنگ نہ بدلنے پائے (ح)
میں نے برخوردار منشی عبداللطیف کو لکھا تھا۔ کہ ان چھ کتابوں کی کچھ تزئین اور آرائش کی

کریں معلوم نہیں تم نے وہ دیباچہ دیکھا یا نہیں آپ اور منشی عبداللطیف اور میرزا حاتم علی صاحب مہر باہم صلاح کریں اور کوئی بات خیال میں آئے تو تحریر ورنہ ان چھ نسخوں کی جلدیں انگریزی ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو روپے کی لاگت بنوا دینا اور اس کا روپیہ تیاری سے پہلے مجھ سے منگوا لینا۔ آنکہ ہمہ برادر یک دم بہ تو لیک تو پدید آورد اگر در ہم دیگر بہ نہیب معاش بہم زند الخ۔ ہمیں نہیب کا نقطہ کچھ میری سہل انگاری سے اور کچھ سہو کاتب سے رہ گیا ہے اسکو تیز چاقو سے چھیل کر بہ نوائے لکھ دینا۔ یعنی بہ نوائے معاش بہم زند ضرور ضرور اور اس کا انتظار رکھیو کہ جب یہاں چھاپا آئیگا تو بنا دیں گے نہ اصل کتاب میں غلط ہے نہ چھاپنے میں غلط ہو۔ اگر اجزائے اصل میر امیر علی صاحب کاپی نویس کے پاس ہوں تو ان کو یا بھائی منشی نبی بخش صاحب کو یہ رقعہ دکھا کر سمجھا دینا اور بنوا دینا۔ از غالب روز شنبہ ہفتم ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ چلتے رہو اور خوش رہو۔ ع اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔ زیادہ خوشی کا سبب یہ کہ تم نے تحریر کو تقریر کا پروانہ دیدیا تھا۔ گرمی ہنگامۂ انطباع دیوان وغیرہ میں پہلے سے جانتا ہوں۔ بنک گھر کا روپیہ مصرف کاغذ کاپی ہے خدا تم کو سلامت رکھے مقتضات سے ہو رجب علی بیگ سرور نے جو افسانہ عجائب لکھا ہے۔ آغاز داستان کا شعر مجھ کو بہت مزا دیتا ہے ؎

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

مصرعۂ ثانی کتنا گرم ہے اور یاد رکھنا فسانہ کے واسطے کتنا مناسب منشی عبداللطیف کے گھر میں لڑکے کے پیدا ہونے کی خبر مجھ کو پہنچی ہے اور تہنیت میں بھائی کو خط لکھ چکا ہوں۔ اب جو ان سے ملو۔ تو میرا سلام کہہ کر اس خط کے پہنچنے کی اطلاع لے لینا۔ مولوی معنوی صاحب کانپور سے معاودت فرماویں مجھ کو اطلاع دینا میرا حال بدستور ہے یہاں پہلو بہ پہلو لب بر جان شنبہ ۲۶ جون۔ روزنامہ و روزنامہ غالب

ایضاً۔ برخوردار۔ تمہارا خط پہنچا اصلاحی غزلوں کی رسید معلوم ہوئی پھوڑا اب اچھا ہو گیا ہے مقصود کل جمعہ کے دن ۱۹ نومبر کو سات کتابوں کا پارسل بھیجا ہوا مولانا مہر کا پہنچا۔ زبان نہیں جو تعریف کروں شاہانہ آرائش ہے آفتاب کی سی نمائش ہے مجھے یہ فکر کہ کہیں ان کا روپیہ تیاری میں صرف نہ ہوا ہو۔ اچھا میرے بھائی اس کا حال جو تم کو معلوم ہو مجھ کو لکھ بھیجو۔ رقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے۔ لڑکوں کی سی ضد نہ کرو۔ اور اگر تمہاری اسی میں خوشی ہے تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو تم کو اختیار ہے۔ یہ امر میرے خلاف رائے ہے میر بادشاہ کی اور اپنی ناشناسائی آگے تم کو لکھ چکا ہوں اب تمہارے اس خط سے معلوم ہوا کہ وہ تمہارے اور امراؤ سنگھ کے آشنا ہیں۔ کچھ ان کے خاندان کا نام و نشان دریافت ہو تو مجھ کو بھی لکھو۔ نہیں جانتا کہ میں ان کو یہ کس گروہ میں سے ہیں۔ میاں نہ راست دروغ

بہ گردنِ راوی نے مجھ کو بہت پریشان کیا ہے واسطے خدا کے جو راوی نے روایت کی ہے وہ مجھ کو ضرور لکھو اور تاج گنج کے رہنے والوں کی ابتری کی حقیقت سے بھی اطلاع دو۔ جگم عفو تقصیر عام ہو گیا ہے لڑنے والے آتے جاتے ہیں اور آلات حرب و پیکار دے کر توقیع آزادی پاتے ہیں یہ دو شخص کیسے مجرم تھے جو مقید ہوئے۔ محررۂ صبح شنبہ ۲۰۔ نومبر ۱۸۵۸ء غالبؔ۔

[illegible]

ایضاً۔ بھائی وہ خط پہلا تم کو بھیج چکا تھا۔ کہ بیمار ہو گیا۔ بیمار کیا ہوا توقع زلیست کی نہ رہی قولنج اور پھر کیسا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپا کیا۔ آخر عُصارۂ ریوند اور ارنڈی کا تیل پیا اسونت توڑ گیا۔ مگر قصہ قطع نہ ہوا۔ مختصر کہتا ہوں۔ میری غذا تم جانتے ہو کہ تندرستی میں کیا ہے دس دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی۔ گلاب اور املی کا تیا اور آلو بخارا کا افشردہ اسیر بدار رہا کل سے خوف مرگ گیا ہے صورت زلیست کی نظر آتی ہے۔ آج صبح کو بعد دو لپیٹے کہ تم کو یہ خط لکھا ہے یقین تو ہے۔ کہ آج پیٹ بھر کر روٹی کھا سکوں۔ صاحب وہ جو میں نے ۲۲ شعر مرثیے کے لکھ کر تم کو بھیجے۔ اُس سے مقصود یہ تھا کہ تم اپنے اشعار دوسرے ماتم زدہ کو دیدو کس واسطے کہ تمہاری تحریر سے معلوم ہوا تھا۔ کہ اور بھی فلک زدہ ہے۔ اور یہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ کچھ اوپر ساٹھ شعر میں سے ایک شعر بھی تو نے نہ لیا اس کا حال یہ ہے کہ وہ شعر سب سست دگر بہان تھے ایک کو ایک سے ربط ایک دو شعر اس میں سے کیونکر لئے جاتے اشعار سب میرے پسند بے ستم بے عیب۔ وہ جو تم لکھتے ہو۔ کہ صرف بابو بنج موہن سے ذتم اور اس کا دوسرا مصرعہ میں بھول گیا ہوں مر قافیہ میں ان سے یہ شعر غالب کو بُرا معلوم ہوا ہوگا۔ واللہ باللہ جب تک کہ تم نے نہیں لکھا۔ میرے خیال میں بھی یہ بات تھی بہرحال بات وہی ہے۔ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ ہائے اب بھی بھائی نبی بخش صاحب اور مولوی قمرالدین خاں صاحب روزوں کے متوالے ہوش میں آئے یا نہیں آئے۔ آج دس شوال کی ہے شش عید کا بھی زمانہ گذر گیا۔ خدا کے واسطے اُن کی خیر و عافیت لکھو۔ اور یہ عبادت بھائی صاحب کی نظر سے گذرا تو شاید وہ مجھ کو خط لکھیں۔ غالبؔ محررہ در سلہ دو شنبہ ۴ر مئی ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ اللہ اللہ ہم تو کول سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔ ناگاہ کل جو خط آیا۔ معلوم ہوا کہ دو دن کول میں رہ کر سکندرآباد گئے ہو اور وہاں سے تم نے خط لکھا ہے دیکھئے اب یہاں کب تک رہو۔ اور آگرہ کب جاؤ۔ پرسوں برخوردار شیو نرائن کا خط آیا تھا۔ لکھتے تھے۔ کہ کتابوں کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے اب قریب ہے۔ کہ بھیجی جائیں۔ مرزا جی بھی ایک ہفتہ بتلاتے ہیں۔ دیکھئے کس دن کتابیں آجائیں۔ خدا کرے سب کام دلخواہ بنا ہو۔ ہاں صاحب منشی بالمکند بے صبر کے ایک خط کا جواب ہم پر فرض ہے۔ میں کیا کروں۔ کہ اس خط میں اُنھوں نے اپنا سیر و سفر میں

مصروف ہونا لکھا تھا۔ پس میں اُن کے خط کا جواب کہاں بھیجتا۔ اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہہ دینا۔ اور مطبع آگرہ سے کتابوں کا حال تو تم خود دریافت کرتے ہو گے میرے کہنے اور لکھنے کا کیا حاصل ہے۔ چہار شنبہ سوم۔ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ یکشنبہ محلوم ذی القعدہ و نہم جون سال حال۔ صاحب آج تمہارا خط صبح کو آیا۔ میں دوپہر کو جواب لکھتا ہوں۔ تمہاری ناسازگاری طبیعت سنکر دل کڑھا۔ حق تعالیٰ تم کو زندہ اور تندرست اور خوش رکھے اوراق مثنوی بھیجے ہوئے بہت دن ہوئے جس میں حکایت طالب علم اور بنارس کی تھی۔ واقعہ بلند شہر کا اور وہ اوراق میں نے پمفلٹ پاکٹ نہیں بھیجے خط میں لپیٹ کر چونکہ خط ڈبل تھا دو ٹکٹ لگا کر ارسال کئے ہیں رسید ملے تو اُس کو دیکھ کر تاریخ معلوم ہو جائے۔ قیاس سے ایسا جانتا ہوں کہ پانچ سات دن ہوئے ہوئے ہیں۔ منشی نبی بخش کا خط بہت دن سے نہیں آیا۔ گھر ان کا تاج گنج۔ وہ خود مع بعض متعلقین آگرہ ایک بار تاج گنج کے پتہ سے خط ان کو بھیجا تھا۔ جواب نہ آیا۔ اب ناچار برخوردار شونرائن سے اُن کا حال پوچھونگا۔ تم باہمہ کمالات خفقانی بھی ہو۔ راے امید سنگھ سے خط کی امید کیوں رکھتے ہو۔ جب آگرہ جاؤ گے اور وہ وہاں ہونگے تو ملاقات ہو جائیگی۔ میں خود واقف نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ از روئے قیاس کہہ سکتا ہوں کہ آگرہ یا اندور۔ کبھی کہیں سے اُن کا کوئی خط مجھ کو آیا ہو تو میں گنہگار۔ غالب

ایضاً۔ لو صاحب کچہری کھائی دن بہلائے کپڑے پہلائے گھر کو آئے۔ ۸ جنوری ماہ و سال حال دوشنبہ کے دن غضب الٰہی کی طرح اپنے گھر پر نازل ہوا۔ تمہارا خط مضامین دردناک سے بھرا ہوا رامپور میں میں نے پایا جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کے مرادآباد میں پہنچکر بیمار ہو گیا۔ پانچ دن صدرالصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔ اُنہوں نے بیمارداری اور غمخواری بہت کی۔ کیوں ترک لباس کرتے ہو پہننے کو تمہارے پاس ہے۔ کیا جس کو اُتار کر پھینکو گے ترک لباس سے قید ہستی مٹ نہ جائیگی۔ بغیر کھائے پئے گذارہ نہ ہو گا سختی و سستی رنج و آرام کو ہموار کرو جس طرح ہو اسی صورت سے بہر صورت گذرنے دو ؎

تاب لائے ہی بنے گی غالب — واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

اس خط کی رسید کا طالب غالب

ایضاً ؎

میرزا تفتہ کہ پیوستہ بدل جا دارد — ہر کجا ہست خدایا بسلامت دارش

صاحب کئی بار جی چاہا کہ تم کو خط لکھوں مگر متحیر کہ کہاں بھیجوں۔ اب جو تمہارا خط آیا معلوم ہوا کہ حضرت

ابھی لکھنؤ میں رونق و فروغ میں خط نہ بھیجوں تو گنہگار ہیں۔ میں نے یہ عرض کیا ہے۔ کہ مجھ میں اصلاح کی شفقت کی طاقت نہیں یعنی سمجھو تمہارا کلام پختگی کو پہنچ گیا ہے اصلاح طلب نہیں رہا ہے۔ شیر اپنے بچے کو ایک مدت تک یوں شکار سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہے یہ میں نے نہیں کہا۔ کہ تم مجھے اپنے کلام کے دیکھنے سے محروم رکھو۔ جو غزل قصیدہ لکھا کرو۔ نہ مسودہ بلکہ ایک نقل اس کی ضرور مجھ کو بھیجا کرو۔

ایضاً۔ سہ شنبہ ۳ ربیع الثانی و ششم ستمبر۔ صاحب کل پارسل اشعار کا ایک آنے کا ٹکٹ لگا کر اور اس پر یہ لکھ کر کہ یہ پارسل ہے خط نہیں ہے ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک منشی نے کہا کہ خطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدمتگار ناخواندہ آدمی اس کا حکم بجا لایا۔ اور اس کو خطوں کے صندوق میں ڈال آیا۔ وہ لفظ کہ یہ خط نہیں ہے۔ پارسل ہے دستاویز معقول ہے۔ اگر وہاں کے ڈاکئے تم سے خط کا محصول مانگیں تو تم اس جملہ کے ذریعہ گفتگو کر لینا۔ مکان میرے گھر کے قریب حکیم محمود خان کے گھر کے نزدیک عطار بھی پاس بازار بھی قریب ڈھائی روپیہ کرایہ کو موجود مگر مالک مکان سے یہ وعدہ ہے کہ ہفتہ بھر کسی اور کو نہ دونگا۔ بعد ایک ہفتہ کے اگر تمہارا مسافر نہ آیا۔ تو مجھے اور کرایہ دار کے دینے کا اختیار ہے رامپور کے باب میں مختصر کلام یہ ہے کہ نہ میں والی رامپور کو لکھ سکتا ہوں۔ نہ اس لکھنے کی وجہ تم کو لکھ سکتا ہوں۔ اگر ریل میں بیٹھ کر آ جاؤ گے۔ تو زبانی کہہ دونگا۔ غالب۔

ایضاً۔ منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی ہرگوپال صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ غالب کی دعائے درویشانہ قبول کریں۔ ہم آپ کو سکندر آباد و قانونگویوں کے محلے میں سمجھے ہوئے ہیں۔ اور آپ لکھنؤ راجہ مان سنگھ کی حویلی مطبع اودھ اخبار میں بیٹھے ہوئے مداریہ حقہ لکھنؤ کا پی رہے ہیں۔ اور منشی نولکشور صاحب سے باتیں کر رہے ہیں۔ بھلا منشی صاحب کو میرا سلام کہنا۔ آج یکشنبہ ہے اخبار کا لفافہ ابھی تک نہیں پہنچا۔ ہر ہفتے کو پنجشنبہ و جمعہ کو پہنچتا تھا مرزا تفتہ کیا فرماتے ہو کیسے رنگین صاحب کہاں رنگین صاحب پنجشنبہ کے دن ۱۹ جنوری سنہ حال کو وہ پنجاب کو گئے ملتان یا پشاور کے ضلع میں کہیں کے حاکم ہوئے ہیں۔ اپنی نادانی کے سبب ان کی ملاقات تودیع کو نہیں گیا انوار الحق گھاٹ پر نوکر ہیں عہ روپیہ مہینہ پاتے ہیں۔ زیادہ زیادہ نجات کا طالب غالبؔ صبح یکشنبہ ۱۲ فروری ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ نور چشم غالب النور رفتہ مرزا تفتہ خدا تم کو خوش اور تندرست رکھے۔ نہ دوست بخیل نہیں کاذب مگر بقول میر تقی ع اتفاقات ہیں زمانہ کے۔ بہرحال کچھ تدبیر کی جائیگی اور ان شاء اللہ صورت وقوع جلد نظر آئیگی۔ تعجب ہے کہ اس سفر میں کچھ فائدہ نہ ہوا ؎

یا کرم خود نماند در عالم　　یا مگر کس درین زمانہ نکرد

اغنیائے دہر کی مدح سرائی موقوف کرو۔ انشاءاللہ غزل کہا کرو اور خوش رہا کرو۔ نجات کا طالب۔

غالب سہ شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ صاحب بندہ میں نے بکس کا ایک ایک خانہ دیکھا سوائے تین کاغذوں کے کوئی کاغذ تمہارا نہ نکلا اور اس وقت بسبب کم فرصتی کے میں۔ ردیف ان تینوں قصیدوں کو نہیں بتا سکتا اور وہ مقدمہ ۵۰ر کا باقتضائے حالات زمانہ شکست ہو گیا ہے۔ مٹ نہیں گیا۔ دیر آید درست آید انشاءاللہ تعالیٰ اب میرا حال سنو؎

در نومیدی بسے امید است　　پایان شب سیہ سپید است

ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو ۷ پارچے اور تین رقم جواہر خلعت ملتا تھا۔ لارڈ کیننگ صاحب میرا دربار و خلعت بند کر گئے ہیں۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا اور مدت العمر کو مایوس رہا۔ اب جو یہاں لفٹنٹ گورنر پنجاب آئے ہیں میں جانتا تھا کہ یہ بھی مجھ سے نہ ملینگے کل انہوں نے مجھ کو بلا بھیجا بہت سی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دہلی میں دربار نہ کرینگے میرٹھ ہوتے ہوئے اور میرٹھ میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگذاروں کا دربار کرتے ہوئے انبالہ جائینگے۔ دلّی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی انبالہ جاؤ شریک دربار ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی کیا کہوں۔ کیا میرے دل پر گذری گویا مردہ جی اٹھا مگر ساتھ اس مسرّت کے یہ بھی سنّاٹا گذرا کہ سامان سفر انبالہ و مصارف بے انتہا کہاں سے لاؤں اور خطرہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے ادھر قصیدہ کی فکر ادھر روپیہ کی تدبیر حواس ٹھکانے نہیں۔ شعر کام دل و دماغ کا ہے وہ روپیہ کی فکر میں پریشان میرا خدا یہ مشکل بھی آسان کریگا۔ لیکن ان دنوں میں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو نیند ہے۔ یہ کئی سطریں تمہیں اور ایسی ہی کئی سطریں جناب نواب صاحب کو لکھ کر بھیجدی ہیں جیتا رہا تو انبالہ سے آکر خط لکھوں گا۔ روز چارشنبہ ۱۲ رمضان ۴ جنوری۔

ایضاً۔ بھائی تم نے مجھے کونسا دو چار سو روپیہ کا نوکر یا پنشن دار قرار دیا ہے۔ جو دس بیس روپیہ مہینہ قسط کی آرزو رکھتے ہو تمہاری باتوں پر کبھی کبھی ہنسی آتی ہے۔ اگر احیاناً تم کبھی دہلی کے ڈپٹی کلکٹر یا وکیل کمپنی ہوتے تو مجھ کو بڑی مشکل پڑتی بہرحال خوش رہو۔ اور متفکر نہ ہو۔ پانچ روپیہ مہینہ پنشن انگریزی میں سے قسط مقرر ہو گیا تا اوّل ابتدائے جون ۱۸۶۳ء یعنی ماہ آئندہ سے یہ قسط جاری ہوگی۔ بابو صاحب کا خط تمہارے نام کا پہنچا۔ عجب تماشہ ہے۔ وہ درنگ کے ہونے سے خجل ہوتے ہیں اور میاں اُن کے عذر

چاہنے سے مرا جاتا ہوں۔ ہائے اتفاق آج میں نے اُن کو لکھا اور کل راجہ کے مرنے کی خبر سنی۔ واللہ باللہ اگر دو دن پہلے خبر سن لیتا تو اگر میری جان پر آ بنتی تو بھی اُن کو نہ لکھتا۔ جے پور کے آتے ہوئے روپے کی ہنڈوی اس وقت تک نہیں آئی شاید آج شام تک یا کل تک آ جاوے تو خدا کرے وہ آب و ہوا پر سے ہنڈوی سوداگر کے یہ بموجب ہدایت کے کہاں کہاں جاوینگے اور روپیہ کھینچنے میں کتنی دیر ہو جاویگی۔ خدا کرے زر مصارف ہری پور سنگھ اس سے مجرا لیں میری کمال خوشی ہے اور یہ نہ ہو تو روپیہ ہردیو سنگھ کو میری طرف سے دیں۔ منشی صاحب کا ایک خط اس کا جواب ہاتھوں ہاتھ کو روانہ کر چکا ہوں۔ والدعا از اسد اللہ محررہ دوشنبہ ۳ مئی ۱۸۵۳ء

ایضاً ۔ کل تمہارا خط آیا۔ راقم تمہاری محبت پر آشکارا شیدا سمجھا ہوا تھا کہ تم دیوانگی اور شورش کر رہے ہو اب معلوم ہوا۔ کہ حق بجانب تمہارے ہے میں جو اپنے عزیز کو نصیحت کرتا ہوں۔ تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ اے دل تو اپنے کو اس عزیز کی جگہ سمجھ کر تصور کر کہ اگر تجھ پر یہ حادثہ پڑا ہوتا یا اس بلا میں گرفتار ہوا ہوتا تو کیا کرتا عیاذاً باللہ۔ اب میں تم کو کیونکر کہوں کہ بے حرمتی گوارا کرو اور رفاقت نہ چھوڑو بلکہ یہ بھی نا ید ہے۔ جو دوست سے کہیے کہ تو ہمارے واسطے اس کو ترک کر بہرحال دوست کی دوستی سے کام اس کے افعال سے کیا غرض جو محبت و اخلاص آگے میں تم میں ہے بدستور بلکہ روز افزوں ہے ساتھ رہنا اور پاس رہنا نہیں ہے نہ سہی ؎

وصلے کہ در آں ملال باشد — ہجراں بہ ازاں وصال باشد

آمدم بر سر مدعا تمہاری رائے ہم کو اس بات میں پسند عجب طرح کا پیچ پڑا کہ نکل نہیں سکتے نہ تم کو سمجھا سکتا ہوں۔ اور نہ اُن کو کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھے تو اس موقع میں سوائے اس کے کہ تماشائی نیرنگ قضا و قدر بنا رہوں کچھ بن نہیں آتی ؎

بہ بینیم کہ تا گردگار جہاں — درین آشکارا چہ دارد نہاں

جے پور کا بعض اتفاقی بے قصد و بے فکر در پیش آیا ہے۔ ہو سکتا کہ ادھر متوجہ ہوا ہوں۔ بڈھا ہو گیا ہوں بہرا ہو گیا ہوں۔ سرکار انگریزی میں بڑا پایہ رکھتا تھا۔ رئیس زادوں میں گنا جاتا تھا۔ پورا خلعت پاتا تھا اب بدنام ہو گیا ہوں۔ بڑا ایک بہت بڑا دھبہ لگ گیا ہے کسی ریاست میں دخل کر نہیں سکتا تھا۔ مگر ہاں استاد یا پیر یا مداح بن کر راہ و رسم پیدا کروں۔ کچھ فائدہ اُٹھاؤں کچھ اپنے کسی عزیز کو وہاں داخل کر دوں دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے ؎

تا تما، دوستی کے بر دہد — حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

صحیفہ ماں سے دیوان ابھی نہیں آیا۔ آج کل آ جاوے تو پھر اس کے جزدان کی تیاری کر کے روانہ

کردونگا۔ ابھی کول میں آرام کرو۔ اپنے بچوں میں اپنا دل بہلاؤ۔ اگر جی چاہے تو اکبرآباد چلے جائیو وہاں اپنا دل بہلائیو۔ دیکھو اس خودداری میں ادھر سے کیا ہوتا ہے۔ اور وہ کیا کہتے ہیں۔ والسلام

اسداللہ۔ جمعہ دہم دسمبر ۱۸۵۳ء

ایضاً۔ صبح دوشنبہ پنجم جمادی الاول و نوزدہم نومبر سال حال مرزا تفتہ کل تمہارا خط مع کاغذ اشعار آیا آج تم کو یہ خط لکھتا ہوں۔ اور اسی خط کے ساتھ خط مع مسودہ میر بادشاہ کو بھیجتا ہوں۔ کاغذ اشعار کل یا پرسوں روانہ ہوگا۔ فن تاریخ کو دون مرتبہ شاعری جانتا ہوں۔ اور تمہاری طرح سے یہ بھی میرا عقیدہ نہیں ہے۔ کہ تاریخ وفات لکھنے سے ادائے حق محبت ہوتا ہے۔ بہرحال میں نے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ رحلت میں یہ قطعہ لکھ کر بھیجا۔ منشی قمرالدین خانصاحب نے پسند کیا قطعہ یہ ہے ؎

شیخ نبی بخش کہ با حُسنِ خلق — داشتت مذاقِ سخن و فہم تیز
سالِ وفاتش ز پے یادگار — بادلِ زار و مژہ دجلہ ریز
خواستم از غالبِ آشفتہ سر — گفت مع طول و بگو رستخیز

ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کوئی لفظ جامع اعداد نکال لیا کرتے ہیں۔ بلکہ قید معنی دار ہونے کی بھی مرتفع ہے جیسا کہ یہ مصرعہ ع درسالِ عرس ہر آنکہ ماند بلند ہا انوری کے قصائد کو دیکھو دو چار جگہ ایسے الفاظ قطعہ بند کے آغاز میں لکھے ہیں جس میں اعداد سال مطلوبہ نکل آتے ہیں۔ اور معنی کچھ نہیں ہوتے لفظ رستخیز کیا پاکیزہ معنی دار لفظ ہے۔ اور پھر واقع کے مناسب اگر تاریخ ولادت یا تاریخ شادی میں یہ لفظ لکھتا تو بے شبہ نا مستحسن تھا قصہ مختصر اگر تاریخ کی فکر موجب ادائے حق مودت ہے تو میں حق دوستی ادا کر چکا۔ زیادہ کیا لکھوں۔ داد کا طالب غالب

ایضاً۔ کیوں مہاراج کول میں آنا اور جناب منشی نبی بخش صاحب کے ساتھ غزل خوانی اور ہم کو یاد نہ لانا مجھ سے پوچھو کہ میں نے کیونکر جانا کہ تم مجھ کو بھول گئے کول میں آگئے۔ اور مجھ کو اپنے آنے کی اطلاع نہ دی نہ لکھا۔ کہیں کیونکر آیا ہوں۔ اور کب تک رہونگا۔ اور کب جاؤنگا۔ اور بابو صاحب سے کہاں جا ملونگا خیر اب جو میں نے بھیجا ہے کہ تم کو خط لکھا ہے لازم ہے کہ میرا قصور معاف کرو اور مجھ کو سارے اپنی حقیقت لکھو تمہارے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلیں بابو صاحب کی میرے پاس موجود ہیں۔ اور اصلاح پا چکی ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ ان بھیجوں ہر چند انہوں نے لکھا ہے کہ اکبرآباد ہاشم علی خان کو بھیجدو لیکن میں نہ بھیجونگا جب وہ اجمیر یا بھرت پور پہنچکر مجھ کو خط لکھینگے تو میں ان کو وہ اوراق ارسال کرونگا یا یہ تم لکھو گے اسپر عمل کرونگا بھائی ایک دن [illegible]

بھیجو کہ ہمارا دھیان تم میں لگا ہوا ہے اسد اللہ۔ رقم زدہ یکشنبہ۔ چارم جنوری ۱۸۵۲ء

ایضاً صاحب تمہاری سعادتمندی کو ہزار آفریں تم کو یوں ہی چاہیئے تھا۔ لیکن میں نے تو ایک بات بطریق تمنا لکھی تھی۔ جیسا کہ عربی میں لیت اور فارسی میں کاشکے۔ اب تم روداد سنو عرضی میری سر ہنری لارنس چیف کمشنر بہادر کو گذری، اس پر دستخط ہوئے کہ یہ عرضی مع کاغذ ضمیمہ سائل کے پاس بھیجدی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کمشنر دہلی کے پیش کرو۔ اب سررشتہ دار کو لازم تھا۔ کہ میرے نام موافق قاعدہ کے خط لکھتا یہ نہ ہوا وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی میرے پاس آگئی میں نے خط صاحب کمشنر دہلی چارلس سانڈرس کو لکھا اور وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی اُس میں ملفوف کرکے بھیجدی صاحب کمشنر نے صاحب کلکٹر کے پاس یہ حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کی پنشن کی کیفیت لکھو۔ اب وہ مقدمہ صاحب کلکٹر کے ہاں آیا ہے ابھی صاحب کلکٹر نے تعمیل اُس حکم کی نہیں کی پرسوں تو اُن کے ہاں یہ روبکاری آئی ہے دیکھئے کچھ مجھ سے پوچھتے ہیں یا اپنی ذاتی رائے لکھ بھیجتے ہیں۔ دفتر کہاں رہا ہے جو اس کو دیکھیں گے۔ بہر حال یہ خدا کا شکر ہے۔ کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا کچھ شمول فساد میں پایا نہیں گیا اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوں کہ پنشن کی کیفیت طلب ہوئی ہے! ور میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا مولوی قمرالدین خان کا کول نہ جانا اور راہ سے پھر آنا معلوم ہوا حق تعالیٰ ان کو زندہ اور تندرست رکھے میرا سلام کہنا اور یہ خط پڑھا دینا بھائی منشی نبی بخش صاحب کو سلام اور ان کے بچوں کو دعا کہنا اور یہ خط ضرور ضرور پڑھا دینا اور کہنا کہ بھائی ہدایت تو اچھی ہے نہایت بھی خدا اچھی کرے۔ وہ عزت اور وہ ربط و ضبط جو ہم رئیس زادوں کا تھا۔ اب کہاں روٹی کا ٹکڑا ہی ملجائے تو غنیمت ہے۔ گورنری کلکتہ اور گورنری آگرہ اور افٹنی و کمشنری دہلی وصوبداری و کلکٹری دہلی سے جو حکم میرے خط اور عرضی پر ہوا ہے مشتمل اس حکم پر خط میرے نام آیا ہے حاکم نے ایسا ہی یہ حکم دیا تھا کہ لکھا جائے کہ یوں کرو عملہ نے خط نہ لکھا صرف وہ عرضی حکم چڑھی ہوئی بھیجدی خیر ع ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔ سنو میرزا تفتہ اب میں جو اپنا حال تم کو لکھا کروں۔ وہ تم میرے بھائی کو اور مولوی قمرالدین خان کو دکھا دیا کرو تین تین جگہ ایک بات کو کیوں لکھوں۔ جمعہ ۱۲ مارچ ۱۸۵۸ء

ایضاً بھائی ہاں میں نے زبدۃ الاخبار میں دیکھا کہ رانی صاحبہ مر گئیں۔ کل ایک دوست کا خط اکبرآباد سے آیا ہے وہ لکھتا ہے۔ کہ راجہ مر ا رانی مری۔ ابھی ریاست کا کوئی رنگ قرار نہیں پایا صورت انتظام جانی بلیجناتھ کے آنے پر موقوف ہے۔ یہاں تک اس دوست کی تحریر ہے۔ ظاہر اس کو بابو صاحب کا نام نہیں معلوم اُن کے بھائی کا نام یاد رہ گیا صرف اس دوست نے بطریق اخبار لکھا ہے اس کو میری اور جانی کی دوستی

کا بھی حال معلوم نہیں، حاصل اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر یہ خبر ہیچ ہے تو ہمارے دوست کا نام بنا رہیگا۔ آمین یارب العالمین۔ صاحب جے پور کا منصب لائق اس کے نہیں ہے۔ کہ ہم اس کا خیال کریں ایک بنا ڈالی تھی وہ نہ اُٹھی۔ راجہ لڑکا ہے اور چھچھورا ہے۔ راول جی اور سعد اللہ خاں بنے رہتے تو کوئی صورت نکل آتی اور یہ جواب آپ لکھتے ہیں۔ کہ راجہ تیرے دیوان کو پڑھا کرتا ہے تو پیش نظر رکھتا ہے یہ بھی تو آپ از روے تجربہ بنش ہردیو سنگھ کہتے ہیں۔ ان کا بیان کیونکر دل نشین ہو۔ وہ بھی جو بابو صاحب لکھ چکے ہیں کہ پانسو روپیہ نقد اور خلعت مرزا صاحب کے واسطے تجویز ہو چکا ہے۔ ہولی ہو چکی اور ہیں لے کر چلا پھاگن چیت بیسا کھ نہیں معلوم ہوئی کس مہینہ میں ہوتی ہے آگے تو پھاگن میں ہوتی تھی۔ بندہ پرور بابو صاحب نے پہلی بار تو مجھ کو دو ہنڈیاں بھیجی ہیں۔ سو سو روپیہ کی ایک تو میر احمد حسین میکش کے واسطے راجہ صاحب کی طرف سے تاریخ تولد کنور صاحب کے انعام میں اور ایک اپنی طرف سے مجھ کو بطریق نذر شاگردی بعد اس کے دو ہنڈیاں سو سو روپیہ کی بعد چار چار پانچ پانچ مہینے کے آئیں۔ مع میر احمد حسین کے صلے کے روپیوں کے چار سو اور اس سے علاوہ تین سو اور چار چار سو یا تین سو کتنے دن میں آئے اس کا حساب کنور صاحب کی عمر پر حوالہ ہے اگر وہ دو برس کے ہیں تو دو برس میں اور اگر تین برس کے ہیں۔ تو تین برس میں۔ ہاں صاحب یہ وہی میر قاسم علی صاحب ہیں۔ جو میرے پُرانے دوست ہیں برسوں یا اتر سوں ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا تھا۔ وہ ایک خط میر صاحب کے نام کا کوڑی میاں حکمت اللہ ہیں انکا میرے مکان کے پتہ سے لیا تھا وہ [illegible] کہ حضرت اگر میرے واسطے نہیں تو اس خط کے واسطے آپ دلی آیئے۔ غالبؔ ؎

ایضاً۔ عجب تماشہ ہے۔ بابو صاحب لکھ چکے ہیں۔ کہ ہردیو سنگھ آگیا اور پانسو روپیہ کی ہنڈوی لایا۔ گو اس کے مصارف کی بابت انیس روپے کٹی آتے اس ہنڈوی میں محسوب ہو گئے ہیں سو میں اپنے پاس سے اگر نہ ہرے پانسو کی ہنڈوی تجھ کو بھیجتا ہوں۔ میں نے اُن کو لکھا کہ مصارف ہردیو سنگھ کے میں مجرا دوں گا تکلیف نہ کرو جیسے یہ میری طرف سے ہردیو سنگھ کو اور دیدو۔ اور باقی کچھ کم ساڑھے چار سو کی ہنڈوی جلد روانہ کرو۔ سو بھائی آجتک ہنڈوی نہیں آئی میں حیران ہوں۔ وجہ حیرانی کی یہ کہ اس ہنڈوی کے بھروسے پر قرضداروں سے وعدہ جون کے اوائل کا کیا تھا۔ آج جون کی پانچویں ہے وہ تقاضا کرتے ہیں۔ اور میں آج کل کر رہا ہوں۔ شرم کے مارے بابو صاحب کو کچھ نہیں لکھ سکتا جانتا ہوں کہ وہ سینکڑا پورا کرنے کی فکر میں ہوں گے پھر وہ کیوں اتنا تکلف کریں۔ تیس روپے کی کونسی ایسی بات ہے۔ اگر مصارف ہردیو سنگھ میرے ہاں سے مجرا ہوئے۔ تو کیا غضب ہوا۔ انتیس اور پچیس چون روپیہ نکال ڈالیں اور باقی ارسال کریں۔ اتفاقاً خطوط کے جو میں نے بھیجے تھے۔ وہ بھی ابھی نہیں آئے یا الٰہی یہ کیسی بات ہے کہ میں

یہ بھی نہیں جانتا۔ کہ بابو صاحب کہاں ہیں۔ پہاڑ پر ہیں یا بھرت پور آئے ہیں۔ ناجیری کرنے کی تو ظاہراً کوئی وجہ نہیں ہے۔ ناچار بکثرتِ استفسارات عاجز آ کر آج تم کو لکھا ہے تم اس کا جواب مجھ کو لکھو۔ اور اپنی رائے لکھو۔ کہ وجہ درنگ کی کیا ہے۔ زیادہ۔ اسداللہ مرقومہ پنجم جون ۱۸۶۳ء روز پنجشنبہ جواب طلب

ایضاً۔ بعد سلام پہنچے خط اور کاغذ اشعار پہنچا۔ سابق و حال ابھی سب یوں ہی دھرے رہیں گے اگر چہ گرمی رفع ہو گئی۔ مینہ برسنے لگا۔ ہوائے سرد چلنے لگی مگر دل مکدّر ہے اور حواس ٹھکانے نہیں بادشاہ کا قصیدہ سالگرہ اور ولیعہد کا قصیدہ بے خاتمہ آگے سے کہہ رکھا تھا۔ اس کا خاتمہ بتراشتنِ رمضان میں کہہ لیا اور عید کو دونوں پڑھ دیئے۔ بھائی منشی نبی بخش صاحب کو پرسوں یا اترسوں بھیجونگا۔ ان سے لے کر تم بھی دیکھنا میں نے ان کو لکھ بھیجا ہے کہ منشی ہرگوپال صاحب کو بھی دینا۔ کہ وہ پڑھ لیں اور چاہیں تو نقل لے لیں اس کے سوا اور جو کچھ تمہارے خط میں لکھا تھا۔ وہ جواب طلب نہیں اور یوں ہی ہے جو تم سمجھے ہو۔ اسداللہ۔

ایضاً۔ کیوں صاحب اس کا کیا سبب ہے۔ کہ بہت دن سے آپکی ملاقات نہیں ہوئی۔ مرزا صاحب ہی آئے نہ منشی صاحب ہی تشریف لائے۔ ہاں ایکبار منشی شیونرائن صاحب نے کرم کیا تھا۔ اور خط میں یہ رقم کیا تھا کہ اب ایک فرمہ باقی رہا ہے اس راہ سے میں یہ تصور کرتا ہوں۔ کہ اگر ایک فرمہ نثر کا باقی تھا۔ تو اب قصیدہ چھپا پاجاتا ہوگا۔ اور اگر فرمہ قصیدہ کا تھا تو اب جلدیں بننی شروع ہو گئی ہونگی تم سمجھے ہو۔ تمہارے اور بھائی منشی نبی بخش صاحب اور جناب مرزا حاتم علی صاحب کے خطوط کے آنے کو تمہارا اور اُن کا آنا سمجھتا ہوں۔ تحریر گویا وہ مکالمہ ہے۔ جو باہم ہُوا کرتا ہے۔ پھر تم کہو مکالمہ کیوں موقوف ہے۔ اور اب کیا دیر ہے۔ اور وہاں کیا ہو رہا ہے۔ بھائی صاحب کو کاپی کی تصحیح سے فراغت ہو گئی۔ مرزا صاحب نے جلدیں صحاف کو دیدی ہیں اب ان کتابوں کا آنا کب تک تصور کروں۔ دسہرے میں ایک دو دن کی تعطیل مقرر ہوئی ہوگی۔ کہیں دیوالی کی تعطیل تک نوبت نہ پہنچ جائے۔ ہاں صاحب تم نے کبھی کچھ حال قمرالدین خاں صاحب کا نہ لکھا آگے اس سے تم نے اگست۔ ستمبر میں ان کا آگرے کا آنا لکھا۔ پھر وہ اکتوبر تک کیوں نہ آئے وہاں تو منشی غلام غوث خاں صاحب اپنا کام بدستور کرتے ہیں۔ پھر یہ اس دفتر میں کیا کرتے ہیں۔ کہیں کسی اور کام پر متعین ہو گئے ہیں۔ اس کا حال جلد لکھو مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ تم نے لکھا تھا۔ کہ منشی غلام غوث خانصاحب کو ایک گاؤں جاگیر میں ملا ہے مولوی قمرالدین خاں صاحب اس کے بندوبست کو آیا چاہتے ہیں۔ اس کا ظہور کیوں نہ ہوا۔ ان سب باتوں کا جواب جلد لکھئے۔ جناب مرزا صاحب کو میرا سلام کہئے۔ اور یہ پیغام کہئے کہ کتاب کا حسن کا نور ہے

سُنا دل کو دیکھنے سے زیادہ یقین آیا۔ مگر آنکھوں کو رشک ہے کانوں پر، اور کان چشمک زنی کرتے ہیں۔ آنکھوں
پر۔ یہ ارشاد ہو کہ آنکھوں کا حق آنکھوں کو کب تک ملیگا۔ بھائی صاحب کو بعد از سلام کہئے گا۔ کہ حضرت اپنے مطلب
کی توجہ کو جلدی نہیں ہے۔ آپ کی تخفیف تصدیع چاہتا ہوں۔ یعنی اگر کاپی کا قصہ تمام ہو جائے تو آپ کو آرام ہو
جائے جناب منشی شیونرائن صاحب کی عنایتوں کا شکر میری زبانی ادا کیجئے گا اور یہ کہئے گا کہ آپ کا خط پہنچا
چونکہ میرے خط کا جواب تھا۔ اور معہذا کوئی امر جواب طلب نہ تھا۔ اس واسطے اس کا جواب نہ لکھا زیادہ
نگاشتہ و روان داشتہ صبح شنبہ ۱۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء راقم غالب

ایضاً صاحب عجب تماشہ ہے۔ تمہارے کہنے سے منشی شیونرائن صاحب کو خط لکھا۔ سو کل ان کا خط آیا اور
انہوں نے دستنبو کی رسید لکھی ہے۔ ڈاک کا ہرکارہ تو ان کے پاس لے گیا ہوگا۔ آخر تمہیں نے بھیجا ہوگا۔ یہ کیا
تم نے مجھ کو اس کی رسید اور میرے خط کا جواب نہ لکھا۔ اگر یہ گمان کیا جائے۔ کہ تم نے رائے اُمید سنگھ
کی ملاقات ہو لینے پر خط کا لکھنا منحصر رکھا ہے تو وہ بھی ہو چکی ہوگی۔ مجھے تو صورت ایسی نظر آتی ہے
کہ گویا تم الگ ہو گئے ہو۔ کتاب مطبع میں حوالے کر دی۔ اب اس کی تزئین و تصحیح سے کچھ غرض نہیں
پاس اگر یوں ہے تو میں اس انطباع سے درگذر۔ سینکڑوں مطالب و مقاصد رہ جائیں گے۔ اور پھر
اس وحشت کی وجہ کیا اگر کہا جائے کہ وحشت نہیں ہے تو اس کتاب اور مثنوی کی رسید نہ لکھنے کی وجہ کیا
مجھے تکلف قیاس چاہتا ہے کہ تم مجھ سے خفا ہو گئے ہو خدا کے واسطے خفگی کی وجہ لکھو۔ جمعہ کو میں نے
یہ خط روانہ کیا ہے۔ بدھ کا دن ستمبر کی پہلی تاریخ اگر شام تک تمہارا خط آیا۔ تو خیر ورنہ تمہاری رنجش کا
بالکل یقین ہو جائیگا۔ اور بسبب وجہ نہ معلوم ہونے کے جی گھبرائیگا۔ میں تو اپنے نزدیک کوئی سبب
ایسا نہیں پاتا۔ خدا کے واسطے خط جلد لکھو۔ اگر خفا ہو تو خفگی کا سبب لکھو۔ جانتا ہوں۔ کہ تم رائے
امید سنگھ سے بھی نہ ملے ہوگے۔ عیاذاً باللہ میں اس سے شرمندہ رہا۔ کہ میں نے کہا تھا۔ کہ ہاں مرزا تفتہ
دستنبو تم کو اچھی طرح پڑھا دیں گے۔ اگرچہ ایسے حال میں کہ تم کو الگ ہونے اور پہلو تہی کرنیکا گمان گذرا
ہے کوئی مطلب تم کو لکھنا نہ چاہیئے۔ مگر ضرورت کو کیا کروں ناچار لکھتا ہوں۔ صاحب مطبع نے خط
کے لفافہ پر لکھا ہے۔ مرزا نوشتہ صاحب غالب اللہ غور کرو۔ کہ یہ کتنا بے جوڑ جملہ ہے ڈرتا ہوں
کہ کہیں صفحۂ اول پر بھی نہ لکھ دیں۔ آیا فارسی کا دیوان یا اردو یا پنج آہنگ یا مہر نیمروز چھاپے کی یہ
کوئی کتاب اس شہر میں نہیں بھیجی جو وہ میرا نام لکھ دیتے تم نے بھی ان نام کو میرا نام نہیں بتایا
صرف اپنی نفرت عرف سے وجہ اس واویلا کی نہیں ہے۔ بلکہ سبب یہ ہے۔ کہ دلی کے حکام کو تو
عرف معلوم ہے اگر کلکتہ سے ولایت تک یعنی وزراء کے محکمہ میں اور ملکہ عالیہ کے حضور میں کوئی

اس نالائق عرف کو نہیں جانتا ہیں۔ اگر صاحب مطبع نے مرزا نوشہ صاحب غالب لکھ دیا۔ تو میں غارت ہوگیا۔ کھویا گیا۔ میری محنت رائگاں گئی۔ گویا کتاب کسی اور کی ہوگئی۔ لکھتا ہوں اور پھر سوچتا ہوں کہ دیکھوں تم یہ پیام مطبع میں پہنچا دیتے ہو یا نہیں۔ بدھ کا دن ستمبر کی پہلی تاریخ۔ غالب

ایضاً بھائی صاحب ۳۳ کتابیں بھیجی ہوئی برخوردار منشی شیونارائن کی کل جمعہ کے ۱۲ نومبر کو پہنچیں کاغذ اور سیاہی اور خط کا حسن دیکھ کر میں نے از روئے یقین جانا کہ طلائی کام پر یہ کتابیں طاؤس بہشت بن جائینگی حوریں ان کو دیکھ کر شرمائینگی۔ یہ تو سب درست مگر دیکھئے مجھ کو ان کا دیکھنا کب میسر ہو۔ آپ بے گمان تساہل کا گذرے یہ کیونکر ہو۔ ہاں صحاف جلد کے بنانے کی نسبت سے میرے حق کا جلاد نہ بن جاوے یعنی مدّت مناسب سے زیادہ دیر نہ لگائے اور ہاں حضرت کچھ ایسی عجلت ارسال کے وقت کر لیجئے گا۔ کہ وہ پارسل آشوب تلف سے محفوظ رہے بہت عزیز اور بہت کام کی چیز ہے مجھ کو وہ ایک ایک جلد اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے یا الٰہی یہ خط راہ میں ہو۔ اور وہ ساتوں کتابوں کا پارسل تیرے حفظ و امان میں مجھ تک پہنچ جائے اور یہ نہ ہو تو بھلا یہ ہو کہ اس خط کا جواب لکھئے۔ اس میں یہ مرقوم ہو کہ آج ہم نے کتابوں کا پارسل روانہ کیا ہے ؎

یا رب ایں آرزوئے من چہ خوش ست تو بدیں آرزو مرا برسان

مرسلہ شنبہ ۱۳ ۔ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

بندہ پرور پہلے تم کو یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوست قدیم میر کرم حسین صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور یہ کہنا اب تک جیتا ہوں اور اس سے زیادہ میرا حال مجھ کو بھی معلوم نہیں۔ مرزا قاسم علی صاحب مہر کی جناب میں میرا سلام کہنا اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھنا ؎

شرط اسلام بود ورزش ایمان بالغیب اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من ست

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا۔ اور اس کے دو دن یا تین دن کے بعد دوسرا خط پہنچا سنو صاحب جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو۔ اور وہ اس میں بے تکلف عمر بسر کرے اس کا نام عیش ہے۔ تمہاری توجہ مفرط بطرف شعر و سخن۔ تمہاری شرافت نفس اور حسن کی دلیل ہے اور بھائی یہ جو تمہاری سخن گستری ہے۔ اس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہے میرا حال اس فن میں اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوئے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہاں اپنے ہندی کلام میں سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرعہ یاد رہ گیا سو گاہ گاہ

جب دل اُلٹنے لگتا ہے تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے ؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہوں اور تنگ آتا ہوں تو یہ مصرعہ پڑھ کر چُپ ہو جاتا ہوں۔ ع

اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ جو دُکھ مجھ کو ہے اُن کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز کی قوم میں سے جو ان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس میں کوئی میرا امیدگاہ تھا۔ اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیوں میں کچھ عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد کچھ معشوق سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے۔ جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو زیست کیونکر نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے یار مرے کہ جو اب میں مروں گا۔ تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہو گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؀

بنام شاہزادہ بشیرالدین صاحب

حضرت پیر و مرشد برحق سلامت تقصیر معاف میں مدعی اور آپ مدعا علیہ بھی اور حاکم بھی وجہ استغاثہ یہ کہ آپ نے مجھے اپنے حلقہ ارادت سے خارج کر دیا۔ عریضہ جواب طلب کا جواب نہیں ایک عنایت نامہ سابق میں۔ آب زاہل میرود بر رپر چنگ۔ یہ جملہ مرکبہ لکھا ہوا تھا۔ میں اس کو کچھ بھی نہ سکا یعنی تو علاوہ رہے۔ میں نے عریضہ لکھا۔ اور جملہ کی حقیقت حال کا انکشاف چاہا۔ اب تک جواب نہیں پہنچا۔ جی گھبرا رہا ہے۔ جب تک اس کا جواب نہ پاؤنگا۔ آرام نہ آئیگا۔ برخوردار اقبال نشان میرزا شہاب الدین خان بہادر کی زبانی آپ کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت سنی مگر وہ جو تحریر و دستخطی سے تسلی ہوتی ہے۔ وہ کہاں۔ حضرت اب تو خالصاً للہ والرسول میرا گناہ معاف اور دستخط خاص سے مجھ کو اس جملہ کے معانی لکھ بھیجئے۔ زیادہ حدِ ادب۔ عفو جرم کا طالب غالبؔ

ایضاً

در پرستش سنم و در کاہجوئی استوار یاد شہ را بندۂ کم خدمت و پُر خواہشت

حضرت پیر و مرشد برحق روز افزونی کاہش اب اس حد کو پہنچی ہے کہ ع

تقسیم جزو ناتجزّا ے محال ہے

آگ بادِ زمہریر نے امو خشک کر دیا تھا۔ اب آتشِ دوزخ نے رہا سہا جلا دیا۔ کل عنایت نامہ آیا آپ جو رقم فرماتے ہیں کہ تو نے میرے خط کا جواب نہیں بھیجا مجھ کو با وصفِ استیلائے نسیان خیال میں آتا ہے۔ کہ میں حضرت کے فرمان کا جواب لکھ چکا ہوں۔ ڈاکئے اب ڈاکو ہو گئے ہیں اگر وہ لفافہ ڈاک میں تلف ہو گیا۔ تو کچھ بعید نہیں۔ متوقع ہوں۔ کہ اس کا نہ پہنچنا میری نارسائی بخت کی تاثیر سمجھا چاہیئے۔ میں مجرم نہ ٹھیروں۔ زیادہ حدِ ادب۔ نجات کا طالب غالبؔ۔ روزِ دوشنبہ ۱۱ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً — تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آج منگل ۱۶ جون ۱۸۶۶ء ۱۳ بجے عنایت نامہ آیا۔ سرنامہ دیکھ کر سفیدۂ صبح مراد سمجھا۔ ننگا ایک چھوٹی سی خس کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر ننگا نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ ڈالتا۔ اگر جان عزیز نہ ہوتی تو سر پھوڑتا اور کیونکر اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو چھوا کر بصورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ لفافہ انگریزی اقبال نشان شہاب الدین خان سے لکھوا کر بیرنگ ارسال کیا اس فرمان میں اس لفافے کی رسید نہ پائی۔ ظاہرا ڈاک پر ڈاکو گرے۔ اور میرے پیکر بے روح کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ بیتاب ہو کر یہ عبارت حضرت کو بھیجی ہوئی لفافہ میں لپیٹ کر روانہ کی اب جب آپ اور لفافہ بھیجیں گے تو مطالب باقی کا جواب مع اوراق اشعار بھیجوں گا۔ غالبؔ

بنام سیّد بدرالدّین احمد المعروف بہ فقیر صاحب

حضرت مخدوم مکرّم و معظم جناب فقیر صاحب دامت برکاتہم۔ بعد بندگی عرض کیا جاتا ہے۔ کہ آپکا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ بابو صاحب کے واسطے میرا جی بہت جلا۔ زمانہ ان دنوں میں اُن سے بسرِ امتحان ہے۔ پروردگار اُن کو سلامت رکھے اور صبر و شکیب عطا کرے علاوہ مساعدت روزگار کی وہ صورت تشدائد رنج سفر کی وہ حالت ناسازگاری مزاج کا وہ رنگ۔ ان سب باتوں سے علاوہ یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ جوان داماد مر جاوے۔ اور بیٹی بیوہ ہو جاوے۔ مرگ و زیست کا سر رشتہ خدا کے ہاتھ ہے آدمی کیا کرے۔ دل پہ مرے جو گزری ہے وہ میرا دل جانتا ہے۔ ہاں بجیب ظاہر تعزیت نامہ لکھنا چاہیئے۔ حیران ہوں کہ اگر خط لکھوں۔ تو کس پتہ سے لکھوں۔ ناچار ابھی تامل ہے جب وہ بخیریت پورہ آجائیں۔ تو آپ اُن کے آنے کی مجھ کو اطلاع دیجئے گا۔ کچھ لکھ بھیجوں گا۔ نواب علی نقی خان صاحب نے خط جواب میں جو آپ نے مجھ کو لکھا تھا۔ وہ مجھ کو یاد رہے گا۔ جب نواب صاحب

آجائینگے میں ان کو سمجھا دوں گا۔ آپ ہندی اور فارسی غزلیں مانگتے ہیں۔ فارسی غزل تو شاید ایک بھی نہیں کہی ہاں ہندی غزلیں قلعہ کے مشاعرہ میں دو چار لکھی تھیں۔ سو وہ یا تمہارے دوست حسین مرزا صاحب کے پاس ہونگی یا ضیاء الدین خانصاحب پاس میرے پاس کہاں آدمی کو یہاں اتنا توقف نہیں کہ یہاں سے دیوان منگواکر نقل اُتروا کر بھیجدوں۔ سید محمد صاحب کو اور اُن کے دو نوں بھائیوں کو میری دعا پہنچے

اسد اللہ نگاشتہ چار شنبہ ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۱ھ مطابق ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۵ء

ایضاً۔ مخدوم و مکرم جناب فقیر صاحب کی خدمت عالی میں عرض کیا جاتا ہے کہ بہت دن سے آپ نے مجھ کو یاد نہیں کیا۔ اور مجھ کو آپ کا حال معلوم نہیں بابو صاحب خدا جانے کہاں ہیں اور کس کام میں ہیں۔ اُن کا بھی کچھ حال مجھ کو معلوم نہیں۔ منشی ہرگوپال تفتہ کی تحریر سے بابو صاحب کا حال اکثر اور تمہاری خیر و عافیت گاہ گاہ دریافت ہو جاتی تھی۔ سو وہ بہت دنوں سے علی گڈھ میں ہیں۔ اگرچہ اُنکے خط آتے رہتے ہیں۔ مگر اُن کو بھی بابو صاحب کا حال معلوم نہیں۔ اور تم سے تو بعد ہی ہے پھر تمہاری خیر و عافیت کیا لکھیں بہر حال مقصود اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ نواب میر علی نقی خانصاحب آپ سے ملینگے یہ بہت عالی خاندان ہیں۔ نواب ذوالفقار خان اور نواب اسد خان کی اولاد میں سے ہیں اور تمہارے ماموں صاحب یعنی نواب محمد میر خان مغفور کے بڑے دوست ہیں۔ اب یہ نوکری کی جستجو کو نکلے ہیں اب اُن کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور راج کا حال سب اُن پہ ظاہر کریں اور اہالی سرکار سے اُن کو ملوا دیں۔ اور بابو صاحب سے جو ان کو ملوائیے۔ تو یہ میرا خط جو آپ کے نام کا ہے جناب بابو صاحب کو پڑھوا دیجئے۔ کیا خوب ہو۔ کہ یہ اس سرکار میں نوکر ہو جائیں اور اگر نوکری کی صورت نہ بنے تو راج سے اُنکی رخصت بآئین شائستہ عمل میں آئے۔ نواب اسد اللہ خان عالمگیر کے وزیر تھے۔ اور فرخ سیر اُن کا بیٹھایا ہوا تھا۔ جب فرخ سیر نے ذوالفقار خان کو مار ڈالا۔ تو از روئے کتب تواریخ ظاہر ہے۔ کہ سلطنت کیسی برہم ہو گئی اور خود فرخ سیر پہ کیا گذری۔ قصہ کوتاہ انکی تقریب میں جو مدارج آپ صرف کریں گے۔ اور جس قدر آپ ان کی بہبودی میں کوشش کریں گے۔ احسان مجھ پہ ہوگا۔ زیادہ زیادہ۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ سید صاحب جمیل المناقب عالی خاندان سعادت و اقبال توامان مجھ کو اپنی یاد سے غافل اور سید احمد کی خدمتگزاری سے فارغ نہ سمجھیں۔ پر کیا کروں۔ صورت مقدمہ عجیب و غریب ہے۔ یہ بہنیں اور اُن کا بھائی باہم موافق رہینگے تو کوئی صورت نکل آئیگی۔ صامت و ناطق سیم و زر روپیہ اشرفی سنتا ہوں کہ کچھ نہیں ہاں جاداد سو سید کے اظہار سے معلوم ہوا۔ کہ وہ تقسیم نہ ہوگی۔ کرایہ اس کا تقسیم ہو جائیگا۔ میں رائے کیا دوں۔ اور سمجھاؤں کیا کئی دن ہوئے کہ میں حسین مرزا صاحب کے ہاں گیا تھا۔ وہاں میاں بھی بیٹھا تھا۔ باہم ان دونو

صاحبوں میں یہی باتیں ہو رہی تھیں وہ بھی میری طرح مانند حیرت زدہ تھے۔ قضائی قدر کو چھوڑو۔ نیرنگ تقدیر کے تماشائی رہو گھر کا نہیں ٹوٹا نہیں نقد مال کا پتہ نہیں املاک کا کرایہ بٹ رہیگا گھبراتے کیوں ہو یہ دل والوں کی حقانیت کے حالات ہیں۔ تمہارا بھتیجا یعنی حیدر حسین خان بچ گیا۔ عارض کی آندھی دفع ہو گئی تو تنفع زلیت کی قوی ہے صرف طاقت کا آنا باقی ہے۔ صدمہ بڑا اٹھایا ہے۔ مہینہ بھر میں جیسے تھے ویسے ہی ہو جاوینگے۔ انشاء اللہ العلی العظیم۔ صبح دوشنبہ ۲۵ مئی ۱۸۶۳ء

الیضاً۔ پیر و مرشد آج تواں دن ہے حسین مرزا صاحب الور گئے اگر ہوتے تو اُن سے پُوچھتا کہ حضرت میرا دیوان کس مطبع میں طبع ہوا۔ اور حاشیے اُس پر کس نے چڑھائے۔ خدا جانے حسین مرزا نے کیا کہا۔ اور حضرت کیا سمجھے اب یہ حقیقت مجھ سے سُنئے ۱۸۶۲ء یعنی سال گذشتہ میں قاطع برہان چھپی پچاس جلدیں میں نے مول لیں اور یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ آپ جو آئے ہیں میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تمہارے کس کام کی ہے۔ تمہیں نہ دی تم مانگتے اور میں نہ دیتا تو گنہگار تھا۔ اب کوئی جلد باقی نہیں ہے۔ رہا دیوان اگر ریختہ کا منتخب کہتے ہو تو وہ اس عرصہ میں دلّی اور کانپور دو جگہ چھاپا گیا۔ اور تیسری جگہ آگرہ میں چھپ رہا ہے۔ فارسی کا دیوان بیس پچیس برس کا عرصہ ہوا۔ جب چھپا تھا۔ پھر نہیں چھپا۔ مگر ہاں سال گذشتہ میں منشی نولکشور نے شہاب الدین خان کو لکھ کر کلیات فارسی جو ضیاء الدین خان نے غدر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا۔ وہ منگا لیا۔ اور چھاپنا شروع کیا وہ پچاس جزو وہیں یعنی کوئی مصرعہ میرا اس سے خارج نہیں اب سُنا ہے کہ وہ چھپ کر تمام ہو گیا ہے روپیہ کی فکر میں ہوں۔ ہاتھ آجائے۔ تو روپیہ بھیج کر بیس جلدیں منگاؤں۔ جب آجائینگی ایک آپ کو بھی بھیجدونگا۔ نواب محی الدین خانصاحب کا حال سُنکر جی بہت خوش ہوا۔ میری طرف سے سلام و نیاز کے بعد مبارک باد دینا۔

الیضاً۔ حضرت آپکے خط کا جواب لکھنے میں دو دن۔ اس راہ سے ہوئی کہ میں منتظر رہا۔ میاں کے آنے کا جواب وہ مجھ سے مل گئے۔ اور اُن کی زبانی سارا حال سُن لیا۔ تو جواب لکھنے بیٹھا۔ سنو صاحب! ایک منشی محمد تقی ہی تو نہیں۔ یہاں تو سناٹا رہتا ہے۔ محمد تقی ایک اُسکی دو بہنیں تین بخشی آغا جان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا چار یہ سات مدعی۔ ایک ان میں سے سید کی بی بی بھی سہی نہ وہ کام ہیں جنکو میں جانتا تھا نہ وہ عملہ ہے جس سے میری ملاقات تھی۔ نہ وہ عدالت کے قواعد ہیں۔ جن کو پچاس برس میں نے دیکھا ہے ایک کونے میں بیٹھا ہوا نیرنگ روزگار کا تماشہ دیکھ رہا ہوں۔ یا حافظ یا حفیظ ورد زبان ہے تمہارے بھائی غلام حسین خان مرحوم کا بیٹا حیدر حسن خان تنہا ہی خدا ہے۔ جو بچے آج تیرھواں دن ہے۔ کہ نہ تپ مفارقت کرتی ہے۔ نہ دست بند ہوتے ہیں۔ نہ تے موقوف ہوتی ہے چارپائی کاٹ دی ہے جو اس زائل ہو گئے ہیں۔ انجام اچھا نظر نہیں آتا۔ کام تمام ہے والسلام والاکرام مرقومہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۷۹ھ

عافیت کا طالب غالبؔ ۔

بنام چودھری عبدالغفور المتخلّص بہ سرورؔ

جناب چودھری صاحب آپ کا عنایت نامہ اس وقت پہنچا اور یہ وقت صبح کا ہے دن بدھ کا ربیع الثانی کی چوبیسویں اور دسمبر کی پہلی۔ کتاب کے پارسل کی رسید معلوم ہوئی۔ حکیم عبدالرحیم خان کوئی نامی اور نامور نہیں ہیں۔ یہاں کے قاضی زادوں میں سے ایک شخص ہیں۔ طبابت کرنے لگے۔ میرے بھی آشنا ہیں صرف سلام علیک زیادہ ربط نہیں ہے۔ سو اُن کا حال مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔ آگے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ کہ آپ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے۔ حضرت نے نہ مانا۔ اور پھر عبارت بخط خاص لکھی واللہ باللہ نہ مجھ سے نہ اور کسی سے پڑھی گئی۔ ناچار آپ کا خط پھر آپکو بھیجتا ہوں۔ حضرت سے کچھ نہ فرمائیگا۔ مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے مجھ کو بھجوا دیجئے گا۔ ضرور اور جلد۔ شفیق مکرم جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے۔

ایضاً۔ جناب عالی آپ کا تفقد نامہ مرقوم یازدہم شعبان مطابق پنجم مارچ بقید روز دوشنبہ پہنچا پہلے تو ان تاریخوں کے حساب سے تطابق میں الجھا پھر خط کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا ڈاک کیا ہے خاک ہے خیر ادھر پڑھا۔ اُدھر جواب لکھا خدا کرے یہ میرا خط جلد پہنچے ورنہ یہ آپ کو خیال ہوگا۔ کہ غالبؔ نے ہمارے خط کا جواب نہ لکھا حقیقت میری مجملاً یہ ہے۔ کہ راہ و رسم مراسلت احکام عالی مقام سے بدستور جاری ہو گئی ہے۔ نواب لفٹنٹ بہادر غرب و شمال کو نسخہ دستنبو بسبیل ڈاک بھیجا تھا۔ ان کا خط فارسی شعر تحسین عبارت و قبول صدق ارادت بسبیل ڈاک آگیا۔ پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و مدحت میں بھیجا گیا اس کی رسید آگئی۔ وہی خانصاحب بسیار مہربان دوستانہ القاب اور کاغذ افشانی ازاں بعد ایک قصیدہ جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب کی مدح میں بتوسط صاحب کمشنر بہادر دہلی گیا۔ اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بتوسط کمشنر بہادر کل مجھ کو آگیا۔ پنشن ابھی تک مجھ کو نہیں ملی جب ملیگی حضرت کو اطلاع دی جائے گی۔ پیر و مرشد عالم ہیں۔ اور میں جاہل ہوں ان کی تسلیم نہ کرنے کو میں نے تسلیم کیا۔ اور پھر تسلیم بجا لایا۔ حضرت جناب مخدوم مکرم چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں انہیں الفاظ میں رسم مبارکباد ادا کی گئی تھی۔ نہ عبارت آرائی نہ طبع آزمائی کچھ عجب نہیں کہ وہ خط بھی مئی و جون میں آپ کو پہنچ جائے آپ کا بھی تو مارچ کا خط مجھ کو اب آخر اپریل میں پہنچا ہے جناب شیخ صاحب کیوں مجھ کو محجوب کرتے ہیں۔ اس باب میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ کہ افادہ مشترک ہے قصیدہ و مثنوی بھیج دیئے لطف

اٹھاؤں گا۔ اور جو کچھ میرے خیال میں آئیگا بے تکلف عرض کرونگا۔ میرا سلام کہیے اور مثنوی اور قصیدہ اُن سے لیکر جلد بھیجدیجئے۔ اپنے عمِ عالی مقدار کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجے۔ اور کہیے کہ حضرت خلاصہ مکتوب سابق یہی الفاظ تہنیت تھے شاید کچھ تغیر بالمرادف ہو تو ہو یہ شادی بصد ہزار مسرت آپکو مبارک ہو اور انکی اولاد دیکھیں اور اسی طرح انکی شادی کرنی نصیب ہو فیض علی خانصاحب کو میرا سلام پہنچے۔ میں بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق اور آپ کا مداح رہونگا خط کا لفافہ اس خط میں ملفوف کرکے بھیجتا ہوں۔ یہ آج پہنچا۔ اور آج ہی میں نے اس کا جواب لکھا کاتب وہی ہے۔ جو لفافہ ملفوفہ کا مکتوب الیہ ہے۔

ایضاً۔ جناب چودہری صاحب آپ کے ملطف نامہ کے ورود کی مسرت اور پارسل کے نہ پہنچنے کی حیرت باعث اس کی ہوئی کہ آپ کو پھر تکلیف دوں۔ اور آپکا خط جواب طلب نہ تھا جواب لکھوں تبدہ پر دو دن میں نے پارسل کی رسید لے لی تھی۔ اب آپ کے خط کو پڑھ کر ہرکارہ روانہ ڈاک کے پاس وہ رسید بھجوائی۔ انہوں نے کتاب دیکھ کر میرے آدمی سے کہہ دیا۔ کہ سکندرراؤ کی رسید یہ موجود ہے۔ اب پارسل کی جوابدہی وہاں والوں کے ذمہ ہے یہ سن کر میں نے یہ مناسب جانا کہ وہ رسید آپ کے پاس بھیجدوں آپ سکندرراؤ کے ڈاک خانہ میں بھجوا کر اُن سے پارسل منگوالیں اور اب اس رسید کا میری طرف راجع ہونا کسی صورت میں ضرور نہیں۔

والسلام۔

ایضاً۔ جناب چودہری صاحب کی یاد آوری اور مہر گستری کا شکر بجا لاتا ہوں۔ آپ کا خط مع قصیدہ و مثنوی پہنچا مثنوی کو جداگانہ بطریق پمفلٹ پاکٹ بھیجتا ہوں۔ اور یہ خط جداگانہ ارسال کرتا ہوں۔ لفافہ اُس کا بھی آپ کے نام کا ہے۔ آپ کے خط کا ماجرا اور صبح کو ادھر کا قصد اور پھر اپنے چچا صاحب کے کہنے سے نظر مآبستان پر اس عزم کا ملتوی رکھنا معلوم ہوا۔ آپ کے چچا صاحب نے کرامت کی کہ جو آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سواری پر اگر آپ اس شہر میں میرے مکان تک آجاتے۔ تو ممکن تھا۔ مگر رہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم احتمال خطر رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو اگر خبر ہو جائے تو البتہ قباحت ہے زنہار کبھی یہ گمان نہ کیجئے گا۔ کہ دلی کی عملداری میرٹھ اور آگرہ اور بلاد شرقیہ کی مثل ہے یہ پنجاب احاطہ میں شامل ہے۔ نہ قانون نہ آئین۔ جس حاکم کی جو رائے میں آوے وہ ویسا ہی کرے بہرحال ع اے وائے زمحرومی دیدار گرد ہیچ۔ انشاء اللہ العظیم دو تین مہینے میں یہاں بھی صورت امن وامان کی ہو جائے گی مگر میری آرزو یا استیفا اس صورت میں بھی بر نہ آئیگی۔ میں یہ تاکے ہوئے ہوں کہ میری اور تمہاری ملاقات اس طرح سے ہو کہ ہم تم ہوں۔ اور حضرت صاحب عالم صاحب ہوں۔ اور باہم حرف وحکایت کریں۔ اگر زمانہ میری خواہش کے موافق نقش قبول کرتا ہے۔ تو میں مارہرہ کو آتا ہوں۔ حضرت پیر و مرشد کا اشتیاق اور اسی جلسہ میں

تمہارے دیدار کا شوق ایسا نہیں کہ مجھ کو آرام سے بیٹھا رہنے دیگا۔ صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہو گئی ہے اُس بزرگوار کے جگر میں کیا گیا گھاؤ پڑے ہونگے۔ تب یہ تراوش خونابہ ظہور میں آئی ہوگی۔ مزا یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انہیں کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اصل کاغذ میری نظر میں نہیں اور حقیقت حال مجھ پر مجہول ہے اس واسطے انجام و آغاز اندازہ و انداز کچھ نہیں سمجھا حک و اصلاح کو آپ بنظر اصلاح ملاحظہ فرمائیں میں نے بحسب دستور ہر جگہ منشا اصلاح لکھ دیا ہے شیخ صاحب سے میرا سلام کہئے گا کہ کیا کروں دور ہوں معذور ہوں۔ مدد نہیں کر سکتا اعانت کے مراسم تقدیم کو نہیں پہنچا سکتا۔ خدا تمہارا نگہبان رہے والسلام۔

ایضاً شفیق مکرم مظہر لطف و کرم جناب چودہری صاحب کی خدمت میں بعد سلام یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ میرا رنج و تشویش مٹایا میری خدمت مقبول ہوئی خوشی حصول ہوئی میر امداد علی شاہ کو میری دعا کہنا ان کا باپ میرا یار تھا۔ میری طرف سے خاطر جمع کر دیجئے گا۔ اب بیل اچھی نکل آئی۔ چودہری صاحب کے ذریعہ سے جو کچھ مجھ کو بھیجنا ہوگا بھجواؤں گا۔ جناب چودہری صاحب آج کا میرا خط کاسۂ گدائی ہے۔ یعنی تم سے کچھ مانگتا ہوں تفصیل یہ کہ مولوی باقر دہلوی کے مطبع میں سے ایک اخبار ہر مہینے میں چار بار نکلا کرتا ہے مسمی بہ دلی اردو اخبار" بعض اشخاص سنین ماضیہ کے اخبار جمع کر رکھا کرتے ہیں اگر احیاناً آپ کے یا کسی آپ کے دوست کے ہاں جمع ہوتے چلے آتے ہوں تو اکتوبر ۱۸۳۷ء سے دو چار مہینے کے آگے کے اوراق دیکھے جائیں جس میں بہادر شاہ کی تخت نشینی کا ذکر اور میاں ذوق کے دو سکہ اُن کے نام کے کہہ کر نذر کرنے کا ذکر مندرج ہو بے تکلف وہ اخبار چھاپہ کا اصل بجنسہ میرے پاس بھیج دیجئے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ اکتوبر کی ساتویں آٹھویں تاریخ ۱۸۳۷ء میں یہ تخت پر بیٹھے ہیں۔ اور ذوق نے اس مہینے میں یا دو ایک مہینے کے بعد سکے کہکر گذرانے ہیں۔ احتیاطاً پانچ چار مہینے تک کے اخبار دیکھ لئے جائیں۔ یہاں تک میری طرف سے ابرام ہے کہ اگر پٹیل کسی اور شہر میں کوئی آپ کا دوست جامع ہو۔ اور آپ کو اس پر علم ہو تو وہاں سے منگوا بھیجئے۔ والسلام مع الاکرام ؁

ایضاً شفیق میرے عنایت فرما تمہاری مہربانی کا شکر بجا لاتا ہوں۔ نہایت سعی یہ تھی کہ آپکی طرف سے ظہور میں آئی میں نے کلکتہ میں مہتمم مطبع جام جہاں نما کو لکھ بھیجا ہے۔ اور ترک سعی کیا ہے آپ بھی فکر نہ کیجئے۔ اگر کہیں سے آپ کے پاس آجائے تو مجھ کو بھیج دیجئے میرے پاس آئیگا۔ تو میں تم کو اطلاع دیدوں گا۔ عنایت الہی کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا اس کی پرستش زاہد میں خدمت گذاری کو حاضر ہوں۔ وہ جب چاہیں اپنا کلام بھیجدیں میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجئے گا۔ صاحب تم نے ہمارے پیر و مرشد کو ہم پہ خفا کر دیا۔ بھلا وہ خط لکھیں نہ لکھیں کبھی تم کو فرما دیں۔ کہ غالب کو میری دعا لکھ بھیجنا۔ بہر حال میرا سلام نیاز عرض کیجئے اور اُن کے مزاج مبارک کی خیر و عافیت لکھئے اور یہ لکھئے کہ اگر خدانخواستہ وہ مجھ سے ناخوش ہے تو ناخوشی کی وجہ کیا ہے۔ اپنے چچا صاحب

کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیجئے گا اور میاں ناظر کو سلام شوق کہیے گا۔

ایضاً۔ میرے شفیق دلی چودھری عبدالغفور صاحب کو خدا سلامت رکھے۔ دیکھو میرے حواس کا اب یہ عالم ہے کہ تمہارے نام کی جگہ تمہارے چچا صاحب کا نام لکھ جاتا تھا اسی طرح سابق کے خط میں سرنامے پر یہ لکھا ہوگا ؎

بہار پیشہ جوانے کہ غالبش نامند   کنوں ببیں کہ چہ خوں می چکد ز ہر نفسش

جو خط کہ آپ کے بدلے کے جواب میں آئے ہیں۔ ان کے بھیجنے کی کیا حاجت تھی۔ آپ کی سعی اور اپنی ناکامی پہلے سے میرے دلنشیں اور خاطر نشان ہے جیسا کہ کوئی استاد کہتا ہے ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل   کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

وہ اخبار نہ کہیں سے ہاتھ آیا۔ اور نہ آئیگا میں اپنے خدا سے امیدوار ہوں کہ میرا کام بغیر اس کے نکل جائیگا۔ بندہ پرور میرا کلام کیا نظم کیا نثر کیا۔ اردو کیا فارسی کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کا التزام تھا کہ وہ سودات مجھ سے لیکر جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو ان کے لاکھوں روپے کے گھر لٹ گئے جس میں ہزاروں روپے کے کتب خانے بھی گئے۔ وہیں وہ مجموعہ ہائے پریشان بھی غارت ہوئے ہیں۔ خود اس مثنوی کے واسطے خون در جگر ہوں۔ ہائے کیا چیز تھی۔ پارسل میں خطوط بھیجنے محل اندیشہ ہے۔ خدا نے بچایا چونکہ اب وہ خط آپ کے کچھ کام کے نہ سمجھا از راہ احتیاط پارسل میں سے نکال لئے۔

ایضاً۔ میرے کرمفرما میرے شفیق ؎

ثمرۂ اسلام بود ورزش ایمان بالغیب   اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من است

آپ کے اس خط کا جواب لکھتا ہوں اس شعر کے بعد التماس یہ ہے کہ میری طرف سے تحریر جواب خط میں کبھی تقصیر نہ ہوگی یقین غالب ہے کہ اکثر ابتدا بتحریر نہ ہوگی۔ یہ قصائد پارسل میں رسید کے بطور واپس بھیجتا ہوں۔ واسطے خدا کے میرے پیر و مرشد کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیجئے تاکہ مجھ بدنصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے جناب چودھری غلام رسول صاحب کی خدمت میں سلام نیاز۔ استاد نیاز۔ استاد شیخ عطا حسین صاحب کی جناب میں سلام۔

ایضاً۔ میرے شفیق دلی کو میرا سلام پہنچے۔ کل انشا کا پارسل پہنچا۔ اور آج خط۔ انشا کا نام بہارستان اور آپ کا تخلص سرور۔ بہارستان مضاف اور سرور مضاف الیہ بہارستان سرور اچھا نام ہے قطعہ کا وعدہ نہیں کرتا کس واسطے کہ اگر یہ وعدہ وفا ہو جائیگا۔ تو لطف زیادہ دیگا۔ اور نہ پہنچیگا تو محل شکایت نہ ہوگا۔ ہنگامہ فتنہ و فساد اور بلا دہر مستمر۔ یہاں کوئی طرح آسائش کی نہیں ہے اہل دہلی عموماً بُرے پھنسے گئے۔ یہ

داغ ان کے جیتے جی حال سے عموماً مٹ نہیں سکتا۔ میں اموات میں ہوں۔ مُردہ شعر کیا کہیگا۔ غزل کا ڈھنگ بھول گیا۔ معشوق کس کو قرار دوں جو غزل کی روش ضمیر میں آوے۔ رہا قصیدہ، ممدوح کون ہے۔ ہائے انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے ؎

اے دریغا نیست ممدوحے سزاوارِ مدیح   اے دریغا نیست معشوقے سزاوارِ غزل

گورنمنٹ کے دربار میں ہمیشہ سے میری طرف سے قصیدہ نذر گزرتا ہے۔ اشرفیاں نہیں، اور خلعت ریاست دو ہزاری کا سات پارچہ اور تین رقم جیغہ سرپیچ مالائے مروارید مجھ کو ملا کرتا ہے۔ اب نواب گورنر جنرل بہادر یہاں آتے ہیں۔ دربار میں بلائے جانے کی توقع نہیں، پھر کس دل سے قصیدہ لکھوں۔ صناعت شعر [illegible] وجامع کا کام نہیں۔ دل چاہیئے، دماغ چاہیئے، ذوق چاہیئے، امنگ چاہیئے۔ یہ سامان کہاں سے لاؤں جو شعر کہوں۔ چونسٹھ برس کی عمر، ولولہ شباب کہاں۔ رعایت فن اس کے اسباب کہاں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ پیر و مرشد سلام نیاز پہنچے۔ کف الخضیب صُور جنوبی میں سے ایک صورت ہے۔ اس کے طلوع کا حال مجھ کو کچھ معلوم نہیں۔ اختر شناسان ہند کو اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ اہل اسلام کی زبان پر اس کا نام بھی نہیں۔ یقین ہے کہ نہ ہوگا۔ قبول دعا وقت طلوع سہیل یمانی مضامین شعری ہے جیسے کتان کا پرتوِ ماہ میں پھٹ جانا اور زمرد سے افعی کا اندھا ہو جانا۔ آصف الدولہ نے افعی تلاش کر کے منگوایا۔ اور قطعات زمرد اس کے محاذی چشم رکھے۔ کچھ اثر نہ ہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع کتان منگوائے، چاندنی میں پھیلائے، سکا بھی نہیں۔ تحویل آفتاب بہ حمل کے باب میں اتنی بات ہے کہ ۲۲ مارچ کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ کبھی ۲۳ آپڑتی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں رہا۔ طالع وقت تحویل درست کرنا بے کتب نجوم اور مبلغ علم ممکن نہیں۔ میرے پاس یہ دونوں باتیں نہیں ؎

ندانم کہ گیتی چساں می رود   چہ نیکو چہ بد در جہاں می رود

میں تو اب روز و شب اسی فکر میں ہوں کہ زندگی تو یوں گزری اب دیکھئے موت کیسی ہو ؎

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ   مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

میرا ہی شعر ہے اور میرے ہی حسب حال ہے۔ حضرت مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھرا یا کس، اب کس سے کہوں کس کو گواہ لاؤں۔ یہ دونوں سکے ایک وقت میں کہے گئے ہیں یعنی بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق نے یہ دو سکے کہہ کر گزرانے۔ بادشاہ نے پسند کئے۔ مولوی محمد باقر جو ذوق کے معتقدین میں تھے انہوں نے دلی اردو اخبار میں یہ دونوں سکے چھاپ دیئے۔ علاوہ اب وہ لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے اس زمانے

ہیں مرشدآباد اور کلکتہ میں یہ سکے سنتے ہیں۔ اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سکے سرکار کے نزدیک سبب کچھ ہوگئے اور گنہگار ہونے ثابت ہوئے۔ میں نے ہر چند قلمرو ہند میں دلی اسعد اخبار کا پرچہ ڈھونڈا کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ وجہ مجھ پر رہا۔ پنشن بھی گئی اور وہ ریاست کا نام و نشان خلعت و دربار بھی گیا۔ خیر جو کچھ ہوا وہ بموافق رضائے الٰہی ہے اس کا کیا گلہ

چوں جنبش سپہر بفرمان داور است   بیداد نبود آنچہ بہ ما آسمان دہد

یہ تحریر بطریق حکایت نہ بسبیل شکایت گویند از ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ پرسش رفت کہ چہ حالی داری فرمود کدام حال خواہد بود کسے راکہ خدا از وے فرض طلبد و پیمبر سنت و زن مال خواہد و ملک الموت جان قصہ مختصر اب زیست بامید مرگ ہے۔ تا مطبوعہ دیکھا جائے۔ اور بے حیف و بے میل از راہ انصاف دیکھا جائے۔ مرشد زادوں کو سلام مسنون اور دعائے افزونی عمر و دولت پہنچے۔

ایضاً: میرے شفیق آپ کا خط آیا۔ اور اس کے آنے نے تمہاری رنجش کا وسوسہ میرے دل سے مٹایا۔ ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں۔ اگر اس کو منظور کیجئے گا تو خطوط کے نہ پہنچنے کا احتمال اُٹھ جائیگا اور رجسٹری کا دردسر جاتا رہیگا۔ آدھ آنہ نہ سہی ایک آنہ سہی آپ بھی خط بیرنگ بھیجا کیجئے اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ بیرنگ خطوط تلف بھی ہوتے ہیں۔ اس قاعدہ کا جیسا کہ میں واضع ہوا ہوں۔ بادی بھی ہوا اور یہ خط بیرنگ بھیجا۔ پنشن جاری ہو گیا۔ تین برس کا چڑھا ہوا روپیہ مل گیا بعد ادائے قرض بیسے بچے۔ اب ماہ بماہ روپیہ ملتا ہے۔ مگر یہی تین مہینے ستمبر، اکتوبر، نومبر ملینگے۔ دسمبر ۱۸۶۰ء سے تنخواہ ششماہی ہو جائیگی۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپیہ سینکڑا سالانہ عموماً وضع ہوا کریگا۔ اس حساب سے میرے حصہ میں ڈھائی روپیہ مہینہ آیا۔ بیسے کے ساتھ رہیں گے۔ کچھ رامپور سے ماہ بماہ آتا ہے۔ یہ دو نو آمدنیں ملکر خوش و ناخوش گزارا ہو جاتا ہے۔ یہاں شہر ڈھے رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی بازار خاص بازار اور اردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر اک بجائے خود ایک قصبہ تھا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبان امکنہ اور دکاکین نہیں بتلا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا۔ اور دکان کہاں تھی۔ برسات بھر مینہ نہیں برسا آب تیشہ اور کلند کی طغیانی سے مکانات گر گئے۔ غلہ گراں ہے موت ارزاں ہے۔ میوہ کے مول اناج بکتا ہے۔ ماش کی دال ۸ سیر باجرا ۱۶ سیر گیہوں ۱۲ سیر چنے ۱۶ سیر گھی ۱ سیر ترکاری مہنگی۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ بات ہے۔ کہ کنوار کا مہینہ جیسے جاڑے کا دعوا کہتے ہیں۔ پانی گرم۔ دھوپ تیز۔ لو چلتی ہے جیٹھ اساڑھ کی سی گرمی پڑتی ہے۔ حضرت رفعت درجت جناب صاحب عالم کی خدمت میں دوستانہ سلام اور مریدانہ بندگی بہ انکسار تمام عرض کرتا ہوں۔ حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے میں نے مرشد زادہ کے خط میں کب اپنا عزم لکھا یا کسی سے

آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روزِ روانگی کے تقرر سے اطلاع چاہتے ہیں۔ ہاں آپ کی قدمبوسی کی تمنا اور اقوال الدولہ کے دیدار کی آرزو حد سے زیادہ ہے۔ اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گور میں لے جاؤں گا۔ تنخواہ کے اجرا کا حال اور مستقبل میں اُس کے وصول کی صورت اُن سطروں سے جو آغاز مکتوب چودھری عبدالغفور صاحب کی خدمت میں لکھی گئی ہیں مع روداد شہر معلوم کر لیجئے گا۔ لالہ گوبند پرشاد صاحب ہنوز میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ دنیادار نہیں فقیر خاکسار ہوں تو اصلح میری خو ہے۔ انجاح مقاصد خلق میں حتی الوسع کمی کروں تو ایمان نصیب نہ ہو۔ انشاء اللہ العزیز وہ فقیر سے راضی و خوشنود رہیں گے۔ جناب مستطاب حضرت محمد امیر صاحب کی خدمت میں بعد سلام نیاز یہ گذارش ہے کہ میرے پاس حضرت کا سلام پیام سوائے آپ کی بابت کے کبھی نہیں پہنچا اب ان سطور کو اپنا ذریعہ افتخار سمجھا۔ اور نوید مقدم مبارک سے بہت خوش ہوا یہ جو خانہ کوچی و گریز پائی اور بے اطمینانی کا آپ کو مجھ پر گمان ہے اور اس کا رنج ہے یہ خلاف واقع کسی نے آپ سے کہا ہے میں مع زن و فرزند ہر وقت اُسی شہر میں قلزم خون کا شناور رہا ہوں۔ دروازہ سے باہر قدم نہیں رکھا نہ پکڑا گیا۔ نہ نکالا گیا نہ قید ہوا نہ مارا گیا کیا عرض کروں کہ میرے خدا نے مجھ پر کیسی عنایت کی اور کیا نفس مطمئنہ بخشا جان و مال و آبرو میں کسی طرح کا فرق نہیں۔ تنخواہ جس کو حضرت نے یومیہ لقب دیا ہے اس کا حال اُوپر کی تحریر سے دریافت ہوگا۔ فقیر کو اپنا دوست اور معتقد اور مشتاق تصور فرماتے رہیگا۔ مُرشدزادہ مرتضوی دُودمان سیّد عالم و دعا۔ ڈپٹی صاحب سے ملاقات کثرت سے نہیں ہے۔ ان کو کثرت اشتغال سے فرصت نہیں۔ مجھ کو افراط ضعف سے طاقت نہیں اگر بحسب اتفاق کہیں ملاقات ہوگئی تو آپ کا سلام کہہ دونگا۔ آپ اپنے اخوان عالی شان کو میرا سلام پہنچا دیجئے گا۔ ع

بندۂ شاہِ شمائیم و ثنا خوان شما

ایضاً۔ میرے شفیق چودھری عبدالغفور صاحب اپنے خط اور قصیدہ بھیجنے کا مجھ کو شکر گذار اور قصیدہ سابق کی اب تک اصلاح نہ پانے سے شرمسار تصور فرمائیں۔ اور ان دونوں قصیدوں کے باہم پہنچنے کا انتظار کریں ؎

نوید وصل دہم مے دہد ستارہ شناس
نکردہ ژرف نگاہے مگر در اختر من

تحقیق کراب روئے سخن جناب فیض نصاب جامع مدارج جمع الجمع بزم وحدت کے فروزندہ شمع مستغرق مشاہدہ شاہد ذات حضرت صاحب عالم صاحب قدسی صفات کی طرف ہے۔ اور یہ شعر افتتاح کلام ہے۔ پہلے کچھ

باتیں کہ بادی النظر میں خلاف واقعیت معلوم ہونگی لکھی جاتی ہیں۔ میں پانچ برس کا تھا۔ کہ میرا باپ مرا تو برس کا تھا کہ چچا مرا۔ اس کی جاگیر کے عوض میری اور میرے شرکا و حقیقی کے واسطے شامل جاگیر نواب احمد بخش خان دس ہزار روپیہ سال مقرر ہوئے انہوں نے نہ دیئے۔ مگر تین ہزار روپیہ سال میں نے سرکار انگریزی میں یہ غبن ظاہر کیا۔ کولبرک صاحب بہادر رزیڈنٹ دہلی، اور استرلنگ صاحب بہادر سیکرٹری گورنمنٹ کلکتہ متفق ہوئے میرا حق دلانے پر رزیڈنٹ معزول ہو گئے۔ سیکرٹری گورنمنٹ بمرگ ناگاہ مر گئے۔ بعد ایک زمانے کے بادشاہ دہلی نے پچاس روپیہ مہینہ مقرر کیا۔ ان کے ولیعہد نے چار سو روپیہ سال۔ ولیعہد اس تقرر کے دو برس بعد مر گئے۔ واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی سرکار سے بہ صلہ مدح گستری پانسو روپے سال مقرر ہوئے وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ جیئے۔ یعنی اگرچہ اب تک جیتے ہیں۔ مگر سلطنت جاتی رہی۔ اور تباہی سلطنت دو ہی برس میں ہوئی بگڑی ایسے طالع مربی کش اور محسن سوز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اب میں جو والئے دکن کی طرف رجوع کروں۔ یاد ہے۔ کہ متوسط یا مر جائیگا یا معزول ہو جائیگا اور اگر یہ دونوں امر واقعہ نہ ہوئے۔ تو کوشش اس کی ضائع ہو جائیگی۔ اور والی شہر مجھ کو کچھ نہ دیگا۔ اور احیاناً اُس نے سلوک کیا۔ تو ریاست خاک میں مل جائیگی۔ اور ملک میں گدھے کے ہل پھر جائیں گے۔ اے خداوند بندہ پرور یہ سب باتیں وقوعی اور واقعی ہیں۔ اگر ان سے قطع نظر کر کے قصیدہ کا قصد کروں۔ قصد تو کر سکتا ہوں۔ تمام کون کریگا۔ سوائے ایک ملکہ کے کہ وہ پچاس پچپن برس کی مشق کا نتیجہ ہے۔ کوئی قوت باقی نہیں رہی۔ کبھی جو سابق کی اپنی نظم و نثر دیکھتا ہوں۔ تو یہ جانتا ہوں۔ کہ یہ تحریر میری ہے۔ مگر حیران ہوں۔ کہ میں نے یہ نثر کیونکر لکھی تھی۔ اور کیونکر یہ شعر کہے تھے عبدالقادر بیدل کا یہ مصرعہ گویا میری زبان سے ہے۔ ع

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

پایان عمر ہے دل و دماغ جواب دے چکے ہیں۔ سو روپیہ رام پور کے ساٹھ روپے پنشن کے روٹی کھانے کو بہت ہیں۔ گرانی اور ارزانی امور عامہ میں سے ہے۔ دنیا کے کام خوش و ناخوش چلے جاتے ہیں۔ قافلے کے قافلے آمادۂ رحیل ہیں۔ دیکھو منشی نبی بخش مجھ سے عمر میں چھوٹے تھے ماہ گذشتہ میں گذر گئے۔ مجھ میں قصیدے کے لکھنے کی قوت کہاں اگر ارادہ کروں۔ تو فرصت کہاں قصیدہ لکھوں آپ کے پاس بھیجوں آپ کن کو بھیجیں۔ متوسط کب پیش کرنے کا موقع پائے پیش کئے پر کیا پیش آئے ان مراحل کے طے ہونے تک میں کیونکر جیوں گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لا الٰہ الا اللہ و لا معبود الا اللہ و لا موجود الا اللہ کان اللہ و لم یکن شئی و اللہ الآن کما کان۔

ایضاً: جناب چوہدری صاحب کو سلام پہنچے۔ آپ نے اپنے مزاج کی ناسازی کا حال کچھ نہ لکھا۔ اگر یہ

مرشد بھی نہ لکھتے تو میں کیونکر اطلاع پاتا۔ اور اگر اطلاع نہ پاتا تو حصول صحت کی دعا کیونکر کرتا۔ کل سے وقت خاص میں یہی دعا مانگ رہا ہوں۔ یقین ہے کہ پہلے تم تندرست ہو جاؤ گے اور اس کے بعد یہ خط پاؤ گے اکثر صاحب با انواع و بدائع سے ماہ نیم ماہ کے چھپنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور میں یہی کہتا ہوں۔ کہ جب نیمروز کی عبارت کو نہیں چھاپا۔ تو ماہ نیم ماہ کو کیونکر چھپوا دوں گا۔ صاحب مہر نیمروز کے دیباچہ میں میں نے لکھ دیا ہے۔ کہ اس کتاب کا نام پرتوستان ہے۔ اور اس کے دو مجلد ہیں۔ پہلی جلد میں ابتدائے آفرینش عالم سے ہمایوں کی سلطنت کا ذکر۔ دوسرے حصے میں اکبر سے بہادر شاہ تک کی سلطنت کا بیان۔ پہلے حصہ کا نام مہر نیمروز دوسرے حصہ کا اسم ماہ نیم ماہ۔ بارے پہلا حصہ تمام ہوا چھاپا گیا۔ یا بسی جیسا قصہ تھا۔ جلال الدین اکبر کے حالات کے لکھنے کا کہ امیر تیمور تک کا نام و نشان مٹ گیا۔ آن دفتر را گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد قصاب در راہ مرد۔ جو کتاب میں نے لکھی ہی نہیں وہ بھیجوں کہاں سے۔ پیر و مرشد کو میرا سلام۔ اور صاحبزادوں کو دعا۔ خداوند مجھے مارہرہ بلاتے ہیں۔ اور میرا قصہ تم یاد دلاتے ہیں۔ ان دنوں میں کہ دل بھی تھا۔ اور طاقت بھی تھی۔ شیخ محسن الدین مرحوم سے بطریق تمنا کہا گیا تھا۔ کہ جی یوں چاہتا ہے۔ کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں۔ طاقت کہاں سے پاؤں۔ نہ آموں کی طرف وہ رغبت نہ معدہ میں اتنی آموں کی گنجائش۔ نہار منہ میں آم نہ کھاتا تھا۔ کھانے کے بعد میں آم نہ کھاتا تھا۔ رات کو کچھ کھاتا ہی نہیں جو کہوں بین الطعامین۔ ہاں آخر روز بعد ہضم معدہ آم کھانے بیٹھ جاتا تھا۔ بے تکلف عرض کرتا ہوں۔ اتنے آم کھاتا تھا۔ پیٹ بھر جاتا تھا۔ اور دم پیٹ میں نہ سماتا تھا۔ اب بھی اسی وقت کھاتا ہوں۔ مگر دس بارہ۔ اگر پیوندی آم بڑے ہوئے تو پانچ سات

؎

دریغا کہ عہد جوانی گذشت
جوانی مگو زندگانی گذشت

اب اس کے واسطے کیا حیلہ کروں۔ مگر حضرت کا دیکھنا اس کے واسطے متحمل رنج سفر ہوں تو جاڑے میں نہ برسات میں۔ ع

اے وائے نہ محرومی و یاد آوردگی ہیچ تو

ایضاً۔ بندہ پرور بہت دن ہوئے پرسوں آپ کا خط آیا۔ سرنامہ پر دستخط اور کے اور تمام آپ کا پایا۔ دستخط دیکھ کر مفہوم ہوا۔ خط کے پڑھنے سے معلوم ہوا۔ کہ تمہارے دشمن بعارضہ تپ و لرزہ رنجور ہیں۔ اللہ اللہ ضعف کی یہ شدت کہ خط کے لکھنے سے معذور ہیں۔ خدا وہ دن دکھلائے

کہ تمہارا خط تمہارا دستخطی آئے۔ سر نامہ دیکھ کر دل کو فرحت ہو خط پڑھ کر دونی مسرت ہو جب تک ایسا خط نہ آئے گا۔ دلِ سودا زدہ آرام پائیگا۔ تا صدِ ڈاک کی راہ دیکھتا رہونگا۔ جناب ایزدی میں سرگرم دعا رہونگا۔ آپ کے عمِ عالی مقدار اور بزرگ آموزگار کو میرا سلام مع صنوف اشتیاق والوف اکرام جنابِ چودہری صاحب آؤ۔ ہم تم حضرت عالم کے پاس چلیں اور اپنی آنکھیں اُن کے کفِ پائے مبارک سے ملیں میں سلام کرونگا تو معروف ہوگا کہ غالب یہی ہے۔ اہلِ دہلی میں آپ کے دیدار کا طالب یہی ہے میں۔ نے عزمِ قدمبوسی کیا پیرومرشد نے مجھے گلے لگایا فرماتے ہیں۔ کہ غالب تو اچھا ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ کہ الحمد للہ حضرت کا مزاج مقدس کیسا ہے۔ ارشاد ہُوا کہ مولوی سید برکات حسن تیری بہت تعریف کرتے رہتے ہیں۔ جناب یہ اُن کی خوبیاں ہیں۔ میں ایسا نہیں ہوں۔ جیسا وہ کہتے ہیں۔ کاش وہ میری رنجوری کا حال کہتے ضعفِ قویٰ اور اضمحلال کہتے تاکہ میں ان کے کلام کی تصدیق کرتا۔ ان کی غمخواری اور دردمند نوازی کا دم بھرتا ؎

درکشاکش ضعفم نگسلد روان از تن
اینکہ من نمی میرم ہم ز ناتوانیہاست

حضرت نے میری گرفتاری کا نیا رنگ نکالا۔ بوستان خیال کے دیکھنے کا دانہ ڈالا۔ مجھ میں اتنی طاقت پرواز کہاں کہ ہائے اگر پھنس جاؤں دام پہ گر کے دانہ زمیں پر سے اٹھاؤں حضرت سچ تو یوں ہے کہ غم ہائے روزگار نے مجھ کو گھیر لیا ہے۔ سانس نہیں لے سکتا اتنا تنگ کر دیا ہے۔ ہر بات سو طرح سے خیال میں آئی پر دل نے کسی طرح تسلی نہ پائی۔ اب دو باتیں سوچا ہوں ایک تو یہ کہ جب تک جیتا ہوں یوں ہی رویا کروں گا۔ دوسری یہ کہ آخر ایک نہ ایک دن مرونگا۔ یہ صغریٰ و کبریٰ دلنشین ہے۔ نتیجہ اس کا تسکین ہے ہیہات ؎

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید   ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

اے حضرت شاہ عالم صاحب میرا سلام لیجئے کاغذ باقی نہیں رہا۔ اپنے سب بھائیوں کو مع میر وزیر علی صاحب میرا سلام کہہ دیجئے گا۔

ایضاً: جناب چودھری صاحب سیاہی پھیکی۔ کاغذ پتلا۔ پیرو مرشد کی عبارت ایک طرف آپکی تحریر بھی مغشوش ہوگئی۔ بہرہ ہو گیا ہوں۔ مگر حضرت بصر ہنوز باقی ہے تمہاری عبارت کا جو لفظ پڑھ لیا۔ قرینہ سے اُس کا محاورہ بھی معلوم ہوگیا۔ حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت توام شاہ عالم کے اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے پھوٹیں ایمان نصیب نہ ہو۔ وہ خط بدستور آپ کے پاس واپس بھیجتا ہوں اور اعلیٰ سفید کاغذ پر حرف بحرف اس کی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجئے۔ تاکہ اس کے جواب لکھنے میں سعادت حاصل کروں لیکن

بہت جلد آپ کی نگارش سے اتنا دریافت ہو گیا۔ کہ اب آپ اچھے ہیں۔ الحمد للہ

ایضاً بندہ پرور پرسوں تمہارا خط آیا۔ آج جواب لکھ رکھتا ہوں کل ڈاک میں بھجوا دونگا میرا حال کیوں پوچھو اپنے کو دیکھو جو تمہارا ڈھنگ ہے وہی میرا رنگ ہے۔ ثبور داد و مرض خاص ہے اور رنج عام۔ یہ ایک اجمال۔ دوسرا اجمال سنو کہ مہینہ بھر سے صاحب فراش ہوں صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہتا ہوں محل سرائے اگرچہ دیوان خانہ کے بہت قریب ہے۔ پر کیا امکان جو جا سکوں صبح کو ۹ بجے کھانا یہیں آجاتا ہے پلنگ پر سے کھسک پڑا ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا پھر ہاتھ دھوئے کلی کی پلنگ پر جا پڑا پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے اٹھا اور حاجتی میں پیشاب کیا۔ اور پڑ رہا۔ مدتوں سے یہ مرض ہے کہ پیشاب جلد جلد آتا ہے۔ اس صاحب فراش ہونے کو دیکھو اور دم بدم تقاضائے بول کو دیکھو پاخانے اگرچہ دن رات میں ایک دفعہ جاتا ہوں۔ مگر صحت کو تصور کرو ایک پھوڑا داہنے پنچے میں جس کو ساعد کہتے ہیں۔ دو پھوڑے بائیں پنچے میں یہ سہل ہیں بائیں پاؤں میں کف پا و پشت پا سے لیکر آدھی پنڈلی تک ورم اور ورم بھی سخت لذوعات و ضمادات سے کچھ نہ ہوا۔ اب تجویز ہے۔ کہ نیپ کا بھرتہ باندھیے جب پکے پھوٹے تب مرہم لگائیے کہ کف پا میں جراحت کا عمل ہوا تو قیاس کا کہاں ٹھکانا یہ حال جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ مجمل و جزوی ہے میرا قیاس اس کا مقتضی ہے کہ پیر و مرشد حضرت صاحب عالم مجھ سے آزردہ ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ میں نے متانۂ اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس رقعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں۔ حضرت صاحب ان صاحبوں کے کلام کو یعنی بیدل کے اشعار کو قتیل اور واقف سے لے کر بیدل اور ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔ اور رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انوری وغیرہم تک ایک گروہ ان حضرات کا کلام تھوڑی تھوڑی تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے فغانی اور ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا۔ خیال ہائے نازک و معانی بلند لایا۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑ گئی۔ اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا چربہ دیا۔ صائب و کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفائی اس زمرہ میں ہیں۔ رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہریں۔ خاقانی اس کے اقران۔ ظہوری اس کے امثال صائب اس کے نظائر۔ خاص اللہ متانۂ اختر و غیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں سے کس طرز پر ہے بے شبہ فرمائیے گا کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو بہت خوب ہے۔ کہ ان کی طرز جدا ہے کیا کہنا ہے۔ جیسی طرز ہے۔ مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے دارالضرب شاہی کا سکہ نہیں ہے۔ ٹکسال سے باہر ہے۔ وہ داد

انصاف انصاف ہے ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار | ز یک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں | خمارِ چشم ساقی نیز پیوست
مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم | وراے شاعری چیزے دگر ہست

وہ چیزِ دگر پارسیوں کے حصّے میں آئی ہے ہاں اُردو زبان میں اہلِ ہند نے وہ چیز پائی ہے۔ میر تقی علیہ الرحمۃ ؎

بدنام ہوگے جانے بھی دو امتحان کو
رکھیگا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

؎ دکھلایئے لیجا کے تجھے مصر کا بازار | خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم ؎ قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں | ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں...

مومن خاں ؎ تم میرے پاس ہوتے ہو گویا | جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے ہاں کمتر اور آتش کے ہاں بیشتر یہ تیز نشتر ہیں مگر ان کا کوئی شعر اسوقت یاد نہیں آتا۔ یاد کیا آوے پڑا ہوا ہوں۔ دمبدم پاؤں کے ورم کی ٹیس ہوش اُڑائے دیتی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ایضاً۔ ایک عبارت لکھتا ہوں۔ چونکہ لفافہ جناب چودھری عبد الغفور صاحب کے نام کا ہوگا۔ پہلے وہ پڑھیں پھر میرے پیر و مرشد کی نظر سے گذرانیں پھر مرشد زادہ شاہ عالم صاحب کو دکھائیں بر بس دن سے فساد خون کے عوارض میں مبتلا ہوں۔ شورہ وا و رام میں لڑ رہا ہوں۔ بیس دن ہیں او جاع سہتے سہتے روح تحلیل ہوگئی نشست و برخاست کی طاقت نہ رہی اور پھوڑے تو خیر گردونوں پنڈلیوں میں ہڈیوں کے قریب دو پھوڑے ہیں۔ کھرا ہوا اور ہڈیاں چرانے لگیں اور رگیں پھٹنے لگیں۔ بائیں پاؤں پر کف پا سے جہاں وہ پھوڑا ہے۔ پنڈلی پر ورم ہے۔ رات دن پڑا رہتا ہوں۔ پلنگ کے پاس حاجتی لگی رہتی ہے کھسل پڑا۔ بعد رفع حاجت پھر لیٹ رہا اسی صورت سے روٹی کھاتا ہوں۔ اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف خطوط ضروری لیٹے لیٹے لکھتا ہوں دو خط چودھری صاحب کے آئے۔ اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور دو خط حضرت صاحب کے آئے۔ جواب نہ لکھ سکا۔ آج اپنے کو طعنے دیکر مردِ بنایا۔ جب یہ عبارت لکھی۔ چودھری صاحب کو سلام شاہ عالم صاحب کو بندگی ۔

بنام میر سرفراز حسین صاحب

میری جان کے چین مجتہد العصر میر سرفراز حسین تم کو اور تمہارے بھائی اور تمہارے دوست کو دعا اور پھر یہ بیان کہ غدر سے پہلے ہر دربار میں خلعت پاتا تھا۔ بعد غدر دربار اور خلعت اور ملاقات سرکار سے موقوف اب جو لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب آئے تو انھوں نے خود مجھے بلا بھیجا۔ اور خلعت دیا اور فرمایا کہ یہ ہم اپنی طرف سے از راہِ محبت دیتے ہیں۔ اور یہ نوید علاوہ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں کا بھی دربار اور خلعت کھل گیا۔ انبالے جاؤ گے تو پاؤ گے میں انبالے نہ جا سکا۔ بالفعل نائب گورنر کے خلعت پر قناعت کی اس خلعت کو بشرطِ حیات اور وقت پر موقوف رکھا۔ ہملٹن صاحب الور میں آ گئے۔ راجہ صاحب دربار روز کرتے ہیں اہلِ اغراض کی عرائض جو حضور میں گذرتے ہیں۔ وہ حضور کے پنچوں کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ خریطہ یعنی حکم تحریری اختیار پانے کا ابھی نہیں آیا۔ یقین ہے کہ لارڈ صاحب بعد اختتام سفر جب شملہ پہنچیں گے تو خریطہ جاری ہوگا۔ آج جمعہ ساتویں شوال کی اور ستائیسویں مارچ کی ہے۔ چار گھڑی دن چڑھے میں یہ خط لکھ کر بھیجتا ہوں۔ تم بھی پڑھو اور میر مہدی کو بھی پڑھا دو۔ اب شاید تھوڑے دنوں تک میں خط نہ لکھ سکوں تفصیل اس کی یہ کہ رجب کے مہینے میں سیدھے پر ایک پھنسی ہوئی پھنسی پھوڑا ہو گئی۔ پھوڑا پھوٹ کر زخم بنا زخم بگڑ کر غار ہو گیا۔ اب بقدر کفِ دست وہ گوشت مُردار ہو گیا انبالے نہ جانے کی بھی یہی وجہ ہوئی دو مہینے سے انگریزی علاج ہوتا ہے۔ کالا ڈاکٹر روز آتا ہے۔ آج اُس نے ارادہ اُس مُردار گوشت کے کاٹنے کا کیا ہے اب وہ آتا ہوگا۔ میں جلد جلد یہ لکھ کر روانہ کرتا ہوں۔ تاکہ پھر ہاتھ کے پرنے اُڑاؤں۔ نجات کا طالب غالب

ایضاً نورِ چشم راحتِ جان میر سرفراز حسین جیتے رہو۔ تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو پیرہنِ یوسفؑ نے یعقوبؑ کے ساتھ کیا تھا۔ میاں یہ ہم تم بوڑھے ہیں۔ یا جوان ہیں توانا ہیں۔ یا ناتواں ہیں۔ بڑے بیش قیمت ہیں۔ یعنی بہرحال غنیمت ہیں۔ کوئی جلا بھنا کہتا ہے۔ ؎

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ　　یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالاخانہ ہے۔ اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پر نظر ہے۔ کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف میرزا آئے۔ وہ میرن آئے۔ وہ یوسف علی خاں آئے۔ مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنتا نہیں۔ اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوں۔ میں مرونگا۔ تو مجھ کو کون روئیگا۔ سنو غالب رونا پیٹنا کیا کچھ اختلاط کی باتیں کرو۔ کہو میر سرفراز حسین سے کہ یہ خط میر مہدی کو پڑھواؤ۔ اور میرن صاحب کو بلاؤ کل شام کو یا پرسوں شام کو میر اشرف علی صاحب میرے

پاس آئے تھے۔ کہتے تھے۔ کہ کل یا پرسوں پانی پت کو جاؤنگا۔ میں نے اُن کی زبانی کچھ پیام میرن صاحب کو بھیجا ہے۔ اگر بھول نہ جائینگے۔ پہنچا دینگے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے۔ کہ صاحب ابن نہیں ہے نہ ہو۔ غلام اشرف نہیں ہے نہ ہو۔ اگر منظور کیجئے تو میں صوفی ہوں۔ ہمہ وست کا دم بھرتا ہوں۔ بموجب مصرعہ کہ ع دل بدست آور کہ حج اکبر است تم سے کب انکار کرتا ہوں۔ اگر مرزا گوہر کی جگہ ملا تو خوش۔ اگر غلام اشرف جاتا تو راضی۔ رات کو اپنے گھر میں باتیں بنا کر دو۔ کو مجھ سے بھی بہلاؤ۔ قصہ مختصر آؤ۔ اور جلد آؤ۔ سید انور کا جو حال لکھتے ہو وہ سچ ہے راجپوت ایسا ہی کچھ کرتے ہیں۔ مگر مہاراجہ مسلمانوں کا دم بھرتے ہیں۔ کچھ دن جاتے ہیں کہ یہ لوگ پھر وہاں آتے ہیں۔ کیا مجمع برہم ہوا ہے مجھ کو کیسا غم ہوا ہے۔ تم اس جمگھے سے جدا ہو۔ تم کو اندیشہ کیا ہے۔ میر قربان علی صاحب جیسا لکھیں ویسا کرو۔ میر مہدی صاحب سارا خط پڑھ کر کہیں گے۔ مجھ کو دعا بھی نہ لکھی۔ بھائی میری دعا پہنچے۔ میر نصیرالدین ایک دن میرے ہاں آئے تھے۔ اب میں نہیں جانتا یہاں ہیں یا وہاں ہوں تو دعا کہنا میرن صاحب کے نام تو اتنا کچھ پیام ہے دعا سلام کی حاجت کیا دیکھو۔ ہم اپنا نام نہیں لکھتے بھلا دیکھیں۔ تو سہی تم جان جاتے ہو کہ یہ خط کس کا ہے ؟

بنام مہدی حُسین صاحب مجرُوح

بھائی تم سچ کہتے ہو۔ ع بر سر فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد۔ لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے۔ کہ یہ زیر باری میری تحریر کے بموجب پر ہوئی اور خلاف میری مرضی کے ہوئی۔ جس طرح پر آتے ہیں۔ اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے۔ لیکن واللہ میرے عقیدہ اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے۔ یعنی میں بھی سمجھا تھا کہ البتہ یوں ہی ہوگا۔ دیوان اُردو چھپ چکا ہے۔ لکھنؤ کے چھاپے خانے نے جس کا دیوان چھاپا۔ اُس کو آسمان پر چڑھا دیا۔ حسن خط سے الفاظ کو چمکا دیا۔ حق پر اور اُس کے بانی پر اور اُس کے چھاپے پر لعنت۔ صاحب دیوان کو اس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے مر کاپی دیکھتا رہا ہوں۔ کاپی نگار اور تھا۔ متوسط یہ کاپی میرے پاس لایا کرتا تھا۔ وہ اور تھا۔ اب جو دیوان چھپ چکے حق التصنیف ایک ایک مجھ کو ملا غور کرتا ہوں۔ تو وہ الفاظ جوں کے توں ہیں یعنی کاپی نگار نے نہ بنائے۔ ناچار غلط نامہ لکھا۔ وہ چھپا بہرحال [illegible] ہوں گا۔ اگر خدا چاہے۔ تو اسی ہفتہ میں تین مجلد اصحاب ثلاثہ کے پاس پہنچ جائیں۔ نہ میں خوش ہوا نہ تم خوش ہوگے۔ اور جو یہ لکھتے ہو کہ یہاں خریدار ہیں۔ قیمت لکھ بھیجو میں دلال تو نہیں۔ سوداگر نہیں۔ مہتمم مطبع نہیں۔ مطبع احمدی کے مالک محمد حسین خاں مہتمم مرزا امو جان مطبع شاہدرہ میں محمد حسین خاں دہلی

شہر بلّی ماران کے کوچہ میں مصوروں کی حویلی کے پاس قیمت کتاب چھ آنے محصول ڈاک خریدار کے ذمے طالبانِ کتاب کو اطلاع دو۔ دو چار دس پانچ جلدیں جس کو منگانی ہوں۔ محمد حسین خان کے نام پر دلّی بلّی ماران کے کوچے مصوروں کی حویلی کا پتہ لکھ کر خط ڈاک میں بھجوا دے۔ کتاب ڈاک میں پہنچ جائیگی قیمت چاہو نقد چاہو ٹکٹ ارسال کرو۔ مجھ کو اور تم کو کیا جو کہے اس کو یہ جواب دے دو۔ وبا تھی کہاں جو میں لکھوں کہ اب کم ہے یا زیادہ ایک چھیاسٹھ برس کا مرد۔ ایک چونسٹھ برس کی عورت ان دونوں میں سے ایک بھی مرتا۔ تو ہم جانتے کہ ہاں وبا آئی تھی۔ تف بریں وبا پنجشنبہ ۸ ر ماہ اگست کے مہینے کا حال کچھ معلوم نہیں۔ کل شام کو دو دو مونڈھے رکھ کر کئی آدمی دیکھا کئے ہلال نظر نہیں آیا۔ نجات کا طالب غالب۔

ایضاً۔ بھائی نہ کاغذ ہے نہ ٹکٹ ہے اگلے لفافوں میں سے ایک بیرنگ لفافہ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ پھاڑ کر تم کو خط لکھتا ہوں۔ اور بیرنگ لفافہ میں لپیٹ کر بھیجتا ہوں۔ غمگین نہ ہونا کل شام کو کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئی ہے۔ آج کاغذ و ٹکٹ منگا لونگا۔ سہ شنبہ ۸ ر نومبر صبح کا وقت ہے۔ جسکو عوام بڑی فجر کہتے ہیں۔ پرسوں تمہارا خط آیا تھا۔ آج جی چاہا۔ کہ ابھی تم کو خط لکھوں اس واسطے یہ چند سطریں لکھیں برخوردار امیر نصیر الدین پران کی بیٹی کا قدم مبارک ہو۔ نام تاریخی تو مجھ سے ڈھونڈا نہ جائیگا۔ ماں عظیم النسا بیگم نام اچھا ہے۔ کہ اس میں ایک رعایت ہے۔ شاہ محمد عظیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام کی مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔ تم کو کیا ہوا ہے۔ کہ تم ان کو اپنا چھوٹا بھائی جان کر مجتہد العصر نہیں لکھا کرتے یہ بے ادبی اچھی نہیں میرن صاحب کو بہت بہت دعا کہنا اور میری طرف سے پیار کرنا۔ شہر کا حال میں کیا جانوں کیا ہے پول ڈیوٹی کوئی چیز ہے۔ وہ جاری ہو گئی ہے۔ سوائے اناج اور اُپلے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول نہ لگا ہو۔ جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلیگا دکانیں حویلیاں ڈھائی جاوینگی۔ دار البقا فنا ہو جائیگی۔ رہے نام اللہ کا۔ خان چند کا کوچہ شاہ بولا کی بڑھ تک ڈھیگا۔ دونوں طرف سے پھاوڑہ چل رہا ہے۔ باقی خیر و عافیت ہے۔ حاکم اکبر علی کی آمد آمد سن رہے ہیں۔ دیکھئے دلّی آئیں یا نہیں آئیں تو دربار کریں یا نہیں۔ دربار کریں تو میں گنہگار بلایا جاؤں یا نہیں، بلایا جاؤں تو خلعت پاؤں یا نہیں پنشن کا کہیں ذکر ہے نہ کسی کو خبر ہے۔ غالب سہ شنبہ ۸ ر نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں آج یکشنبہ کا دن ساتویں فروری کی اور شاید بائیسویں الثانی کی ہے دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی رہنے والے اُستاد حامد کے کوچہ کے میرے پاس آئے۔ اور اُنہوں نے تمہارا خط لکھا ہوا ۱۵ ر جمادی الثانی [illegible] ڈاک [illegible] ہرگز مجھ تک نہیں پہنچا اور نہ میں شہر سے کہیں گیا۔ جہاں رہتا تھا۔ وہیں ہوں۔ خدا جانے وہ خط مسترد کیوں ہوا۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا خط

آئے اور یہیں پھیروں تم خود گنتے ہو۔ کہ اس پر یہ لکھا ہوا آیا۔ کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ہے میں ہوتا اور یہ لکھتا کہ میں نہیں ہوں آگرہ اور رامپور اور کول سے برابر خط چلے آتے ہیں۔ تمہاری والدہ کا مرنا سن کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ تم کو صبر دے اور اس عفیفہ کو بخشے میرا حقیقی بھائی میرزا یوسف خاں دیوانہ بھی مرگیا کیسا پنشن اور کہاں اُس کا ملنا یہاں جان کے لالے پڑے ہیں ؎

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

اگر زندگی ہے اور پھر مل بیٹھیں گے تو کہانی کہی جائیگی۔ تم کہتے ہو کہ آیا چاہتا ہوں۔ اگر آؤ تو بے ٹکٹ کے نہ آنا میر احمد علی صاحب کو لکھتے ہو۔ کہ یہاں ہیں۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ کہاں ہیں مجھ سے ملتے تو اچھا کرتے میں مخفی نہیں ہوں۔ روپوش ہوں۔ حکام جانتے ہیں۔ کہ یہاں ہے مگر نہ باز پرس و گیر و دار میں آیا ہوں نہ خود اپنی طرف سے قصد ملاقات کا کیا ہے بایں ہمہ ایمن بھی نہیں ہوں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہے نثر کیا لکھوں گا اور نظم کیا لکھوں گا۔ وہ نثر جو تم دیکھ گئے ہو وہی دو چار ورق اور بھی سیاہ کئے گئے ہیں بھیجنا ممکن نہیں جب آؤ گے اور مجھ کو جیتا پاؤ گے۔ تو دیکھ لو گے حشمت جین میں ہے باتیں بناتا پھرتا ہے سلطان جی میں تھا اب شہر میں آگیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بلرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے خود یہاں لوٹ کی کتابیں خریدتا پھرتا ہے میرن صاحب کی خیر و عافیت معلوم ہوئی مگر نہ معلوم ہوا کہ وہ وہاں مع قبائل ہیں یا تنہا ہیں۔ اگر تنہا ہیں تو قبائل کہاں ہیں تمہارے چھوٹے بھائی کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں اور اچھی طرح ہیں۔ بڑے بھائی کا حال کیوں نہ لکھا یقین ہے کہ وہ اور تم یکجا ہو گو ان کو ربط مجھ سے زیادہ نہیں۔ لیکن فرزند ہونے میں تم اور وہ برابر ہو۔ خط بھیجنے میں تردد نہ کرو۔ اور ڈاک میں بے تامل بھیجا کرو۔ زیادہ زیادہ۔ غالبؔ یکشنبہ ہفتم فروری ۱۸۵۸ء وقت رسیدن نامہ ؏

ایضاً۔ نور چشم میر مہدی کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ کہ کلیات فارسی کا پہنچنا مجھ کو معلوم ہوا میاں اس میں بھی اغلاط بہت ہیں مبارک ہو تمہیں اور میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور بھائی خدا کرے مجھ کو بھی نو صاحب اجنٹ صاحب بہادر راجپوتانہ کا حکم الور کے اجنٹ کو آیا۔ کہ تم پہلی ستمبر کو راج کے کارخانے تمہارے پاس ہیں۔ اور راج کا اسباب جو تمہارے تحت میں ہے۔ وہ سب راجہ صاحب کو دو اور تم الگ ہو جاؤ۔ ستمبر کی پہلی کو ہم الور جائیں گے۔ راجہ صاحب کو مسند پر بٹھائیں گے۔ خلعت شاہی انہیں پہنائیں گے ؏ ستم برستم بردو آورد داد شنبہ ۲۳۔ اگست ۱۸۶۳ء غالبؔ ؏

ایضاً۔ برخوردار کامگار میر مہدی دہلوی اُردو بازار کے مولوی صاحب تو لٹے ولائے مرتضوی پر علم عباس ابن علیؑ کا سایہ۔ راجہ صاحب کے سلوک کا حال ہم پہلے ہی سُن چکے تھے الحمد للہ علی کل حال دیکھیے اب معاودت کب کرتے ہیں۔ موافق اپنے وعدہ کے ہم کو کیونکر طلب کرتے ہیں۔ کلکتہ جاتے وقت فرما گئے ہیں کہ میں اگر اسد کو بلاؤں گا۔ البتہ اگر وہ بلائیں گے تو میں کیونکر نہ جاؤں گا۔ ظاہر ہمارے تمہارے واسطے زمانہ انتہائے مصیبت اور وقت پیش آمد دولت ہے اب مجھ کو میرن صاحب کی خوشامد کرنی پڑے گی۔ وہ مقرب نہیں گے۔ اگر میری قسمت لڑ گئی تم کامیابی کا سامان کر رکھنا میرن صاحب کو مجھ پر مہربان کر رکھنا بھائی یہ جو میرن یا امیرن صاحب ہیں۔ حضور کے بڑے مصاحب ہیں۔ جس گروہ میں سے جس کو چاہیں حضور سے ملوا دیں۔ فرقہ شعرا میں سے جس کو جو کچھ چاہیں۔ دلوا دیں۔ اُن کو اور مجتہد العصر کو میری دعا کہنا۔ نجات کا طالب غالبؔ ۔

ایضاً میاں تمہاری تحریر کا جواب یہ ہے۔ کہ وہ تصویر جو میں نے میاں محمد افضل کو دی تھی۔ وہ انہوں نے واپس دی اور اس کی نقل کے باب میں یہ کہا کہ ابھی تیار نہیں ہے۔ جب وہ تیار ہو جائیگی میں اُن کو روپیہ دیکر لے لونگا۔ خاطر جمع رکھو۔ پنشن سراسر سب کو ششماہی ملنے کا حکم ہو گیا ہر مہینے میں سو دے لو۔ اور کھانڈ۔ کشمیری کٹرہ بگڑ گیا ہے۔ وہ اونچے اونچے دالان وہ بڑی بڑی کوٹھڑیاں دو رویہ نظر نہیں آتیں کہ کیا ہوئیں ابھی سڑک کا آنا اور اس کی راہگذر کا صاف ہونا ہنوز ملتوی ہے چار دن سے پُروا ہوا چلتی ہے ابر آتے ہیں مگر صرف چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ مینہ نہیں برستا گیہوں۔ چنا۔ باجرا۔ تینوں اناج ایک بھاؤ ہیں۔ تو سیر ساڑھے تو سیر۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ کہ جلیسر میں ہیں یا یہاں ہیں۔ میر نصیر الدین دو بار میرے پاس آئے۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ قاسم علی خان قطبیا قصاب ایک دن کہتے تھے کہ میر احمد صاحب کے قبائل یہاں آئے ہوئے ہیں آخر وہ شادی بھی کب ہونے والی ہے اور کہاں ہونے والی ہے۔ اس خط کا جو جواب لکھو تو سب حالات مفصل لکھو۔

غالبؔ صبح چہار شنبہ نہم جنوری ۱۸۶۱ء

ایضاً میاں تمہارے خط کا جواب منحصر تین باتوں پر ہے دو کا جواب لکھتا ہوں تیسری بات کا جواب تم بتاؤ۔ کہ تمہیں کیا لکھوں پہلی بات میاں محمد افضل تصویر بیچتے اب وہ تصویر کھینچا کریں۔ اور تم انتظار۔ دوسری بات میر نصیر الدین آئے اور تینوں صاحبوں کا جینید کے جانے کا حال مفصل معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائے تیسری بات میر صاحب کو تعجب تم کہتے ہو کہ نہ بلاؤں گویا اُن کے عاشق تمہیں ہو۔ میں نہیں بھائی ہوش میں آؤ۔ غور کرو۔ یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ ان کو یہاں بلا کر ایک الگ مکان رہنے کو دوں، اور اگر زیادہ نہ ہو تو بیس روپیہ مہینہ مقرر کروں۔ کہ بھائی یہ لو۔ اور روپیہ

اور چاوڑی اور اجمیری دروازہ کا بازار اور لاہوری دروازہ کا بازار نل تیے پھوا در اُردو بازار اور خاص بازار اور بلاقی بیگم کا کوچہ اور خان دوران کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ میر مہدی تو درماندہ عاجز پانی پت میں پڑا ہے میرن صاحب وہاں پڑے ہوئے دلی دیکھنے کو ترسا کریں۔ سرفراز حسین نوکری ڈھونڈتا پھرے اور میں ان غم ہائے جانگداز کی تاب لاؤں مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ اللہ اللہ اللہ

سہ شنبہ ۴ جمادی الثانی ۱۸ دسمبر ء

ایضاً۔ قرۃ العینین میر مہدی و میر سرفراز حسین مجھ سے ناخوش اور گلہ مند ہونگے اور کہتے ہونگے۔ کہ دیکھیں خط نہیں لکھتا ؎

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں کاش پوچھو کہ ماجرا کیا ہے۔

ماجرا یہ ہے کہ تمہارا ابھی تو کوئی خط نہیں آیا۔ میں جس کا جواب لکھتا۔ میرن صاحب سے تمہاری خیر و عافیت پوچھنی اور کہہ دینا کہ میری دعا لکھ بھیجنا بس اب اتنا ہی دم باقی ہے۔ کل میرن صاحب آئے۔ پوچھا۔ کہ اور سے کوئی خط آیا فرمایا کہ اس ہفتہ میں کوئی خط میں نے نہیں پایا۔ کیا کہوں کیا حال ہے۔ پیش ازیں اپنا یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

بس ہجوم نا امیدی خاک میں مل جائیں گے یہ جو اک لذّت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

اب اس زمزمہ کا بھی محل نہ رہا یعنی سعی بے حاصل کی لذت خاک میں گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرگ ناگاہ کا طالب غالبؔ سہ شنبہ۔ ۱۸ شعبان ۱۲۷۸ھ ء

ایضاً۔ صاحب دو خط تمہارے بسبیل ڈاک آئے کل دوپہر ڈھلے ایک صاحب اجنبی سانولے سلونے داڑھی منڈے بڑی بڑی آنکھوں والے تشریف لائے۔ تمہارا خط دیا صرف اُن کی ملاقات کی تقریب میں تمہارا ان سے اسم شریف پوچھا گیا فرمایا اشرف علی قومیت کا استفسار ہوا معلوم ہوا۔ سید ہیں پیشہ پوچھا۔ حکیم نکلے یعنی حکیم اشرف علی ہیں اُن سے مل کر بہت خوش ہوا خوب آدمی ہیں۔ او رکام کے آدمی ہیں۔ کتنے اچھے ہو۔ مصطلحات الشعرا بھائی وہ کتاب تمہاری ہے میں نے غصب نہیں کی میرے پاس مستعار ہے دیکھ چکونگا۔ بیہودوں کا تقاضا کیوں کرو۔ میاں محمد افضل تصویر کھینچ رہے ہیں۔ جلدی نہ کرو۔ دیر آید درست آید۔ سرفراز حسین اور میرن صاحب اور میر نصیر الدین کو دعائیں۔ غالب صبح چہار شنبہ پنجم رمضان ہشتم مارچ۔

ایضاً میاں تم کو پنشن کی کیا جلدی ہے۔ ہر بار پنشن کیوں پوچھتے ہو۔ پنشن جاری ہو۔ اور میں تم کو اطلاع نہ دوں ابھی تک کچھ حکم نہیں دیکھیں کیا حکم ہو۔ اور کب حکم ہو۔ میرن صاحب جے پور پہنچے تم شاہ پور ہی تیاتے ہو شاید سچ ہی ہو۔ ہاں میر محمود علی اور یہ پیر برادر ابو الفضل تو تھے۔ مگر دیکھا چاہیئے۔ درخت جگہ سے

اکثر کی دشواری جستلب۔ خلاصہ میری فکر کا یہ ہے کہ اب بچھڑے ہوئے یار کہیں قیامت ہی کو جمع ہوں تو ہوں۔ سو
وہاں کیا خاک جمع ہونگے۔ سنی الگ۔ شیعہ الگ۔ نیک جدا۔ بد جدا۔ میر سرفراز حسین کو دعا۔ میر نصیر الدین کو پہلے بندگی
پھر دعا۔ کتاب کا نام دستنبو رکھا گیا۔ آگرہ میں چھاپی جاتی ہے۔ تم سے تمہارے ماننے کے اوراق لکھے تو نگا تب ایک
کتاب تم کو دونگا۔ از غالب روز دو شنبہ پنجشنبہ ۷ ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ میرمہدی تم میرے عادات کو بھول گئے۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی جامع مسجد کی تراویح ناغہ ہوئی ہے۔
میں اس مہینے میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے۔ اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آموں کا
لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آ پہنچا۔ یکشنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا۔ اسی
دن سے ہر صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جاکر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں۔ شب کو مسجد
جامع جاکر نماز تراویح پڑھتا ہوں۔ کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جاکر روزہ کھولتا ہوں۔
اور سرد پانی پیتا ہوں۔ واہ واہ کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے۔ اب اصل حقیقت سنو۔ لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا
انہوں نے میری ناک میں دم کر دیا۔ تنہا بھیجدینے میں وہم آیا۔ کہ خدا جانے اگر کوئی امر حادث ہو۔ تو بدنامی عمر بھر رہے
اس سبب سے جلد چلا آیا ورنہ گرمی میں برسات وہاں کاٹتا۔ اب بشرط حیات جریدہ بعد برسات جاؤنگا۔ اور
بہت دنوں تک یہاں نہ آؤنگا۔ قول استاد یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی ۱۸۵۹ء سے کہ جس کو یہ دسواں مہینہ
ہے۔ سو روپے مجھے ماہ بماہ بھیجتے ہیں۔ اب جو میں وہاں گیا تو سو روپے مہینہ بنام دعوت اور دیا یعنی رامپور ہوں
تو دو سو روپے مہینہ پاؤں اور دلی رہوں تو سو روپے بھائی سو دو سو میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے۔ کہ
نواب صاحب دوستانہ و شاگردانہ دیتے ہیں۔ مجھ کو نوکر نہیں سمجھتے ہیں ملاقات بھی دوستانہ رہی۔
معانقہ و تعظیم جس طرح احباب میں رسم ہے۔ وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لڑکوں سے میں نے نذر دلوائی
تھی۔ بس بہرحال غنیمت ہے رزق کے اچھی طرح ملنے کا شکر چاہیئے۔ کمی کا شکوہ کیا۔ انگریزی سرکار سے دس ہزار
روپے سال ٹھہری۔ اس میں سے مجھ کو ساڑھے سات سو روپے سال ایک صاحب نے نہ دیئے۔ مگر
تین ہزار روپے سال۔ عزت میں وہ پایہ جو رئیس زادوں کے واسطے ہوتا ہے۔ نہ راسا۔ خانصاحب بسیار
مہربان دوستان القاب خلعت سات پارچہ اور جیغہ و سرپیچ و مالائے مروارید بادشاہ اپنے فرزندوں
کے برابر پیار کرتے تھے خلعتی۔ ناظر جی کیم کسی سے توقیر کم نہیں۔ مگر فائدہ وہی قلیل سو میری جان یہاں
بھی وہی نقشہ ہے۔ کوٹھڑی میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آرہی ہے۔ پانی کا جھجر دھرا ہوا ہے
حقہ پی رہا ہوں۔ یہ خط لکھ رہا ہوں۔ تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا۔ یہ باتیں کرلیں۔ میر سرفراز حسین اور میرن
صاحب اور میر نصیر الدین صاحب کو یہ خط پڑھا دینا۔ اور میری دعا کہہ دینا۔ جمعہ ۱۶ اپریل

ایضاً۔ جو بیانے والا ہوں، دارالسلام یعنی مسجد جامع واگذاشت ہو گئی۔ چیلی قبر کی طرف سیڑھیوں پر کبابیوں نے دو کانیں بنا لیں۔ انڈا، مرغی، کبوتر بکنے لگا۔ دس آدمی مہتمم ٹھہرے، مرزا الٰہی بخش، مولوی صدر الدین، تفضل حسین خاں ہتھنی یہ سات اور ہے۔ ۲ دسمبر ۲ جمادی الاوّل سال حال جمعہ کے روز ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جاڑا پڑ رہا ہے ہمارے پاس شراب آج کی اور ہے کل سے رات کو نری انگیٹھی پر گزارا ہے۔ بوتل گلاس موقوف راجہ پٹیالہ مرگیا۔ مہندر سنگھ اس کے خلف کو خطاب فرزندی اور القاب بحال و برقرار رہا بالفعل دیوان نہال چند کام کر رہا ہے۔ ظاہرا جو رنگ اس ریاست کا ہونیوالا ہے، وہ نواب گورنر جنرل کے آنے پر کھلیگا اور وہ فروری مہینے میں یہاں آئیں گے۔ الور کی ریاست کا حال بدستور ہے۔ گورنر صاحب ہی انہیں اختیار دیں گے یعنی پٹیالہ اور الور کے راج کا انتظام اسی وقت پر ہوگا۔ بالفعل امپی صاحب ایجنٹ الور دلی ہوتے ہوئے میرٹھ گئے ہیں۔ راجہ صاحب تنجارہ تک اُن کی مشایعت کر گئے یہاں امپی صاحب سے کوئی صاحب بنگ ٹھیکیدار الور کا شریک کار ہے۔ اس نے کچھ کہا تھا، جواب دیا کہ الور کے مقدمات میں پنچوں کو اختیار ہے ہم کچھ حکم نہ دینگے۔ اسفندیار بیگ متوفی کا کوئی متبنّےٰ مسندی پر متمکن تھا۔ اس کو بھی یہی جواب ملا۔ اب اور بولو۔ کیا لکھوں۔ دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ یوسف علی خاں اور لالہ ہیرا سنگھ بیٹھے ہیں۔ کھانا تیار ہے خط لکھ کر بند کر کر آدمی کو دوں گا۔ اور میں گھر جاؤں گا وہاں ایک دالان میں دھوپ آتی ہے اس میں بیٹھوں گا۔ ہاتھ منہ دھوؤں گا ایک روٹی کا چھلکا سالن میں بھگو کر کھاؤں گا۔ بیسن سے ہاتھ دھوؤں گا۔ باہر آؤں گا۔ پھر اس کے بعد خدا جانے کون آئیگا۔ کیا صحبت ہوگی۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب اور ذاکر الحسین میر افضل علی عرف میرن صاحب کو دعا۔ منگل کا دن

۲۲ جمادی الثانی ۱۶ دسمبر پہر دن چڑھے۔ غالب

ایضاً۔ پنجشنبہ ۱۵ ذیقعدہ ۵ مئی باہم صاحب آج تمہارا خط دوپہر کو آیا۔ اس میں میں نے مسودہ تاریخ کا پایا۔ قلمدان میں رکھ لیا۔ خط پڑھ کر میر سرفراز حسین کو بھیج دیا۔ کل وہ کہتے تھے کہ انتیس روپے کو تین گاڑیاں مقرر ہوگئی ہیں۔ کل یعنی آج شام کو سوار ہو جاؤں گا۔ اب اس وقت میں جو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ پہر دن باقی ہے لکھ کر کھلا رکھ چھوڑ دوں گا شام کو مجتہد میرے گھر ضرور آئیں گے۔ اگر آج جائیں گے تو واسطے تودیع کے اور اگر نہ جائیں گے تو موافق معمول کے آئیں گے۔ اُن کے جانے نہ جانے کا حال صبح کو اسی ورق پہ لکھ کر خط بند کر کے بھیج دونگا۔ خدا کرے آمد کی نثر کا لفافہ اُنہوں نے ڈاک میں بھیج دیا ہو شام کو مجھے مل جائیں۔ تو میں کل اس خط

کے ساتھ آئے ہیں بھیجا دوں صاحب اگر دورہ کریں گے تو کیا اندیشہ ہے۔ گرمی کا موسم ہے لمبا چوڑا سفر کیوں کریں گے۔ آٹھ سات دن میں پھر آئیں گے یہاں کی تلاش کا نتیجہ دیکھو تب کہیں جائیو۔ میرن صاحب کی تمہاری ہوا چاچی کے لکھنے کا مجھ میں دم نہیں۔ تم جانو وہ جانیں کلیات کے چھاپے کی خفقت سنو ہے۔ صفحے چھاپے گئے تھے۔ کہ مولوی ہادی علی صحیح بیمار ہو گئے کاپی نگار خفتی اپنے گھر گیا۔ اب دیکھئے کب چھاپا ختم ہو۔ قاطع برہان کا چھاپا ختم ہوا ایک جلد بطریق نمونہ آ گئی۔ میں نے پچاس جلدوں کی درخواست پہلے سے درخواست کی ہے اب پچاس روپے بھیجوں تو انچاس جلدیں منگاؤں دیکھئے نوبت نہیں تیں کب میسر ہوا اور دھاگے کب آتے۔ یہاں کل شام کو میر سرفراز حسین میرے گھر نہیں آئے باقی اور کو مجھ سے بغیر رخصت ہوئے گئے یا نہیں ہو گئے ہیں تو آج جمعہ ۲۷ مئی صبح کے وقت یہ خط ڈاک میں بھیجتا ہوں

نجات کا طالب غالب

ایضاً او صاحب یہ تماشہ دیکھو میں تو تم سے پوچھتا ہوں کہ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کہاں ہیں حالانکہ میر نصیر الدین شہر میں ہیں۔ اور مجھ سے نہیں ملتے۔ میر سرفراز حسین آئے ہیں۔ اور میرے ہاں نہیں آتے۔ لاحول ولا قوۃ۔ اتر تلگیسہ مجھ کو بھی نہیں۔ ہائے افسوس ہے جنکو میں اپنا سمجھتا ہوں۔ وہ مجھ کو بیگانہ جانتے ہیں۔ اب تم یہ پوچھو کہ نصیر الدین کا دلی میں ہونا اور مجتہد العصر کا یہاں آنا۔ تو نے کیونکر جانا لطائف آج جمعہ کا دن ۲۸ رجب کی اتفاقی کی اور ۱۱ جنوری کی صبح کے وقت منہ اندھیرے اسی وقت میری آنکھ کھلی تھی۔ لحاف میں پڑا ہوا تھا۔ کہ ناگاہ میر نصیر الدین صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ اب میں جاتا ہوں۔ اور میرحسن صاحب بھی جاتے ہیں میں سمجھا میر سرفراز حسین جب بعد تکرار معلوم ہوا۔ تو میرحسن مجھ سے پوچھے آئے۔ اور خدا جانے کہاں اترے اور اب کہاں جاتے ہیں ہے ہے مجھے غیر سمجھا یا ملا ہوا سمجھا کہ میرے ہاں نہ آئے۔ اور مجھ سے نہ ملے اپنی سسرال میں رہے اور میکے کو چھوڑا۔ واللہ میں ان کے دیکھنے کو بہت چاہتا تھا۔ اب اٹھا ہوں سردی رفع ہولے دھوپ نکل آئے۔ آغا جان کے ہاں آدمی کو بھیجتا ہوں۔ میں کم بخت یہ بھی تو نہیں جانتا۔ کہ آغا جان کہاں رہتے ہیں۔ اب میر احمد علی کی بی بی پاس حشمت خان کے پھاٹک آدمی بھیجونگا۔ جب آغا جان کے گھر کا پتہ معلوم ہو جائیگا۔ اور آدمی دیکھ آئیگا۔ اور یہ بھی معلوم کر آئیگا۔ کہ میرحسن صاحب ہیں۔ تو میں سوار ہو کر جاؤنگا اور ان سے ملونگا۔ تم اس خط کا جواب جلد لکھو۔ اور اپنے چچا کے یہاں آنیکا منشا اور ان کا احوال مفصل لکھو تصویر کا حال آگے لکھ چکا ہوں۔ خاطر جمع رکھو اور مجتہد العصر اور میرن صاحب کا حال لکھو۔ نجات کا طالب غالب صبح جمعہ ۱۱ جنوری ۱۸۶۱ء

ایضاً میاں لڑکے کہاں پھر رہے ہو۔ ادھر آؤ خبریں سنو۔ دربار والے صاحب کا میرٹھ میں ہوا دلی کے علاقہ کے

جاگیردار بموجب حکم کمشنر دہلی میرٹھ گئے۔ بموافق دستور قدیم مل آئے۔ غرضکہ پنجشنبہ ۲۹ دسمبر کو پہر دن چڑھے لارڈ صاحب یہاں پہنچے کابلی دروازہ کی فصیل کے تلے ڈیرے ہوئے اسی وقت توپوں کی آواز سنتے ہی میں سوار ہو کر گیا۔ میر منشی سے ملا۔ اُن کے خیمہ میں بیٹھ کر صاحب سیکرٹری کو خبر کروائی جواب آیا۔ کہ فرصت نہیں یہ جواب سنکر نومیدی کی پوٹ باندھ کر لے آیا ہرچند منشی کے باب میں ہنوز ملاقات نہیں۔ مگر کچھ فکر کر رہا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ لارڈ صاحب کل یا پرسوں جانیوالے ہیں۔ یہاں کچھ کلام پیام نہیں ممکن تحریر ڈاک میں بھی جائیگی۔ دیکھئے کیا صورت درپیش آئیگی۔ مسلمانوں کی املاک کی واگذاشت کا حکم عام ہوگیا ہے جنکو کرایہ پر ملی ہے۔ ان کو کرایہ معاف ہوگیا ہے آج یکشنبہ یکم جنوری ۱۸۶۰ء ہے۔ پہر دن چڑھا ہے کہ یہ خط تم کو لکھا ہے۔ اگر مناسب جانو تو آؤ۔ اپنی املاک پر قبضہ پاؤ۔ چاہو یہیں رہو چاہو پھر چلے جاؤ میر سرفراز حسین میر نصیر الدین میرن صاحب کو میری دعائیں کہنا اور حکیم میر اشرف علی کو بعد دعا کے یہ کہہ دینا کہ وہ مجموعہ جو تم نے مجھ کو دی تھیں ان کا نسخہ جلد لکھ کر بھیجدو واللہ موجود ماسوا مصدر دم باہنی مرگ

کا طالب غالب ؎

الیضاً۔ برخوردار تمہارا خط آیا حال معلوم ہوا میں اس خیال میں تھا کہ الور کا کچھ حال معلوم کروں۔ اور کپتان ایگزنڈر کا خط آئے۔ اور میں اس کو میر سرفراز حسین کے مقدمہ میں لکھوں تو اسوقت تمہارے خط کا جواب لکھوں۔ چونکہ آجتک اُن کا خط نہ آیا۔ میں سوچا کہ اگر اسی انتظار میں رہونگا۔ اور خط کا جواب نہ بھیجوں گا تو میرا پیارا میر مہدی خفا ہوگا۔ ناچار جو کچھ الور کا حال سنا ہے وہ اور کچھ اپنا حال لکھتا ہوں۔ ہرچند میں نے دریافت کرنا چاہا کہ حکیم محمود علی کا وہاں پہنچنا اور یہ کہ وہاں پہنچنے کے بعد کیا طور قرار پایا۔ کچھ معلوم نہیں ہوا۔ صرف خبر واحد ہے۔ کہ الور کے راجہ نے صاحب ایجنٹ سے اجازت لیکر بلا لیا ہے کہتے ہیں کہ صاحب ایجنٹ الور نے راجہ کے بالغ اور عاقل ہونے کی رپورٹ صدر کو بھیجی ہے کیا عجب ہے کہ ان کا راج انکو مل جائے۔ مولانا غالب علیہ الرحمتہ ان دنوں بہت خوش ہیں۔ پچاس ساٹھ جزو کی کتاب امیر حمزہ کی داستان کی اور اسی قدر حجم کی ایک جلد بوستان خیال کی آگئی ہے سترہ بوتلیں بادۂ ناب کی توشک خانہ میں موجود ہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں۔ رات بھر شراب پیا کرتے ہیں ؎

کسے کیں مرادش میسر بود ۔ اگر جم نباشد سکندر بود

میر سرفراز حسین کو اور میرن صاحب کو اور میر نصیر الدین صاحب کو دعائیں۔ اور دیدار کی آرزو میں۔

الیضاً۔ اے جناب میرن صاحب السلام علیکم حضرت آداب کہو صاحب اجازت ہے۔ مہدی کے خط کا جواب لکھنے کو حضور میں کیا منع کیا کرتا ہوں۔ میں نے تو یہ عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہوگئے ہیں۔ بخار جاتا رہا ہے

صرف پیچش باقی ہے وہ بھی رفع ہو جائیگی۔ میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں۔ آپ پھر کیوں تکلیف کریں۔ نہیں میرن صاحب اُس خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں۔ وہ خفا ہوا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔ حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں۔ آپ سے خفا کیا ہونگے۔ بھائی آخر کوئی وجہ تو بتاؤ۔ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو۔ سبحان اللہ یہ حضرت آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں۔ کہ تو باز رکھتا ہے۔ اچھا تم باز نہیں رکھتے مگر یہ تو کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں میر مہدی کو خط لکھوں کیا عرض کروں سچ تو یہ ہے۔ کہ جب آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا تو میں سنتا اور حظ اُٹھاتا۔ اب جو میں وہاں نہیں ہوں۔ تو نہیں چاہتا کہ تمہارا خط جائے۔ میں اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہوں۔ میری روانگی کے تین دن کے بعد آپ خط شوق سے لکھیئے گا۔ میاں بیٹھو ہوش کی خبر لو۔ تمہارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ میں بوڑھا آدمی بھولا ہی تمہاری باتوں میں آگیا۔ اور آج تک اُسے خط نہیں لکھا لاحول ولا قوة۔ سنو میر مہدی صاحب میرا کچھ قصور نہیں میرے خط کا جواب لکھو۔ تپ تو رفع ہوگئی پیچش کے رفع ہونے کی خبر شتاب لکھو۔ پرہیز کا بھی خیال رکھا کرو۔ یہ بڑی بات ہے۔ کہ وہاں کچھ کھانے کو ملتا ہی نہیں۔ تمہارا پرہیز اگر ہوگا بھی تو عصمت بی بی از بے چادری ہوگا۔ حالات یہاں کے مفصل میرن صاحب کی زبانی معلوم ہونگے۔ دیکھو بیٹھے ہیں کیا جانوں حکیم میر اشرف علی ہیں اور ان میں کچھ کونسل تو ہو رہی ہے پنجشنبہ روانگی کا دن ٹھیرا تو ہے۔ اگر چل نکلیں اور پہنچ جائیں۔ تو ان سے پوچھو کہ جناب ملکہ انگلستان کی سالگرہ کی روشنی کی محفل میں تمہاری کیا گت ہوئی تھی اور یہ بھی معلوم کر لیجیو کہ یہ جو فارسی مثل مشہور ہے۔ کہ دفتر را گاؤ خورد۔ اس کے معنی کیا ہیں۔ پوچھیو اور نہ چھوڑیو جب تک یہ نہ بتائیں۔ اس وقت پہلے تو آندھی چلی پھر مینہ آیا اب مینہ برس رہا ہے میں خط لکھ بیٹھا ہوں سرنامہ لکھ کر رکھ چھوڑوں گا۔ جب ترشح موقوف ہو جائیگا تو کلیان ڈاک کو لے جائے گا میر سرفراز حسین کو دعا پہنچے۔ انشاء اللہ تم پانی پت کے سلطان العلما اور مجتہد العصر بن گئے۔ کہو وہاں کے لوگ تمہیں قبلہ و کعبہ کہنے لگے یا نہیں۔ میر نصیر الدین کو دعا کہنا۔

ایضاً۔ آہا ہا ہا میرا پیارا مہدی آیا۔ آؤ بھائی مزاج تو اچھا ہے بیٹھو یہ رامپور ہے دار السرور ہے جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے۔ پانی سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے۔ اور کوسی اُس کا نام ہے بے شبہ چشمۂ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے خیر اگر یوں بھی ہے۔ تو بھائی آب حیات عمر بڑھاتا ہے۔ لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔ تمہارا خط پہنچا تردد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا دوست نہ عرف لکھنے کی حاجت نہ محلے کی حاجت بے دسواس خط بھیج دیا کیجئے اور جواب لیا کیجئے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے۔ اس وقت مہمان

ہوں دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ تنظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہے لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

ایضاً۔ او میاں سید زادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدادہ۔ ڈھے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے حسد سے لکھنؤ کو برا کہنے والے۔ نہ دل میں مہر و آزرم نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنوں کہاں ذوق کہاں مومن خاں کہاں۔ ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالب وہ بیخود و مدہوش نہ سخنوری رہی نہ سخن دانی کس برتے پر تتا پانی۔ ہائے دلی وائے دلی بھاڑ میں جائے دلی۔ سنو صاحب پانی پت کے رئیسوں میں ایک شخص ہیں۔ احمد حسین خاں ولد سردار خاں ولد لاور خاں اور نانا اس احمد حسین خاں کے غلام حسین خاں ولد صاحب خاں اس شخص کا حال از روئے تحقیق مشرح اور مفصل لکھو۔ قوم کیا ہے عمر کیا ہے طریق کیا ہے۔ احمد حسین خاں کی لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے طبیعت کا کیا ڈھنگ ہے۔ بھائی لکھو اور جلد لکھو۔

ایضاً۔ سید خدا کی پناہ عبارت لکھنے کا ڈھنگ کیا ہاتھ آیا ہے۔ کہ تم نے سارے جہان کو سر پر اٹھا لیا ہے۔ ایک غریب سید مظلوم کے پیچھے قرآنی پہنا سا نکلا ہے۔ تم کو سرمایۂ آرائش گفتار بہم پہنچا ہے۔ میری ان کو دعا پہنچاؤ۔ اور ان کی خیر و عافیت جلد لکھو۔ بھائی یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور ہے سمجھ میں کسی کے نہیں آتا کہ کیا طور ہے۔ اوائل ماہ انگریزی میں لوک کی شدت ہوئی تھی۔ آٹھویں دسویں سے وہ شدت کم ہو جاتی تھی۔ اس ہفتے میں برابر وہی صورت رہی ہے آج ۲۷ مارچ کی ہے پانچ چار دن مہینے کے باقی ہیں آنچ ویسے ہی تیز ہے۔ خدا اپنے بندوں پر رحم کرے مجھ پر میرے اللہ نے ایک اور عنایت کی ہے۔ اور اس غمزدگی میں ایک گونہ خوشی اور کیسی بڑی خوشی دی ہے تم کو یاد ہوگا۔ ایک دستنبو نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کی نظر بھیجی تھی۔ آج پانچواں دن ہے۔ کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا خط مقام الہ آباد سے بسبیل ڈاک آیا۔ وہی کاغذ افشانی وہی القاب قدیم کتاب کی تعریف عبارت کی تحسین مہربانی کے کلمات کبھی تم کو تو یہاں لائیگا۔ تو اس کی زیادتی کرنا پنشن کے ملنے کا بھی حکم آجکل آیا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی توقع پڑی ہے۔ کہ گورنر جنرل بہادر کے ہاں سے بھی کتاب کی تحسین اور عنایت کے مضامین کی تحریر آجائے۔ میرن صاحب کو سلام پہلے لکھ چکا ہوں۔ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین کو دعا کہہ دینا اور یہ خط دکھا دینا۔

ایضاً۔ برخوردار نور چشم میر مہدی کو بعد دعائے حیات و صحت کے معلوم ہو۔ بھائی تم نے بنجارہ کو کیوں آنے دیا۔ تپ کو کیوں چڑھنے دیا۔ کیا بنجارہ میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا جو تم مانع نہ آئے کیا تپ ابن جا کر آئی تھی۔ جو اس کے روکتے ہوئے شرمائے حکیم اشرف علی ابھی آگئے ہیں۔ کہتے تھے۔ کہ میں نے

نسخہ لکھ کر آج ڈاک میں بھیجا ہے۔ چونکہ یہ خط بھی آج روانہ ہوتا ہے کیا عجب ہے کہ دونوں خط ایک دن بلکہ ایک وقت پہنچیں دل تمہارے واسطے بہت کڑھتا ہے۔ حق تعالیٰ تم کو جلد شفا دے اور تمہاری تندرستی کی خبر مجھ کو سنائے۔ سنو میاں سرفراز حسین ہزار برس میں تم نے مجھ کو ایک خط لکھا وہ بھی اس طرح کہ جیسا جلال اسیر کہتا ہے۔ ع بغیر درشکر آلبست رُو بمادارد۔ پڑھتا ہوں اس خط کو اور ڈھونڈتا ہوں۔ کہ میرے واسطے کونسی بات ہے مجھ کو کیا پیام ہے کچھ نہیں شاید دوسرے صفحہ میں کچھ ہو۔ ادھر خانہ بالخیر ہے۔ یارب سرنامہ میرے نام کا آغاز تحریر میں القاب میرا پھر سارے خط میں میرن صاحب کا جھگڑا پہ کیا سبب ہے۔ میں ایسے خط کا جواب کیا لکھوں میری بلا لکھے اب جو خط لکھو گے اور اس میں اپنے بھائی کی خیر و عافیت رقم کرو گے۔ اور میرن صاحب کا نام اور ان کیلئے سلام تک بھی اس میں نہ ہوگا۔ تو میں اس کا جواب آنکھوں سے لکھوں گا۔ اور ہاں میاں پھر تم نے میر اشرف علی کو کیا لکھا۔ کہ ہم نے سنا ہے۔ کہ چچا نے اس کا مرنا سنا ہوگا اس غریب کا قول یہ ہے کہ میری دو تو نہیں اور پانچ بھانجیاں پانی پت میں ہیں کیا چچا کو نہ معلوم ہوگا۔ کہ کونسی لڑکی مری کاش اس کے باپ کا نام لکھتے۔ تاکہ میں جانتا کہ کونسی بھانجی مری ہے اب میں کس کا نام لیکے روؤں اور کس کی فاتحہ دلواؤں اس امر میں حق بجانب اس مظلوم کے ہے۔ توضیح تعیید نام لکھو ۔

ایضاً بھائی ایک خط تمہارا پہلے پہنچا۔ اور ایک خط کل آیا۔ پہلے خط میں کوئی امر جواب طلب نہ تھا اگرچہ کل کے خط میں بھی صرف کتابوں کی رسید تھی۔ لیکن چونکہ دو امر لکھنے کے لائق تھے۔ اس واسطے ایک لفافہ تمہاری پسند کا تمہاری نذر کرنا پڑا۔ پہلا امر یہ کہ آج میر نصیر الدین دوپہر کو میرے پاس آئے تھے ان کو دیکھ کر دل خوش ہوا تم نے بھی خط میں لکھا تھا۔ کہ میر سرفراز حسین الور گئے تھے۔ اور میر نصیر الدین بھی کہتے تھے۔ کہ میں اور وہ ایک دن پانی پت سے چلے وہ ادھر گئے ہیں ادھر آیا ظاہرا پارسل کے پہنچنے سے پہلے وہ روانہ ہوئے ہیں۔ ان کی کتاب رہ گئی اب ان تک کیونکر پہنچے گی خدا خیر کرے۔ میاں لڑکے سنو یہ نصیر الدین اولاد میں سے ہیں۔ شاہ محمد اعظم صاحب کے وہ خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے اور میں مرید ہوں اس خاندان کا اس واسطے میر نصیر الدین کو پہلے بندگی لکھتا ہوں۔ اور پیر تمہارے علاقہ سے دعا صوفی صافی ہوں۔ اور حضرت صوفیہ حفظ مراتب ملحوظ رکھتے ہیں ع اگر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔ وہ یہ جواب ہے تمہارے اس سوال کا کہ جو پہلے خط میں تم نے لکھا تھا۔ اب کے خط میں تم نے میرن صاحب کی خیر و عافیت کہیں نہ لکھی۔ یہ بات اچھی نہیں۔ میں تو ڈھونڈ گیا مگر تمہارے خط میں ان کو دعا سلام لکھونگا۔ تو ان سے تم کہیو۔ کو کہو گے۔ پیرزادہ صاحب یعنی میر نصیر الدین ہوتے ان کی بندگی

مجھ سے کہی ہے خدا کے واسطے میری دُعا اُن سے کہہ دینا ۔

ایضاً ۔ میری جان سند استان صاحب کمشنر بہادر دہلی یعنی جناب ساندرس صاحب بہادر نے مجھ کو بلایا پنجشنبہ ۲۴ فروری کو میں گیا صاحب شکار کو سوار ہو گئے تھے میں اُلٹا پھر آیا۔ جمعہ ۲۵ فروری کو گیا ملاقات ہوئی۔ کرسی دی بعد پرسش مزاج کے ایک خط انگریزی چار ورق کا اٹھا کر پڑھتے رہے۔ جب پڑھ چکے تو مجھ سے کہا کہ یہ خط ہے منٹگمری صاحب حاکم اکبر صدر بورڈ پنجاب کا تمہارے باب میں لکھتے ہیں۔ کہ ان کا حال دریافت کر کے لکھو سو ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ تم ملکہ معظمہ سے خلعت کیا مانگتے ہو حقیقت یہ کہی گئی ایک کاغذ آمدہ ولایت لیگیا تھا۔ وہ پڑھوا دیا۔ پھر پوچھا تم نے کتاب کیسی لکھی ہے اس کی حقیقت بیان کی کہا ایک منٹگمری صاحب نے دیکھنے کو مانگی ہے اور ایک ہم کو دو میں نے عرض کیا کل حاضر کرونگا پھر پنشن کا حال پوچھا وہ گذارش کیا اپنے گھر آیا۔ اور خوش آیا۔ دیکھو یہ جو ہدی حاکم پنجاب کو مقدمہ ولایت کی کیا خبر تھی بابو سے کیا اطلاع پنشن کی پرسش سے کیا مدعا یہ استفسار بحکم نواب گورنر جنرل بہادر ہوا ہے۔ اور یہ صورت مقدمہ فتح و فیروزی ہے۔ غرضیکہ دوسرے دن یکشنبہ یوم التعطیل تھا میں اپنے گھر رہا دو شنبہ ۲۸ فروری کو گیا باہر کے کمرہ میں بیٹھ کر اطلاع کروائی کہا اچھا توقف کرو۔ بعد تھوڑی دیر کے گڑھ کپتان کی چھٹی آئی پر ابھی مانگی جب سواری آگئی باہر نکلے میں نے کہا وہ کتابیں حاضر ہیں کہا منشی جیون لال کو دے جاؤ۔ وہ ادھر سوار ہو گئے ادھر سوار ہو کر اپنے مکان پر آیا سہ شنبہ یکم مارچ کو پھر گیا بہت التفات سے باتیں کرتے رہے کچھ سارٹیفکٹ گورنروں کے یاد سے لگیا تھا وہ منگالے ایک خط محمود صاحب بہادر کے نام کا لے گیا تھا وہ دیکھا اور کتاب کیا ایسا حیرت ہے کہ کر رکھ لیا پھر مجھ سے کہا کہ ہم نے تمہاری پنشن کے باب میں اجرٹن صاحب کو کچھ لکھا ہے تم اُن سے ملو عرض کیا بہتر اجرٹن صاحب بہادر جیسا کہ تم کو معلوم تھا گئے ہوئے تھے کل وہ آئے آج میں نے ان کو خط لکھا ہے جیسا کہ وہ حکم دینگے۔ اس کے موافق عمل کرونگا۔ جب بلائیں تب جاؤں گا۔ دیکھو سید اسد اللہ الغالب علیہ السلام کی مدد کو کہ اپنے غلام کو کس طرح سے بچایا ۲ یا ۳ مہینے تک بھوکا۔ پیاسا بھی نہ مرنے دیا۔ پھر کس محکمہ سے کہ وہ آج سلطنت کا دہندہ ہے میرے نقد کا حکم بھجوایا حکام سے مجھ کو عزت دلوائی حیدر کہ صبر و ثبات کی داد ملی۔ صبر و ثبات بھی اُسی کا بخشا ہوا تھا میں اپنے باپ کے گھر سے لایا تھا۔ میر سرفراز حسین کو یہ خط پڑھا دینا۔ اور اُن کو اور نصیر الدین چراغ دہلوی کو اور میرن صاحب کو دعا کہنا ۔

ایضاً واہ واہ سید صاحب تم بڑی عبارت آرائیاں کرنے لگے۔ نثر میں خود نمائیاں کرنے لگے۔ کئی دن سے تمہارے خط کے جواب کی فکر میں ہوں۔ مگر جاڑے نے بے حس و حرکت کر دیا ہے آج جو بسبب ابر کے وہ سردی نہیں۔ تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہے۔ مگر حیران ہوں کہ کیا سحر سازی

کروں۔ بھائی تم تو اُردو کے مرزا قتیل بن گئے ہو۔ اُردو بازار میں نہر کے کنارے رہتے رہتے رود نیل بن گئے ہو کیا
قتیل کیا اور نیل کیا۔ یہ سب ہنسی کی باتیں ہیں۔ لو سنو اب تمہاری دلّی کی باتیں ہیں۔ جو کہیں بیگم کے باغ کے دروازے
کے سامنے حوض کے پاس وہ کنواں تھا۔ اس میں سنگ خشت و خاشاک ڈال کر بند کر دیا۔ بلی ماروں کے دروازے
کے پاس کئی دوکانیں ڈھا کر راستہ چوڑا کر لیا۔ شہر کی آبادی کا حکم خاص و عام کچھ نہیں ہے۔ پنشن داروں سے
حاکموں کا کام کچھ نہیں۔ تاج محل مرزا قیصر مرزا جوان بخت کے سالے ولایتی علی بیگ جے پور کی زوجہ ان سب کی
الہ آباد سے رہائی ہو گئی دیکھئے کب یہاں آتے ہیں۔ یا لندن جائیں۔ خلق نے از روئے قیاس جیسا کہ دلی کے خبر
تراشوں کا دستور ہے۔ یہ بات اڑا دی ہے۔ سو سارے شہر میں مشہور ہے کہ جنوری شروع سال ۱۸۵۹ء
میں عموماً شہر میں آباد کئے جائیں گے۔ اور پنشن داروں کو جھولیاں بھر بھر کر روپے دیئے جائیں گے۔ خیر آج بدھ کا دن
۲۲ دسمبر کی ہے۔ اب شنبہ کو بڑا دن اور اگلے شنبہ کو جنوری کا پہلا دن ہے۔ اگر جیتے ہیں۔ تو دیکھ لیں گے کہ
کیا ہوا۔ تم اس خط کا جواب لکھو۔ اور شتاب لکھو۔ میری جان سرفراز حسین تم کیا کر رہے ہو۔ اور کس خیال میں ہو
اب صورت کیا ہے۔ آئندہ عزیمت کیا ہے۔ میر نصیر الدین کو صرف دعا اور اشتیاق دیدار میران صاحب
کہاں ہیں۔ کوئی جائے اور بلا لائے۔ حضرت آپکے السلام وعلیکم مزاج مبارک کیسے۔ مولوی مظہر علی نے آپ
کے خط کا جواب بھیجا یا نہیں۔ اگر بھیجا تو کیا لکھا۔ میں جانتا ہوں کہ میر اشرف علی صاحب اور میر سرفراز علی کم اور
یہ ستم پیشہ میر مہدی بہت جناب میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ کیا کروں۔ میں کہیں تم کہیں۔ وہاں ہوتا۔ تو دیکھتا
کہ کیونکر تم سے بے ادبیاں کر سکتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب ایک جا ہونگے۔ انتقام لیا جائیگا۔ ہے ہے کیونکہ ایک
جا ہونگے دیکھئے زمانہ اور کیا دکھاتا ہے۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔

ایضاً۔ میری جان تو کہہ رہا ہے بیٹے سے میانا سو دیوانہ۔ صبر و تسلیم و توکل و رضا شیوہ صوفیہ کا ہے۔ مجھ سے
زیادہ اس کو کون سمجھے گا۔ جو تم مجھ کو سمجھاتے ہو۔ کیا میں یہ جانتا ہوں کہ ان لڑکوں کی پرورش میں کرتا ہوں۔
استغفر اللہ لا مؤثر فی الوجود الا اللہ یا تم یہ سمجھے ہو کہ میں شیخ چلی کی طمع سے یہ خیال باندھتا ہوں کہ مرغی مول
لونگا اور اس کے انڈے بیچ بیچ کر بکری خریدونگا۔ اور پھر کیا کرونگا۔ اور آخر کیا ہوگا۔ بھائی یہ تو میں نے اپنا
رازِ دل تم سے کہا تھا۔ کہ آرزو یہی تھی۔ اور اب وہ نقش باطل ہو گیا۔ ایک حسرت کا بیان تھا۔ نہ خواہش
کا دیکھا اس پنشن قدیم کا حال یہ ہے تو اس سے ہاتھ دھوئے بیٹھا ہوں لیکن جب تک جواب نہ پاؤں کہیں
اور کیونکر چلا جاؤں۔ حاکم اکبر کے آنے کی خبر گرم ہے دیکھئے کب آتے تو مجھے بھی دربار میں بلائے۔ یا نہ بلائے
خلعت ملے یا نہ ملے اس بیچ میں ایک اور پیچ اور آپڑا ہے۔ اس کو دیکھ لوں اور پھر صرف اسی کا آسرا
نہیں اس مرحلے کے طے ہونے کے بعد پنشن ملے نہ ملے کا تردد بدستور رہیگا۔ مسکین بیکس کیونکر بن جاؤں کہ بیسب

امرِ ملتوی چھوڑ کر نکل جاؤں۔ پنشن جاری ہوئے پر بھی تو سوا رام پور کے ٹھکانا نہیں ہے۔ وہاں تو جاؤں اور ضرور جاؤں۔ تین برس ثبات قدم اختیار کیا اب انجام کار میں اضطراب کی کیا وجہ چپکے ہو رہو اور مجھ کو کسی عالم میں غمگین او مضطر گمان نہ کرو۔ ہر وقت میں جیسا مناسب ہوتا ہے۔ ویسا عمل میں آتا ہے۔ صاحب میرن صاحب نے دو سطریں دستخط خاص سے لکھی تھیں، واللہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ کہ یہ کس مقدمہ کا ذکر ہے ؏

ایضاً۔ سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے۔ بعد القاب کے شکوہ شروع کرو۔ دنیا اور میرن صاحب کو اپنا ہم زبان کر لیا۔ میر مہدی تمہیں کہ میرن صاحب پر مرتا ہوں۔ میر سرفراز حسین نہیں کہ ان کو پیار کرتا ہوں۔ علی کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں۔ اس میں تم بھی آ گئے کمال یہ ہے کہ میرن صاحب سے محبت قدیم ہے دوست ہوں عاشق زار نہیں ہوں بندۂ مہر و وفا ہوں مگر گرفتار نہیں۔ تمہارے بھائی نے سخت مشوش بلکہ نعل در آتش کر دیا ہے۔ ایک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا اور لکھا کہ یہی محرم کے مہینے میں آؤں گا میں نے سلام بنا کر دیا اور منتظر رہا کہ وہ اگر یہیں ہیں کیوں بھیجوں وہ آئیں گے تو یہیں ان کو دوں گا محرم تمام ہوا۔ آج سہ شنبہ غرۂ صفر ہے حضرت کا پتہ نہیں ظاہراً برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آ گیا سو پہلے تو مجملاً سنو ایک غدر کالوں کا اور ایک ہنگامہ گوروں کا ایک فتنہ انہدام۔ مکانات کا ایک آفت وبا کی ایک مصیبت کال کی اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ آج اکیسواں دن ہے۔ آفتاب اس طرح نظر آ جاتا ہے۔ جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔ رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ ان کو جگنو سمجھ لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں چوروں کی بن آئی ہے۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار گھر کی چوری کا حال نہ سنا جائے مبالغہ نہ سمجھنا ہزارہا مکان گر گئے۔ سینکڑوں آدمی جا بجا دب کر مر گئے گلی گلی ندی بہہ رہی ہے قصہ مختصر وہ ان کال تھا۔ کہ مینہ نہ برسا اناج نہ پیدا ہوا۔ یہ پن کال ہے پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہہ گئے جنہوں نے ابھی نہیں بویا تھا۔ وہ بونے سے رہ گئے سن لیا دلی کا حال اس کے سوا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جناب میرن صاحب کو دعا ؏

ایضاً۔ بے مے نہ کند در کف من خامہ روانی

سردست ہوا آتش بے دود کجائی

میر مہدی صبح کا وقت ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے۔ انگیٹھی سامنے رکھی ہوئی ہے۔ دو حرف لکھتا ہوں ہاتھ تاپتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی نہیں مگر ہائے وہ آتش سیال کہاں کہ جب دو جرعے پی لیے فوراً رگ و پے میں دوڑ گئی دل توانا ہو گیا دماغ روشن ہو گیا۔ نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچا ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ لب ہائے غضب ہائے غضب میاں تم پنشن پنشن کیا کر رہے ہو۔ گورنر جنرل کہاں اور پنشن کہاں صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر صاحب کمشنر بہادر اب لفٹنٹ گورنر بہادر جب ان تینوں نے جواب

دیا ہو تو اس کا مرافعہ گورنمنٹ میں کروں۔ مجھے تو دربار و خلعت کے لالے پڑے ہیں۔ پنشن کا ذکر کیا۔ یہاں کے
حاکم نے میرا نام فہرست میں نہیں لکھا۔ میں نے اس کا اپیل نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے ہاں کیا ہے۔ دیکھئے کیا
جواب آتا ہے۔ بہر حال جو کچھ ہوگا تم کو لکھا جائیگا۔ ابھی وہ یوسف ہند ہیں یوسف دہر نہیں یوسف عصر ہیں
یوسف کشور سہی انکی زلیخا نے ستم برپا کر رکھا ہے۔ مجھے تو خبر نہیں۔ کہیں حضرت کہہ گئے ہیں کہ میں سو روپے
اگر میں بھیجے جاؤنگا۔ اب ان کا تقاضا ہے رحیم بخش روز آتا ہے اور کہتا ہے کہ چھپی جان کو کہو کہ پیسے بھیجیں
بھوکی مرتی ہیں۔ خرچ جلد بھیجو۔ ورنہ نالش کی جائیگی۔ اور تم کو گواہ قرار دیا جائے گا۔ بہر حال میرن صاحب
کو یہ رقعہ پڑھوا دینا۔ میر سرفراز حسین کو دعا۔ میر نصیر الدین کو دعا۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا۔ یوسف ہفت کشور کو دعا
ایضاً۔ واہ حضرت کیا خط لکھا ہے! اس خرافات کے لکھنے سے فائدہ۔ بات اتنی ہے کہ میرا پلنگ تجھ کو ملا۔ میرا حقہ
مجھ کو ملا۔ ——— میرا حجامہ مجھ کو ملا۔ میرا بیت الخلا مجھ کو ملا۔ اب اس کا وہ شور کوئی آنچھ ... ہو گیا۔ میری
جان تجھی میں ہے آدمی کی جان تجھی ع اکنوں شب من تنہا ست روز من ... کبھی تم نے یہ نہ لکھا کہ میرن
صاحب کو میرا خط پہنچا یا نہ پہنچا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ نہیں پہنچا۔ اگر پہنچتا تو ... وہ تمہاری ... گمان
اور میرن صاحب اس کی اصل حقیقت تم سے پوچھتے اور اس صورت میں ... تھا کہ تم اس واہیات
کے بدلے مجھ کو وہ روداد لکھتے جو میرن صاحب میں اور تم میں پیش آئی۔ پس اگر جانا کہ گمان ہے خط نہیں
پہنچا۔ تو خیر جانے دو۔ اگر خط پہنچا ہے تو میرن صاحب کے جواب لکھنے میں تم نے میرا دم ناک میں کر دیا تقاضا
ان سے میرے خط کے جواب کا تقاضا کیوں نہیں کرتے۔ حسن بھی کیا چیز ہے۔ نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین
آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔ تم ان سے نوازش و وصال کرتے ہوئے ڈرو۔ میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے
نہ صاحب یہ کچھ بات نہیں میرے خط کا جواب ان سے لکھوا کر بھجواؤ۔ یہاں کا حال وہ ہے۔ جو دیکھ گئے ہو۔ ہاں گرم
ہوا گرم نہیں مستولی اناج مہنگا بیچارہ منشی میر احمد حسین کا بھتیجا میر امداد علی آشوب کا بیٹا محمد ... شب گذشتہ
کو گذر گیا۔ آج صبح کو اس کو دفن کر آئے۔ جوان صالح نیک مزاج ... کا پیشہ ... انا للہ وانا الیہ راجعون
مجتہد العصر کا حکم بجا لاؤنگا۔ اور نہ رئیس کو بلکہ مدار المہام ریاست کو لکھونگا۔ رئیس میرے سوال کا جواب
انداز کر جائیگا۔ اور مدار المہام امر واقعی لکھ بھیجے گا۔ میرن صاحب کو دعا اور کہنا کہ بھلے صاحب تم نے ہمارے
خط کا جواب نہیں لکھا۔ ہم بھی تمہاری طرح کا اطوار کرینگے۔ حکیم میر اشرف علی کو دعا کہنا کہ اگر تمہیں ان سے
راہ و رسم تقریب و تہنیت ہو۔ تو میر احمد حسین کو خط لکھو۔ اور یہ بھی ان کو معلوم ہو کہ مفید بیگ یہاں آیا
ہوا ہے۔ قبائل تمہارے یہیں ہیں۔ اگر وہاں کچھ رسائی حاصل ہو۔ تو خیر ورنہ یہاں کیوں نہ چلے آؤ۔

سچ میں بھولا نہیں تجھ کو اے میری جان — کروں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکان۔

برسات کا حال نہ پوچھو خدا کا قہر ہے۔ قاسم خان کی گلی سعادت خان کی نہر ہے میں جس مکان میں رہتا ہوں۔ عالم بیگ خان کے کٹرہ کی طرف کا دروازہ گر گیا مسجد کی طرف کے دالان کو جاتے ہوئے جو دروازہ تھا گر گیا۔ سیڑھیاں گرا چاہتی ہیں صبح کے بیٹھنے کا حجرہ جھک رہا ہے چھتیں چھلنی ہو گئی ہیں۔ مینہ گھڑی بھر برسے تو چھت گھنٹہ بھر برسے کتابیں قلمدان سب توشہ خانہ میں فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا ہے کہیں چلمچی دھری ہوئی خط کہاں بیٹھ کر لکھوں۔ پانچ چار دن سے فرصت ہے۔ مالک مکان کو فکر مرمت ہے آج ایک امن کی صورت نظر آئی کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکھوں۔ الور کی ناخوشی راہ کی محنت کشی۔ تپ کی حرارت۔ گرمی کی شرارت یاس کا عالم کثرت اندوہ وغم حال کی فکر مستقبل کا خیال تباہی کا رنج آوارگی کا ملال جو کچھ کہو وہ کم ہے بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہے۔ سنتے ہیں کہ نومبر میں مہاراجہ کو اختیار ملیگا۔ مگر وہ اختیار ایسا ہوگا۔ جیسا خدا نے خلق کو دیا ہے سب کچھ اپنے قبضہ قدرت میں رکھا آدمی کو بدنام کیا ہے بعد رفع مرض کا حال لکھو۔ خدا کرے تپ جاتی رہی ہو۔ تندرستی حاصل ہو گئی ہو۔ میر صاحب کہتے ہیں۔ ع تندرستی ہزار نعمت ہے۔ لٹے پیش مصرعہ مرزا قربان علی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے مجھ کو پسند آیا ہے ؎

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک　　تندرستی ہزار نعمت ہے

مجتہد العصر میر سرفراز حسین صاحب کو دعا۔ آہاہا میر افضل علی صاحب کہاں ہیں حضرت یہاں تو اس نام کا کوئی نہیں ہے۔ لکھنؤ کے مجتہد العصر کے بھائی کا نام میرن صاحب تھا۔ جے پور کے مجتہد العصر کے بھائی میرن صاحب کو کیوں نہ کہلائیں ہاں بھائی میرن صاحب بھلا اُن کو ہماری دعا کہنا۔

ایضاً۔ میری جان تم کو تو بیکاری میں خط لکھنے کا ایک شغل ہے قلمدوات لے بیٹھے اگر خط پہنچا ہے تو جواب ورنہ شکوہ شکایت و عتاب و خطاب لکھنے لگے کل حکیم اشرف علی آئے تھے۔ سر منڈوا ڈالا ہے۔ محققین رد حکم پہ عمل کیا ہے میں نے کہا۔ سر منڈوایا ہے تو داڑھی رکھو کہنے لگے دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم واللہ اُنکی صورت قابل دیکھنے کے ہے۔ کہتے تھے کہ میر احمد علی صاحب آ گئے اور بحال و برقرار ہے۔ خدا کا شکر بجا لایا کبھی تو ایسا بھی ہو کہ کسی عزیز کی خیر سنی جائے۔ میرا سلام کہنا اور مبارکباد دینا۔ خبردار بھول نہ جائیو۔ تمہاری شکایت ہائے بے جا کا جواب یہ ہے۔ کہ تم نے جو خط مجھ کو پانی پت سے بھیجا تھا۔ اور کرنال کی روانگی کی اطلاع دی تھی میں نے تجویز کر لیا تھا۔ کہ جب کرنال سے خط آیا۔ تو میں جواب لکھوں گا۔ آج شنبہ ۱۵ اکتوبر صبح کا وقت ابھی کھانا پکا بھی نہیں۔ تبرید پی کر بیٹھا تھا کہ تمہارا خط آیا۔ اور پڑھا اور یہ جواب لکھا۔ میاں بیا سے ایک خط کو دیکر ڈاک گھر روانہ کیا۔ یو تمہارا گلہ بیجا بیجا۔ بھائی گلہ کرو تو اپنے سے کرو کہ تم نے کرنال پہنچ کر خط لکھنے میں کیوں دیر کی۔ اور ہاں یہ کیا سبب ہے کہ بہت دن سے میر نصیر الدین کا نام تمہارے قلم سے نہیں

نکلتا۔ ان کی خیر و عافیت انکی بندگی نہ لکھتے تو خیر و عافیت تو لکھتے۔ یہ باتیں اچھی نہیں میرن صاحب کے باب میں حیران ہوں۔ تمہارے ساتھ گئے ہیں۔ والدہ اُن کی پانی پت میں ہیں وہاں کوئی مکان لیکر والدہ کو وہیں بلائیں گے یا خود بھی چندروز کے یہاں آجائینگے یہ دو باتیں جواب طلب ہیں۔ میر نصیر الدین کی بندگی نہ لکھنے کا سبب اور میرن صاحب کے بود و باش کی حقیقت لکھو۔ رہا میرا پنشن اس کا ذکر نہ کرو۔ اگر ملیگا تو تم کو اطلاع دی جائیگی شہر کی آبادی کا حکم چاہیے تھا۔ کرایہ کو مکان ملنے لگے۔ چار پانچ سو گھر آباد ہوئے تھے۔ کہ پھر وہ قاعدہ مٹ گیا۔ اب خدا جانے کیا دستور جاری ہے۔ آئندہ کیا ہوگا۔ سلطان العلما مجتہد العصر مولوی سید فراز حسین کو اگرچہ نظر اُن کے مدارج علم و عمل پر بندگی چاہیئے۔ مگر خیر میں عزیز داری و یگانگی کی راہ سے دعا لکھتا ہوں۔ میرن صاحب کو دعا اور بعد دعا کے بہت سا پیار۔ میر نصیر الدین کو دعا زیادہ کیا لکھوں ؟

ایضاً میاں کیوں ناسپاسی و حق شناسی کرتے ہو چشم بیمار ایسی چیز ہے۔ کہ جس کی کوئی شکایت کرے تمہارا منہ چشم بیمار کے لائق کہاں چشم بیمار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں جس کو اچھے اچھے عارف دیکھنے کو ترستے ہیں تم گنوار چشم بیمار کو کیا جانو۔ خیر ہنسی ہوچکی اب حقیقت مفصل لکھو۔ تم زنجیر کی عادت رکھتے ہو عوارض چشم سے تم کو کیا علاقہ —— میرے نورچشم کی آنکھ کیوں دکھی میں نے خط نہیں جان کر نہیں لکھا۔ تم نے لکھا تھا۔ کہ بعد عید میں وہاں آؤنگا۔ مجھ کو خط بھیجنے میں تامل ہوا لکھتے کچھ ہو کرتے کچھ ہو تنخواہ کی ستو تین برس سے دو ہزار دو سو پچاس روپے ہوئے سو مد خرچ کے جو بار تھے وہ کٹ گئے ڈیڑھ سو متفرقات میں اٹھ گئے۔ مختار کار دو ہزار لایا۔ چونکہ میں اس کا قرضدار ہوں روپیہ اس نے اپنے گھر میں رکھے اور مجھ سے کہا۔ کہ میرا حساب کیجئے حساب کیا سود مول سات کم پندرہ سو ہوتے ہیں میں نے کہا میرے قرضہ متفرق کا حساب کر کچھ اوپر گیارہ سو روپے نکلے میں کہتا ہوں یہ گیارہ سو بانٹ دے نو سو بچے آدھے تیرے آدھے مجھے دے۔ وہ کہتا ہے۔ پندرہ سو مجھ کو دو پانسو سات تم لو یہ جھگڑا مٹ جائیگا۔ تب کچھ ہاتھ آئیگا۔ خزانہ سے روپیہ آگیا ہے۔ میں نے آنکھ سے دیکھا ہو تو آنکھیں پھوٹیں بات رہ گئی پت رہ گئی۔ حاسدوں کو موت آگئی دوست شاد ہوگئے ہیں۔ جیسا ننگا بھوکا ہوں جب تک جیوں گا۔ ایسا ہی رہوں گا بیمار دار وگیر سے بچنا کرامت اسد اللہی ہے۔ ان بیسوں کا ہاتھ آنا عطیۂ یداللہی ہے۔ حاکم شہر لکھ دے کہ یہ شخص ہرگز پنشن پانے کا مستحق نہیں حاکم صدر مجھ کو پنشن دلوائے۔ اور پورا دلوائے۔ میرن صاحب کو دعا کہتا ہوں۔ اور مزاج کی خبر پوچھتا ہوں۔ جواب ترکی بترکی جواب عربی بعربی جو انہوں نے لکھا وہ میں نے بھی لکھا۔ مجتہد العصر کو بندگی لکھوں دعا لکھوں۔ کیا لکھوں۔ نہیں بھئی وہ مجتہد ہوں ہوا کریں۔ میرے تو فرزند ہیں۔ میں دعا ہی لکھوں گا۔ اور اسی طرح میر نصیر الدین کو بھی دعا ؎

ایضاً۔ بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر ہے۔ قلعہ۔ چاندنی چوک۔ ہر روز مجمع مسجد جامع کا۔ ہر ہفتہ سیر جمنا کے پل کی۔ ہر سال میلہ پھول والوں کا۔ یہ پانچوں باتیں اب نہیں پھر کہو دلی کہاں۔ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا۔ نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہونگے دیکھیے کہاں اترتے ہیں۔ اور کیونکر دربار کرتے ہیں۔ آگے کے درباروں میں سات جاگیردار تھے کہ ان کا الگ الگ دربار ہوتا تھا۔ جھجر۔ بہادر گڑھ۔ بلبھ گڑھ۔ فرخ نگر۔ دوجانہ۔ پاٹودی۔ لوہارو۔ چار معدوم محض ہیں۔ باقی جو رہے اس میں سے دوجانہ و لوہارو تحت حکومت ہانسی حصار۔ پاٹودی۔ حاضر اگر ہانسی حصار کے صاحب کمشنر بہادر ان دونوں کو یہاں لے آئے تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس دربار عام والے مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سے صرف تین آدمی باقی ہیں میرٹھ میں مصطفیٰ خان سلطان جی میں مولوی صدر الدین خان۔ بلی ماروں میں سگ دنیا موسوم بہ اسد تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم ؎

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسمان سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

تم آتے ہو چلے آؤ جان نثار خان کے چھتے کی۔ خان چند کے کوچہ کی سڑک دیکھ جاؤ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ کا ڈھینا۔ جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز میدان نکلنا سن جاؤ۔ غالب افسردہ دل کو دیکھ جاؤ چلے جاؤ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کو دعا۔ حکیم الملک میر اشرف علی کو دعا۔ قطب الملک میر نصیر الدین کو دعا۔ یوسف میرزا افضل علی کو دعا۔ غالب ہو

ایضاً۔ جان غالب تمہارا خط پہنچا غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے۔ ع ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے مصرعہ بدل دینے سے یہ شعر کس رتبہ کا ہوگیا۔ اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی۔ میاں یہ اہل دہلی کی زبان ہے ارے اب اہل دہلی ہندو ہیں۔ یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں۔ ان میں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ریاست تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔ خس کی ٹٹی پروا اب کہاں لطف وہ تو اسی مکان میں تھا۔ اب میر خیراتی کی حویلی میں وہ چھت اور سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہرحال میگذرد مصیبت عظیم یہ ہے۔ کہ قاری کا کنواں بند ہوگیا۔ لال ڈگی کے کنویں یک قلم کھاری ہوگئے خیر کھاری ہی پانی پیتے گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنواں کا حال دریافت کرنے گیا تھا۔ اور مسجد جامع سے راج گھاٹ دروازہ تک بے مبالغہ ایک صحرا لق و دق ہے۔ اینٹوں کے ڈھیر جو پڑے ہیں وہ اگر اٹھ جائیں تو ہو کا مکان ہو جائے یاد کرو مرزا گوہر کے باغیچہ کے اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا۔ اب وہ باغیچہ کے صحن کے برابر ہوگیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند

ہو گیا۔ فصیل کے کنگورے کھلے رہے ہیں۔ باقی سب اٹ گیا۔ کشمیری دروازہ کا حال تم دیکھ گئے ہو۔ اب آہنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کابلی دروازہ تک میدان ہو گیا۔ پنجابی کٹرہ دھوبی واڑہ۔ رامجی گنج سعادت خاں کا کٹرہ جرنیل کی بی بی کی حویلی۔ رامجی داس گودام والے کے مکانات صاحب رام کا باغ حویلی ان میں سے کسی کا پتہ نہیں ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا۔ اب جو کنوئیں جاتے رہے۔ اور پانی گوہر نایاب ہو گیا تو یہ صحرا صحرائے کربلا ہو جائیگا۔ اللہ اللہ دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں واہ رے حسن اعتقاد ارے بندۂ خدا اردو بازار نہ رہا۔ اردو کہاں دلی کہاں واللہ اب شہر نہیں ہے۔ کیمپ ہے چھاؤنی ہے نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔ الور کا حال کچھ اور ہے۔ مجھے اور انقلاب سے کیا کام۔ الیگزنڈر ہڈرلی کا کوئی خط نہیں آیا۔ ظاہراً ان کی مصاحبت نہیں ورنہ مجھ کو ضرور خط لکھتا رہتا۔ میر سرفراز حسین اور میرن صاحب اور نصیر الدین کو دعا۔

ایضاً۔ جانِ غالب اب کے ایسا بیمار ہو گیا تھا۔ کہ مجھ کو خود افسوس تھا۔ پانچویں دن غذا کھائی۔ اب اچھا ہوں۔ تندرست ہوں۔ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۶ھ تک کچھ کھٹکا نہیں۔ محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے میر نصیر الدین آئے کئی بار میں نے ان کو دیکھا نہیں اب کی بار درد میں مجھ کو غفلت بہت رہی احباب کے آنے کی خبر نہیں ہوتی جب سے اچھا ہوا ہوں۔ سید صاحب نہیں آئے۔ تمہاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے۔ اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں جتنی گرد اڑی اس کو آپ نے از راہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی بہرحال اچھے ہو جاؤ۔ اور جلد آؤ۔ مجتہد العصر میر سرفراز حسین کا خط آیا تھا۔ میں نے میرن صاحب کی آزردگی کے خوف سے اس کا جواب نہیں لکھا۔ یہ رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔ کہ میر سرفراز حسین اپنے خط کی رسید سے مطلع ہو جائیں اور میرن صاحب میرے پاس الفت پر اطلاع پائیں۔

ایضاً۔ سید صاحب کل پہر دن رہے تمہارا خط پہنچا یقین ہے۔ کہ اسی وقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہارے پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا جو کچھ ہے ان کی زبان سُن لو گے میں کیا لکھوں میں نے بھی جو کچھ سنا ہے انہیں سے سنا ہے۔ ان کا اس طرح ناکام پھر آنا میری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میرے عقیدے اور میرے تصور کے مطابق ہے۔ میں جانتا تھا۔ کہ وہاں کچھ نہ ہوگا۔ سو روپیہ ناحق زیر باری ہوئی چونکہ یہ زیر باری میرے بھروسے پر ہوئی تو مجھے شرمساری ہوئی۔ میں نے اس چھپاسٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسیاہیاں بہت اٹھائی ہیں۔ جہاں ہزار داغ ہیں۔ ایک ہزار ایک ہی میر سرفراز حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے۔ وبا کو کیا پوچھتے ہو قدر انداز قضا کے

ترکش میں ایک تیر باقی تھا۔ قتل ایسا عام۔ لوٹ ایسی سخت کال ایسا پڑا۔ وبا کیوں نہ ہو۔ لسان الغیب نے دس برس پہلے فرمایا ہے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

میاں ۱۲۷۷ھ کی بات غلط نہ تھی۔ مگر میں نے وبائے عام میں مرنا اپنے لائق نہ سمجھا واقعی اس میں میری کسر شان تھی بعد رفع فساد سمجھ لیا جائیگا۔ کلیات اُردو کا چھاپا تمام ہوا۔ اغلب کہ اسی ہفتہ میں غایت اسی مہینہ میں ایک نسخہ بسبیل ڈاک تم کو پہنچ جائیگا۔ کلیات نظم فارسی کے چھاپنے کی بھی تدبیر ہو رہی ہے۔ اگر ڈول بندھ گیا تو وہ بھی چھاپا جائیگا۔ قاطع برہان کے خاتمہ میں کچھ فوائد بڑھائے گئے ہیں اگر مقدور مساعدت کریگا۔ تو میں بے شرکت غیر اس کو چھپواؤں گا۔ مگر یہ خیال محال ہے۔ میرے مقدور کی تیاری کا حال مجتہد العصر کو معلوم ہے۔ واللہ علی کل شئی قدیر۔ خدا کا بندہ ہوں علی کا غلام ہوں خداکریم میرا خداوند مرتضیٰ علی دارم چہ غم دارم وبا کی آنچ دھیمی ہوگئی ہے پانچ سات دن بڑا شور رہا۔ پرسوں خواجہ مرزا ولد خواجہ امان مع اپنی بی بی بچوں سکھنی میں آیا۔ کل رات کو اس کا نو برس کا بیٹا ہیضہ کر کے مرگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور میں بھی وبا ہے۔ الیگزنڈر ہیڈرلی مشتہر بہ الک صاحب مرگیا۔ واقعی بے تکلف وہ میرا عزیز اور ترقی خواہ اور مزاج میں اور رحجہ میں متوسط تھا۔ اس جرم میں ماخوذ ہو کر مرا خیر یہ عالم اسباب ہے اس کے حالات سے ہم کو کیا غرض

ایضاً۔ ہاں صاحب کیا چاہتے ہو۔ مجتہد العصر کے مسودہ کو اصلاح دیکر بھیجدیا۔ اب اور کیا لکھوں۔ تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ میں فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ لفافہ کو کریا کرو۔ مسودہ کو بار بار دیکھا وہاں کی عافیت مطلوب ہے۔ خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا۔ اور وہاں حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا لازمہ سعادتمندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔ کیوں میرے کہنے اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی۔ ہائے کیا اچھا شیوہ ہے۔ جب تک یوں نہ لکھو وہ خط ہی نہیں ہے۔ چاہ بے آب ہے۔ ابر بے باراں ہے۔ نخل بے میوہ ہے۔ خانہ بے چراغ بے نور ہے۔ ہم جانتے ہیں۔ تم زندہ ہو تم جانتے ہو ہم زندہ ہیں۔ امر ضروری لکھ لیا۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا۔ اور اگر تمہاری خوشنودی اس طرح کی نگارش پر منحصر ہے۔ تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا قضا نہیں پڑھتے۔ اور وہ مقبول نہیں ہوتی۔ خیر ہم نے بھی وہ عبارت جو مسودہ کے ساتھ لکھی تھی۔ اب لکھ بھیجی قصور معاف کرو خفا نہ ہو

[illegible]

میر نصیر الدین ایکبار آئے تھے پھر نہ آئے تمہارے بھائی میں نے کہاں لکھی۔ کہتا ہے چچا کو یا تم کو بھیجدوں۔
نواب فیض محمد خان کے بھائی حسن علیخاں مر گئے۔ حامد علیخاں کی ایک لاکھ تیس ہزار کی تنخواہ سو روپیہ کی ہوگئی
بادشاہ پہ ہو گئی۔ کلیجہ اور تمیا ہو گیا تھا۔ آج اُس نے غسل صحت کیا۔ باقر علی خاں کو ہمیشہ بہت تپ
آتی ہے۔ حسین علی خاں کو ہمیشہ تپ آتی ہے۔ حسین علی خاں کے گلے میں دو غدود ہو گئے ہیں
شہر چپ چاپ نہ کہیں پھاوڑا چلتا ہے۔ نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے۔ نہ آہنی سڑک آتی ہے
نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔ دلی شہر خموشاں ہے۔ کاغذ نبڑ گیا۔ ورنہ تمہارے لڑکی خوشی کیو سے لکھی اور لکھتا
ایضاً۔ سید صاحب تمہارے خط کے آنے سے وہ خوشی ہوئی جو کسی دوست کے دیکھنے سے ہو۔ لیکن زمانہ
وہ آیا ہے کہ ہمارے قسمت میں خوشی ہی نہیں۔ خوشی معلوم ہوا تو کیا۔ معلوم ہوا کہ ڈھائی سو روپے ان
دنوں میں ڈھائی روپے بھی بھاری ہیں۔ ڈھائی سو کیسے سبحان اللہ باوجود اس تہیدستی کے پھر بھی کہنا
پڑتا ہے۔ کہ روپے گئے بلا سے۔ زندگی اب میر سرفراز حسین کو چاہئے۔ کہ ادھر چلے جائیں۔ شاید نئے
بندوبست میں کوئی صورت نوکری کی نکل آئے۔ میری دعا کہو۔ اور یہ کہو کہ اپنا حال اور اپنا قصہ اپنے ہاتھ
سے مجھ کو لکھیں۔ پنشن کا حال کچھ معلوم ہوا ہو تو کہوں حاکم خط کا جواب نہیں لکھتا عملہ سے چند تفحص کیجئے
کہ ہمارے خط پر کیا حکم ہوا۔ کوئی کچھ نہیں بتاتا۔ یہ حال اتنا سنا ہے۔ اور دلی کا اور قرائن سے معلوم ہوا
ہے۔ کہ میں بیگناہ پایا ہوں اور مدعی کمشنر بہادر کی رائے میں پنشن پانے کا مستحق قرار دیا گیا ہوں۔ مگر
اس سے زیادہ نہ مجھے معلوم کسی کی خبر یاں کیا باتیں کرتے ہو۔ میں کتابیں کہاں سے چھپواتا روٹی کھانے
کو نہیں شراب پینے کو نہیں جاڑے آتے ہیں لحاف توشک کی فکر ہے۔ کتابیں چھپواؤں گا! منشی امید سنگھ
اندور والے دلی آئے تھے۔ سابقہ معرفت مجھ سے نہ تھا۔ ایک دوست اُن کو میرے گھر لے آیا۔ انہوں
نے وہ نسخہ دیکھا چھپوانے کا قصد کیا۔ آگرے میں میرا شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ تھا۔ اسکو میں نے
لکھا۔ اُس نے اس اہتمام کو اپنے ذمہ لیا۔ مسودہ بھیجا گیا۔ ۸ روپے فی جلد قیمت ٹھہری۔ پچاس جلدیں منشی امید سنگھ
نے لیں۔ پچاس روپے چھاپے خانہ میں بطریق ہنڈوی بھیجوا دیئے۔ صاحب مطبع نے لیشو منشی ہرگوپال
تفتہ چھپنا شروع کیا۔ آگرہ کے حکام کو دکھایا۔ اجازت چاہی۔ صاحب نے بکمال خوشی اجازت دی
پانسو جلد چھاپی جاتی ہے۔ اس پچاس جلدیں تو شاید پچیس جلد منشی امید سنگھ مجھ کو دینگے میرا عزیز دو کو
بانٹ دونگا۔ پہ سوال ہے تفتہ کا آیا تھا وہ لکھتے ہیں کہ نو چھپنا تمام رہا ہے۔ ہے اسی اکتوبر
میں قصہ تمام ہو جائے بھائی میں نے ۱۱ مئی سے اکتیس جولائی ۱۸۵۷ء تک کا حال
لکھا ہے اور نام اس میں اس کی اطلاع دیدی ہے۔ امین الدین خاں کی جاگیر کے ملنے کا حال اور

اور بادشاہ کی روانگی کا حال کیونکر لکھتا ابھی تو یہ اگست ہے بادشاہ اکتوبر میں گئے۔ کیا کرتا۔ اگر تحریر بتوقف نہ کرتا منشی امیر سنگھ اندور چلنے والے تھے۔ اگر ختم کر کے مسودہ ان کے سامنے آ گیا نہ بھیج دیتا تو پھر چھپواتا کون ؟

ایضاً - خوبی دین و دنیا روزی باد۔ میر اشرف علی صاحب نے تمہارا خط دیا۔ وہ جو تم نے لکھا تھا۔ کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہمنام کے ہاتھ جا پڑا۔ صاحب قصور تمہارا ہے۔ کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو۔ جہاں دوسرا میر مہدی بھی ہو۔ مجھ کو دیکھو۔ کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں۔ نہ کوئی اپنا ہمنام ہونے دیا نہ کوئی اپنا عرف بننے دیا۔ نہ اپنا ہم تخلص بہم پہنچایا۔ فقط پنشن کی صورت یہ ہے۔ کہ کوتوال سے کیفیت طلب ہوئی اس نے اچھی لکھی ہے ہفتہ کا دن ساتویں اگست کی مجھ کو جرنیل صاحب بہادر نے بلایا۔ کچھ بہت سوال مجھ سے کئے اب ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تنخواہ ملے اور جلد ملے تردد اگر ہے تو اس میں ہے۔ کہ ۱۵ مہینے بھی ملتے ہیں یا صرف آئندہ کو مقرر ہوتی ہے غلام فخر الدین خان کی دو ایک روبکاریاں ہوئی ہیں۔ صورت اچھی ہے۔ خدا چاہے۔ تو رہائی ہو جائے۔ صاحب ہم نے گھبرا کر اپنی تحریر فارسی کو تمام کیا۔ دفتر بند کیا اور یہ لکھ دیا کہ یکم اگست سنہ ۱۸۵۷ء تک میں نے پندرہ مہینے کا حال لکھا اور آئندہ لکھنا موقوف کیا۔ تم کو آگے اس سے لکھا تھا کہ تم اپنے اوراق کا فقرہ آخیر لکھ بھیجو۔ اب پھر تم کو لکھا جاتا ہے۔ کہ جلد لکھو تاکہ میں اس کے آگے کی عبارت تم کو لکھ کر بھیج دوں ہاں صاحب میر اشرف علی صاحب بھی یہی فرماتے تھے۔ کہ میر سرفراز حسین پانی پت آیا چاہتے ہیں اگر آ جائیں تو مجھ کو اطلاع کرنا۔

ایضاً۔ مار ڈالا یار تیری جواب طلبی نے اس چرخ کج رفتار کا برا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ ملک و مال و جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا۔ چند مفلس و بے نوا ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ ہنس بول لیتے تھے ؎

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک اور تو یہاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یاد رہے۔ یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو یہ شعر بہت یاد آتا ہے۔ سو صاحب اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں۔ وہ صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو۔ اور تم کو چین نہیں آتی مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔ آنسوؤں پیاس نہیں بجھتی یہ تحریر تلافی اس تقریر کا نہیں کر سکتی۔ بہرحال کچھ لکھتا ہوں۔ سنو پنشن کی رپورٹ کا ابھی کچھ حال نہیں معلوم دیر آید درست آید بھائی میں تم سے بہت آزردہ ہوں۔ میرن صاحب کی تندرستی کے بیان میں نہ اظہار مسرت نہ مجھ کو تہنیت بلکہ اس طرح سے لکھا ہے کہ گویا ان کا تندرست ہونا تم کو ناگوار ہوا ہے۔ لکھتے ہو۔ کہ میرن صاحب ویسے ہی ہو گئے جیسے آگے تھے۔ اُچھلتے کودتے پھرتے ہیں

اُس کے یہ معنے کہ ہے ہے کیا غضب ہوا یہ کیوں اچھے ہو گئے یہ باتیں تمہاری ہم کو پسند نہیں آتیں۔ تم نے میر کا وہ مقطع سُنا ہے بتغیر الفاظ کہتا ہوں ؎

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانوں دلّی والوں میں اک بچا ہے یہ

میر تقی کا مقطع یوں ہے ؎

میر کو کیوں نہ مغتنم جانیں اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

میر کی جگہ میرن اور رہا کی جگہ بچا کیا اچھا تصرف ہے۔ اے میاں تم نے کچھ اور بھی سُنا کل یوسف مرزا کا خط لکھنؤ سے آیا وہ لکھتا ہے کہ نصیر خاں عرف نواب جان خاندان کا دایم الحبس ہو گیا حیران ہوں۔ کہ یہ کیا آفت آئی یوسف مرزا تو جھوٹ کاہے کو لکھیگا۔ خدا کرے اُس نے جھوٹ سُنا ہو۔ لو بھئی اب تم جاؤ۔ اپنے گھر بیٹھو روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اندر باہر سب روزہ دار ہیں۔ یہانتک کہ بڑا بیٹا باقر علیخان بھی صرف ایک میرا بیٹا حسین علی خان یہ ہم روزہ خور ہیں۔ وہی حسین علیخان جس کا روزمرہ یہ ہے۔ کھلونے منگادو میں بزار جاؤنگا میر سرفراز حسین کو دعا کہنا اور یہ خط اُن کو ضرور سنا دینا۔ برخوردار میر نصیر الدین کو دعا پہنچے ؎

ایضاً۔ میر مہدی جیتے رہو۔ آفرین صد ہزار آفرین۔ اُردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔ سنو دلّی کے تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے محلہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اسکو بحل کیا اللہ برکت دے۔ میری پنشن اور ولایت کے انعام کا حال کما حقہ سمجھ لو ولاحین الطاف خفیہ۔ ایک طرز خاص پر تحریک ہوئی۔ نواب گورنر جنرل بہادر نے حاکم پنجاب کو لکھا کہ حاکم دہلی سے فلاں شخص کی پنشن کے چڑھے ہوئے روپیہ کے یکمشت پانے کی اور آیندہ ماہ بماہ ملنے کی رپورٹ منگوا کر اپنی منظوری لکھ کر ہمارے پاس بھیجدو تا کہ ہم حکم منظوری دیکر تمہارے پاس بھیجدیں سو یہاں اس کی تعمیل بطرز مناسب ہوگی۔ کہ کم و بیش دو مہینہ میں سب روپیہ مل جائے گا۔ اور ہاں صاحب کمشنر بہادر نے یہ بھی کہا۔ کہ اگر تم کو ضرورت ہو تو سو روپیہ خزانہ سے منگوا لو میں نے کہا صاحب یہ کیسی بات ہے کہ اوروں کو دس دن کا روپیہ ملا۔ اور مجھے سو روپیہ دلواتے ہو۔ فرمایا کہ تم کو اب چند روز میں سب روپیہ اور اجراء کا حکم مل جائیگا۔ اوروں کو یہ بات نصیب نہیں (میسر آئیگی) میں چپ ہو رہا۔ آج دوشنبہ یکم شعبان اور ہفتم مارچ ہے دو پہر ہو جائے۔ تو اپنا آدمی مع رسید بھیجکر سو روپیہ منگاؤں پر یارو ولایت کے انعام کی توقع غلط ہے۔ اس حکم تو اور بہتر کے ساتھ اس کی رپورٹ

کرنے کا بھی آیا ہے۔ مگر یہ بھی حکم ہے کہ اپنی رائے لکھو۔ اب دیکھیے یہ دو حاکم یعنی حاکم دہلی اور حاکم پنجاب اپنی رائے کیا لکھتے ہیں۔ حاکم پنجاب کو ریزیڈنٹ بہادر کا یہ بھی حکم ہے کہ دستنبو منگوا کر اور دیکھ کر ہم کو لکھو کہ وہ کیسی ہے اور اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ حاکم دہلی نے ایک کتاب بھی کہہ کر مجھ سے مانگی۔ اور میں نے دی۔ اب دیکھوں حاکم پنجاب کیا لکھتا ہے۔ اسوقت تمہارا ایک خط اور یوسف مرزا کا ایک خط آیا مجھ کو باتیں کرنے کا مزا ملا تو دونو کا جواب ابھی لکھ کر روانہ کیا۔ اب میں روٹی کھانے جاتا ہوں۔ میر سرفراز حسین میرن صاحب میر نصیر الدین کو دعا۔

ایضاً۔ سید صاحب نہ تم مجرم نہ میں گنہگار۔ تم مجبور میں ناچار۔ لو اب کہانی سنو۔ میری سرگذشت میری زبانی سنو۔ نواب مصطفیٰ خاں بیس و سات برس کے قید ہو گئے تھے۔ سو انکی تقصیر معاف ہوئی اور انکو رہائی کا حکم آیا ہے۔ جہانگیر آباد کی زمینداری اور دلی کی املاک اور پنشن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا ناچار وہ رہا ہو کر میرٹھ ہی میں ایک دوست کے مکان میں ٹھیرے ہیں میں بمجرد استماع اس خبر کے ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا اُن کو دیکھا چار دن وہاں رہا پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔ تاریخ آنے کی یاد نہیں مگر ہفتہ کو گیا منگل کو آیا آج بدھ دوم فروری ہے مجھ کو آئے ہوئے نواں دن ہے۔ انتظار میں تھا کہ تمہارا خط آئے تو اس کا جواب لکھا جائے۔ آج صبح کو تمہارا خط آیا دوپہر کو میں جواب لکھتا ہوں۔

روز اس شہر میں ایک حکم نیا ہوتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوتا ہے۔ میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے۔ اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے لاہوری دروازہ کا تھانہ دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے۔ جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اُس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے۔ حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپیہ جرمانہ لیا جاتا ہے آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس سے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے یہاں کا جمعدار میرے پاس بھی آیا۔ میں نے کہا بھائی تو مجھے نقشے میں نہ رکھ میری کیفیت جدا لکھ۔ عبارت یہ کہ اسد اللہ خاں پنشندار ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی حویلی میں رہتا ہے نہ کالوں کے وقت میں کہیں گیا نہ گوروں کے زمانے میں نکلا اور نکالا گیا کرنیل برن صاحب بہادر کی زبانی حکم پر اس کی اقامت کا مدار ہے۔ اب تک کسی حاکم نے وہ حکم نہیں بدلا۔ اب حاکم وقت کو اختیار ہے پرسوں یہ عبارت جمعدار نے ایک کرنیل کے ساتھ کوتوالی میں بھیجدی ہے۔ کل سے یہ حکم نکلا کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان دوکان کیوں بناتے ہیں۔ جو مکان بن چکے ہیں۔ انہیں ڈھادو اور آئندہ کو ممانعت کا حکم سنا دو۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے گئے ہیں۔ جو مسلمان شہر میں اقامت

سو آپ شہر میں آباد ہو جائے۔ آج تک یہ صورت ہے دیکھئے شہر کے بسنے کی کون مہورت ہے۔ جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں یا جو باہر پڑے ہوئے ہیں وہ شہر میں آتے ہیں الملک للہ والحکم للہ۔ نورچشم میر سرفراز حسین اور برخوردار میر نصیر الدین کو دعا۔ اور جناب میرن صاحب کو سلام بھی اور دعا بھی اس میں سے وہ جو چاہیں قبول کریں۔

ایضاً۔ میری جان خدا تم کو ایک سو بیس برس کی عمر دے بوڑھا ہونے آیا داڑھی میں بال سفید آ گئے مگر بات سمجھنی نہ آئی پنشن نہ پایا ہیں الجھے ہو اور کیا بے جا الجھے ہو یہ تو جانتے ہو کہ دلی کے سب پنشن داروں کو مئی ۱۸۵۷ء سے پنشن نہیں ملا یہ فروری ۱۸۵۹ء بائیسواں مہینہ ہے۔ چند اشخاص کو اس بائیس مہینے میں سال بھر کا روپیہ بطریق مدد خرچ مل گیا۔ باقی چڑھے ہوئے روپیہ کے باب میں اور آئندہ ماہ بماہ ملنے کے واسطے ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ تم اب اپنے سوال کو یاد کرو کہ اس واقعہ سے اس کو کچھ نسبت ہے یا نہیں یہ حضرت کا سوال امیر خسرو کی انمل ہے جیسے چیل بسولا لگی تو کاہے سے پھکوں۔ اب علی بخش خاں پچاس روپے مہینہ پاتے تھے بائیس مہینے کے گیارہ سو ہوتے ہیں ان کو چھ سو روپے مل گئے باقی روپیہ چڑھا رہا آئندہ ملنے میں کچھ کلام نہیں۔ غلام حسن خاں سو روپے مہینے کا پنشن دار بائیس مہینے کے بائیس سو روپے ہوتے ہیں اس کو بارہ سو ملے۔ دیوان کشن لال کا ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ بائیس مہینے کے تین ہزار تین سو ہوتے ہیں اس کو بارہ سو ملے۔ منا جمعدار دس روپیہ مہینہ کا سکھ ملا سال بھر کے ایک سو بیس روپے آیا اسی طرح پندرہ سولہ آدمیوں کو ملا ہے آئندہ کیواسطے کسی کو کچھ حکم نہیں مجھ کو پھر مدد خرچ نہیں ملا جب کئی خط پہ خط لکھے تو آخر صاحب کمشنر بہادر نے حکم دیا کہ سائل کو بطریق مدد خرچ سو روپیہ مل جاویں۔ میں نے وہ سو روپے نہ لئے اور پھر صاحب کمشنر بہادر کو لکھا کہ میں باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ مہینہ پانے والا ہوں سال بھر کے ساڑھے سات سو روپیہ ہوتے ہیں سب پنشن داروں کو سال سال بھر کا روپیہ مجھ کو سو روپیہ کیسے بانٹے ہیں مثل اوروں کے مجھے بھی سال بھر کا روپیہ مل جاوے۔ ابھی اس میں کچھ جواب نہیں ملا۔ آبادی کا یہ رنگ ہے۔ کہ وہ بندہ پٹوا کر ٹکٹ چھپوا کر اجرتن صاحب بہادر بطریق ڈاک کلکتہ چلے گئے۔ دلی کے جتنے جو باہر پڑے ہوئے ہیں منہ کھول کر رہ گئے اب جب وہ معاودت کریں گے تب شاید آبادی ہو گی یا کوئی اور نئی صورت نکل آوے۔ میر سرفراز حسین اور میر نصیر الدین اور میرن صاحب کو دعا پہنچیں۔ برخوردار کامگار میر مہدی قدیم تم نے دیکھا سچ سچ میرا حلیہ ہے واہ اب کیا شاعری رہ گئی ہے۔ جس وقت میں نے یہ قصیدہ والی کے بھیجنے کے واسطے لکھا ارادہ تھا کہ خط بھی لکھوں لڑکوں نے سنایا کہ دادا جان چلو کھانا تیار ہے ہم بھوک لگی ہے تین خط اور لکھے ہوئے رکھے تھے میں نے کہا کہ اب کیوں لکھوں اسی کاغذ کو لفافے میں رکھ کر ٹکٹ لگا کر سرنامہ لکھ کلیان کے حوالہ کر کے گھر میں چلا گیا اور روٹی کھائی۔ ایک پہر بھی تھی کہ دیکھو میرا میر مہدی خفا ہو کر

کیا باتیں بناتا ہے مسود ہی ہے تم نے جلے پھپھولے پھوڑے لو اب بتاؤ خط لکھنے بیٹھا ہوں کیا لکھوں یہاں کا حال زبانی میرن صاحب کے سن لیا ہوگا مگر وہ جو کچھ تم نے سنا ہوگا بے اصل باتیں ہیں۔ پنشن کا مقدمہ کلکتہ میں نواب گورنر جنرل بہادر کے پیش نظر یہاں کے حاکم نے اگر ایک روبکاری لکھ کر اپنے دفتر میں رکھ چھوڑی میرا اس میں کیا ضرر۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ وہ ایک آدمی آگیا دو چار نمونہ رہ گیا میں نے بکس بند کیا باہر تخت پر آبیٹھا شام ہوئی چراغ روشن ہوا۔ منشی سید احمد حسین سرہانے کی طرف مونڈھے پر بیٹھے ہیں۔ میں پلنگ پر لیٹا ہوا ہوں کہ ناگاہ چشم و چراغ دودمانِ علم و یقین سید نصیر الدین آیا۔ ایک کوٹا ہاتھ میں اور ایک آدمی ساتھ اس کے سر پر ایک ٹوکرا اُس پر تھا اس پر پرچی چپکی ہوئی میں نے کہا ہا ہا ہا ہا سلطان العلما مولانا سرفراز حسین دہلوی نے دوبارہ رسید بھیجی ہے بارے معلوم ہوا کہ وہ نہیں ہے یہ کچھ اور ہے فیض خاص نہیں عطیہ خاص ہے شراب نہیں آم ہے۔ خیر یہ عطیہ بھی بے خلل ہے بلکہ نعم البدل ہے ایک ایک آم کو ایک ایک سربمہر گلاس سمجھا بادہ انگوری سے بھرا ہوا مگر واہ کس حکمت سے بھرا ہے کہ بیٹھو گلاس میں سے ایک قطرہ نہیں گرا ہے میاں کہتا تھا کہ یہ اسّی تھے پندرہ بگڑ گئے بلکہ سڑ گئے تھے ان کی جدائی اوروں ہی سے سرایت نہ کرے ٹوکرے میں سے پھینک دیئے ہیں میں نے کہا بھائی یہ کیا کم ہے مگر نہیں رہی تکلیف اور تکلف سے خوش نہیں ہوا تمہارے پاس روپیہ کہاں جو تم نے آم خریدے خانہ آباد دولت زیادہ۔ لیکور ایک انگریزی شراب ہوتی ہے قوام کی بہت لطیف اور رنگت کی بہت خوب اور طعم کی ایسی میٹھی جیسا قند کا قوام پتلا دیکھو اس لغت کے فرہنگ سرور میں ہو تو مجتہد العصر اور حکیم میر اشرف علی کو کہ وہ اُن کے علمی کنجی ہیں اور ٹکے ٹکے کی کتابیں پالیں پچاس روپے کو لے گئے ہیں میری دعا کہہ دینا۔

ایضاً "کیوں یار کیا کہتے ہو ہم کچھ آدمی کام کے ہیں یا نہیں۔ تمہارا خط پڑھ کر دو سو بار یہ شعر پڑھا ؎

وعدۂ وصل چوں نشود نزدیک   آتشِ شوق تیز تر گردد

کلو کو مولوی مظہر علی صاحب کے پاس بھیجکر کہلا بھیجا کہ آپ کہیں جائیگا نہیں میں آتا ہوں بھلا بھائی اچھی حکمت کی کیا وہ میرے بابا کے نوکر تھے کہ میں اُن کو بلاتا اُنہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ تکلیف نہ کریں میں حاضر ہوتا ہوں دو گھڑی کے بعد وہ آئے ادھر کی بات ادھر کی بات کوئی انگریزی کاغذ دکھایا کوئی فارسی خط پڑھوایا اجی کیوں حضرت آپ میرن صاحب کو نہیں بلاتے صاحب میں تو ان کو لکھ چکا ہوں کہ تم چلے آؤ اور ایک مقام کا اُن کو پتہ لکھا ہے کہ وہاں ٹھیر کر مجھ کو اطلاع کرو میں شہر میں بلا لوں گا۔ صاحب اب وہ ضرور آئیں گے آخرکار اُن سے اجازت لیکر اب تم کو لکھتا ہوں آج یکشنبہ

چاہیے بقدر زمانہ دے۔ اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے۔ روپیہ دے اور ٹکٹ لے گھر آباد ہو جائے بھلا
بارے اس سے مختصر یہ کہ ہم نہ ہو۔ کہ بھائی یہ مبالغہ ہے کہ روٹی دال کھاؤ تو پانی یہاں پیو۔ یہ کہتا ہوں کہ عید یہاں کرو۔ تو باسی ۱۱۷ ب
۱۱۸
عید یہاں کرو۔ بہرحال سنو۔ کہ بے رونق جلنے کا تو سبب سمجھ آگیا ہے اس طرف سے خاطر جمع رکھنا رمضان
کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا۔ آیندہ خدا رزاق ہے کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم تو ہے بس صاحب جب ایک چیز
کھانے کو ہوئی اگرچہ غم ہی ہو تو پھر کیا غم ہے۔ میر سرفراز حسین کو میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیر الدین
کو دعا اور شیخ احمد صاحب کو میر انشاء علی صاحب کو سلام کہنا۔ میرن صاحب کو نہ سلام نہ دعا۔ یہ خط پڑھا دو اور
ادھر کو روانہ کرو۔ کیا خوب بات یاد آئی ہے۔ کیوں وہ شہر سے باہر ٹھہریں اور کیوں کسی کے بلانے کی راہ
دیکھیں۔ شکرم میں۔ کرانچی میں چوکھٹے میں یعنی ڈاک میں آئیں۔ بلی ماروں کے محلہ میں میرے مکان پر اتریں
میرزا قربان علی بیگ کے مکان میں مولوی مظہر علی رہتے ہیں میرے ان کے مسکن میں ایک میر خیراتی کی حویلی
درمیان ہے۔ ڈاک کو زمانہ کوئی نہیں روکتا یہ صلاح تو ایسی ہے کہ اگر اس خط کے پہنچتے ہی چلیں تو عید بھی
یہیں کریں۔

ایضاً۔ میاں کیوں تعجب کرتے ہو۔ یوسف میرزا کے خطوط نہ آنے سے۔ وہ وہاں اچھی طرح سے ہے حاکموں کے
ہاں آنا جانا نوکری کی تلاش میں۔ حسین مرزا بھی وہیں ہیں۔ وہاں سے حکام ملتے ہیں وہاں پنشن کی درخواست
کر رہے ہیں۔ ان دونوں صاحبوں کے ہر ہفتہ میں ایک دو خط مجھ کو آتے ہیں۔ جواب بھیجتا ہوں۔ بھائی لکھنؤ
میں وہ امن و امان ہے۔ کہ نہ ہندوستانی عملداری میں ایسا امن و امان ہوگا۔ نہ امن فتنہ و فساد سے پہلے
انگریزی عملداری میں یہ چین ہوگا۔ امرا اور شرفا کی حکام سے ملاقاتیں بقدر مرتبہ تعظیم و توقیر پنشن کی تقسیم
علی العموم آبادی کا حکم عام لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آباد کرتے جاتے ہیں۔ اور ایک نقل سنو۔ وہاں
کے صاحب کمشنر بہادر اعظم نے جو دیکھا کہ محلہ میں ہنود بھرے ہوئے ہیں۔ اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہنود کو اور
علاقوں میں بھیج دیا۔ اور ان کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرتی کیا یہ تو آفت دلی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے۔ لکھنؤ کے
سوا اور شہروں میں عملداری کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں ان کے
بھی لکھے فارسی عبارت یہ ہے۔ ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادائے جرمانہ۔ مقدار روپیہ کی حاکمین کی رائے
پر ہے۔ آج پانچ اکتوبر چھپ چکا ہے۔ کل تو اتوار یوم التعطیل ہے۔ پرسوں دوشنبہ سے دیکھیے یہ کاغذ کیونکر تقسیم
ہوں اور یہ کیفیت عموماً شہر کی ہے خصوصاً میرا حال سنو بعد پنشن جاری ہونے کے چپراسیوں کو کوتوال کو حکم آیا ہے کہ اسد اللہ خاں
پنشن دار کی کیفیت لکھو۔ کہ وہ بے مقدور اور محتاج ہے یا نہیں۔ کوتوال نے موافق ضابطہ کے مجھ سے چار گواہ مانگے
ہیں۔ سو کل چار گواہ کوتوالی چبوترے جائیں گے اور میری بے مقدوری ظاہر کر آئیں گے تم کہیں یہ نہ سمجھنا کہ لیا ہوگا

مفلسی چڑھا ہوا روپیہ مل جائیگا اور آئندہ کو پنشن جاری ہو جائے گا۔ نہ صاحب یہ تو ممکن ہی نہیں۔ بعد ثبوت افلاس مستحق ٹھیروں گا چھ مہینے یا برس دن کا روپیہ علی الحساب پانے کا۔ میرن صاحب جو بلائے گئے ہیں۔ اُس طلب کے جواب میں ابھی کیوں نہیں لکھتے کہ ٹکٹ میرے نام کے حاصل کر کے بعید دنوں میں آؤں۔ دیکھو اب دس پانچ دن میں حسب حال کھلا جاتا ہے۔ میر سرفراز حسین کو دعا اور میری طرف سے گلے لگانا اور پیار کرنا۔ میر نصیر الدین کو دعا کہنا اور میرن صاحب کو مبارکباد کہنا۔ غالب

بنام شاہ عالم صاحب

مخدوم زادہ والا تبار حضرت شاہ عالم۔ سلام و دعائے درویشانہ قبول فرمائیں۔ آپکا مع الخیر وطن پہنچنا اور بزرگوں کے قدم بوس اور بھائیوں کے ہم آغوش ہونا آپ کو مبارک ہو ع یوسف از مصر بہ کنعان آمد تفرقۂ اوقات و غم رام پور و شدت تموز مقتضی اس کی ہوئی کہ ہنوز تمہارے سوانح دیکھے نہیں گئے۔ تا نزول باران رحمت الٰہی اور بھی چپکے بیٹھے رہو۔ اپنے ماموں صاحب کو نیاز مندانہ اور اپنے بھائیوں کو سلام مخلصانہ کہیئے گا۔ اور اپنے والد ماجد یعنی میرے مخدوم و شفیق کو وہ سلام جس سے محبت ٹپکے اور اشتیاق برسے پہنچا دیجئے گا۔ اور عرض کیجئے گا۔ کہ اور دو برس دیدار کی مدت گذر گئی۔ یارب جیتے جی حضرت صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انوار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھوں اور اُن سے ہمکلام نہ ہوں میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو۔ لیکن ۱۲۷۵ سنہ دو مہینے باقی ہیں۔ ایسے کے محرم سے اس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے شفیق مکرمی چودھری عبد الغفور صاحب کو میرا سلام کہیئے گا۔ اور یہ پیام پہنچا دیجئے گا کہ حضرت صاحب عالم کی تمنائے دیدار بقید مارہرہ کتابہ اس سبب سے ہے کہ اور کسی کا بھی دیدار مطلوب ہے ع وانش وصل مقدر ہے جو مذکور نہیں۔ اُن کے اس خط کا جواب جو پرسوں مجھ کو پہنچا ہے۔ سوموار میں لپیٹ کر بھیجوں گا انشاء اللہ العزیز۔ ہاں جناب شاہ عالم صاحب پیر و مرشد آپ کی طرف سے جناب میر وزیر علی صاحب بلگرامی یہاں تشریف لائے اور میرے مسکن سے ایک تیر پرتاب کے فاصلہ پر چاندنی چوک میں قطب الدین سوداگر کی حویلی میں اُترے ہیں۔ مرفی صاحب کا کام اُن کے سپرد ہوا ہے یعنی ڈپٹی کلکٹر اور ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں۔ اور ابتدا سے پیہ تک کا مقدمہ عدالت دیوانی کا بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہنوز فارغ نہیں وہ صاحب جس کا نام لکھ آیا ہوں۔ بطریق رخصت سیاحا گیا ہے۔ ایکدن فقیر بھی اُن کے مکان پر چلا گیا تھا۔ حُسن صورت اور حُسن سیرت دونوں اُن میں ختم ہیں۔ آنکھیں اُن کے حُسن صورت سے روشن ہو گئیں اور دل اُن کی حُسن سیرت سے خوش ہو گیا۔ واہ خاک پاک بلگرام میں نے وہاں کے جس بزرگوار کو دیکھا بہت اچھا پایا۔

ایضاً۔ مخدوم زادۂ عالیشان مقدس دودمان حضرت شاہ عالم ... وعزہ وشانہٗ ودولتہ وعمرہ سے بہرہ ور رہیں۔ ہمارے حضرت نے ہم کو بھلا دیا ہے۔ غالب ... اُن کا لطف چودھری عبدالغفور صاحب کے جوہر مہر و محبت کا عرض تھا۔ جب یہ ہی نہ رہا تو عرض کہاں۔ بہرحال جناب حضرت عالم صاحب کو میری بندگی پہنچ جائے۔ اور یہ سطریں اُن کی نظر سے گزر جائیں۔ چودھری عبدالغفور خاں صاحب کو سلام کہے گا۔ اور یہ پوچھئے گا۔ کہ قصیدہ کا بعد اصلاح کے نہ پہنچنا میرا گناہ ہے۔ یا اس کے سوا کوئی اور قصور ہے۔ اگر وہی جرم ہے تو معاف کیجئے۔ اگر کوئی جرم بھی ہے تو مجھے اطلاع دیجئے ان دو پیام کی تبلیغ کے بعد پیر و مرشد سنئے آپکی طرف سے آپ کا خط میرے نام کا اور اس کے ساتھ ایک خط ڈپٹی میر قربان علی صاحب کے نام کا پہنچا وہ پڑھا اور بھجوا دیا۔ جو آدمی خط لیکر گیا تھا۔ وہ دو بار جواب مانگنے کو گیا۔ پہلی بار حکم ہوا کہ کل آئیو دوسری بار حضرت نشست میں ہے۔ اس کے جواب سے قطع نظر کرکے اپنی خوشنودی ... آپ کو اطلاع دی۔ یا تحتانی لکھا کہ ایک پیرا بھی ... اور اس نے خط تمہارے نام کا ٹکٹ لگا ہوا دیا اور کہا کہ ڈپٹی صاحب نے سلام کہا ہے اور یہ کہدیا ہے۔ اب میں یہ خط اپنا مع اُن کے خط کے ڈاک گھر میں بھیجتا ہوں۔ صبح کا وقت یکشنبہ کا دن ۸ صفر اور ۲۵۔ اگست کی ہے ڈپٹی صاحب چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی میں رہتے ہیں۔ باقی اُن کے حالات ان کے خط سے معلوم ہو جائینگے۔ اپنے ماموں صاحب کی خدمت میں نیاز اور اپنے بھائی صاحبوں کی خدمت میں فقیر کی دعا پہنچائیے گا۔ والسلام ۔

بنام صاحب عالم صاحب

پیر و مرشد اس حسن مطلع و حسن مقطع کو کیا سمجھوں اور اس کا شکر کیونکر بجا لاؤں۔ خدا کی بندہ نوازیاں ہیں کہ مجھ ننگ آفرینش کو اپنے خاصان درگاہ سے بھلا کہواتا ہے۔ ظاہراً میرے مقدر میں یہ سعادت عظمیٰ تھی کہ میرا اس وبائے عام میں جیتا بچ رہنا۔ الحمدللہ ایسے کشتی بشکستہ کو یوں بچایا۔ اور پھر اس رتبہ کو پہنچایا کبھی عرش کو اپنا نشیمن قرار دیتا ہوں اور کبھی بہشت کو اپنا پائیں باغ تصور کرتا ہوں۔ واسطے خدا کے اور اشعار نہ فرمائیے گا۔ ورنہ بندہ دعوئ خدائی کرنے میں تحاشا نہ کریگا۔ کتاب افادات مآب پنج آہنگ نسخۂ لطیف شریف تالیف اس کے آگے نام سے کچھ نہ پڑھا گیا۔ مگر چودھری صاحب اور حضرت سید شاہ میر صاحب اور مولوی فضل احمد صاحب یہ تین اسم معلوم ہوئے پھر بھی تو دوسرے اسم میں متردد ہوں کہ آیا میرا قیاس مطابق واقع ہے یا نہیں ہاں چودھری صاحب اور مولوی فضل احمد ... بیان فرمائیے

تردد باقی نہیں رہتا یہ نہ سمجھا کہ مقصود کیا ہے۔ اگر صحیح آہنگ مطلوب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ میرا ایک بھتیجا بھانجا۔ نواب ضیاء الدین خاں سابق تعلقدار تھے میری نظم و نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ مجموعہ نثر اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب نسخے اس کے کتب خانہ میں تھے۔ وہ کتب خانہ غدر کے غرق کرتا ہوں۔ جیسا غیر دریچہ کی غارت کا ہو گیا لٹ گیا۔ ایک ورق نہیں رہا۔ ہاں چھاپے کی پنج آہنگیں اب ملتی ہیں۔ اور معیوب ہر عیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جریدہ انطباع از قسم نثر تحریر ہوا ہے۔ وہ اس میں نہیں دوسرے کاتب نویس نے وہ اصلاح میری نثر کو دی ہے کہ میرا جی جانتا ہے۔ اگر کوئی غلط معلی سے خالی نہیں تو اغراق ہے سب مبالغہ نہیں ہے۔ کہ کوئی صفحہ اغلاط سے خالی نہیں۔ بہر حال اگر فرمایئے تو لکھ بھیجوں۔ مخدوم زادہ کا سمو الانتہا پہلا نام سمجھ میں نہیں آیا۔ مگر پہلے ان کی خدمت میں سلام مسنون اور اشتیاق روز افزوں عرض کرتا ہوں ؎

ایضاً بعد حمد خدا و نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے صحیح و سوال جناب صاحب عالم صاحب کو بندگی اور حضرت مقبول عالم کی شادی کی مبارکباد کہہ عرض کروں کہ میرا کیا حال ہے۔ اضمحلال قویٰ کا حال تحریر ہے۔ کہ کوئی دوست ایسا کہ جس سے تکلف کی ملاقات ہے آجاتا ہے تو اٹھ بیٹھتا ہوں ورنہ پڑا رہتا ہوں جو کچھ لکھنا ہوتا ہے۔ وہ بھی اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔ آج وعدہ پر تو میر عبد العزیز صاحب آئے ہیں۔ جب کتابہ میرے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ انکو دیکھ کر اٹھا اصرار کیا انہوں نے جناب شاہ عالم کا خط معہ مسودات اشعار دیا اور فرمایا کہ پرسوں جاؤنگا۔ عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں خط کا جواب اور اصلاحی مسودہ لیجائیں وہ تشریف لے گئے میں لیٹ رہا دن کے سونے کی عادت نہیں ہے جی میں کہا آؤ بیکار کیوں رہو خط کا جواب آج لکھ رکھو۔ اُٹھے کون۔ بکس کھولے کون لڑکوں کی دوات قلم ڈھونڈھتے پھریں پلنگ کے پاس رکھوا ادب مقتضی اس کا ہوا۔ کہ آغاز نامہ بنام اقدس ہو۔ حضرت نسخہ تالیف یہ ان تیسری مرتبہ نظر میں مکمل ہو کر مسودات ایک کاتب کے حوالے ہوئے آٹھ جزو لکھے گئے۔ کم و بیش نو جزو باقی ہیں۔ پرسوں تک آجائیں گے۔ بعد اس کے انطباع کی فکر ہو گی۔ جب وہ عزیمت امضا پذیر ہو جائیگی۔ حضرت کی نظر سے بھی شرف پائے گی۔ حضرت سید عالم کو نیاز خورشید عالم کو سلام چودھری صاحب کو نہ سلام نہ نیاز صرف یہ پیام کہ ہم تمہارے تند کو منسوخ ہونے بھی باتوں کا مزا لیتا تھا۔ تیرا قافیہ معلوم ہو جاتی تھی۔ وہ ذائقہ روحانی منقطع کیوں ہوا۔ صاحب یہ دوستی اچھی نہیں گاہ گاہ رسل و رسائل کا ڈر بنا لئے ہے ؎

اور نیز سید مقبول عالم کی خدمت میں

بنام مولوی عبدالغفور خاں بہادر نسّاخ

جناب مولوی صاحب قبلہ۔ یہ درویش گوشہ نشین جو موسوم باسد اللہ اور متخلّص بہ غالب ہے کرمتِ حال کا شکر گذار اور آئندہ افزائش عنایت کا طالب ہے۔ دفتر بے مثال کو عطیۂ کبریٰ اور موہبتِ عظمیٰ سمجھ کر آپ کا احسان مانا پہلے اس قدر افزائی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ کہ حضرت نے اس ہیچ مرز ہیچمدان کو قابلِ خطاب اور لائق عطا سمجھا۔ میں ہرزہ گو نہیں خوشامد میری خو نہیں۔ دیوان فیض عنوان اسم بامسمّٰی ہے دفتر بے مثال اس کا نام بجا ہے۔ الفاظ متین معانی بلند مضمون عمدہ۔ بندش دلپسند ہم فقیر لوگ علانیہ کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں۔ شیخ امام بخش طرز جدید کے موجد اور پرانی ناہموار روشوں کے ناسخ تھے۔ آپ اُن سے بڑھ کر بصیغۂ مبالغہ نسّاخ ہیں۔ تم حاملِ رموز اُردو زبان ہو سرمایۂ نازش قلمرو ہندوستان ہو۔ خاکسار نے ابتدائے سنِ تمیز میں اردو زبان میں سخن سرائی کی ہے پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نظم و نثر کا عاشق و مائل ہوں۔ ہندوستان میں رہتا ہوں۔ مگر تیغ اصفہانی کا گھائل ہوں جہاں تک زور چل سکا فارسی زبان میں بہت بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر نہ اردو کا ذکر نہ دنیا میں توقع نہ عقبیٰ کی امید میں ہوں اور اندوہ ناکامِ جاوید جیساکہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں ؎

چشم کشودہ اند بکردار ہائے من آئینہ نا امیدم و دزدیدہ شرمسار

ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ اب اور کہاں تک رہوں گا۔ ایک اُردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا ایک فارسی کا دیوان دس ہزار کئی سو بیت کا۔ تین رسالے نثر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہوگئے۔ اب اور کیا ہوگا۔ مدح کا صلہ نہ ملا غزل کی داد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گنوائی۔ بقول طالب آملی علیہ الرحمۃ ؎

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

صحیح تو یوں ہے۔ کہ قوتِ ناطقہ پر دہ تصرف اور قلم میں وہ نعرہ نہ رہا۔ طبیعت میں وہ فراست وہ شور نہ رہا۔ بچپن میں کی مشق کا ملکہ باقی رہ گیا ہے۔ اسی سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں حواس کا بھی بقیہ اسی قدر ہے۔ کہ محضِ گفتار میں موافق سوال جواب دیتا ہوں۔ روز و شب یہ فکر رہتی ہے۔ کہ دیکھئے وہاں کیا پیش آتا ہے۔ اور یہ بال بال گنہگار کیونکر بخشا جاتا ہے حضرت سے یہ التماس ہے کہ آپ جو ابدا کے یادی اور مجھ کو ارسال نامہ کی پیشی کے ہادی ہوئے ہیں جب تک میں جیتا رہوں نامہ و پیام سے۔ اور بعد میرے مرنے کے دعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہئیے گا

والسلام بالوف الاحترام ؛

بنام مرزا یوسف علی خان صاحب عزیز

بھائی تم کیا فرماتے ہو جان بوجھکر ان جان بنے جاتے ہو۔ واقعی عذر ہیں ہر گز نہیں لٹا مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا۔ کہ نہ لٹتا۔ بھائی ضیاءالدین خان صاحب اور ناظر حسین مرزا صاحب ہندی فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لیکر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے۔ سو ان دونوں گھروں پر جھاڑو پھر گئی۔ نہ کتاب رہی نہ اسباب رہا پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں۔ ہاں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ مئی کی گیارہویں ۱۸۵۷ء سے جولائی کی اکتیسویں ۱۸۵۸ء تک پندرہ مہینے کا اپنا حال میں نے نثر میں لکھا ہے۔ اور وہ نثر فارسی زبان قدیم میں ہے۔ کہ جس میں کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ اور ایک قصیدہ فارسی متعارف عربی و فارسی ملی ہوئی زبان میں حضرت فلک رفعت جناب ملکۂ معظمہ انگلستان کی ستائش میں اس نثر کے ساتھ شامل ہے۔ یہ کتاب مطبع مفید خلائق آگرہ میں منشی بخش صاحب حقیر اور مرزا حاتم علی بیگ اور منشی ہرگوپال تفتہ کے اہتمام میں چھاپی گئی ہے۔ فی الحال مجموعہ میری نظم و نثر کا اس کے سوا اور کہیں نہیں اگر جناب منشی امیر علی خان صاحب میرے کلام کے مشتاق ہیں۔ تو نسخہ موسوم بہ دستنبو مطبع مفید خلائق سے منگالیں اور ملاحظہ فرمائیں ؛

بنام قاضی عبدالجمیل صاحب

مخدوم مکرم و معظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کیتی مدتہا بیں! ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے بعد عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کی ارادت میرا ذریعۂ فخر و سعادت ہے۔ دو عنایت نامہ آپ کے اوقات مختلف میں پہنچے۔ پہلے خط کے حاشیہ اور پشت پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی پھیکی کہ حروف اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے اگرچہ بینائی میری اچھی ہے اور میں عینک کا محتاج نہیں لیکن باینہمہ اس کے پڑھنے میں بہت تکلّف کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے جگہ اصلاح کی باقی نہیں چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینک دیا ہوگا۔ اور مقصد میرا اندیشہ آپ کو بھی معلوم ہو جائے آپ خود دیکھ لیں۔ کہ اس میں اصلاح کہاں دی جائے واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجئے۔ اُس میں بین الافراد بین المصرعین فاصلہ زیادہ چھوڑیئے آپ کے خط میں جو کاغذ اشعار کا ہے۔ حروف اس کے روشن ہیں۔ مگر بین السطور مفقود اور اصلاح کی جگہ معدوم آپ کی خاطر سے رنج کتابت اُٹھاتا ہوں اور ان دونوں غزلوں کو بعد اصلاح لکھتا جاتا ہوں مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا۔ اس سے مقابلہ

مقابلہ کر کے معلوم کیجیئے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی اور کیا اصلاح ہوئی اور کونسی بیت موقوف ہوئی۔ مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعہ میں شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر غزل خوانی کر لیتے ہیں۔ وہاں کے مصرعہ طرح کو کیا کیجیئے گا اور اس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیئے گا۔ میں کبھی اس محفل میں جاتا ہوں۔ اور کبھی نہیں جاتا اور یہ صحبت خود چند روزہ ہے۔ اس کو دوام کہاں کیا معلوم ہے۔ ابکے نہ ہو اور اب کے ہو تو آئیندہ نہ ہو۔ والسلام مع الاکرام ۔

ایضاً۔ قبلہ آپ کو خط بھیجنے میں تردد کیوں ہوتا ہے۔ ہر روز چار خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ گاہ گاہ انگریزی بھی ڈاک کے ہر کارے بھی میرا گھر جانتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میرا آشنا ہے۔ مجھ کو جو دوست خط بھیجتا ہے۔ وہ صرف شہر کا نام اور میرا نام لکھتا ہے۔ محلہ بھی ضرور نہیں آپ ہی انصاف کریں کہ آپ لال کنواں لکھتے ہیں۔ اور مجھ کو محلہ بلی ماروں میں خط پہنچتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ خط آپکا کوئی تلف نہیں ہوا۔ جو آپ نے بھیجا۔ وہ مجھ کو پہنچا بات یہ ہے کہ شوقیہ خطوط کا جواب کہاں تک لکھوں میں نے اپنی نامہ نگاری چھوڑ کر مطلب نویسی پر مدار رکھا ہے۔ جب مطلب ضروری التحریر نہ ہو۔ تو کیا لکھوں۔ اب کے آپ کے خط میں تین مطلب جواب لکھنے کے قابل تھے۔ ایک تو وہ رباعی جو آپ نے اس ننگ آفرینش کی مدح میں لکھی ہے۔ اس کا جواب بندگی ہے۔ اور کورنش اور آداب دوسرا امر حافظ کے نہ پہنچنے کا وسوسہ سو اسکا جواب لکھ چکا۔ تیسرا امر جناب مولوی امیاز خان صاحب کا میرے ہاں آنا۔ اور میرا ملال اُن سے بیان کیجیئے گا۔ صبح کو میں ہر روز قلعہ کو جاتا ہوں۔ ظاہرا مولوی صاحب اول روز آئے ہونگے۔ اور میرا اسوقت انکا اوپر موجود نہ ہونا۔ واقعہ مجھ کو بڑا رنج ہوا۔ اگر آپ سے ملیں تو میرا سلام کہیئے گا۔ جب سوار ہو جاتا ہوں تب بھی دو چار آدمی مکان پر رہتے ہیں۔ مولوی صاحب بیٹھے رہتے۔ اگر قلعہ جاتا ہوں تو پہر دن چڑھے آتا ہوں۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں۔

ایضاً۔ پیر و مرشد نواب صاحب کا وظیفہ خوار گویا اس دو کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رام پور آیا ہوں میں کہاں اور بریلی کہاں ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤنگا۔ نمائش گاہ بریلی کی سیر کہاں۔ خود اس نمائش گاہ کی سیر میں جس کو دُنیا کہتے ہیں۔ دل بھر گیا۔ اب عالم بیرنگی کا مشتاق ہوں۔ لا الٰہ الا اللہ لا موجود الا اللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ ۔

ایضاً۔ قبلہ ایک سو بیس آم پہنچے۔ خدا حضرت کو سلامت رکھے دس قلمیں اور ایک چھٹانک بھر سیاہی کہار کے حوالہ کر دی ہے۔ خدا کرے بحفاظت آپ پاس پہنچے۔ میں مریض نہیں ہوں بوڑھا ہوں اور ناتواں۔ گویا نیم جان رہ گیا ہوں۔ ایک کم ستر برس دنیا میں رہا۔ کوئی کام دین کا نہیں کیا افسوس صد ہزار افسوس وہ غزل جو کہا ملا یا تھا۔ وہاں پہنچی جہاں اب میں جانیوالا ہوں یعنی

مدعا یہ کہ گم ہو گئی ٭

ایضاً۔ جناب قاسم صاحب کو سلام اور قصیدہ کی بندگی۔ اگر مجھے قوتِ ناطقہ پر تصرف باقی رہا ہوتا تو قصیدہ کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی مدح میں ایک قصیدہ لکھتا۔ بات یہ ہے کہ میں اب رنجور نہیں۔ تندرست ہوں۔ مگر بوڑھا ہوں۔ جو کچھ حالت باقی تھی۔ وہ اس ابتدا میں زائل ہو گئی اب ایک جسم بے روح متحرک ہوں ع بگیر مردہ شخصم بہ مردی رواں ٭ اس مہینے میں رجب ۱۲۸۵ھ سے ستروان برس شروع ہوا۔ اور اسقام و آلام کا آغاز ہے ٭

ایضاً جناب مخدوم مکرم کو میری بندگی۔ تفقد نامہ ۱۲ ستمبر میں نے پایا۔ حضرت کے سلامت حالی پر خدا کا شکر بجا لایا۔ کوئی محکمہ تخفیف میں آئے کوئی گاؤں مثلاً لٹ جائے۔ آپ کا عہدہ آپ کو مبارک اپنا دولت خانہ سلامت ہاں وہ جو اپنے ابن الخال کا اس محکمہ میں وکیل ہونے کا کھٹکا ہے۔ البتہ بجا ہے جب آپ ظاہر کر چکے ہیں۔ تو آپ کو اس کا اندیشہ کیا ہے حاکم سمجھ لیگا۔ وہ وکیل ہیں۔ محکمہ تفتیش میں نہ رہیں گے مگر صدر امین و سشن جج ہیں کام کریں گے میں تندرست ہوں۔ نہ رنجور ہوں زندہ بدستور ہوں دیکھئے کب بلاتے ہیں۔ اور جب تک جیتا رہوں۔ اور کیا دکھاتے ہیں۔ والسلام بالوف الاحترام ٭

ایضاً جناب قاسم صاحب کو میری بندگی پہنچے۔ مکرمی مولوی غلام غوث خاں صاحب بہادر میر منشی کا قول صحیح ہے۔ اب میں تندرست ہوں پھوڑا پھنسی کہیں نہیں مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر نہ ہو۔ بیس دن صاحب فراش رہا ہوں ستر برس کی عمر جتنا خون بدن میں تھا۔ بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا سن کہاں جو اب پھر تولید دم خون صالح ہو بہرحال زندہ ہوں۔ اور ناتواں اور آپ کی پرسش ہائے دوستانہ کا ممنون احسان والسلام مع الاکرام۔

ایضاً جناب مولوی صاحب آپ کے دونوں خط پہنچے۔ میں زندہ ہوں لیکن نیم مردہ۔ آٹھ پہر پڑا رہتا ہوں اصطلاح میں صاحب فراش ہوں۔ بیس دن سے پاؤں پر ورم ہو گیا ہے کف پا و پشت پا سے نوبت گذر کر پنڈلی تک آماس ہے۔ جوتی میں پاؤں سماتا نہیں۔ بول و براز کے واسطے اٹھنا دشوار سب باتیں ایک طرف درد محلل روح ہے ۱۲۷۷ھ میں میرا نہ مرنا صرف میری تکذیب کے واسطے تھا مگر اس تین برس میں ہر روز مرگ نو کا مزا چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت زیست کی نہیں پھر کیوں جیتا ہوں روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے۔ جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی شغل کوئی اختلاط کوئی جلسہ کوئی مجمع پسند نہیں کتاب سے نفرت شعر سے نفرت جسم سے نفرت۔ روح سے نفرت۔ یہ جو کچھ لکھا ہے۔ بے مبالغہ اور بیان واقع ع خرم آں روز کزیں

منزل ویران بوم۔ ایسے مخمصہ میں اگر تحریر جواب میں قاصر ہوں تو معاف ہوں مجھے کیوں شرمندہ کیا۔ میں اس تمنا و دعا کے قابل نہیں۔ مگر اچھوں کا شیوہ ہے۔ بروں کو اچھا کہنا اس مدح گستری کے عوض میں آداب بجا لاتا ہوں۔

ایضاً۔ جناب قاضی صاحب کو بندگی پہنچے۔ عنایت نامہ کے ورود نے شاد ماں کیا۔ مگر مبہم جو نگارش پذیر تھی۔ اُنھوں نے حیران کیا۔ ابہام کی توضیح اور اجمال کی تفصیل کا مشتاق ہوں آموں کے باب میں جو کچھ لکھا۔ یہ کیوں لکھا۔ اہدا کو دوام کیا ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ بذات خود حادث ہو۔ حضرت اب کے سال ہر جگہ آم کم ہے۔ اور جو کچھ ہے وہ خشک و بے مزہ ہے۔ آم کہاں سے ہو نہ جھاوٹ نہ برسات دریا پایاب ہو گئے۔ کنوئیں سوکھ گئے۔ اثمار میں طراوٹ کہاں سے ہو۔ جناب اس کا خیال نہ فرمائیں۔ اپنے کشف کو غلط کر دونگا۔ برشکال آئندہ تک جیونگا۔ آپکے موہنی آم کھاؤں گا۔

ایضاً۔ حضرت بہت دنوں میں آپ نے مجھے یاد کیا۔ سال گذشتہ ان دنوں میں میں رامپور تھا۔ مارچ ۱۸۶۶ء میں یہاں آگیا ہوں۔ اب یہیں ہوں۔ میں نے آپ کا خط پایا ہے۔ آپ نے سرنامہ پر رامپور کا نام حق لکھا۔ حق تعالیٰ والیٔ رامپور کو صد و سی سال سلامت رکھے۔ اُن کا عطیہ ماہ بماہ پہنچتا ہے۔ کرم گستری استاد پروری کر رہے ہیں۔ میرے رنج سفر اٹھانے کی اور رامپور جانے کی حاجت نہیں خلیفہ حسین علی صاحب رامپور میں مجھ سے ملے ہونگے۔ مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نسیان کا مرض لاحق ہے۔ حافظہ گویا نہ رہا۔ شامہ ضعیف۔ سامعہ باطل۔ باصرہ میں نقصان نہیں۔ البتہ حدت کچھ کم ہو گئی ہے ع پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند۔ بہر حال چونکہ میں دلی میں ہوں۔ اور وہ رامپور گئے ہیں تو البتہ وہ آپ کے پیام جو اس کی زبان کے محول تھے۔ بدستور اُنکی تحویل میں رہے۔ اور مجھ تک نہ پہنچے۔ یہ شہر بہت غارت زدہ ہے۔ نہ اشخاص باقی نہ امکنہ۔ کتاب فروشوں سے کہہ دونگا۔ اگر میری نظم و نثر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ آجائیگا۔ تو وہ مول لے کر خدمت میں بھیجدیا جائیگا ع دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔ ایک دوست کے پاس بقیۃ النہیب والغارۃ کچھ میرا کلام موجود ہے۔ اُس سے یہ غزل لکھوا کر بھیج دونگا۔

ایضاً۔ پیر و مرشد فقیر ہمیشہ آپ کی دعا گذاری میں حاضر رہا ہے جو حکم آپ کا ہوتا ہے اسکو بجا لاتا ہوں۔ مگر معدوم کو موجود کرنا میرے وسع قدرت سے باہر ہے۔ اس زمین میں کہ جس کا آپ نے قافیہ درد دل لکھا ہے۔ میں نے کبھی غزل نہیں لکھی۔ خدا جانے مولوی درویش حسن صاحب نے کس سے اس زمین کا شعر لے کر میرا کلام گمان کیا ہے۔ ہر چند میں نے خیال کیا اس زمین میں میری کوئی غزل نہیں۔ دیوان ریختہ چھاپہ

کا یہاں کہیں کہیں ہے اپنے حافظہ پر اعتماد نہ کرکے اس کو بھی دیکھا۔ وہ غزل نہ نکلی۔ سنئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام پر پڑھ دیتے ہیں چنانچہ انہی دنوں میں ایک صاحب نے مجھے آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیج دیجئے ع اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں۔ میں نے کہا لاحول ولا قوۃ۔ اگر یہ میرا کلام ہو۔ تو مجھ پر لعنت اسی طرح زمانہ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا ؎

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — میرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے سنکر عرض کیا۔ کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اُس پر بقول اُس کے رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور شیر اور بت اور خدا اور جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے۔ بھلا ان دونوں شعروں میں تو اسد کا لفظ بھی ہے۔ وہ شعر میرا کیونکر سمجھا گیا۔ واللہ باللہ وہ شعر خدنگ کے قافیہ کا میرا نہیں ٭

ایضاً۔ آداب بجا لاتا ہوں آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ غزلیں دیکھی گئیں فقیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کلام میں اغلاط و سقام دیکھتا ہوں۔ تو رفع کر دیتا ہوں۔ اور اگر سقم سے خالی پاتا ہوں۔ تو تصرف نہیں کرتا۔ پس قسم خدا کی کہتا ہوں۔ کہ ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی جگہ نہیں۔ سبحان اللہ سر آغاز فصل میں ایسے ثمر ہائے بیش رس کا پہنچنا تو بدیہی اسگونہ میمنت اور شادمانی ہے۔ یہ ثمر بیت النوع اثمار ہے اس کی تعریف کیا کروں۔ اس باب میں کیا چاہتا ہوں۔ کہ میں یاد رہا۔ اور اس کا آپ کو خیال آیا پروردگار آپکو با اینہمہ دل پروری اور کرم گستری و یاد آوری سلامت رکھے۔ جمعہ کے دن دوپہر کے وقت کہار پہنچا۔ اور اُسی وقت خط کا جواب لیکر اور آم کے دو ٹوکرے خالی دیکر روانہ کیا۔ یہاں سے اس کو حسب الحکم کچھ نہیں دیا گیا خاطر جمع رہے ٭

بنام مردان علیخان رعنا

خان صاحب عالیشان مردان علی صاحب کو فقیر غالب کا سلام۔ نظم و نثر دیکھ کر دل بہت خوش ہوا آج اس فن میں تم یکتا ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ بھائی جفا کے مؤنث ہونے میں اہل دہلی و لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں۔ کہ ہتھنی آیا۔ اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم و بیداد مذکر اور جفا مؤنث ہے۔ بے شبہ و شک والسلام مع الاکرام ٭

ایضاً۔ خانصاحب شفیق عالی شان کو میرا سلام۔ کل تمہارا عنایت نامہ پہنچا۔ رامپور کا لفافہ آج رامپور کو روانہ ہوا۔ کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔ نالہ و رائج شعر و غنا

؎ گذرا ہے میرا نالۂ دل چرخ کہن سے — تھا روح کا ہمدم نہ پھرا جا کے وطن سے

نالۂ دل بنا دیا۔ نواب صاحب اُردو کا تذکرہ لکھتے ہیں۔ فارسی غزل تم نے بنیاد لکھی دیکھو صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتہ لکھا سو میں نے دوسرے دن تمہارے خط کا جواب روانہ کیا۔ منشی نولکشور صاحب یہاں آئے تھے مجھ سے ملے۔ بہت خوبصورت اور خوش سیرت دولتمند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ تمہارے مداح اور میں اُن کا ثنا خواں ٭

بنام مولوی عبدالرزاق شاکر

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی عبدالرزاق شاکر کی خدمت میں بعد سلام۔ التماس یہ ہے۔ کہ مولوی صاحب عالی شان مولوی مفتی اسد اللہ خان بہادر کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچا چکے ہیں تو آپ سے عرض کرتا ہوں۔ مگر آپ مفتی صاحب سے کہیے۔ کہ مجھ کو باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے۔ چنانچہ اجزا اُٹھا کر میں نے آپکے سامنے ایک غزل پڑھی تھی۔ جس کے دو شعر قطعہ بند یہ ہیں ؎

ارزندہ گوہرے چو من اندر زمانہ نیست — خود را بخاک رہ گذر حیدر افگنم

منصور فرقۂ علی اللّٰہیان منم — آوازۂ انا اسد اللہ در افگنم

خدا کرے حضرت کو بھی واقعہ یاد ہو۔ اتحاد اسمی دلیل مودت روحانی ہے۔ اخی مکرمی میر قاسم علی خان کو سلام پہنچے۔ سال گذشتہ کی تعطیل کی طرح دلی آکر مجھ سے بے ملے نہ چلے جائیے گا۔ پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام بے اشعار بجہت حک و اصلاح کے پہنچتے ہیں۔ یہ رتبہ میری ارزش کی فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ تو اب زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے پیرانہ سری و ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی و جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے۔ اور یہ حال ہے۔ ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دوستوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اُردو میں نیاز نامے لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط لکھے اور بھیجے تھے ان میں سے جو صاحب الی الآن موجود ہیں۔ عند الضرورت اسی زبان مروج میں مکاتبت و مراسلت کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ پارسی مکتوبوں اور رسالوں اور نسخوں اور کتابوں کے مجموعے اچھا بہ

ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے حال کی نثروں کو کون فراہم کرے۔ جو نثریں کہ مجموعہ و یکجا ہو کر چھاپے
جہاں منتشر ہو گئی ہیں۔ اور آئندہ ہوں انہیں کو جناب مدیت علّت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع
طبائع ارباب فن فرمائے اور میں اب انتہائے عمر ناپائدار کو پہنچ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی
و آلام روحانی سے زندہ درگور ہوں۔ کچھ یاد خدا بھی چاہیئے۔ نظم و نثر کی قلمرو کا انتظام ایزد دانا و توانا
کی عنایت و اعانت سے خوب ہو چکا اگر اس نے چاہا۔ تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہے
گا۔ میں امیدوار ہوں کہ آپ انہیں تذکرہ مختصرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردوئے سادہ و سرسری کو غنیمت
جان کر قبول فرماتے رہیں۔ اور درویش دل ریش و فرو ماندہ کشاکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا
مانگیں۔ اللہ بس ماسوی ہوس ۔

ایضاً۔ قبلہ و کعبہ تقریر پا در رکاب ہے سہ شنبہ چار شنبہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن عازم میرٹھ
ہو دیگا۔ تقریب وہاں کے جانے کی ریشم مرحوم کی تعزیت اور مصطفیٰ خاں کی تہنیت دو چار مہینہ وہاں
رہنا ہوگا۔ اب جو کوئی خط بھیجو تو بھیجیو مکان کا پتہ لکھنا ضرور نہیں شہر کا نام اور میرا نام کافی ہے
خمس بعد اصلاح بھیجا جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ شعر آپ کہتے ہیں۔ اور حظ میں اٹھاتا ہوں جس
اتفاق سے اصلاح خمسہ کے وقت دوست غمگسار یار غار شفیق علامہ روزگار خاتم العلماء والمتبحرین
مولوی مفتی صدر الدین خانصاحب بہادر صدر الصدور سابق دہلی المتخلص بہ آزردہ دام [illegible]
علاوہ مجھ سے ملنے کو غم خانہ پر تشریف لائے ہوئے موجود تھے۔ خمسہ کو دیکھ کر فرمایا۔ حضور کی بلاغت
کی تحسین عربی سجعوں کے میرے ساتھ شریک غالب ہو کر مزے لیتے اور آپ کی شیرینی گفتار
کے وصف میں نادیر عذب البیان اور رطب اللسان رہے۔ اور مجھ سے بقدر میرے معلوم
اور بیان کے آپ کے صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہو کر بہت شاد و خرسند ہوئے نادیدہ
دعائیانہ یعنی محض مشتاقانہ بہ تمنائے ملاقات سلام لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں۔ لہذا میں لکھتا
ہوں قبول فرمائیے گا۔

بنام مولوی عزیز الدین صاحب

صاحب کیسی صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہو دلّی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو جیسی آگے تھی قاسم جان
کی گلی میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ہے ہاں آباد ہے تو یہ

ہے کہ غلام حسین خاں کی حویلی ہسپتال ہے۔ اور ضیاءالدین خاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں۔ اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالیشان انگلستان تشریف رکھتے ہیں۔ ضیاءالدین خاں اور اُن کے بھائی مع قبائل اور عشائر لوہارو میں۔ لال کنوئیں کے محلّہ میں خاک اُڑتی ہے آدمی کا نام نہیں تمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی۔ وہ لاہور گئی ہوئی ہے کھیمی کی دوکان میں کتے لوٹتے ہیں مولوی صدرالدین خاں لاہور میں ایزد بخش تراب علی ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں میں نے آپ جو کردی حکیم احسان اللہ خاں اور میاں غلام نجف اور بہادر بیگ اور نبی بخش خاں سالک جریدہ اُن کی مدینہ ہو گئیں محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ خط بیرنگ بھیجا ہے پوسٹ پیڈ خط اکثر تلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالجمیل صاحب کا خط جس کا آپ نے ذکر لکھا ہے آنکھیں پھوٹ جائیں اگر میں نے دیکھا ہو آپ اُن سے میرا سلام کہئیے اور خط کے نہ پہنچنے کی اُن کو خبر پہنچا دیجئے

بنام مفتی سیّد محمد عبّاس صاحب

قبلہ حضرت کا نوازش نامہ آیا میں نے اسکو حرز بازو بنایا آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایۂ عزت و افتخار ہے فقیر امیدوار ہے۔ کہ یہ دفتر بے معنی سراسر دیکھا جائے نہ پیش نظر دھرا ہے۔ بلکہ اگر دیکھا جائے میں نے جو نسخہ بھجوایا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے نہ مٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی پچ ہے۔ دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں۔ سب صحیح ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد چاہتا ہوں طرز عبارت کی داد چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہ ہوگی۔ گذارش ظرافت سے خالی نہ ہوگی علم و ہنر سے عاری ہوں۔ لیکن پچپن برس سے محو سخن گذاری ہوں مبدا فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے۔ ماخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔ مناسبت خداداد۔ تربیت اُستاد سے حسن و قبح ترکیب پہچاننے فارسی کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا قاطع برہان کا لکھنا کیا ہے۔ گویا پاسی گڑھی میں اُبال آیا لکھا گیا تھا۔ کہ سہام ملامت کا ہدف ہوا ہے۔ کہ یہ ننگ مایہ معارض اکابر سلف ہوا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ کہ حضرت برہان قاطع و قاطع برہان کی ایک نمط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لکھا۔ نیتو نین شکمہ قطع کیا ہے۔ جو آپ نے اس کو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان جیسے تک غیر کے

کسی برہان کو قطع نہ کرے۔ کیونکہ برہان قاطع تمام پائیگی برہان قاطع کی صحت میں جتنی تقریر کیجئے گا وہ قاطع برہان کے صحت ہونے کے کام آئیگی۔ قطعہ تاریخ کا کیا کہنا گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ اس کا گہنا ہے۔ جناب نواب صاحب کا نیاز مند اور بندۂ فرمانبردار ہوں۔ بعد عرض سلام کے شعر کے پسند آنے کا شکرگذار ہوں۔ آپ کے علم و فضل و فہم و ادراک کی جو تعریف کیجائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریداری دکان بے رونق ہے ٭

بنام عضد الدّولہ حکیم غلام نجف خان صاحب

سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف طال بقاؤہٗ تمہارا خط پہنچا۔ جو دم ہے غنیمت ہے۔ اس وقت تک میں مع عیال و اطفال جیتا ہوں۔ بعد گھڑی بھر کے کیا ہو کچھ معلوم نہیں قلم ہاتھ میں لئے پر جی بہت لکھنے کو چاہتا ہے مگر کچھ نہیں لکھ سکتا۔ اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے۔ تو کہہ لیں گے ورنہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ نواسی کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اُسکی ماں کو صبر دے اور رزقہ رکھے میں یوں سمجھتا ہوں کہ یہ چھوکری قسمت والی تھی تمہاری اُستانی تم کو اور ظہیر الدین کو اور اس کی ماں کو اور اس کی بہن کو دعا کہتی ہیں۔ اور میں پیار کرتا ہوں۔ اور دعا دیتا ہوں۔ غالب سہ شنبہ ۱۹ جنوری ۱۸۵۸ء ٭

ایضاً۔ میاں حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے۔ کہ اب تک جیتا ہوں۔ بھاگ نہیں گیا۔ نکالا نہیں گیا۔ لُٹا نہیں کسی محکمہ میں ابھی تک بلایا نہیں گیا۔ معرض باز پرس میں نہیں آیا آئندہ دیکھئے کیا ہوتا ہے شیر زمان خان نے مجھے آگرہ سے خط لکھا اس میں ایک رقعہ شیخ نجم الدین حیدر صاحب کی طرف سے بنام ظہیر الدین کے۔ اب مجھ کو ضرور آ پڑا کہ اس کو تمہارے پاس بھیجوں۔ آدمی کوئی ایسا نظر نہ چڑھا تا چار بطریق ڈاک بھیجتا ہوں۔ اگر پہنچ جائے۔ تو آگرہ کا جواب لکھ کر میرے پاس بھیجدینا۔ میں یہاں سے آگرہ کو روانہ کردونگا۔ غالب مرسلہ دوشنبہ۔ چارم جمادی الاول ۱۲۷۴ھ جواب طلب ٭

ایضاً جمعشنبہ ۱۲ ماہ اکتوبر ۱۸۶۲ء اقبال نشان عضد الدولہ حکیم غلام نجف خان کو غالب علیشاہ کی دعا پہنچے۔ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے تشویش ہے۔ خدا کی قسم میں یہاں خوش اور تندرست ہوں۔ دن کا کھانا ایسے وقت آتا ہے۔ کہ پہر دن چڑھے تک میرے آدمی بھی روٹی کھا چکتے ہیں۔ شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے۔ کئی طرح کے سالن۔ پلاؤ۔ متنجن۔ پسند دونوں وقت روٹیاں خمیری چپاتیاں۔ مربّے اچار میں بھی خوش لڑکے بھی خوش کلوا اچھا ہو گیا۔ سقہ مشعلچی۔ خاکروب سرکار سے متعین ہے حجام اور دھوبی نوکر رکھ لیا ہے۔ آج دو ملاقاتیں ہوئیں

ہیں تعظیم تواضع اخلاق کسی باب میں کمی نہیں۔ ظہیر الدین خان بہادر کو دعا پہنچے۔ یہ خط لیکر تم اپنی دادی صاحبہ کے پاس آجاؤ۔ اور یہ خط پڑھ کر سناؤ۔ اور ان سے کہہ دو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی وہ غلط ہے۔ اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ باقی خیر و عافیت ٭

ایضاً۔ میاں تمہارا خط پہنچا۔ آج میں نے اسکو اپنے خط میں ملفوف کرکے آگرہ کو روانہ کیا تم جو کہتے ہو کہ تم نے کبھی مجھ کو خط نہیں لکھا اور اگر شیخ نجم الدین تمہارا خط نہ آتا تو اب بھی نہ لکھتے انصاف کرو۔ لکھوں تو کیا لکھوں کچھ لکھ سکتا ہوں۔ کچھ قابل لکھنے کے ہے تم نے جو مجھ کو لکھا تو کیا لکھا۔ اور اب جو میں لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں بس اتنا ہی ہے کہ اب تک ہم تم جیتے ہیں۔ زیادہ اس سے تم لکھو گے نہ میں لکھونگا قمرالدین کو جو کہنا اللہ دینے طرف سے پیار کرنا تم کو اور ظہیرالدین کو اور اسکی ماں کو اور اسکی بہن کو اور اسکی لڑکی کو تمہاری ماں دعا کہتی ہے اور دعا دیتی ہے یہ تعویذ حسین خان کے نام کا ہے۔ اس کا حمائل کر دینا۔ اسد اللہ لکھا شنبہ ۲۶ دسمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں تم کو مبارک ہو۔ کہ حکیم صاحب پر سے وہ سپاہی جو ان کے اوپر متعین تھا اُٹھ گیا اور ان کو حکم ہو گیا۔ کہ اپنی وضع پر رہو۔ مگر شہر میں رہو۔ باہر جانے کا اگر قصد کرو۔ تو پوچھ کر جاؤ۔ اور ہر ہفتہ میں ایک بار کچہری میں حاضر ہوا کرو۔ چنانچہ وہ کچے باغ کے پیچھے اُٹھ کے مرزا جاگن کے مکان پر آ رہے ہیں ہے صفدر میرے پاس آیا تھا۔ یہ اس کی زبانی ہے۔ جی ان کے دیکھنے کو چاہتا ہے۔ مگر از راہ احتیاط جا نہیں سکتا مرزا بہادر بیگ نے بھی رہائی پائی۔ اب اس وقت سنا ہے کہ وہ خانصاحب کے پاس آئے ہیں۔ یقین ہے کہ بعد ملاقات باہر چلے جائینگے۔ یہاں نہ رہینگے قدم شریف میں وہ رہتے ہیں۔ آج پانچواں دن ہے۔ کہ حکیم محمود خان مع قبائل اور عشائر پٹیالہ کو گئے ہیں۔ بمقتضائے وقت اپنی سکونت کے مکان چھوڑ کر یہاں آ رہا ہوں اس طرح کہ محل سرا میں زنانہ اور دیوان خانہ میں مردانہ پنشن کی درخواست کا ابھی کچھ حکم نہیں ہوا۔ کلکٹر سے کیفیت طلب ہوئی ہے دیکھئے بعد کیفیت کے جانے کے پنشن ملتا ہے۔ یا جواب۔ پنجشنبہ

۱۷ شعبان ۱۲۷۶ھ مطابق یکم مارچ ۱۸۶۰ء ٭

ایضاً۔ بھائی ہوش میں آؤ۔ میں نے تم کو خط کب بھیجا اور رقعہ میں کب لکھا۔ کہ شیر زمان کا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ ہم نے تو ایک لطیفہ لکھا تھا۔ کہ شیر زمان خان نے میرے خط میں بندگی لکھی تھی اور میں وہ بندگی اس رقعہ میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ بس بات اتنی تھی۔ وہ ہی بندگی لکھی ہوئی گویا لپٹی ہوئی تھی۔ سو حضرت کو پہنچ گئی۔ خاطر عاطر جمع رہے ٭

ایضاً۔ میاں چاول مزے۔ بڑے نہیں۔ لمبے نہیں۔ پتلے نہیں۔ اب زیادہ قصہ نہ کرو۔ پڑے

اور پتلے چاول آئیں۔ ایک روپیہ کے خرید کر کے بھیج دو۔ یاد رہے نئے چاول قابض ہوتے ہیں اور پرانے چاول قابض نہیں ہوتے یہ میرا تجربہ ہے۔ شام کو میر مجد الدین صاحب کہتے تھے۔ کہ حکیم غلام نجف خاں کے پاس ایک کاتب ہے۔ بھائی دس بارہ جزو کی ایک کتاب نثر کی مجھ کو لکھوانی ہے۔ یہ معلوم کرو۔ کہ وہ صاحب روپیہ کے کے جزو لکھیں گے۔ اور روز کس قدر لکھ سکتے ہیں یہ تو اب لکھو۔ اور پھر دوپہر کے بعد اُن کو میرے پاس بھیج دو۔ تاکہ میں ان کو کاغذ اور منقول عنہ حوالہ کروں۔ ظہیر الدین کو دعا کہو اور اس کا حال لکھو۔ غالب ؛

ایضاً۔ حکیم غلام نجف خاں سنو۔ اگر تم نے مجھے بنایا ہے۔ یعنی استاد اور باپ کہتے ہو یہ از روئے تمسخر ہے۔ تو خیر اور از روئے اعتقاد ہے۔ تو میری عرض مانو۔ اور پیارے سنگھ کی تقصیر معاف کرو۔ بھائی انصاف کرو۔ اُس نے اگر حکیم احسن اللہ خاں سے رجوع کی۔ اور وہ تمہارے بھائی بھی ہیں اور تم کو اُن سے استفادہ بھی ہے اگر گھبرا کر حکیم محمود خاں کے پاس گیا تو اُن کے باپ سے تم کو نسبت تلمذ کی ہے۔ ابتدا میں اُن سے پڑھے ہو بس یہ غریب سوائے تمہارے اگر گیا تو تمہارے ہی علاقہ میں گیا۔ وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آکر اب جو حاضر ہوتا ہے۔ تو لازم ہے کہ اُس پر بہ نسبت سابق کے توجہ زیادہ فرماؤ۔ اور بدل اس کا معالجہ کرو۔ التفات کا طالب غالب ؛

ایضاً۔ میاں پہلے ظہیر الدین کا حال لکھو۔ پھر حکیم صاحب کی حقیقت لکھو۔ کہیں اور جائینگے۔ یا یہاں آئیں گے۔ اگر یہاں آئیں گے۔ تو کب تک آئیں۔ پھر تم خط لکھو میاں نظام الدین کو اور اس میں لکھو کہ تم نے غالب کے خط کا جواب نہیں لکھا وہ کہتا ہے کہ میں حیران ہوں۔ کہ نظام الدین اور میرے خط کا جواب نہ لکھیں، خدا جانے مجھ سے ایسی کیا تقصیر ہوئی۔ نجات کا خدا سے اور تم سے اس نامہ کے جواب کا طالب غالب ؛

ایضاً۔ بھائی میں تم کو کیا بتاؤں کہ میں کیا ہوں۔ طاقت یک قلم جاتی رہی ہے۔ پھوڑا بدستور ہے رستا ہے۔ غیر محل اندیشہ نہیں ہے۔ بس رس کر مادہ نکل جائیگا۔ اس سے اور زیادہ خستہ و افسردہ ہوں قبض کہ وہ جانی دشمن ہے ان دنوں میں حد کو پہنچ گیا ہے۔ بہر حال ع مرگے ست بنام زندگانی بحضرت خود کی جگہ ہے۔ ایک مکان دلکشا۔ کوچہ کی سیر۔ بازار کا تماشہ۔ دو کمرے دو کوٹھریاں۔ آتشدان صحن وسیع اس کو چھوڑ کر وہ مکان لوں۔ جو ایک تنگ گلی کے اندر ہے دروازہ وہ تاریک کہ دن کو بغیر چراغ کے راہ نہ ملے۔ ور ڈیوڑھی پہ حلال خوروں کا مجمع گوہ کے ڈھیر کہیں حلال خور کا پگ رکھا ہے۔ کہیں بیل بندھا ہے کہیں گدھا پڑا ہوا ہے۔ خیال فرمائیے کہ خدا نے جائے ایسے مکان میں تم نے وہ مسودہ کیوں نہیں بھیجا

میں خدمت گذاری کو آمادہ ہوں۔ ۱۲۔ نجات کا طالب ۔

ایضاً۔ صاحب تم سچ کہتے ہو۔ بھائی فضل اللہ کی غمخواری اور مددگاری کا کیا کہنا ہے۔ مگر اور سے مجھ کو کہنا نہیں یاد رکھنا کہ وہاں سے مجھے کچھ نہ آئیگا۔ بفرض محال اگر ملا تو ڈھائی سو روپیہ سود بھی مجھے بھائی فضل اللہ خاں کا دینا ہے۔ انکا قرض ادا ہو جائیگا ماحیاناً اگر خلاف میرے عقیدے کے پانسو روپیہ کا حکم ملا۔ اور وہ آجائیں تو تم بعد اطلاع ڈھائی سو میاں فضل اللہ کو دیکر مجھ کو لکھنا۔ باقی کے واسطے میں جسطرح لکھوں۔ اس طرح کرنا۔ او صاحب شیخ چلی بنا خیالی پلاؤ پکالیا اب روداد سنو۔ نواب صاحب کا اخلاص و التفات روز افزوں ہے آج منگل کا دن ۲۹ جمادی الثانی کی اور ۲۴ اکتوبر کی ہے۔ کھانے کی اور گھوڑوں اور بہلیوں کے گھانس دانے کی نقدی ہو گئی۔ لیکن اس میں میرا فائدہ ہے نقصان نہیں دسمبر کی پہلی سے جشن شروع ہوگا۔ ہفتہ دو ہفتہ کی مدت اس کی ہے۔ بعد جشن کے رخصت ہونگا۔ خدا چاہے تو آخر دسمبر تک تم کو آ دیکھتا ہوں۔ ظہیر الدین خان کو دعا ۔

ایضاً صاحب کل آخر روز تمہارا خط آیا میں نے پڑھا۔ آنکھوں سے لگایا۔ پھر بھائی ضیاء الدین خانصاحب کے پاس بھجوایا۔ یقین ہے کہ انھوں نے پڑھ لیا ہوگا۔ ما کتب فیہ معلوم کیا ہوگا۔ تمہارے یہاں نہ ہونے سے ہمارا جی گھبراتا ہے۔ کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین کا آنا یاد آتا ہے۔ کہو اب خیر سے کب آؤگے برس کے جینے کے دن دکھاؤگے یہاں کا حال جیسا کہ دیکھ گئے ہو بدستور ہے ع زمین سخت ہے آسمان دور ہے۔ جاڑا خوب پڑ رہا ہے تونگر غرور سے۔ مفلس سردی سے اکڑ رہا ہے۔ آبکاری کے بندوبست جدید نے مار اعرق کے نہ کھینچنے کی قید شدید نے مارا ادھر انسداد دروازہ آبکاری ہے۔ ادھر ولایتی عرق کی قیمت بھاری ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مولوی فضل رسول صاحب حیدر آباد گئے ہیں مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں۔ محی الدولہ شمشیر جنگ بہادر سورتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے پر یہ نہیں معلوم کہ وہاں انکو کیا پیش آیا ہے۔ اگر تم معلوم کرسکو یا کچھ تم کو معلوم ہو گیا ہو۔ تو مجھ کو ضرور لکھو زیادہ کیا لکھوں کیوں ظہیر الدین خاں کیا میں اس لائق نہ تھا۔ کہ تو ایک خط مجھ کو الگ لکھتا یا اپنے باپ کے خط میں اپنے ہاتھ سے اپنی بندگی لکھتا حکیم غلام نجف خاں لکھنے بیٹھے تیری بندگی لکھ دی۔ تیرے فرشتوں کو خبر نہیں اس بندگی کے آگے آنے کی تجھے کیا خوشی غالب صبح یکشنبہ ۱۷ جنوری سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ بھائی میرا ذکر سنو۔ ہر شخص کو غم موافق اس کی طبیعت کے ہوتا ہے۔ ایک تنہائی سے نفور ہے ایک کو تنہائی منظور ہے تامل میری موت ہے۔ میں کبھی اس گرفتاری سے خوش نہیں رہا۔ پٹیلے جانتے ہیں ایک بیکی اور لذت تھی۔ اگرچہ مجھ کو دولت تنہائی میسر آجاتی ہے۔ لیکن اس تنہائی چند روزہ اور تجرید مستعار کی کیا خوشی خدا نے لا دلد رکھا تھا شکر بجا لاتا تھا خدا نے میرا شکر مقبول و منظور نہ کیا یہ بلا بھی قبیلہ داری کی شکل کا نتیجہ ہے۔ یعنی جس لوہے کا طوق اُسی لوہے کی دو ہتھکڑیاں بھی پڑگئیں پھر اس کا کیا رونا ہے۔ یہ قید جاودانی ہے۔ جناب حکیم صاحب ایک روز از راہ عنایت یہاں آئے کیا کہوں کہ انکے دیکھنے سے دل کیا خوش ہوا ہے۔ خدا انکو زندہ رکھے۔ میاں میں کثیر الاسباب شخص ہوں اصلاً۔

سینکڑوں بلکہ ہزاروں دوست اس باسٹھ برس میں مر گئے۔ خصوصاً اس فتنہ و آشوب میں تو شاید کوئی میرا جاننے والا نہ بچیگا۔ اس راہ سے مجھ کو جو دوست اب باقی ہیں، بہت عزیز ہیں۔ واللہ دعا مانگتا ہوں کہ اب ان احباب میں سے کوئی میرے سامنے نہ مرے۔ کیا معنی کہ جو میں مروں کوئی میرا یاد کرنیوالا اور مجھ پہ رونے والا بھی تو دنیا میں ہو۔ مصطفیٰ خان کا حال سنا ہوگا۔ خدا کرے سزا سے چھوٹ جائے ورنہ حبس ہفت سالہ کی تاب اس ناز پروردہ میں کہاں۔ احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں۔ تحقیق ہوا۔ گویا اس نام کا آدمی شہر میں تھا ہی نہیں۔ پنشن کی درخواست دے رکھی ہے۔ بشرط اجرا بھی میرا کیا گذارہ ہوگا۔ ہاں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ میری صفائی اور بیگناہی کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ موافق قول عوام چولہے دلدر نہ ہوگا۔ تجھ کو میری جان کی قسم اگر میں تنہا ہوتا تو اس وجہ قلیل میں کیسا فارغ البال اور خوشحال رہتا۔ یہ بھی خبط ہے جو میں کہتا ہوں۔ خدا جانے پنشن جاری ہوگا یا نہ ہوگا۔ احتمال تحصیل و تنعم بشرطِ تجرد بصورت اجرائے پنشن میں سوچتا ہوں اور وہ موہوم ہے۔ بیدل کا شعر مجھ کو مزا دیتا ہے ؎

نہ شام ما را سحر نویدی نہ صبح ما را دم سپیدی
چو حاصل ماست نا امیدی غبار دنیا بفرق عقبیٰ . . .

اس وقت جی تم سے باتیں کرنے کو چاہا۔ جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔ زیادہ کیا لکھوں۔ از غالب۔

بنام حکیم غلام نجف خان

جان و جاناں و از جان و جاناں عزیز تر حکیم غلام نجف خان سلمہ اللہ تعالیٰ قبلہ یہ تو معلوم ہوا کہ بعد قتل ہونے دس آدمی کے کہ دو اس میں عزیز بھی تھے۔ یہ سب وہاں سے نکالے گئے۔ مگر صورت نہیں معلوم کہ کیونکر پیادہ یا سوار۔ تہیدست یا مالدار۔ مستورات کو تو رتھیں دیں تھیں ذکور کا حال کیا ہوا۔ اور پھر وہاں سے نکلنے کے بعد کیا ہوا۔ کہاں گئے اور کہاں رہینگے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے مورد تفقد و ترحم ہیں یا نہیں۔ رنگ کیا نظر آتا ہے جبر کسر کی توقع ہے یا نہیں۔ تفضل حسین خان کا حال خصوصاً اور ان سوالات کا جواب عموماً لکھو۔ مرزا تفضل میرا حقیقی بھانجا کہ وہ منشی خلیل الدین خان مرحوم کا خویش ہے۔ اُس کی بی بی ہے۔ اور شاید ایک یا دو بچے بھی ہیں۔ اور غائب ہے۔ یہ امر کہ وہ بھی قافلہ کے ساتھ ہوگا۔ اگر آپ کو معلوم ہو تو اس کا حال بہ انفراد لکھئے۔ خواجہ جان اور خواجہ امان کی حقیقت بھی بشرط اطلاع ضرور فرمایئے۔ اور ہاں صاحب آپ جانتے ہونگے علی محمد خان کو وہ جو منشی عزیز اللہ خان کا خویش ہے۔ اگر کچھ اس کا ذکر بھی سنا ہو تو میں اس کا خیر طلب ہوں۔ [illegible]

[illegible] بھائی تمہارے رقعہ کا جواب پہلے تم کو شیر زمان خان نے دیا ہوگا۔ پھر ضیاء الدین خان نے تم سے کہا ہوگا۔ کہو کوئی صورت شہر میں تمہارے آنے کی ٹھیری یا نہیں۔ ابد تیس کوس اور آدھ کوس کا برابر ہے۔ میری جان تم ہنوز دو جانے میں ہو۔ مجھ کو نہ جانتے ہو۔ کہیں شہر میں رہنا پاتا ہوں سرکار کے نہیں اور باہر نکل نہیں سکتا۔ نہیں پھر میں کیا کروں

کیونکر وہاں آؤں شہر میں تم ہوتے تو جرأت کرکے تمہارے پاس چلا آتا شیر زمان خان ایک بار آئے تھے کہہ گئے تھے کہ پھر بھی آؤنگا۔ مگر نہیں آئے۔ خدا جانے اُس کے والد کی رہائی ہوئی یا نہیں اگر تم سے ملیں تو میرا سلام کہنا اور ان کو میرے پاس بھیج دینا اور تم کو اُن کے والد کا جو حال اُن کی زبانی معلوم ہوا ہو وہ مجھ کو لکھ بھیجو۔ ظہیر الدین کو دُعا۔ اسد غالب۔

دلبستا بھائی ہاں غلام فخر الدین خان کی رہائی زندگی دوبارہ ہے خدا تم کو مبارک کرے سنا ہے کہ لوہارو بھی ان دونوں صاحبوں کو مل گیا یہ بھی ایک تہنیت ہے۔ خدا سب کا بھلا کرے۔ مجھ کو ڈپٹی کمشنر نے بلا بھیجا تھا۔ صرف اتنا ہی پوچھا کہ غدر میں تم کہاں تھے۔ جو مناسب تھا وہ کہا گیا اور ایک خط آمد ولایت پڑھ لیے گئے۔ تفصیل لکھ نہیں سکتا انشاء اللہ پنشن کا بحال و برقرار رہنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہنوز دس مہینے پیچھلے ملتے نظر نہیں آتے۔ میاں یہ الور میں کیا فساد برپا ہوا ہے۔ خدا خیر کرے واسطے خدا کے تم کو معلوم ہو جاوے اُس سے مجھ کو بھی اطلاع دینا۔ غالب ؎

ایضاً۔ برخوردار سعادت و اقبال نشان حکیم غلام نجف خان کو میری دُعا پہنچے۔ تمہاری تحریر پہنچی۔ تم جداگانہ خط کیوں نہ لکھا کرو۔ خط لکھا اور بیرنگ یا پوسٹ پیڈ جس طرح چاہا اپنے آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھیج دیا۔ اور مکان کا پتہ ضرور نہیں ڈاک گھر میرے گھر کے پاس ڈاک منشی میرا آشنا۔ اب تم ایک کام کرو۔ آج یا کل ڈیوڑھی پہ جاؤ۔ اور جتنے خط جمع ہیں۔ وہ لو ماں سنگی مضبوط کاغذ کا لفافہ کرو۔ اور بیرنگ لکھ کر کلیان کے ہاتھ ڈاک گھر میں بھجوا دو اور اپنے خط میں جو حال شہر میں نیا ہو۔ وہ مفصل لکھو۔ جناب حکیم صاحب کو سلام نیاز اور ظہیر الدین احمد خان کو دعا کہنا اب میرا حال سنو تعظیم و توقیر بہت ملاقاتیں تین ہوئی ہیں ایک مکان کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہے رہنے کو ملا ہے یہاں پتھر تو دعا کو بھی میسر نہیں خشتی مکان گنتی کے ہیں۔ کچی دیواریں اور کھپریل سارے شہر کی آبادی اسی طرح پر ہے۔ مجھ کو مکان ملے ہیں۔ وہ بھی ایسے ہیں ہنوز کچھ گفتگو درمیان میں نہیں آئی میں خود اُن سے ابتدا نہ کروں گا وہ بھی مجھ سے بالمشافہ نہ کہینگے مگر بواسطۂ کارپردازان سرکار دیکھوں۔ کیا کہتے ہیں اور کیا مقرر کرتے ہیں میں سمجھتا تھا۔ کہ میرے پہنچنے کے بعد جلد کوئی صورت قرار پائیگی لیکن آج تک کہ جمعہ آٹھواں دن میرے پہنچنے کو ہے۔ کچھ کلام نہیں ہوا۔ کھانا دونوں وقت سرکار سے آتا ہے۔ اور وہ سب کو کافی ہوتا ہے۔ غذا میرے بھی خلاف طبع نہیں پانی کا شکر کس مُنہ سے ادا کروں ایک دریا ہے۔ کوسی سبحان اللہ اتنا میٹھا پانی کہ پینے والا گمان کرے کہ یہ پھیکا شربت ہے صاف سبک گوارا سریع النفوذ اس آٹھ دن میں قبض و انقباض کے صدمہ سے محفوظ ہوں۔ صبح کو بھوک خوب لگتی ہے اٹھ کے بھی تندرست۔ آدمی بھی توانا۔ مگر ہاں عنایت ایک دو دن سے کچھ بیمار ہے۔ بخیر اچھا

ہو جائیگا۔ والدعا۔ جمعہ ۳ فروری ۱۸۶۰ء

ایضاً۔ میاں تم نے بُرا کیا۔ کہ لفافہ کھول کر نہ پڑھ لیا۔ بارے آج سہ شنبہ ۱۴ فروری صبح کے وقت یہ لفافہ پہنچا۔ اور اسی وقت پڑھوایا گیا۔ خط لفٹنٹ گورنر بہادر کا نہیں یہ خط نواب گورنر جنرل بہادر کے چیف سیکرٹر کا ہے ترجمہ اس کا یہ ہے۔ از دفتر خانہ سیکرٹر اعظم۔ حکم دیا جاتا ہے۔ عرضی دینے والے کو کہ جواب اسی عرضی کا نواب گورنر جنرل بہادر بعد دریافت کے ارشاد فرمائینگے از کیمپ لودھیانہ ۲۸ جنوری ۱۸۶۰ء یہاں کا یہ حال ہے۔ کہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر آگرہ مراد آباد گیا چاہتے ہیں مراد آباد یہاں سے بارہ کوس ہے۔ نواب صاحب دو چار دن میں پھر آئیں گے۔ اگر ان کی ملاقات کو مراد آباد جائینگے۔ میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ اگرچہ گورنر غرب و شمال کو دلی سے کچھ علاقہ نہیں مگر دیکھوں کیا گفتگو درمیان آتی ہے جو واقعہ ہوگا تمہیں لکھونگا۔ یہ تم کیا لکھتے ہو کہ گھر میں خط جلد جلد لکھا کرو۔ تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمہاری اُستانی کو لکھتا ہوں کیا تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ جاؤ اور پڑھ کر سناؤ ـــــ اب ان کو خیال ہوگا کہ اگر تیری خط میں کیا لکھا ہے تم یہ خط میرا ہاتھ میں لیجاؤ۔ اور حرف بحرف پڑھ سناؤ۔ لڑکے دونوں اچھی طرح ہیں۔ کبھی میرا دل بہلاتے ہیں۔ کبھی مجھ کو ستاتے ہیں۔ بکریاں۔ کبوتر۔ بٹیریں۔ بجل کنکوا سب سامان درست ہے۔ فروری مہینے کے دو دو۔ ویلے کر دس دن میں اُڑا ڈالے پھر پرسوں چھوٹے صاحب آئے کہ دادا جان کچھ ہم کو قرض حسنہ دو۔ ایک روپیہ دونوں کو قرض حسنہ دیا گیا۔ آج ۱۴ ہے مہینہ دور ہے۔ دیکھئے کے بار قرض لیں گے یہاں کا رنگ نواب صاحب کے آنے پر جو ہوگا۔ اور جو قرار پائیگا۔ وہ مفصل تم کو لکھونگا۔ اور تم اپنے والد کو سُنا دینا اور ہاں بھائی یہ بھی گھر میں پوچھ لینا کہ کلّو سنا تھا تے اندر باہر کی تنخواہ بانٹ دی۔ میں نے تو وفادار اور حلال خور نمک کی بھی تنخواہ بھیج دی ہے۔ غالب سہ شنبہ ۱۴ فروری ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ صاحب تمہارے دو خط متواتر آئے۔ ظہیر الدین کا آگرہ جانا میرا خط اس کا موسومہ تمہارے پاس پہنچنا اور اس کا آگرہ کو روانہ ہونا۔ ظہیر الدین کی دادی کا بعارضہ سرفہ و سعال رنجور ہونا کلّو متا کا مجھ سے خفا ہونا مکان کے رہنے کی اجازت مانگنا فضل حسن سے میرے واسطے دریوزہ نقود کرنا یہ مدارج و مطالب معلوم ہوئے۔ ظہیر الدین کا خط تم نے کیوں کھولا وہ مغلوب الغضب ہے۔ تم پر خفا ہوگا۔ اس کی دادی اس موسم میں ہمیشہ ان امراض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک نسخہ اس کے پاس ماءاللحم ہے۔ وہ کھچوا دو اور ذرا خبر لیتے رہو۔ کلّو تا تھوڑا کہتا ہے۔ وہ مجھ سے کیا خفا ہوگا۔ روپیہ جو فرق میں جمع ہوگا۔ آخر وہی لائیگا۔ خفا ہیں ہوں۔ کہ روپیہ دام دام پایا۔ اور میرا تمسک نہ دیا۔ اور چھٹا عیب کا نہ پاتا مکان کے رہنے کو اور کس طرح لکھوں۔ شہاب الدین خان کو لکھا۔ شمشاد علی بیگ کو لکھا اب

تم کو لکھتا ہوں تعجب ہے کہ یہ چھٹا یا ہوا اکتوبر، نومبر، دسمبر یہ عـہ آگر دونگا۔ بلکہ اگر موقع بنے گا۔ تو یہ سپاہیوں سے بعزتی ہنڈوی بھیجدوں گا۔ اسمٰعیل خان صاحب کو میری دعا کہو۔ اور ایک ڈیوڑھی کی سیڑھی بنوادیں۔ اور حویلی کے پاخانہ کی صورت درست کروادیں۔ ہائے قسمت پر لعنت کہ میاں فضل حسن میرے مربی و محسن نہیں اور سوائے محرومی کے مطلب برآری نہ ہو خدا کرے نہ ہو لونڈوں کا احسان زہر قاتل ہے۔ فضل اللہ خاں میرا بھائی ہے۔ اس کا احسان مجھ کو گوارا۔ سو بار اس سے کہا اور ہزار بار کہونگا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ اس سے زنہار نہ کہئے گا۔ نہ لکھیئے گا۔ اگر کچھ کہو تو فضل سے کہو۔ الآن نواب صاحب دورے سے یا آج شام کو یا کل آجائینگے۔ جشن جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

نجات کا طالب غالب یکشنبہ ۱۲ نومبر ۱۸۶۵ء۔ صبح کا وقت

ایضاً۔ شنبہ ۴ ذیقعدہ و یکم اپریل۔ میاں تمہارا لکھا میرے سر و چشم پر لیکن میرا حال سن لو۔ اور اپنے وہم و قیاس پر عمل نہ کرو۔ پہلے ظہیر الدین کا خط آیا۔ پڑھتے ہی اس کا جواب لکھ رکھا دوسرے دن ڈاک میں بھجوا دیا۔ مضمون بہ تغیر الفاظ یہ تم جو مجھ سے خفگی کی شکایت رکھتے ہو اس کا سبب یہ کہ مجھ میں تمہارا ملنا اور میں افزائی خون کا متلاشی ہوں۔ سو تمہارا خط آیا تیسرے دن اس کا جواب بھجوا دیا بقول

کہ تم سے تو میرا پیارا پوتا

ظہیر الدین اچھا کہ جاتے وقت مجھ سے مل گیا اور وہاں پہنچتے ہی مجھ کو خط لکھا۔ سید ڈاک گھر سے ملتی نہیں خط دونوں پہنچے تھے۔ یہاں کے ڈاک گھر سے ملتی نہیں خط دونوں پہنچے تھے۔ یہاں کے ڈاک گھر میں خلل نہیں کہ میرے وہ دونوں خط رہ گئے ہوں۔ ٹھیکوپور کی ڈاک کے ہرکاروں نے نہ پہنچایا۔ میرا کیا قصور البتہ سر نامہ پر صرف بستی کا نام اور تمہارا نام تھا۔ شاید اس سبب سے خط نہ پہنچا ہو ایسے وقت تمہارا خط آیا۔ میں نے بیٹھے بیٹھے یہ سطریں لکھیں اب عنایت اللہ کو تمہارے گھر بھیجتا ہوں۔ اور پتا منگواتا ہوں۔ کہ پتہ وہاں سے کیا لکھا جاتا ہے لو صاحب عنایت اللہ آیا اور یہ پتہ لایا ہے اور پتہ سر نامہ پر لکھتا ہوں۔ مگر ڈاک کا وقت نہیں رہا کل بھیجدونگا حکیم ظہیر الدین خاں کو دعا۔ بیٹا اب اسوقت مجھ میں دم نہیں دعا پر قناعت کر تیرے خط کا جواب جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ بھیج چکا ہوں تجھ کے پر محنت تو بھی کہو جیتے رہو۔ نواب مصطفیٰ خان کل شہر میں آگئے مع قبائل آئے ہیں ذیقعدہ میں چھوٹے لڑکوں کی ختنہ اور ذی الحجہ میں محمد علی خان کی شادی کریں گے۔ آج پانچواں دن ہے۔ شہر میں مرغ کے انڈے پیاز اور لیے پڑے کہیں کہیں ماحی سے الجھے ہیں۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر دہلی میں آئے۔ دربار کیا میری تعظیم و مجھ پر عنایت بے نہایت

زیادہ کی۔ آؤ گے تو مفصّل سن لوگے۔ نجات کا طالب غالبؔ ۔

ایضاً۔ میاں آج صبح کو تم آئے تھے۔ میں اُس لکٹ کے قصّہ میں ایسا اُلجھا کہ تم سے کہنا بھول گیا۔ اب میر عنایت حسین صاحب تمہارے پاس پہنچیں جس طرح بنے تم کوشش چاہیے تم کو میری جان کی قسم بدل متوجہ ہو کر اس کام کو انجام دو۔ امر سہل ہے۔ کچھ بات نہیں ہے۔ مگر دو روپے سعی خدا کے ہاں سے تم کو بڑا اجر ملے گا اور میں تمہارا ممنون ہونگا۔ نجات کا طالب غالبؔ ۔

ایضاً۔ میاں میں تم سے رخصت ہو کر اُس دن مراد نگر میں رہا۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو میرٹھ پہنچا۔ نواب مصطفیٰ خان نے ایک دن کو لیا آج شنبہ ۱۲ جنوری یہاں مقام ہے تو بج گئے ہیں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں۔ بنت کا کھانا ہے خوب پیٹ بھر کر کھاؤں گا۔ کل شاہجہاں پور میں گڑھ مکتیسر ہونگا۔ مراد آباد سے پھر تم کو خط لکھوں گا۔ لڑکوں کے ہاتھ دو خط لکھے ہوئے ان کی دادی کو بھجوا دیئے ہیں تم اس اپنے نام کے خط کو لے کر ڈیوڑھی پر جانا اور استانی جی کو پڑھ کر سنا دینا۔ اور خیر و عافیت کہہ دینا۔ جناب خان صاحب کو میرا سلام نیاز۔ اور ظہیرالدین احمد کو دعا کہہ دینا ہاں بھائی میں اور بے مصلحت اپنے کو مقامات مختلف کا عازم کہہ آیا ہوں۔ اب جو شخص تم سے پوچھا کرے اس سے پردہ نہ کرنا اور صاف کہہ دینا کہ رام پور گیا ہے۔ یعنی سب کو معلوم ہو جائے اور کوئی تذبذب میں نہ رہے۔ مرقومۂ چاشتگاہ شنبہ ۱۲۔ جنوری۔

ایضاً۔ برخوردار حکیم غلام نجف خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ بدھ کا دن پھر دن چڑھا ہوگا۔ کہ میں فقط پالکی پر مراد آباد پہنچا۔ ۲۰ رجمادی الاوّل کی اور ۱۱۔ اکتوبر کی ہے۔ دونوں لڑکے دونوں گاڑیاں اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں۔ آب آتے جاتے ہیں۔ رات بخیر گذرے بشرط حیات کل رامپور پہنچ جائیں گے۔ گھبرایا ہوا ہوں۔ تیسرا دن ہے پاخانہ پھرنے کو۔ لڑکے بخیر و عافیت ہیں۔ اپنی استانی سے کہہ دینا مرزا شہاب الدین حکیم کو نواب ضیاء الدین کو سلام پہنچا رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔ ضرور ضرور ظہیرالدین دعا سے خفا ہوگا۔ اس کو میری بندگی کہنا۔ غالبؔ ۔

بنام حکیم ظہیرالدین احمد خان صاحب

پنجشنبہ ۲ نومبر ۱۸۶۲ء اقبال نشان حکیم ظہیرالدین احمد خان کو فقیر غالب علی شاہ کی دعا پہنچے۔ کہو میاں تمہارا مزاج کیسا ہے۔ اور تمہارے بھائی مرزا افضل حسین خان کیسے ہیں اگر ملو تو میری دعا کہنا اور مزاج کی خبر پوچھنا۔ اور اپنے دادا جد کو میری دعا کہنا اور کہنا کہ تمہارا خط میرے خط کے جواب میں تھا

اس میں اور کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔ سنو میاں ظہیر الدین تم اپنی دادی کے پاس ابھی چلے جاؤ۔ اور اُن سے میری اور دونوں لڑکوں کی خیر و عافیت کہو اور یہ پوچھو کہ شہاب الدین خاں ماہ اکتوبر کے مہینے کی تنخواہ کے پچاس روپے پہنچا گیا یا نہیں۔ اور نادر شاہ فضل علی پر جعفر بیگ و خادم حسین کی تنخواہ بانٹ گیا یا نہیں۔ اچھا بیٹا یہ دونوں باتیں اپنی دادی سے پوچھ کر جلد مجھ کو لکھیو۔ جواب کا طالب فقیر غالب۔

از جانب حکیم ظہیر الدین احمد خان بنام نجم الدین حیدر خان صاحب عم الشیاں

جناب فیض مآب چچا صاحب قبلہ و کعبۂ دو جہان کے حضور میں کورنش و تسلیم بجا لاتا ہوں۔ اعتراف دندان سے اس توپ کے مرحمت فرمانے کا شکریہ بجا لاتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا توپ ہے جس کی آواز سے صدمۂ عدم پیدا ہو اور زنبک کے ترک سے بجلی کو پیچ۔ گولہ اس کا خدا کا قہر دھواں اس کا دھویں عشق کی لہر۔ استغفر اللہ کیا باتیں کرتا ہوں جھوٹ سے دفتر بھرتا ہوں۔ کیسی زنبک کیسا دھواں کیسا گولہ یہ تو توپ ہے۔ کہ خیال عوارض کے صرف اس کی آواز سے تمام کا تمام آب ہو جائے۔ اب یاد رہے چچا صاحب! آگے نہ ہنکائیں تو حلوں ہو گولہ چلا کر چاہیں میں سپر دیا تو ظاہر میں کہیں نشان بھی معروف۔ مگر آواز پہ ملا ہے۔ نئی ترکیب اور دنیا کا ردیا ہے۔ ایک آواز اور اس میں یہ اعجاز کہ دوست کو فتح کی شگفت کی صدا سنائے دشمن سنے تو ہیبت سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے آواز کا صدمہ اگر صدائے صور سے ہوتا ہے۔ مگر یہاں بھی کہتے ہیں بنیاد است۔ کہ صور کا نمونہ ہے۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ دیکھو تو کیسی ندرت ہے۔ توپ کا گولہ تو پیچھے رہ جائے۔ اور جو آدمی رہ جائے وہ خفے بائے دانا آدمی اُسے زنجیر کا گولہ کہتا ہے۔ کہ توپ سے نکل کر پھر نہیں آگے جاتا ہے۔ چچا میرے پیارے چچا جان یہ توپ کس نے بنائی اور تمہارے ہاتھ کہاں سے آئی۔ جو دیکھتا ہے دیوانہ ہوتا ہے اب شہر میں جا بجا اسی کا بیان ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ تم جیسے سر پر سلامت رکھے۔ اور ہمیشہ بدولت و اقبال و عز و کرامت رکھے۔

بنام نواب میر ابراہیم علی خاں صاحب بہادر المتخلّص بہ وفا

ولی نعمت کو غالب کی بندگی بسبب ضعف پیری کے خدمت گذاری میں در تک واقع ہو جائے تو معاف رہیں قاصر کبھی نہ رہوں گا۔ انشاء اللہ جلیلہ دونوں غزلوں میں سے ایک غزل جلد اصلاح پا چکی ہے۔ دوسری غزل ہفتہ آئندہ میں پہنچ جائیگی۔ ضعف اعضا اور دوام مرض سے علاوہ اختلال حواس کیا کیا

لکھوں، معزز نہیں ہوئے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خان کا خط آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آزردہ تخلص کی دو غزلیں ہم کو بھی پہنچیں۔ دیکھیے اس سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو پہنچیں۔ مدّعا اس میں ہے۔ کہ اب یہ بھی یاد نہیں آتا۔ کہ آزردہ کا نام کیا ہے۔ اور وہ کون ہے۔ اور کہاں کا ہے۔ شاید اس بندۂ خدا کو حضرت کی غزلیں بھیجی ہونگی۔ خدا کرے کہ وہ بزرگوار میر صاحب کی غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیج دے۔ تو میر صاحب کی خدمت میں بھیجدوں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ان غزلوں کو جواب آتی ہیں دیکھوں گا۔ کہ کاتب میں کی مہر کی خوبی ہے اب میر صاحب قبلہ کو خط بھیجا کیجیے گا۔ لطف و کرم کا طالب غالب ۔ ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سید صاحب قبلہ نواب میر ابراہیم علی خان بہادر کو غالب تباہ کا سلام۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے ... بس شوق قتل ہے۔ اگر گم ہو گئی ہے پھر لکھ کر بھیجیے اور قصور معاف کیجیے یہ غزل جو اس غزل کے بعد بھیجی ہے۔ فی الحال بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ میر صاحب قبلہ سید عالم علی خان بہادر کی دو غزلیں پہنچیں مگر وہ یہ لکھتے ہیں۔ کہ میں رجب کے مہینے میں وطن کو جاؤنگا اور وہاں سے تیرے پاس آؤنگا۔ آج بحساب جنتری ۲۵ - اور انسدے روئیت ۲۶ رجب کی ہے۔ غزلیں اُن کی موجود مگر بھیج نہیں سکتا آپ میری بیگناہی کے گواہ رہیں۔ جدید ضعف نے مضمحل کر دیا ہے حواس بجا نہیں۔ اس مہینے یعنی رجب کی آٹھویں تاریخ سے تپ دق بس شروع ہو گیا ہے۔ غذا باعتبار آمد بعد بندوبست ہو کو پانی سات بادام کا شیرہ ۱۲ بجے آب گوشت شام کو چار کباب تلے ہوئے۔ بس آگے خدا کا نام۔ اں حضرت جناب حکیم احمد حسن صاحب کی تحریر سے کچھ حال ناسازی کا اخوان و احباب سے معلوم ہوا۔ اور وہ علم باعث تو ... متوقع ہوں کہ اس فساد کے رفع ہونے سے وہ اپنی عافیت خاطر منتظر کو آگاہ کیجیے۔ اور اس خط کا جواب مع رسید غزل جلد ارسال فرمایئے اسد ... نجم دسمبر ۱۸۶۶ء رجب کی تاریخ، اوپر لکھ آیا ہوں غ

ایضاً۔ پیر و مرشد جناب سید ابراہیم علی خان صاحب کو بندگی۔ غزل پہنچی ہے۔ خطا نہ رہے تا اغلاط بیرنگ بھیجی ہے۔ قبلہ آپکے بھائی صاحب میر علی خان صاحب مجھ پر کیوں خفا ہیں۔ کہ اپنی غزل نہیں بھیجتے۔ بہر اُن سے خاطر نشان ہو جائے کہ غالب آپ کے دادا کا غلام اور خدمت بجا لانے کو آمادہ ہے۔
... کا طالب غالب نہم ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ

ایضاً۔ مخدوم قبلہ سید احمد حسن صاحب مودودی۔ تسلیم۔ بجناب میر ابراہیم علی خان بہادر ... مقبول ... تصویر تو مجھے پہنچی۔ اور میں نے رسید لکھ بھیجی۔ عجیب ہے کہ آپ کو اس کے پہنچنے میں تردد ہے۔ ... اپنی انکساری کا ... تصویر منشی میاں داد خاں کی معرفت

نذر کی ہے۔ یقین ہے وہ بھی پہنچی ہوگی۔ وہ دونوں غزلیں بعد اصلاح کے بھیجتا ہوں اپنی غزل آپ رہنے دیں اور سید صاحب کی غزل اُن کو حوالہ کردیں۔ منجات کا طالب غالب جمعہ ۱۷۔ اگست ۱۸۶۸ء

ایضاً جناب تقدس انتساب سید صاحب قبلہ والا مناقب عالی شان نواب سید ابراہیم علی خاں بہادر مدظلہ العالی بعد بندگی معروض ہے حضرت سید احمد حسن خاں صاحب مدظلہ العالی کی تحریر سے معلوم ہوا کہ آپ کے گھر مولود مسعود پیدا ہوا۔ ایک عبارت رنگین مرتب کر کے اکمل الاخبار میں میں نے چھپوا دی ہے اور ایک رباعی اور ایک قطعہ اپنا اور ایک قطعہ سید صاحب ممدوح کا جو انہوں نے یہاں بھیجا تھا وہ بھی چھپوا دیا۔ دو قطعہ تاریخی جناب لالہ منظم اور میر فخرالدین مہتمم مطبع نے جو یہاں تاریخیں لکھیں تھیں وہ چھپوا دیں۔ چنانچہ اپنی لکھی ہوئی رباعی اور قطعہ عرض کرتا ہوں۔ رباعی

حق داد بہ سید زبے انعامش　　فرخ پسرے کہ واجب ست اکرامش
تاریخ ولادتش بود بے کم و بیش　　ارشاد حسین خان کہ باشد نامش

قطعہ

غالب بہ طلب سنین ہجری　　معلوم کن از خجستہ فرزند
چوں یک صد و بست چار ماند　　این ست شمار گوہر بند

یہ تو ظاہر ہے کہ ۱۲۸۵ھ ہے جب خجستہ فرزند کے اعداد میں سے ۱۲۸۵ لے لئے تو ایک سو چوبیس بچتے ہیں اُن کو میں نے دلالت عمر مولود قرار دیا حق تعالیٰ اس مولود کو تمہارے سامنے عمر طبیعی کو پہنچائے۔ خط کی رسید کا طالب غالب ۔

بنام مولوی احمد حسن صاحب قنوجی

یا رب یہ ایک خط مجھ کو بڑودہ گجرات سے آیا ہے کاتب نے اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے۔ اُدھر سے اظہار آشنائی ہے۔ میری طرف سے یہ بے حیائی ہے۔ کہ مجھ کو اُنکی اور اپنی ملاقات یاد نہیں آتی۔ سوچتا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی۔ خانۂ نسیان خراب۔ عشرۂ ثمانیہ کے مرحلہ کا رہرو ہوں۔ شاید اگر جیونگا۔ تو اس کا بھی مجھ کو علم نہ رہیگا۔ کہ میں کون ہوں۔ اور کیا ہوں۔ ۷۵ برس کی عمر ہوئی حواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل حواس باطنی میں سے حافظہ زائل بسبب نسیان کے اکثر مطالب ضروری تلف ہو جاتے ہیں خدایا کیا اس عمر میں سب آدمی ایسے خرف ہو جاتے ہیں۔ حیران ہوں کہ آپ کو سید لکھوں۔ مولوی لکھوں۔ قاضی لکھوں خط میں تو خیر کچھ لکھ دونگا۔ خدا جانے کیا عنوان لکھوں۔ بندہ پرور فقیر معاف۔ حضرت کا دل

غبار کدورت سے صاف ہے۔ مولوی عبدالجلیل صاحب سے مجھ کو جو قرابت ہے بلکہ اُن کا احسان مانتا ہوں کہ باوجود
عدم ملاقات ظاہری اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں گویا وہ اپنے ہمیشہ مجھ کو یاد فرماتے رہتے ہیں، نہ آپ کہ بعد
ایک عمر کے ہنگام نامہ بھیجا وہ فراموش اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد دلوایا ہے۔ بہرحال تمہارا دعاگو ہوں۔ بغیر
جو بعد اس خط کے جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں۔ کب ملے تھے کہاں ملاقات ہوئی تھی۔ یہ بعد التجا
جان جاؤں نثر کے شیوۂ دلنواز کا ڈھنگ اچھا ہے۔ خود تمہاری تحریر سے معلوم ہوا۔ شاعری بھی تو تم نے
کیا ہے۔ نامہ نگار کا حال بہ سبیل اجمال یہ ہے۔ کہ بیماری سے محفوظ ہوں اور احکام کی عنایات سے محفوظ
رہا ہوں۔ بیوفائی کا داغ نہیں رکھتا۔ عشق تو بیکار ہے شکوہ جو ہے زندگی کا ڈھنگ اچھا دیکھتا ہوں۔ دیکھئے
مرنے کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔ یہ کرم مخدوم آپ کے بنام یعنی جناب مولوی احمد حسن صاحب عالی مقام ظاہر
بہت مہربانی فرماتے ہیں۔ کہ اس گمنام گوشہ نشین کو حضرت نے سلام لکھا ہے۔ میری طرف سے سلام اشتیاق
تمام پہنچائیے۔ والسلام۔ راقم جواب طلب ہوں۔ طالب اسداللہ المتخلص بہ غالب:

ایضاً مخدوم مکرم مولوی سید احمد حسن خاں صاحب یاد کریں۔ کہ یہ دو جلیس گوشہ نشین تمہارا دوست اور تمہارا
دعاگو ہے۔ تمہاری نثر کی طرز پسند تمہاری خواہش مقبول، سید احمد حسن صاحب کی قدردانی منظور۔

عشق نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۶۵ برس کی عمر ہوئی ضعف قوی ضعف دماغ۔ فکر رنگ غم عشق۔ جواب سے مجھے دیکھے گئے ہیں۔ میں اب وہ نہیں
ہوں نظم و نثر کا کام صرف بچپن برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے۔ ورنہ وہ جوہر فکر کی درخشندگی کہاں۔ پرانا
پہلوان پیچ بتاتا ہے زور نہیں ہو سکتا۔ بہرحال حکیم صاحب کو میرا سلام کہیے اور کہیے کہ آپ بے تکلف اپنا کلام
بھیجا کریں۔ یہاں سے بعد فکر و اصلاح خدمت میں پہنچ جایا کریگا۔ غالب ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۰ء

بنام حکیم سید احمد حسن صاحب مودودی

حضرت قبلہ پہلے التماس یہ ہے کہ آپ سید صحیح النسب تمام امت مرحومہ محمد علیہ السلام کے قبلہ و کعبہ جب
آپ مجھ کو قبلہ و کعبہ لکھیں تو پھر میں آپ کو کیا لکھوں۔ خدا کے واسطے غور کیجئے کہ قبلہ اور کعبہ یہ کیا
ترکیب ہے چونکہ آپ نے مجھے استاد ٹھہرایا ہے۔ اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجیے نونہار
قبلہ قبلہ کبھی نہ لکھیے گا۔ یہ سوا ادب ہے بہ نسبت قبلہ یاد۔ بارے آپ کا عطوفت نامہ پہنچا میرے
پہلے خط کا بدیر پہنچنا اور اس کی دیر رسی کا سبب مجھ کو معلوم ہوا۔ اب اس کا خیال رکھوں گا یہ اب آپ کو

معلوم ہے کہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمہ باقی نہیں ہے۔ دو یا تین خط کا جواب نہیں پہنچا اس کو یہ سمجھیے کہ وہ خط راہ میں تلف ہوئے اور میرے پاس نہیں پہنچے ؎

بہار گلستان احمد حسن شد یہ سجع کیا بُرا ہے ؏ دل حیدر و جان احمد حسن شد یہ اس سے بھی بہتر ہے نہیں دو لکھیں ایک سجع مہر پر کھدوا لیجیے۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غالب ۱۰ ذی الحجہ

ایضاً حضرت پیر و مرشد۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ غزل بہت سے لکھ گیا ہوں دو غزلیں پہنچتی ہیں جناب مولوی انصار علی صاحب سے مجھ کو تو روشناسی ہے اُن کو میرا سلام کہیے اور کہیے کہ حضرت جناب مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا روبکاریاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف۔ جائداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لفٹنٹ گورنر نے از راہ ترحم نصف جائداد واگذاشت کی اب نصف جائداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ کرایہ پر معاش کا مدار ہے اگرچہ یہ آمد ان کے گذارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بی بی تیس چالیس روپیہ مہینے کی آمد لیکن چونکہ امام بخش صہبائی کی اعیال کی خبر گیری ہے۔ اور دس بارہ آدمی ہیں لہذا فراغ بال سے نہیں گذرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے عشرۂ ثامنہ کا درجہ ہے۔ خدا سلامت رکھے۔ غنیمت ہیں۔ غالب یکشنبہ ۹ جنوری سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ سید صاحب و قبلہ عنایت نامہ مع قصیدہ پہنچا پس ازیں ایک رقعہ نامہ پیر و مرشد سید ابراہیم علی خان صاحب بہادر اور ایک عطوفت نامہ قبلہ و کعبہ سید عالم علی خان بہادر کا پہنچا میں اہل بیت کا غلام اور علی کا خانہ زاد لیکن بوڑھا و ناتواں اور مسلوب الحواس اور بے سر و سامان خدمت بجا لانے میں معذور کیا گنہگار۔ درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا۔ خداوند نعمت کیا تم دلی کو آباد اور قلعہ کو معمور اور سلطنت کو بدستور سمجھے ہوئے ہو جو حضرت شیخ کا کلام اور صاحبزادہ شاہ قطب الدین ابن مولانا فخر الدین علیہ الرحمتہ کا حال پوچھتے ہو۔ این دفتر را گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد قصاب در راہ مرد بادشاہ کے دم تک یہ باتیں تھیں خود میاں کالے صاحب مغفور کا گھر اس طرح تباہ ہوا کہ جیسے جھاڑو دی کاغذ کا پرزہ سونے کا تار پشمینہ کا بال باقی نہ رہا۔ شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ آخر گیا ایک اچھے گاؤں کی آبادی تھی۔ اُن کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک جنگل ہے اور میدان میں قبر اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے رہنے والے اگر گولی سے بچے ہونگے۔ تو خدا ہی جانتا ہوگا۔ کہ کہاں ہیں۔ اُن کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا۔ کچھ تبرکات بھی تھے۔ اب جب وہ لوگ ہی نہیں تو کس طرح سے پوچھوں۔ کیا کروں کہیں سے یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکے گا۔ سید صاحب قبلہ کیوں تکلیف

کرتے ہیں اگر یہی مرضی ہے تو استعفاف و اہل تکلیف محض ہے۔ فقیر بے سوال ہوں۔ اگر کچھ بھیجیں گے۔ سودہ گزرانا کم و بیش پر نظر نہ کریں۔ جتنے کا چاہیں نوٹ خط میں لپیٹ کر بھیجیں۔ والسلام۔ انا اسد اللہ شد۔ روز شنبہ یکم ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً پیر و مرشد تین برس عوارض احتراق خون میں ایسا مبتلا رہا ہوں۔ کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں یہاں آپ کے خطوط آئے ہونگے۔ کوئی خط لے لیا ہوگا۔ کوئی عنوان ناکشودہ پڑا رہا ہوگا۔ البتہ حاجی مصطفےٰ خان کا آنا مجھ کو یاد ہے۔ یقین کرتا ہوں۔ کہ انھوں نے از روئے مشاہدہ میری خستگی تن کا حال حضرت کو لکھا ہوگا اب میں اپنی زبان سے یہ کیونکر کہوں کہ اچھا ہوں۔ مگر بیمار او عوارض میں گرفتار نہیں ہوں بوڑھا۔ بہرا۔ اپاہج۔ بد حواس۔ ناتواں۔ فلک زدہ آدمی ہوں۔ عہد کرتا ہوں کہ جب آپ کا خط آئیگا۔ اس کا جواب لکھونگا۔ جب غزل آئیگی اس کو دیکھ کر بھیجونگا۔ مگر حضرت کے مسکن کا پتہ بھول گیا یہ خط تو مصطفےٰ خاں سوداگر کو بھیجے دیتا ہوں۔ وہ آپ کو بھجوا دینگے۔ آئندہ جو عنایت نامہ لکھیں اس میں مسکن و مقام و شہر کا نام لکھا جائے۔ نجات کا طالب غالب ۲۴ جولائی ۱۸۶۵ء

ایضاً حضرت پیر و مرشد ان دونوں میں اگر فقیر کے عرائض نہ پہنچے ہوں۔ یا ارشاد کے جواب ادا نہ ہوئے ہوں۔ تو موجب ملال خاطر اقدس نہ ہو ؏

اتفاق سفر افتادہ بہ پیری غالبؔ
آنچہ از پائے نیاید ز عصا مے آید

رامپور کی سرکار کا فقیر نمکخوار و وظیفہ خوار ہوں۔ رئیس حال نے مسند نشینی کا جشن کیا مجکو دولت کو معدلت پرور نا واجب ہوا۔ ہفتم اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل وہاں پہنچا بعد اختتام بزم عازم وطن ہوا ہشتم جنوری کو دلی پہنچا۔ غرض راہ میں بیمار رہا پانچ دن مراد آباد میں صاحب فراش رہا۔ اب جیسا فرسودہ و ناتواں تھا۔ ویسا ہوں جواب خطوط مجتمعہ لکھ سکتا ہوں۔ بہرحال ایسا ہوں۔ نواب میر جعفر علی خان مبرور و مغفور کا خاندان سبحان اللہ ؏

این سلسلہ از طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

نواب میر غلام بابا خان میرے دوست اور میرے محسن ہیں۔ راہ و رسم نامہ و پیام مدت سے باہمدگر جاری ہے۔ آپکا حکم بے تکلف مانوں گا۔ جناب میر ابراہیم علی خان صاحب اور حضرت منیر علی خان صاحب کی خدمتگذاری کو اپنا فخر و شرف جانونگا۔ اس وقت بجبس کھولا ہے خطوط اطراف و جوانب دیکھ رہا ہوں پہلے حضرت کے خط کا جواب بطریق اختصار لکھا ہے۔ اب جب اس کا جواب آئے گا تب فقیر حکم بجا لائیگا اسد اللہ۔ چارشنبہ ۱۷ جنوری ۱۸۶۶ء

ایضاً پیر و مرشد آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے ضعف نہایت کو پہنچ گیا۔ رعشہ پیدا ہوگیا۔ بینائی

میں بڑا غفور پڑا ہوا، حواس مختل ہو گئے۔ جہاں تک ہو سکا احباب کی خدمت بجا لایا۔ اوراق اشعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوجھے نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں کہ شاہ شرف بوعلی قلندر کو بسبب کبرسن کے خدا تعالیٰ نے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں متوقع ہوں کہ میرے دوست خدمت اصلاح اشعار مجھ پر معاف کریں۔ خطوط شوقیہ کا جواب جس صورت سے ہو سکے گا دیا کرونگا۔ زیادہ حد آداب۔ راقم اسد اللہ خاں غالب۔ ۱۰۔ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ پیر و مرشد۔ ۷ محرم کا خط کل ۱۰ محرم کو پہنچا۔ آج ۱۱ کو جواب لکھتا ہوں۔ آپ پر اور میر ابراہیم علی خاں اور میر عالم علی خاں پر میری جان نثار ہے۔ مخفی نماند۔ اب یہ ایک غزل آپ تینوں صاحب بھیج دیا کیجئے۔ اسی طرح یہ قصیدہ نورو؟ بعد اصلاح بھیج دیا کرونگا۔ مگر میرے قبلہ و کعبہ واسطے خدا شعرہ منظومہ ارسال نہ فرمائیں گا۔ اس کی اصلاح میری حد مقدور سے باہر ہے۔ بیرنگ شبہ نہیں ہے خط بیرنگ بھیجا یہ خط بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پیڈ کے مخلوط ہونے کا احتمال ہے اور بیرنگ کا نہیں۔ اسد اللہ۔ شنبہ دوم جون ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ قبلہ ڈاک کے ہرکارے نے کل دو خط ایک ساتھ پہنچائے۔ ایک آپ کا خط مع غزل اور ایک نواب میر ابراہیم علی خاں کا خط مع غزل۔ آج تین باتیں ضروری لکھنی تھیں۔ اس واسطے یہ خط آج روانہ کرتا ہوں۔ ایک بات یہ کہ غزل کا کاغذ واپس بھیجتا ہوں۔ نہ اس کو بچا سکوں نہ پانی سے دھو سکوں۔ شہیدی کی غزل اور قافیے میں یہ تغیر ردیف ایسی ہے کہ ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہئے۔ آپ اور غزل لکھئے۔ اس کو ہرگز دیوان میں نہ رکھئے۔ بایں ہمہ اس خط میں لکھنا مناسب ہے کہ میر ابراہیم علی خاں صاحب نے اپنی اصلاحی غزل کی رسید کل کے خط میں لکھ بھیجی۔ آپ اپنے خط میں کس راہ سے لکھتے ہیں۔ کہ وہ غزل اصلاحی مانگتے ہیں۔ اسی فصل میں یہ بھی اطلاع دیتا ہوں۔ کہ آپ کی یہ غزل سلام کر سمجھئے اور نہلا کر سمجھئے اور تاریخ بنائے مسجد دیکھ کر اور اصلاح دے کر آج پانچواں دن ہے کہ ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔ اور دوسری یہ بات ہے کہ آپ سید صاحب کا حال مفصل لکھئے۔ ایسا کہ لاکھ کا ملک بڑودہ کی سرکار سے بپاس محسن کو ملا ہے۔ کہاں سے دو لاکھ روپیہ نذرانہ مانگا جاتا ہے۔ آگے اس راج میں حسام الدین حسین خاں قبیلہ معزز اور مکرم متوسل تھے۔ اور سیر حاصل جاگیر رکھتے تھے۔ سید ابراہیم علی خاں صاحب اسی خاندان میں سے ہیں۔ اور ہاں یہ بھی لکھئے کہ میر عالم علی خاں کو ان سے اور آپ کو ان دونوں صاحبوں سے کیا قرابت ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب نوٹ بھیجئے تو اہل کلکتہ کی طرح آدھا آدھا دو بار کر کے نہ بھیجئے گا۔ میرے نام کا لفافہ جس شہر سے چلے اسی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے تو رہ جائے۔ ورنہ یوں کہ ڈاک خانہ میں پہنچ کر کیا امکان کہ تلف ہو۔

اسد اللہ۔ ۲۵۔ ستمبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ عزیزت یہ آپ کے جد امجد کا غلام ہو گیا۔ کثرت احکام تواتر و وارد اشعار پھر یہ ہنجار کہ سو روپیہ کے نوٹ کی رسید سو بار مانگتے ہو۔ میر ابراہیم علی خاں صاحب کی غزل جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

علی علی جو کہا تا سحر تو یوں سمجھے — کہ ذوالفقار سے کٹتی ہے اب ہماری رات

بعد اصلاح بھیج چکا ہوں اور آپ اس کا تقاضا کئے جاتے ہیں۔ غزلیں آپ کی بنتی ہیں۔ کہاں تک دیکھوں آپکی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔ بہتر برس کا آدمی پھر رنجور دائمی غذا یک قلم مفقود۔ آٹھ پہر میں ایک بار آب گوشت پی لیتا ہوں۔ نہ روٹی نہ بوٹی نہ پلاؤ نہ خشکہ آنکھ کی بینائی میں فرق ہاتھ کی گیرائی میں فرق رعشہ مستولی۔ حافظہ معدوم۔ جہاں جو کاغذ رہا وہ وہیں رہا۔ میر عالم علی صاحب کی دو غزلیں آئی ہوئی ہیں۔ کہیں رکھ کے بھول گیا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ نوٹ عطیہ سیّد صاحب کا آپکے خط میں پہنچا۔ روپیہ وصول ہوا۔ خرچ ہوا۔ اُن کی ایک غزل ساری ہماری رات جس کا ایک شعر اوپر لکھ آیا ہوں بعد اصلاح بھیج چکا ہوں۔ اور کوئی غزل آپکی اب میرے پاس نہیں اور جناب میر عالم علی خاں صاحب کی دو غزلیں یاد ہیں۔ کہ آئی ہیں اگر مل جائیںگی۔ تو بعد اصلاح بھیجوں گا۔ آپ کی غزلیں شمار سے باہر ہیں کس میں دیکھوں گا۔ کتابوں میں ڈھونڈونگا۔ مدعا یہ کہ آپ اور وہ دونوں سید صاحب اس کا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں۔ جب وہ غزل اور اس خط کا جواب پہنچ جائے۔ تب دوسری غزل خط میں ملفوف ہو کر بھیجی جائے۔ اور خط ہر صاحب کا جدا ہو۔ آپ یہ میرا خط غور سے پڑھ لیں اور وہ دونوں سیّد صاحبوں کو پڑھوائیں از روئے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں۔ اسد یک رنگ۔ ۱۸۔ اکتوبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ سید صاحب قبلہ و کعبہ سیّد احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کا سلام پہنچے وہ جو آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے نجات ہے سو محض غلط ہے۔ آگے ناتواں تھا۔ اب نیم جان ہوں خط نہیں لکھ سکتا۔ ایک لڑکے سے یہ چند سطریں لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں وہ غریب لکھتا گیا ہے۔ آپ سیّد ہیں اور تبرک ہیں میرے حق میں دعا کریں کہ اب تہتر برس سے آگے نہ بڑھوں اور اگر کچھ زندگی اور ہے تو حق تعالیٰ تھوڑی سی صحت اور طاقت عنایت کرے۔ تاکہ دوستوں کی خدمت بجا لاتا رہوں۔ غالب

۳۔ جولائی ۱۸۶۷ء

ایضاً۔ جناب سیّد صاحب و قبلہ سیّد احمد حسن صاحب کو غالب نیم جان کی بندگی قبول ہو۔ اور یہ عرض بھی قبول ہو۔ کہ جناب معلی القاب نواب ابراہیم علی خاں بہادر کی خدمت میں میری بندگی عرض کریں بالے بصورت تصویر دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچنا معلوم ہوا۔ اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا خدمت بجا لانی نہیں ہو سکتی۔ مگر خیر حضرت کے پیش نظر حاضر رہوں گا۔ عنایت کی نظر رہے۔ میرے حال پہ جواب

نے لکھا ہے۔ نواب صاحب قبلہ کے محل میں اس مہینے میں لڑکا پیدا ہونے والا ہے۔ مجھ کو تاریخ تولد کا خیال رہیگا جب آپکی تحریر سے نوید تولد معلوم کروں گا۔ قطعہ یا رباعی جو کچھ ہوگی وہ بھیجدوں گا۔ اور یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے۔ مجھے اس حکم کی تعمیل بدل منظور ہے۔ جس مہینے تک زندہ رہوں۔ اس مہینے تک خدمت بجا لاؤنگا۔ ۱۷ جولائی ۱۸۶۶ء

بنام تفضل حسین خان صاحب

کیوں صاحب یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و استادی سب پر پانی پھر گیا۔ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے۔ میرا کلام خرید آٹھ دس روپیہ کی سودہ بھی میں یہ کہتا کہ مجھ کو دے ڈالو۔ تم کو مبارک رہے۔ مجھ کو مستعار دیدیں۔ وہیں اسکو دیکھ لوں۔ پھر تم کو واپس بھیج دوں اس طرح کی طلب پر نہ دینا دلیل اس کی ہے کہ مجھ کو جھوٹا جانتے ہو میرا اعتبار نہیں۔ یا یہ کہ مجھ کو آزار دینا اور ستانا بدل منظور ہے۔ وہ کتاب یا ابھی میرے آدمی کو دیدو۔ باللہ و تاللہ اس میں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کر کے تم کو بھیج دونگا۔ اگر تم کو واپس نہ دوں۔ تو مجھ پر لعنت کرنا اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب عاصی رقعہ کو نہ دو۔ تو تم کو آفرین۔ غالب ۔

بنام مرزا حاتم علی صاحب مہر

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے ۔ غلام ساقی کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی ۔ یقین ہے ہمکو بھی لیکن اب اسمیں دم کیا ہے

علاقۂ محبت ازلی کو بحق مان کر اور پیوند غلامی جناب مرتضیٰ علی کو پیمان کر ایک بات اور کہتا ہوں۔ کہ بینائی اگرچہ سب کو عزیز ہے۔ مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے مانا کہ روشناسی اس کے اجزا میں آتی ہے۔ یہ بھی دلیل آشنائی ہے۔ کیا فرض ہے۔ کہ جب تک دید وادید نہ ہو لے اپنے کو بیگانہ یک دگر سمجھیں۔ البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں۔ اگر سمجھیں سلام کے جواب میں خط بھیجنا احسان ہے خدا کرے وہ خط جس میں میں نے آپ کو سلام لکھا تھا۔ آپ کی نظر سے گذر گیا ہو اور اگر نہ پہنچا ہو۔ تو اب مرزا تفتہ سے لیکر پڑھ لیجئے گا۔ اور خط کے لکھنے کے اس احسان کو اس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا کیجئے گا۔ ہائے میجر جان جاکوب کیا جوان مارا گیا ہے۔ سچ اس کا یہ شیوہ تھا کہ اردو کے

فکر کو مانع ہونا اور فارسی زبان میں شعر کہنے کی رغبت دلوانا۔ یہ بھی انہیں میں ہے۔ کہ جن کا میں ماتمی ہوں نیاز کے
دوست مر گئے۔ کس کو یاد کروں۔ اور کس سے فریاد کروں۔ جیوں تو کوئی غمخوار نہیں مروں تو کوئی عزادار نہیں
غزلیں آپ کی دیکھیں سبحان اللہ چشم بد دور۔ اردو کی راہ کے تو سالک ہو۔ گویا اس زبان کے مالک ہو۔ فارسی
بھی خوبی میں کم نہیں مشق شرط ہے اگر کہے جاؤ گے لطف پاؤ گے۔ میرا تو گویا بقول طالب آملی اب یہ حال
ہے۔ ع

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

جب اپنے بے خبر خط کے بھیجے خط مجھ کو لکھا ہو تو کیونکر مجھ کو اپنے خط کے جواب کی نہ تمنا ہو۔ پہلے تو اپنا حال
لکھئے کہ میں نے سُنا تھا آپ کہیں کے صدر امین ہیں۔ پھر اکبر آباد میں کیوں خانہ نشین ہیں۔ اس ہنگامہ میں
آپ کی صحبت حکام سے کیسی رہی۔ راجہ بلوان سنگھ کا بھی حال لکھتا اور یہ کہ کہاں ہیں اور وہ دو ہزار
روپیہ مہینہ جو ان کو سرکار انگریزی سے ملتا تھا۔ اب بھی ملتا ہے۔ یا نہیں ہائے لکھنؤ کچھ نہیں کھلتا کہ اس
بہارستان پر کیا گذری اموال کیا ہوئے اشخاص کہاں گئے خاندان شجاع الدولہ کے زن و مرد کا انجام
کیا ہوا۔ قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر کی سرگذشت کیا ہے۔ گمان کرتا ہوں۔ کہ بہ نسبت میرے تم کو کچھ زیادہ
آگہی ہوگی۔ امیدوار ہوں۔ کہ جو آپ کو معلوم ہے وہ مجھ پر مجہول نہ رہے پتہ مسکن مہاراج کا کشمیری بازار سے
زیادہ نہیں معلوم۔ ظاہرا اسی قدر کافی ہوگا۔ ورنہ آپ زیادہ لکھتے۔ مرزا تفتہ کو دعا کہئے گا۔ اور ان کے اس
خط کے پہنچنے کی اطلاع دیجئے گا جس میں آپ کے خط کی انہوں نے نوید لکھی تھی۔ والسلام۔

ایضاً۔ بھائی صاحب ہر دو تحریر مرزا تفتہ آپ کا کچھ کتابوں کی تزئین کی طرف متوجہ ہونا معلوم ہوا۔
پھر بھائی منشی نبی بخش نے دوبارہ لکھا کہ بہ اجمال لکھتا ہوں۔ بمفصل مرزا حاتم علی صاحب نے لکھا ہوگا
یارب اُن کے دو خط آئے مرزا صاحب نے اگر لکھا ہوتا تو ان کا خط کہیں تو آتا اپنے حسن اعتقاد سے یوں
سمجھا کہ نہ لکھنا بمقتضائے یکدلی ہے۔ جب اپنا کلام سمجھ لیا۔ تو مجھ کو لکھنا کیا ضرور ہے مگر اس کو کیا کروں
کہ جواب طلب باتوں کا جواب نہیں۔ مطبع اخبار آفتاب عالمتاب میں یکم ستمبر ۱۸۵۸ء سے وہاں سے حکیم احسن اللہ
خاں کا نام لکھوا دینا اور دو نمبروں کا اخبار ایک بار بھجوا دینا اور آئندہ ہر ہفتہ اُس کے ارسال کا طور ٹھہرا دینا
کیوں صاحب یہ امر ایسا کیا دشوار تھا۔ کہ آپ نے نہ کیا۔ اور اگر دشوار تھا تو اس کی اطلاع دینی کیا دشوار تھی
شکایت نہیں کرتا پوچھتا ہوں کہ آیا یہ امور مقتضی شکایت ہیں یا نہیں۔ مرزا تفتہ کے ایک خط میں یہ قصہ
لکھ چکا ہوں۔ کیا انہوں نے بھی وہ خط تم کو نہیں پڑھایا۔ ہر چند تحمل دو ڈھائی کوڑی دن ننگ کی وجہ خیال
میں نہ آئی اب حصول مدعا سے قطع نظر میں یہ سوچ رہا ہوں۔ کہ دیکھوں مجھ مہینے بعد یہ حرف ان کے بعد اگر مرزا صاحب

خط لکھتے ہیں۔ تو اس خاص کا جواب کیا لکھتے ہیں جو ابھی شاعر ہوں اگر کوئی مضمون سوجھتا تو میرے خیال میں آجاتا کوئی فقرہ ایسا میرے ذہن میں نہیں آتا کہ قابل سماعت کے ہو میں بھی دیکھوں تم کیا لکھتے ہو۔

ایضاً صاحب میرے عہدۂ وکالت مبارک ہو۔ موکلوں سے کام لیا کیجئے۔ پریوں کو تسخیر کیا کیجئے۔ مثنوی پہنچی جھوٹ بولنا میرا شعار نہیں۔ کیا خوب بول چال ہے انداز اچھا۔ بیان روزمرہ صاف جلیسوں کا استعمال کیا کہوں کیا مزہ دے رہا ہے اس مثنوی نے اگلی مثنویوں کو تقویم پارینہ کر دیا۔ بیان بخشائش ہم گنہگاروں تک کیوں پہنچیگا مگر ہاں اس راہ سے ع کہ مستحق کرمت گنہگارانند۔ بخشش کا متوقع ہوں۔ میں ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھا۔ کہ وہ نسخہ نظم ہے یا نثر ہے۔ اور مضمون اس کا کیا ہے۔ مرزا یوسف علی خان آٹھ دس مہینے سے مع عیال و اطفال اسی شہر میں مقیم ہیں۔ میرے مسکن کے پاس ایک مکان کرایہ کو لے لیا ہے۔ اس میں رہتے ہیں۔ اُن کو خط بھیجو تو میرے مکان کا پتہ لکھ دینا اور یہ بھی آپکو معلوم رہے کہ میرے خط کے سرنامے پر محلہ کا نام لکھنا ضرور نہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام قصہ تمام ہاں یا عزیز کے خط پر میرے مکان کے قریب کا پتہ ضرور ہے۔ دو روز سے شجاع مہر کو دیکھتے ہیں۔ اکثر تمہارا ذکر خیر رہتا ہے وہ تو اب ہر وقت یہیں تشریف رکھتے ہیں رات کو تو پہر چھ گھڑی کی نشست ہر روز رہتی ہے ابھی یہیں سے اٹھ کر گئے ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ اور شجاع مہر کے مداح اور بیان بخشائش کے مشتاق ہیں۔

ایضاً جناب مرزا صاحب آپکا غم فزا نامہ پہنچا۔ میں نے پڑھا یوسف علی خان عزیز کو پڑھوا دیا انہوں نے جو میرے سامنے اس مرحومہ کا اور آپکا معاملہ بیان کیا یعنی اسکی اطاعت اور تمہاری اس سے محبت سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔ سنو صاحب شعرا میں۔ فردوسی اور فقرا میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے۔ کہ فردوسی ہو جائے فقیر کی انتہا یہ ہے۔ کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے عاشق کی نمود یہ ہے۔ کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو۔ لیلی اس کے سامنے مری تھی تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری۔ بلکہ تم اس سے بڑھکر ہوئے کہ لیلی اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری بھئی مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں۔ جس پر مرتے ہیں۔ اسکو مار رکھتے ہیں۔ میں بھی مغل بچہ ہوں۔ عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو مار رکھا ہے۔ خدا ان دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے چالیس بیالیس برس کا یہ واقعہ ہے۔ باآنکہ یہ کوچہ چھٹ گیا۔ اس فن سے میں بیگانہ محض ہو گیا ہوں لیکن اب بھی کبھی کبھی وہ ادائیں یاد آتی ہیں۔ اس کا مرنا زندگی بھر نہ بھولونگا۔ جانتا ہوں کہ تمہارے دل پر کیا گذرتی ہوگی۔ صبر کرو اور اب ہنگامۂ عشق مجازی چھوڑو ؎

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی عشق محمدؐ بس ست و آلِ محمدؐ
اللہ بس ما سوائی ہوس

ایضاً ؎

شرط اسلام بود ورزش ایمان با غیب اے تو غائب زنظر مہر تو ایمان من ست

حلیہ مبارک نظر افروز ہوا۔ جانتے ہو کہ مرزا یوسف علی خان عزیز سے جو کچھ تم سے کہا اس کا منشا کیا ہے۔ کبھی میں نے بزم احباب میں کہا ہوگا۔ کہ مرزا حاتم علی کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے سنتا ہوں کہ وہ طرحداری کا ذکر میں نے مغل جان سے سنا تھا۔ جس زمانہ میں کہ وہ نواب حامد علی خان کے نوکر تھے۔ اور اس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو اکثر مغل سے پہروں اختلاط ہوا کرتے تھے۔ اس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے۔ بہرحال تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پہ مجھ کو رشک نہ آیا کس واسطے میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے تمہارے گندمی رنگ پر رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چنپئی تھا۔ اور دیدہ ور لوگ اس کی ستائش کیا کرتے تھے اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آتا ہے۔ تو چھاتی پہ سانپ سا پھر جاتا ہے۔ ہاں مجھ کو رشک آیا۔ اور میں نے خون جگر کھایا تو اس بات پر کہ ڈاڑھی خوب گھٹی ہوئی ہے۔ وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جی پر کیا گذری۔ بقول شیخ علی حزیں ؎

تا دسترسم بود زدم چاک گریبان شرمندگی از خرقۂ پشمینہ ندارم

جب ڈاڑھی مونچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مسّی بھی چھوڑ دی اور ڈاڑھی بھی مگر یہ یاد رکھئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام۔ مُلّا۔ حافظ۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقہ۔ بھٹیارہ۔ جولاہا۔ کنجڑا منہ پہ ڈاڑھی سر پہ بال فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھی اُسی دن سر منڈایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کیا بک رہا ہوں صاحب بندہ نے دستنبو جناب اشرف الامرا جارج فریڈرک ایڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی نذر بھیجی تھی۔ سوان کا فارسی خط محررہ دہم اپریل مشتمل بر تحسین و آفرین ما نہامہ نوشتہ ڈی بطریق ڈاک آگیا۔ پھر میں نے تہنیت میں لفٹنٹ گورنری کے قصیدہ فارسی بھیجا اس کی رسید میں نظم کی تعریف اور رضامندی پر متضمن خط فارسی بسبیل ڈاک مرقومہ چہاردہم آگیا پھر ایک قصیدہ فارسی مدح و تہنیت میں جناب رابرٹ منٹگمری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں بواسطہ صاحب کمشنر بہادر دہلی بھیجا تھا۔ کل اس کا مہری خط بذریعہ صاحب کمشنر بہادر دہلی آگیا۔ پنشن کے باب میں بھی حکم نہیں ہوا۔ اسباب توقع کے فراہم ہوتے جاتے ہیں۔ دیکھا چاہئے۔ آمدہ درست آید۔ اناج کھاتا ہی نہیں ہوں۔ آدھ سیر گوشت دن کو اور پاؤ بھر شراب

رات کو مل جاتی ہے ؎

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے   تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

اگر ہم فقیر سچے ہیں۔ اور اس غزل کے طالب کا ذوق پکا ہے تو یہ غزل اس خط سے پہلے پہنچ گئی ہوگی والسلام وہ اب پہنچا دیں گے۔

ایضاً۔ مرزا صاحب ہم کو یہ باتیں پسند نہیں پینسٹھ برس کی عمر ہے۔ پچاس برس عالم رنگ و بو کی سیر کی۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے یہ نصیحت کی۔ کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانع فسق و فجور نہیں۔ پیو۔ کھاؤ۔ مزے اڑاؤ۔ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک افشانی کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکر بجا لاؤ غم نہ کھاؤ۔ اور ایسی ہی اپنی گرفتاری سے خوش ہو۔ تو چنا جان نہ سہی منا جان سہی۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں۔ کہ اگر مغفرت ہوگی۔ اور ایک قصر ملا۔ اور ایک حور ملی اقامت جاودانی ہے اور اسی ایک نیک بخت کے ساتھ زندگانی ہے اس تصور سے جی گھبراتا ہے۔ اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہو جائیگی طبیعت کیوں نہ گھبرائیگی۔ وہی زمردیں کاخ اور طوبیٰ کی ایک شاخ چشم بد دور وہی ایک حور بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ ؎

زن نو کن اے دوست در نوبہار   کہ تقویم پارینہ ناید بکار

مرزا تفتہ کے اشعار کی تضمین کا مسودہ دیکھا فکر رسا پایا پسند کر کے بوجہ جہت نا پسند اپنے نام کا خط مع ان اشعار کے مرزا یوسف علی خان عزیز کے حوالہ کیا۔ کرمی نواب محمد علی خان صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے پروردگار ان کو سلامت رکھے۔ مولوی عبدالوہاب کو میرا سلام دو دیکھے مجھ سے فارسی عبارت میں خط لکھوایا میں منتظر ہا کہ آپ لکھنؤ جائینگے وہ عبارت جناب قبلہ و کعبہ کو دکھائیں گے۔ ان کے مزاج اقدس کی خیر و عافیت مجھ کو رقم فرمائیں گے۔ کیا جانو کہ حضرت میرے وطن میں جلوہ افروز ہیں۔ ع یار در خانہ و من گرد جہاں مے گردم۔ اب مجھے اُن سے یہ استدعا ہے کہ دستخط خاص سے مجھ کو خط لکھیں اور لکھنؤ نہ جانے کا سبب اور جناب قبلہ و کعبہ کل حال جو کچھ معلوم ہو وہ سب خط میں درج کریں ہو

ایضاً ؎   مرا بادہ ولیہائے من توان بخشید
خطا نمودہ ام و چشم آفرین دارم

کل دو شنبہ کا دن ۲۰۔ دسمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپ کو شکایت نامہ لکھا۔ اور بیرنگ ڈاک میں بھیدیا۔ دو پہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔ تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔ معلوم ہوا۔ کہ جس خط کا جواب

میں آپ سے مانگتا ہوں۔ وہ نہیں بھیجا کچھ شکوے سے شرمندگی اور کچھ خط کے نہ پہنچنے سے حیرت ہوئی۔ دوپہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا جواب لکھ کر ٹکٹ نکالنے لگا۔ بکس میں سے وہ تمہارے نام کا خط لکھ کر بھول گیا ہوں۔ اور ڈاک میں نہیں بھیجا۔ اپنے نسیان کو لعنت کی اور چپ رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور معاف ہو۔ بعد چاہنے عفو جرم کے آپ کے کل کے خط کا جواب لکھتا ہوں۔ سبحان اللہ حلیوں کی آرائش کے باب میں کیا اچھی فکر کی ہے۔ میرے دل میں بھی ایسی ہی باتیں تھیں۔ یقین ہے کہ متاع تیار ہو جائیگی۔ اما رہ ثمرہ اگر ہو جائیگا۔ تو حرف خوب چمک جائیں گے اس کا خیال ان چار جلدوں میں ہے۔ رہا ۲۰ روپیہ کی ہنڈوی پہنچتے ہی روپیہ وصول کرکے مجھ کو اطلاع دیجئے گا۔ ورنہ میں مشوش رہوں گا۔ حضرت یہاں دو چیزیں مشہور ہیں۔ ان کے باب میں آپ سے تصدیق چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ آگرہ میں اشتہار جاری ہو گیا ہے۔ اور ڈھنڈورا پٹ گیا ہے۔ کہ کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ گیا اور بادشاہی عمل ہندوستان میں ہو گیا۔ دوسری خبر یہ ہے کہ جناب اڈمنسٹن صاحب بہادر گورنمنٹ کلکتہ کے چیف سیکرٹر اکبر آباد کے لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ خبریں دونوں اچھی ہیں۔ خدا کرے سچ ہیں۔ اور سچ ہونا ان کا آپ کے لکھنے پر منحصر ہے۔ ہاں صاحب ایک بات اور ہے۔ اور وہ قابل غور ہے۔ میں نے حضرت ملکہ معظمہ انگلستان کی مدح میں ایک قصیدہ ان دنوں میں کہا ہے تہنیت فتح اور عملداری شاہی ساٹھ بیت ہے منظور یہ تھا کہ کتاب کے ساتھ قصیدہ ایک اور کاغذ مذہب پر لکھ بھیجوں۔ پھر یہ خیال میں آیا۔ کہ دس سطر کے مسطر پر کتاب لکھی گئی ہے۔ یہ بیچ چھپا یا ہوئی اگر یہ چھ صفحہ تین ورق اور چھپ کر اس کتاب کے آغاز میں شامل جلد ہو جائیں تو بات اچھی ہے آپ اور منشی نبی بخش صاحب اور مرزا تفتہ منشی شیو نرائن صاحب سے کہہ کر اس کا طور درست کریں۔ اور پھر مجھ کو اطلاع دیں۔ تو میں مسودہ آپ کے پاس بھیجدوں۔ جب کتاب چھپ چکے تو یہ چھپ جائے دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ چھپے بعد کتاب کے اور لگایا جائے پہلے کتاب سے۔ دوسرے یہ کہ اس کی سیاہ قلم کی لوح الگ ہو۔ اور پہلے صفحہ پر جس طرح کتاب کا نام چھاپتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی چھاپا جائے۔ کہ قصیدہ در مدح جناب ملکہ انگلستان خلد اللہ ملکہا۔ میرا نام کچھ ضرور نہیں۔ کتاب کے پہلے صفحہ پر تو ہو گا۔ ہنڈوی کی رسید اور اس مطلب خاص کا جواب باصواب یعنی نوید قبول جلد لکھئے۔

ایضاً۔ بندہ پرور۔ آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آپ کی مہر انگیز اور محبت خیز باتوں نے غم بیکسی بھلا یا کہاں دھیان لڑائیے کہاں سے دستنبو کی مناسبت کے واسطے یہ بیضا ڈھونڈ

نکالا ہے۔ آفریں آفریں صد ہزار آفریں نظیر مصرعہ اگر یوں ہو تو فقیر کے نزدیک بہت مناسب ہے۔
ع نامۂ نو و سال خویش داد نشان۔ مرزا تفتہ کا خط ہاتھرس سے آیا۔ اُن کے لڑکے بالے اچھے ہیں
آپ گھبرائیں نہیں وہ آتے کے آئے ہیں۔ اگر تمہیں بعض اُن کے آرام نہیں تو اُن کو بغیر تمہارے
چین کہاں۔ صاحب بندہ اثنا عشری ہوں۔ ہر مطلب کے خاتمہ پر بارہ کا ہندسہ کرتا ہوں۔
خدا کرے کہ میرا بھی خاتمہ اسی عقیدے پر ہو ۱۲۔ ہم تم ایک آقا کے غلام ہیں۔ تم جو مجھ سے محبت کرو گے
یا میری غمگساری میں محبت کرو گے۔ کیا تم کو غیر جانوں جو تمہارا احسان مانوں۔ تم سراپا مہر
و وفا ہو۔ واللہ اسم با مسمّٰی ہو۔ مبالغہ اس کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ہوں۔ کہ عبارت کا ڈھنگ
نیا ہے صحیح کا درست پڑھنا بڑی بات ہے۔ اگر غلط ہو جائے تو وہ عبارت نری خرافات ہے بارے
بسبب التفات بھائی منشی نبی بخش صاحب کے صحت الفاظ سے خاطر جمع ہے۔ متوقع ہوں کہ وہ
تکلیف سہیں اور ختم کتاب تک متوجہ رہیں۔ منشی شیو نرائن صاحب نے کاپی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی۔
سب طرح میرے پسند آئی چنانچہ اُن کو لکھ بھیجا ہے۔ اگر ہو سکے تو سیاہی ذرا اور بھی رنگت کی
اچھی ہو۔ ۱۲ حضرت چار جلدیں یہاں کے حکام کو دونگا۔ اور دو جلدیں ولایت کو بھیجوں گا۔ اللہ اللہ
کیا قلت ہے۔ اور کیا اعتماد ہے زندگی پر۔ بہرحال یہ ہوس تھی۔ اور شاید اب یہی ہو۔ کہ اب چھ
جلدوں کی کچھ ترقی اور آرائش کی جائے آپ اور بھائی صاحب اور اُن کا فرزند رشید منشی عبداللطیف
اور منشی شیو نرائن یہ چاروں صاحب فراہم ہوں۔ اور یا جلاس کونسل یہ امر تجویز کیا جاوے کہ کیا کیا
جائے۔ معہذا دو دو روپیہ کتاب سے زیادہ کا مقدور نہیں ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ چار جلدیں
چھ روپیہ میں تیار ہوں۔ پھر میں سوچتا ہوں۔ کہ یارب آرائش کی گنجائش کہاں۔ ناچار چار کتابوں
کی جلد ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ کی اور دو کتابوں کی جلد تین تین روپیہ کی بنائی جائے۔ قصہ مختصر
کیا جائے۔ یا یہی کہہ دیا جائے کہ میری رائے کونسل میں مقبول اور صرف جلدوں کی تیاری
منظور رہی بارہ روپے بھیج دیجئے۔ ۱۲ مطالب اور رقعے تمام ہوئے اور ہم تم زبان قلم باہم
دگر ہم کلام ہوئے ۔ن

"ایضاً"۔ مرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے۔ کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس
سے بزبان قلم باتیں کیا کرو۔ ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی
ہے۔ اتنا تو کہو کہ کیا بات تمہارے جی میں آئی ہے۔ برسوں ہو گئے کہ تمہارا خط نہیں آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت
لکھی۔ نہ کتابوں کا بیوار بھجوایا۔ ہاں مرزا تفتہ نے ہاتھرس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پا پہنچے

کتابوں کے آغا کے اُن کو دے آیا ہوں۔ اور اُنہوں نے سیاہ قلم کی لوحوں کی تیاری کی ہے یہ تو بہت دن ہوئے جو تم نے مجھ کو خبر دی ہے کہ دو کتابوں کی طلائی لوح مرتب ہو گئی ہے پھر اب کتابوں کی جلدیں بن جلنے کی کیا خبر ہے۔ اور ان پانچوں کتابوں کے تیار ہونے میں درنگ کس قدر ہے۔ مہتمم مطبع کا خط پرسوں آیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ تمہاری چالیس کتابیں بعد منہائی لینے سات جلدوں کے اسی ہفتہ میں تمہارے پاس پہنچ جائینگی اب حضرت ارشاد کریں کہ سات جلدیں کب آئیں گی۔ ہر چند کاریگروں کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھوں کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو خدا کرے تینتیس جلدوں کے ساتھیا دو تین روز کے آگے پیچھے یہ سات جلدیں آپ کی عنایت بھی آئیں: تا خاص و عام جابجا بھیجی جائیں۔ میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہیں رہا۔ نواب ضیاء الدین خاں اور نواب حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو میں نے کہا انھوں نے لکھ لیا ان دونوں کے گھر لٹ گئے۔ ہزاروں روپیے کے کتب خانے برباد ہو گئے۔ اب میں اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہوں۔ کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کو کہ وہ خوش آواز بھی ہے۔ اور زمزمہ پرداز بھی ہے ایک غزل میری کہیں سے لکھوا لایا۔ اس نے وہ کاغذ جو مجھ کو دکھایا یقین سمجھنا کہ مجھ کو رونا آیا۔ غزل تم کو بھیجتا ہوں اور صلہ میں اس کا جواب چاہتا ہوں۔ غزل

درد منت کش دوا نہ ہوا / میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو / اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے / لیکے دل دلستاں روانہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما / کام گر رک گیا روانہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب / گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی / بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی / حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں / آج غالب غزل سرا نہ ہوا

ایضاً۔ بھائی صاحب آپ کے خامۂ مشکبار کی صریر نے کتابوں کی لوح طلائی کا آوازہ یہاں تک پہنچایا بلکہ مجھ کو ان کی لوحوں کا خط طلائی مانند شعاع آفتاب نظر آیا کیا پوچھنا ہے اور کیا کہنا ہے۔ مجھ کو تو بموجب اس مصرع کے ع خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست ۔ دل میں خوش ہو کر چپ رہنا ہے۔ حضرت مدح کو ایک موقع ضرور ہے۔ مجھ کو آپ کے حکم کا بجا لانا ضرور ہے ——————— اس نذر کے پہنچنے کے بعد

سے یہ نہ سمجھنا کہ روئے سخن ساری خدائی کی طرف ہے۔ بلکہ خاص یہ اشارہ بھائی کی طرف ہے۔ مولانا حقیر کو توجہ اس باب میں چاہیئے۔ اور ان کا نام بھی اس کتاب میں چاہیئے۔ اس خط کو لکھ بند کر چکا تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ میرے شفیق منشی شیونرائن صاحب کا خط لایا۔ بارے قصیدہ کا مسودہ پہنچ گیا اور منشی صاحب نے اس کا چھاپا قبول کیا۔ یہ تشویش بھی رفع ہو گئی۔ اب اُن سے میرا سلام کہئے گا اور یہ کہئے گا۔ ع
شکر رافت ہائے تو چندانکہ رافت ہائے تو ۔ اور یہ ان کو اطلاع دیجئے گا۔ کہ اخبار کا لفافہ ہرگز مجھ کو نہیں پہنچا ورنہ کیا امکان کہ میں رسید نہ لکھتا ۔

ایضاً۔ خود شکوہ دلیل رفع آزار ایں است   آید بزبان ہر آنچہ از دل بردد

بندہ پرور فقیر شکوہ سے برا نہیں مانتا۔ مگر شکوہ کے فن کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا شکوہ کی خوبی یہ ہے۔ کہ دوست سے شکوہ نہ موڑے اور دھندا دوسرے کیواسطے جواب کی گنجائش نہ چھوڑے کیا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اس عرصہ میں کئی خط بھجوائے اور وہ اُلٹے پھر آئے آپ شکوہ کا ہیکو کرتے ہیں۔ اپنا گناہ میرے ذمہ دھرتے ہیں نہ جاتے وقت لکھا کہ میں کہاں جاتا ہوں نہ وہاں جا کر لکھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ کل آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ آج میں نے اس کا جواب بھجوایا کہئے اپنے دعوے میں صادق ہوں یا نہیں۔ پس دردمندوں کو ستانا اچھا نہیں۔ مرزا تفتہ سے آپ فقط اُن کے خط نہ لکھنے کے سبب سرگران ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ ان دنوں میں کہاں ہیں۔ آج توکلت علی اللہ سکندرآباد خط بھیجتا ہوں۔ دیکھوں کیا دیکھتا ہوں ۔

ایضاً بھائی صاحب تمہارا خط اور قصیدہ پہنچا۔ اصل تمہارا لفافہ میں لپیٹ کر مرزا تفتہ کو بھیجدیا تا کہ حال انکو مفصل معلوم ہو جائے۔ بعد اس رپورٹ کے تم کو تہنیت دیتا ہوں۔ پروردگار بہ تصدق آئمۂ اطہار یہ پیش آمد اقبال تم کو مبارک کرے۔ اور منصب ہائے خطیر و مدارج عظیم کو پہنچائے۔ واقعی یہ کہ تم نے بڑی جرأت کی فی الحقیقت اپنی جان پر کھیلتے تھے۔ بات پیدا کی مگر اپنی مردی و مردانگی سے۔ دولت کا ہاتھ آنا مع نیکنامی اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں اب یقین ہے۔ کہ خدمت منصفی ملے اور جلد ترقی کرو۔ ایسا کہ سال آئندہ تک صدر الصدور ہو جاؤ۔ اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ مغل نے تمہارا ذکر مجھ سے کیا تھا۔ اور وہ اشعار جو تم نے اس کے حسن کے وصف میں لکھے تھے۔ تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے مجھ کو دکھائے تھے۔ اب یہ ایک زمانہ ہے۔ کہ طرفین سے نامہ و پیام آتے جاتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن بھی آجائیگا۔ کہ ہم تم بیٹھیں اور باتیں کریں۔ قلم بیکار ہو جائے۔ زبان برسر گفتار آئے۔ انشاء اللہ خان کا بھی قصیدہ میں نے دیکھا

ہے تم نے بہت بڑھ کر لکھا ہے۔ اور اچھا سماں باندھا ہے زبان پاکیزہ مضامین اچھے تھے معانی نازک مطالب کا بیان دلنشین۔ زیادہ کیا لکھوں؟

ایضاً خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ آپ کو اپنی طرف متوجہ پاتا ہوں۔ مرزا تفتہ کا خط جو آپ نے نقل کر کے بھیجا ہے میں نے منشی شیونراین کو بھیجا ہوا اصل خط دیکھ لیا ہے اگر تم مناسب جانو تو ایک بات میری مانو۔ رقعات عالمگیری یا انشائے خلیفہ اپنے سامنے رکھ لیا کرو جو عبارت اس میں پسند آیا کرے۔ وہ خط میں لکھ دیا کرو۔ خط مفت میں تمام ہو جایا کریگا اور تمہارے خط کے آنے کا کام ہو جایا کریگا۔ اگر کبھی کوئی قصیدہ کہا اُس کا دیکھنا مشاہدہ اخبار پر موقوف رہا ع براتِ عاشقاں بر شاخ آہو ہے

واقعی جو اخبار آگرہ سے دلی آتے ہیں۔ وہ میرے سامنے پڑھے جاتے ہیں۔ صاحب ہوش میں آؤ اور مجھ کو بتاؤ کہ یہاں جو پارسیوں کی دکانوں میں فرنج اور شامپین کے درجن دھرے ہوتے ہیں۔ یا ساہوکاروں اور جوہریوں کے گھر روپیہ اور جواہر سے بھرے ہوتے ہیں۔ میں کہاں وہ شراب پیتے جاؤنگا۔ اور وہ مال کیونکر اٹھاؤنگا۔ بس اب زیادہ باتیں نہ بنائیے اور وہ قصیدہ مجھ کو بھجوائیے۔ میں نے کتابیں جا بجا بسبیل پارسل ارسال کی ہیں۔ اگرچہ پہنچنے کی خبر آئی ہے۔ مگر نوید قبول ابھی کہیں سے نہیں آئی ہے۔ ؎

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

دیکھنا بھائی اس غزل کا مطلع کیا ہے ؎

جور سے باز آئیں پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھ کو مُنہ دکھلائیں کیا

موجِ خوں سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اُٹھ جائیں کیا

لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ
جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

غزل نا تمام ہے

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشان اور
کرتے ہیں محبت تو گذرتا ہے گمان اور

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے
لے آئینگے بازار سے جا کر دل و جان اور

لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور

ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند
ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کمان اور

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زبان اور

ہرچند سبک دست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور

پاتے نہیں راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے رُکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور . . .
مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے جلّاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور
ہیں اور بھی دُنیا میں سخنور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور
دوشنبہ کا دن ۲۰ دسمبر کی صبح کا وقت ہے انگیٹھی رکھی ہوئی ہے آگ تاپ رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں۔ یہ اشعار یاد آ گئے تم کو لکھ بھیجے۔ والسّلام ؏

ایضاً۔ بھائی جان کل جو جمعہ روز مبارک وسعید تھا۔ گویا میرے حق میں روز عید تھا۔ چار گھڑی دن سے نامہ فرحت فرجام اور چار گھڑی کے بعد وقت شام سات جلدوں کا پارسل پہنچا واہ کیا خوب برمحل پہنچا۔ آدمی کو موافق اُس کی تمنا کے آرزو برآنی محال ہے میری آرزو ایسی برآئی کہ وہ برتر از وہم وخیال ہے۔ یہ بناؤ تو میرے تصور میں بھی نہیں گذرتا تھا میں صرف اس قدر خیال کرتا تھا۔ کہ جلدیں بندھی ہوئی دو کی لوحیں زریں اور پانچ لوحیں سیاہ قلم کی ہونگی۔ واللہ اگر تصور میں بھی گذرتا ہو کہ کتابیں اس رقم کی ہونگی۔ جب تک جہان ہے۔ تم جہان میں رہو۔ آئمۃ اطہار علیہم السّلام کی امان میں رہو۔ میرا مقصود یہ تھا۔ کہ ایک شغل اُن چار کے بنجانے نہ یہ کہ دو کتابوں کا سا رنگ دکھلائے۔ اب میں حیران ہوں۔ کہ آیا تمہارے آئمہ نے اُن بارہ ریتوں میں برکت دی یا کچھ تمہارا روپیہ صرف ہوا۔ دو پارسلوں کا محصول دو رجسٹریوں کا معمول۔ تین کتابوں کی لوحیں طلائی یہ ساری بات اُس روپیہ میں کیونکر بن آئی۔ اور کیونکہ معلوم کروں کس سے پوچھوں۔ خدا کرے تم تکلّف نہ کرو۔ اور اس امر کے اظہار میں توقف نہ کرو خفقانی آدمی کو بغیر حالی معلوم آرام نہیں آتا۔ جہاں مجتہد دینی اور روحانی ہوں۔ وہاں تکلّف نہیں آتا۔ زیادہ اس سے کہ شکر گذار ہوں۔ اور شرمسار ہوں کیا لکھوں ؏

ایضاً بندہ پرور آپ کا خط کل پہنچا آج جواب لکھتا ہوں۔ دادِ دینا کتنا شتاب لکھتا ہوں مطالب مندرجہ کے جواب کا بھی وقت آتا ہے۔ پہلے تم سے پوچھا جاتا ہے کہ بار بر کتنی خطوں میں تم کو غم واندوہ کا شکوہ گذار پاتا ہے۔ پس اگر کسی بے درد پر دل آیا ہے تو شکایت کی کیا گنجائش ہے بلکہ یہ غم تو نصیب دوستان درخور افزائش ہے۔ بقول غالب علیہ الرحمۃ ؎

کسی کو دیکے دل کوئی نوا سنج فغاں کیوں ہو نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

یہ ہے حسن مطلع ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ہوئے تم دوست جس کا دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

افسوس ہے کہ اس غزل کے اور اشعار یاد نہ آئے۔ اگر خدانخواستہ یا شدنِ غم دنیا ہے تو بھائی ہمارے

ہمدرد ہو ہم اس بوجھ کو مردانہ اُٹھائے ہیں تم بھی اُٹھاؤ اگر مرد ہو بقول غالب مرحوم ؎

دلا یہ درد و الم ہے تو مغتنم ہے کہ آخر　　نہ گریۂ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

سحر ہو گی۔ خبر ہو گی۔ اس زمین میں وہ شعر یعنی ؎

تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر　　جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں تو ڈرتا ہوں نظر ہو گی

کتنا خوب ہے اور اردو کا کیا اچھا اُسلوب ہے قصیدہ کا مشتاق ہوں خدا کرے جلد چھپا پایا جاوے تو ہمارے دیکھنے میں بھی آجائے۔ تو کیا کہئے۔ یہ زمین ایک بار یہاں طرح ہوئی تھی مگر بحر اور ہی تھی ؎

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہئے　　تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کہئے

ہے نہ جان تو قاتل کو خوں بہا دیجیے　　کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہئے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ　　خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہئے

اور جو فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن یہ بحر ہے اس میں میرا ایک قطعہ ہے۔ کہ وہ میں نے کلکتہ میں کہا تھا۔ تقریب یہ کہ مولوی کرم حسین ایک میرے دوست تھے انہوں نے ایک مجلس میں چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کف دست پر رکھ کر مجھ سے کہا کہ اس کی کچھ تشبیہات نظم کیجئے میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھ کر اُن کو دیا اور صلہ میں وہ ڈلی اُن سے لی۔ اب سوچ رہا ہوں جو شعر یاد آتے جاتے ہیں۔ لکھتا جاتا ہوں۔

قطعہ

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی　　زیب دیتا ہے اُسے جس قدر اچھا کہئے

خامۂ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیئے　　ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

اخگر سوختۂ قیس سے نسبت دیجیے　　خال مشکین رخ دلکش لیلیٰ کہئے

حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض　　نافہ آہوئے بیابان ختن کا کہئے

صومعہ میں اسے ٹھیرائیے گر مہر نماز　　میکدہ میں اسے خشت خم صہبا کہئے

مستی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیئے　　سر پستان پری زاد سے مانا کہئے

غرضیکہ بیس بائیس پھبتیاں ہیں۔ اشعار سب کب یاد آتے ہیں آخر کی بات یہ ہے ؎

اپنے حضرت کے کف دست کو دل کیجے فرض　　اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئے

حضرت آپ کے خط کے جواب نے انجام پایا۔ اب برادر دل سوز برخوردار منشی شیو نرائن نے میرے

دو خطوں کا جواب نہیں لکھا اور وہ خطوط جواب طلب تھے۔ تم اُن کو میری دعا کہو۔ اور کہو کہ میاں میرا کلام بند ہے اس مطلب خاص کا جواب جلد لکھو۔ یعنی اگر وہ کتاب بن چکی ہے۔ تو جلد بھیجو اور اگر اس کے بھیجنے میں دیر ہے تو یہ لکھ بھیجو کہ وہ سیاہ قلم کی لوح کی ہے یا طلائی۔

ایضاً۔ جناب مرزا صاحب دلی کا حال تو یہ ہے ؎

گھر میں تھا کیا جو ترا غم اُسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

یہاں حصر کیا ہے۔ جو کوئی لوٹیگا۔ وہ خبر محض غلط ہے اگر کچھ ہے تو بدیں نمط ہے۔ کہ چند روز گوروں نے اہلِ بازار کو ستایا تھا۔ اہلِ قلم اور اہلِ فوج نے بہ اتفاق رائے ہمدگر ایسا بند و بست کیا کہ وہ فساد مٹ گیا۔ اب امن و امان ہے ناسخ مرحوم جو تمہارے اُستاد تھے۔ میرے بھی دوست صادق الوداد تھے۔ مگر ایک فنی تھے۔ صرف غزل کہتے تھے قصیدہ اور مثنوی سے انکو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ میں وہ رنگ دکھایا۔ کہ انشا کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشعار جو میں نے دیکھے کیا کہوں کیا حظ اُٹھایا ؎

خدا سے میں چاہوں از رہِ مہر
فروغ میرزا حاتم علی مہر

اگر اسی انداز پر انجام پائیگی۔ تو یہ مثنوی کارنامہ اُردو کہلائیگی۔ خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے۔ صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں۔ کہ معیار الشعرا میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا۔ تمہارے ہاتھ کیا آیا۔ سُنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو تو امتیاز کیا ہے۔

بنام منشی نبی بخش صاحب مرحوم

بھائی صاحب آپ کا عنایت نامہ پہنچا حال معلوم ہوا۔ میاں کا عذر مقبول و مسموع حق تعالیٰ انکو زندہ اور تندرست اور خوش و خرم رکھے اور دولت و اقبال عطا کرے۔ بالفعل جناب مرزا حاتم علی صاحب کا خط آیا۔ اُنھوں نے جو صورت چھ کتابوں کی آرائش کی جس تفریق سے تجویز کی ہے وہ مجھ کو پسند آئی ہے۔ کل میں نے ان کو اجازت اسی طرح کی تزئین کی لکھ بھیجی ہے۔ حال تصحیح کا بہ تفصیل تم کو لکھ چکا ہوں۔ اسی پر عمل رہے۔ میں نے مرزا تفتہ کو کہ وہ غیاث اللغات کے بہت معتقد ہیں۔ اس امر کی اطلاع کر دی ہے۔ بھائی جان میں نے ایک قصیدہ جناب ملکۂ معظمہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے۔ ساٹھ شعر ہیں۔ چھ صفحہ یعنی تین ورق پر چھپ کر دستنبو سے پہلے شیرازہ میں شامل کر دیئے جائیں تو کتاب کو قصیدہ سے عزت اور قصیدہ کو کتاب کے سبب سے شہرت ہو جائیگی۔ کل جناب

مرزا صاحب کو یہ خط لکھ چکا ہوں یقین ہے۔ کہ وہ بھی آپ سے کہیں گے اور آپ مرزا صاحب اور مرزا تفتہ اور منشی شیونرائن صاحب اس خواہش کو منظور اور اس قاعدے کو مقبول کریں گے۔ اور جب باتفاق تم چاروں صاحب پسند کرو گے۔ تو گویا باجلاس کونسل اس قانون کا اجرا منظور ہو جائیگا۔ اور امیدوار ہوں۔ کہ اجرائے قانون سے پہلے مجھ کو منظوری کی اطلاع ہو جائے تاکہ مسودہ اس قصیدہ کا بعید دوں مہتمم مطبع کو اگر کچھ تامل ہو تو ہو ورنہ بات آسان ہے۔ منشی عبداللطیف کو دعا کہنا اور ان کے عذر کے مقبول ہونے کی اُن کو اطلاع دینا۔ بیگم کو دعا پہنچے اور سب لڑکے بالوں کو میاں باقر حسین اور علی حسین سلّمہم تم کو بندگی اور اپنے بھائی بہنوں کو علی القدر بمراتب بندگی سلام دعا کہتے ہیں۔ ہاں حضرت اب ایک امر مختصر کے واسطے جداگانہ خط مرزا تفتہ کو کیا لکھوں۔ میری طرف سے دعا کہکر اُنکو کہئیگا۔ کہ اخبار گذشتہ کے اوراق خط مہتمم مطبع عالمتاب حکیم صاحب کو پہنچ گئے۔ کل وہ چار روپیہ کی ہنڈوی اور اُن کے خط کا جواب روانہ کردیں گے۔ آپ چتر بھوج سہائے سے کہہ دیجئے گا۔ اور تاکید کر دیجئے گا کہ چار نمبر سابق کا منتخب کاتب سے نقل کروا کر جلد بھیجدیں۔ بھائی مجھ کو اس معیت میں کیا ہنسی آتی ہے۔ کہ یہ ہم تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت یا مکالمت ہو گئی ہے۔ روز باتیں کرتے ہیں۔ ماشاءاللہ یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ خط سے خط لکھے گئے ہیں۔ مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گذرتے ہیں۔ اگر خط نہ لکھوں گا۔ تو لفافے بناؤنگا۔ غنیمت ہے۔ کہ محصول آدھ آدھ آنہ ہے ورنہ باتیں کرنے کا مزا معلوم ہوتا۔ چارشنبہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۸ء

جو باتیں جواب طلب ہیں۔ اُن کا جواب طلب ہے ۔۔

ایضاً۔ بھائی میں تم کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ آج میرے پاس لکھنؤ کے ایک پارسل کی رسید آگئی۔ دوسرا بھی یقینی پہنچ گیا ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ جناب آنرایبل صاحب بہادر آج تشریف لیگئے سنتا ہوں کہ کلکتہ جائیں گے۔ میم اور بچوں کو ولایت بھیجکر پھر آئیں گے مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں۔ اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں۔ کہ قیامت تک اُن کا شکر گذار رہونگا۔ مرزا حاتم علی صاحب اگر آجائیں۔ تو اُنکو میرا سلام کہنا مرزا تفتہ کو اگر کبھی خط لکھو تو میری دُعا لکھنا۔ اسد اللہ غالب مرقوم دوشنبہ ہفتدہم جنوری ۱۸۵۹ء

بنام منشی عبداللطیف صاحب ابن نبی بخش

صاحب آگے تمہارا ایک خط پھر بارہ کتابوں اور ایک جنتری کا پارسل پہنچا بعد اُس کے کل ایک خط اور آیا ریڈر صاحب کے وہاں آنے کا حال معلوم ہوا۔ آج ۶ دسمبر کی ہے۔ ۷ کو بموجب تمہارے لکھنے کے وہ وہاں جانیوالے ہیں۔ اور مجھ کو معلوم ہے کہ میرٹھ آئیں گے۔ دو دن کے بعد بمقام میرٹھ خط روانہ

کروں گا خاطر جمع رکھو۔ وہ صاحب جہر جیسا لکھیں مجھ کو اطلاع دینا۔ رہی تمہاری نہر اُس کا کچھ خیال نہ کرو وہ جس طرح تم نے لکھا ہے۔ بنجائیگی۔ مگر بجائی ۱۸۵۸ء میں دن کے باقی رہے ہیں۔ آج ۶ دسمبر کی ہے۔ ۲۴ و ۲۵ دن باقی رہے ہیں ۱۸۵۹ء جنوری مہینے میں خدا چاہے۔ تو کھد جائیگی تم میرے بجائے فرزند ہو۔ میرے بھتیجے ہو۔ جو تمہارا کام ہو بے تکلف کہو شرم کیا اور تکلف کیوں یہ نہر کا کھدنا کونسا کام ہے۔ میرزا حاتم علی صاحب ملیں تو میرا سلام کہنا۔ اور میرزا تفتہ کو خط لکھو تو میری سفارش لکھ دینا وہ مجھ سے خفا ہو گئے ہیں اور خط نہیں لکھتے۔ غالب ۶ دسمبر ۱۸۵۸ء

بنام خواجہ غلام غوث خانصاحب میر منشی المتخلص بہ بیخبر

قبلہ اس نامہ مختصر نے وہ کیا جو پارہ ابر کشت خشک سے کرے۔ یعنی خط اور پارسل کا پہنچ جانا ایسا نہیں کہ اسکی خبر پاکر بخت کی رسائی کا سپاس گذار نہ ہوں۔ یہ تو حضرت کو لکھ چکا ہوں۔ کہ دوسرا پارسل اور خط ایک ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اور ہرگز نہ توقع کا خیال اسی پارسل پر ہے۔ کس واسطے کہ اس خط میں حاکم اعظم کے نام کی عرضی ملفوف ہے۔ جانتا ہوں کہ محکمہ ایک ڈاک ایک دونوں پارسل اور معلوم لفافے ایک دن پہنچے ہونگے مگر دل نہیں مانتا اور کہتا ہے - کہ نہ مانوں گا جب تک کہ حضرت اس سرنوشتہ سے معلوم کر کے نہ لکھیں گے۔ اب آپ جانیئے اور یہ دل سودا زدہ میں اس کی سفارش کرنے والا اور اس کے مدعا کا گذارش کرنے والا کون۔ ہاں اتنی بات ہے کہ آپ لکھ سکتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی آپ مجھ پر حالی کر سکتے ہیں کہ نذر ولایت کی ولایت کو روانہ ہوئی یا نہیں۔ میری جگر کاوی کی قدردانی ہوئی یا نہیں۔ پیشگاہ حکام سے موافق دستور کے خط کا امیدوار ہوں یا نہیں اپنی حسن طبع کا شکر گذار ہوں یا نہیں اس خط کا جواب جتنا جلد عنایت کیجئے گا۔ مجھ کو جلا لیجئے گا۔ لو ہارو کا خط ایک معتمد کے ساتھ بھیج دیا گیا ؏

ایضاً۔ قبلہ کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے۔ کہ کوئی ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے۔ وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے۔ پنشن قدیم اکیس مہینے سے بند۔ اور میں سادہ دل فتوح جدید کا آرزومند پنشن کا احاطہ پنجاب کے حکام پر مدار ہے۔ سوال کا یہ شیوہ اور یہ شعار ہے۔ کہ نہ روپیہ دیتے ہیں نہ جواب نہ مہربانی کرتے ہیں۔ نہ عتاب خیر اُس سے قطع نظر کی۔ اب سنئے اودھ کی ۱۸۵۶ء سے بموجب تحریر وزیر عطیہ شاہی کا امیدوار ہوں۔ تقاضا کرتے ہوئے شرماؤں اگر گنہگار رہوں۔ گنہگار ٹھہرتا گولی یا پھانسی سے مرتا اس بات پر کہ میں بیگناہ ہوں۔ مقید اور مقتول نہ ہونے سے آپ اپنا گواہ ہوں پیشگاہ گورنمنٹ

کلکتہ میں جب کوئی کاغذ بھجوایا ہے۔ تعلق چیف سیکرٹر بہادر اس کا جواب پایا ہے اب کے بار دو کتابیں بھیجیں۔ ایک پیش کش گورنمنٹ اور ایک نذر شاہی ہے نہ اُس کے قبول کی اطلاع نہ اُس کے ارسال سے آگاہی ہے۔ جناب ولیم میور صاحب بہادر نے بھی عنایت نہ فرمائی اُن کی بھی کوئی تحریر مجھ کو نہ آئی۔ یہ سب ایک طرف۔ اب خبریں ہیں مختلف۔ کہتے ہیں کہ چیف سیکرٹر بہادر لفٹنٹ گورنر ہوئے یہ کوئی نہیں کہتا۔ کہ اُن کی جگہ کونسے صاحب عالی شان چیف سیکرٹر ہوئے مشہور ہے کہ جناب ولیم میور صاحب بہادر صدر بورڈ بھی تشریف لے گئے یہ کوئی نہیں بتاتا کہ لفٹنٹ گورنری کے سیکرٹری کا کام کس کو دیگئے آپ کا حال کوئی نہیں کہتا کہ اب کہاں ہیں۔ ہاں از روئے قیاس جانتا ہوں۔ کہ آپ اسی منصب اور اسی دفتر میں شاد و شادمان ہیں۔ جواب لفٹنٹ کے سیکرٹری ہوئے ہونگے۔ اُن سے علاقہ رہتا ہوگا۔ میور صاحب بہادر سے کاہے کو ملنا ہوتا ہوگا۔ لفٹنٹ گورنری اور صدر بورڈ یہ دونوں محکمہ الہ آباد آگئے یا آئیں گے بہر حال آپ اب کیوں آگرہ کو جائینگے نواب گورنر جنرل بہادر کی روانگی کی خبر میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے۔ کہ ۲۰ جنوری کو گئے۔ کوئی کہتا ہے فروری میں کوچ فرمائیں گے۔ میں تو ادھر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ ہر طرح اپنی قسمت کو رو بیٹھا مگر یہ چاہتا ہوں حقیقت واقعی پر کماحقہٗ اطلاع حاصل ہو تاکہ تسلی خاطر اور تسکین دل ہو۔ اگر ان مطالب کا جواب نہ مجمل بلکہ مفصل نہ دیر بلکہ جلد مرحمت کیجئے گا۔ تو گویا مجھ کو مول لے لیجئے گا۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں نو

ایضاً۔ جناب عالی۔ آج دوشنبہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پہر دن چڑھا ہوگا۔ کہ ابر گھر رہا ہے ترشح ہو رہا ہے ہوا سرد چل رہی ہے پینے کو کچھ میسر نہیں ناچار روٹی کھاتی ہے ؎

افق ہا پر از ابر بہمن ہمی
سفالینہ جام من از مے تہی

غمزدہ و دردمند بیٹھا تھا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط لایا۔ سرنامہ کو دیکھ کر اس راہ سے کہ دستخط خاص کا لکھا ہوا ہے۔ بہت خوش ہوا۔ خط کو پڑھکر اس رو سے کہ حصول مدعا کے ذکر پہ حاوی نہ تھا۔ افسردگی حاصل ہوئی ہے ؎

ما خانہ رمیدگان ظلمیم
پیغام خوش انعیا بامنیت

اس افسردگی میں جی چاہا۔ کہ حضرت سے باتیں کروں یا لکھ خط جواب طلب نہ تھا۔ جواب لکھنے لگا پہلے تو یہ سنئے کہ آپکے دوست کو آپ کا خط پہنچ گیا مگر وہ دوبارہ مجھ کو لکھ چکا ہے۔ کہ میں جواب اس کا نشان مرقومہ لفافہ کے مطابق ڈاک میں بھیج چکا ہوں۔ جواب الجواب کا منتظر ہوں آپ جانتے ہیں۔ کہ کمال یاس مقتضی استغنا ہے۔ پس اب اس سے زیادہ یاس کیا ہوگی۔ کہ بامید مرگ جیتا ہوں اسس راہ

سے کچھ مستغنی ہوتا چلا ہوں۔ دو ڈھائی برس کی زندگی اور ہے ہر طرح گذر جائیگی۔ جانتا ہوں کہ تم کو ہنسی آئیگی کہ یہ کیا بکتا ہے۔ مرنے کا زمانہ کون بتا سکتا ہے۔ چاہئے الہام سمجھئے چاہئے وہم سمجھئے۔ بیس برس سے یہ قطعہ لکھ رکھا ہے۔ قطعہ

من کہ باشم کہ جاوداں باشم ‏ چوں نظیری نماند و طالب مُرد
در بگوئید در کدامی سال ‏ کمرو غالب بگو کہ غالب مُرد

اب بارہ سو چھہتر ہیں اور غالب مُرد کی بارہ سو ستتر ہیں۔ اس عرصہ میں جو کچھ مسرت پہنچنی ہو۔ پہنچ لے ورنہ پھر ہم کہاں ۞

ایضاً۔ پیر و مرشد یہ خط ہے یا کرامت ہے۔ صاف صفائی ضمیر و کشف حجت کی علامت ہے مدعا ضروری التحریر اور اندیشہ نشان مسکن دامنگیر۔ اگر یہ خط کل نہ آجاتا تو آج خط کیونکر لکھا جاتا سبحان اللہ جس وقت یہاں مجھ کو وہ مطلب خیر پیش آیا ہے۔ اسی دن آپ نے وہاں لکھنے کو قلم اٹھایا ہے۔ آپ کو عارف کامل کیونکر نہ لکھوں۔ اور کیا کہوں علی نہ کہوں۔ مدعا بیان کرتا ہوں۔ مگر یہ گمان کرتا ہوں۔ کہ یہ خط پہنچنے نہ پائیگا۔ کہ وہ راز سربستہ آپ پر کھل جائیگا۔ یعنی یکشنبہ ۲۸ نومبر کو دو خط اور دو پارسل ایک میں دستنبو کا ایک مجلد اور ایک میں تین مہر مع سبیل ڈاک روانہ کر چکا ہوں۔ خطوں کا چوتھے پانچویں دن پارسلوں کا چھٹے ساتویں دن پہنچنا خیال کرتا ہوں۔ پارسلوں کے عنوان پر خطوں کی معیت رقم کی ہے۔ اور خطوں کے سرنامہ پر پارسلوں کے ارسال کی اطلاع دی ہے۔ تین کتاب والے پارسل اور ایک خط پر جناب میکرٹرعدم کا اسم سامی ہے۔ آج پانچواں دن ہے۔ خط دونوں اگر پہنچ گئے ہوں۔ تو کیا عجب ہے۔ بلکہ یوں ہے۔ کہ اگر نہ پہنچے تو بڑا غضب ہے۔ اگلے عرائض کے نہ پہنچنے میں کچھ شک نہیں۔ جواب امر آخری دو خط میں اس کا پتہ آج تک نہیں اب کار پرداز ان ڈاک ڈاکو نہ بن جائیں۔ اور میرے ان دونوں خطوں اور پارسلوں کو بہ احتیاط پہنچا ئیں۔ حرف عنایت کی گنجائش تو آپ جب پائیں۔ کہ وہ خط اور پارسل پہنچ جائینگے۔ ابھی تو آپ سے مجھ کو ان کے نہ پہنچنے کا سوال ہے۔ کس واسطے کہ جب تک آپ مجھ کو اطلاع نہ دیں گے اُن کے نہ پہنچنے کی بھی خبر مجھ تک پہنچنی محال ہے۔ بہر حال یہ نیاز نامہ جس وقت پہنچے اس کے دوسرے دن جواب لکھیئے۔ جیسا میں نے جلد لکھا۔ ایسا ہی آپ بھی شتاب لکھئے آپ کے عنایت نامہ میں کوئی امر ایسا نہ تھا۔ کہ جس کا جواب لکھا جائے یا اس باب میں کچھ اور عرض کیا جائے۔ نوہارو کی روانگی کا خط آئے گا۔ نوہارو کو بھیجدیا جائیگا۔ جناب منشی نواب جان صاحب اور جناب منشی الٰہی حسین صاحب میں اور آپ میں اگر ربط بے تکلف

ہو۔ تو ان صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام نیاز پہنچانے میں نہ توقف ہو۔ ع

تم سلامت رہو قیامت تک ٭

ایضاً۔ مولانا بندگی۔ آج صبح کے وقت شوقِ دیدار میں بے اختیار۔ نہ ریل نہ ڈاک۔ توسنِ ہمت پر سوار چل دیا ہوں۔ جانتا ہوں کہ تم تک پہنچ جاؤں گا۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ کہاں پہنچوں گا۔ اور کب تک پہنچوں گا۔ اتنا بے خود ہوں۔ کہ جب تک تم جواب نہ دوگے۔ نہیں جانوں گا۔ کہ کہاں پہنچا اور کب پہنچا۔ آپ کا پہلا خط رامپور سے دلّی آیا میں راہ میں تھا۔ پھر دلّی سے خط رامپور پہنچا میں وہاں بھی نہ تھا۔ خط دلّی روانہ ہوا۔ اب کئی دن ہوئے۔ کہ میں نے ڈاک سے پایا اس حال میں کہ میں بیمار تھا۔ مہینہ اجاڑے کی شدت جہاں سے کا مہینہ دھوپ کا پتہ نہیں پڑے چھٹے ہوئے۔ نشیمن تاریک۔ آج نیرِ اعظم کی صورت نظر آئی۔ دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ خط لکھ رہا ہوں۔ حیران کہ کیا لکھوں۔ اس خط کے مضامین اندوہ فزا نے دل کو مضمحل کر دیا۔ جانتا تھا کہ خواجہ صاحب مغفور تمہارے ماموں ہیں۔ مگر ان کے اور تمہارے معاملات مہر و ولا جیسے کہ تمہاری تحریر سے اب معلوم ہوئے میرے دل نشین نہ تھے۔ ایسے محب کا فراق اور پھر بقیدِ دوام کیونکر جانگزا نہ ہو۔ حق تعالیٰ ان کو بخشے اور تم کو صبر دے۔ حضرت میں بھی اب چراغِ سحری ہوں رجب ۱۲۸۲ھ حال کی آٹھویں تاریخ سے اکہتّرواں سال شروع ہو گیا۔ طاقت سلب حواس مفقود امراض مستولی بقول نظامی ع ہیکلے مردہ شخص ہمدردی رواں۔ آج میں اور بھی باتیں کرتا مگر میرا خاص نزاش آ گیا۔ مہینہ بھر سے حجامت نہیں بنوائی۔ خط لپیٹ کر ڈاک میں بھیجتا ہوں۔ اور خط بنواتا ہوں ٭

ایضاً۔ قبلہ پیری و صد عیب ساتویں دہائی کے مہینے گن رہا ہوں۔ قولنج آگے دوری تھا۔ اب دائمی ہو گیا ہے۔ مہینہ بھر میں پانچ سات بار فضول مجتمع دفع ہو جاتے ہیں۔ اور یہی منشا حیات ہے۔ قدا کم ہوتے ہوتے اگر معدوم نہ کہو تو بمنزلہ مفقود کہو پھر گرمی سے مار ڈالا۔ ایک حرارت غریبہ جگر میں پاتا ہوں۔ جس کی شدّت سے بھُنا جاتا ہوں۔ اگرچہ جُرعہ جُرعہ پیتا ہوں۔ مگر صبح سے سوتے وقت تک نہیں جانتا کہ کتنا پانی پی جاتا ہوں۔ میرے ایک رشتہ کے بھتیجے نے بوستانِ خیال کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے میں نے اس کا دیباچہ لکھا ہے۔ ایک دو ورقہ اس کا بصورت پارسل بلکہ بہیئت خط بھیجتا ہوں۔ آپ کا مقصود دیباچہ ہے۔ سو نقل کر لیجئے میرا مدعا اس دو ورقہ کے ارسال سے یہ ہے۔ کہ اگر آپ کے پسند آوے یا اور اشخاص خرید کرنا چاہیں۔ تو چھ روپیہ قیمت اور محصول ذمہ خریدار ہے ٭

ایضاً بندہ گنہگار شرمسار عرض کرتا ہے کہ پرسوں غازی آباد کا اُٹھا ہُوا گیارہ بجے اپنے گھر پر شل بلائے ناگہانی نازل ہُوا ہوں ؎

باید کہ کنم ہزار نفریں بر خویش　　اما بہ زبان جادۂ راہ وطن

خواجہ صاحب کی رحلت کا اندوہ بقدرِ قرب وقرابت آپ کو اور باندازۂ مہر و محبت مجھ کو وہ مغفور میرا قدردان اور مجھ پر مہربان تھا۔ حق تعالیٰ اس کو اعلیٰ علیین میں جمیل دوام قیام دے رام پور ہی میں تھا۔ کہ اودھ اخبار میں حضرت کی غزل نظر فروز ہوئی کیا کہنا۔ ہے ابداع اس کو کہتے ہیں۔ جدتِ طرز اس کا نام ہے جو ڈھنگ تازہ نوایانِ ایران کے خیال میں نہ گذرا تھا۔ وہ تم بروئے کار لائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور میرے اور دکھنی برہان قاطع کے جھگڑے میں بخلاف اور فارسی دانوں کے توفیق انصاف عطا کرے۔ نواب اس خط کا جواب جلد بھیجو۔ تا یہ طریقہ مسلسل ہو جائے ؏

ایضاً قبلہ آپ کا خط پہلا آیا۔ اور میں اس کا جواب لکھنا بھول گیا۔ کل دوسرا خط آیا۔ مگر شام کو اُسی وقت پڑھ لیا۔ آدمی کے حوالہ کیا۔ اُس نے آج صبحدم مجھ کو دیا۔ میں جواب لکھ رہا ہوں۔ بعد اختتام تحریر معنون کر کے ڈاک میں بھجوا دونگا۔ والی رام پور کو خدا سلامت رکھے اپریل مئی ان دونوں مہینوں کا روپیہ موافق دستور قدیم آیا۔ جون ماہ آئندہ کا روپیہ خدا چاہے۔ تو آجائے جمعہ ۶ جولائی ہے۔ معمول یہ ہے۔ کہ دسویں بارہویں کو رئیس کا خط مع ہنڈوی آیا کرتا ہے۔ میں نے قصیدۂ تہنیت جلوس بھیجا اس کا جواب آگیا اب میں نظم ونثر کا مسودہ نہیں رکھتا دل اس فن سے نفور ہے دو ایک دوستوں کے پاس اس کی نقل ہے۔ اُن کو اس وقت کہلا بھیجا ہے۔ اگر آج وہ آگیا۔ کل اور اگر کل آیا پرسوں بھیج دونگا۔ بھائی امین الدین خان صاحب کے اصرار سے خسرو کی غزل پر ایک غزل لکھی ہے۔ علاؤالدین خان نے اس کی نقل ان کو بھیجدی میں دیوان پر نہیں چڑھاتا۔ مسودہ بھیجتا ہوں۔ تقدیم وتاخیر ہندسوں کے مطابق ملحوظ رہے۔ گرمی کی شدت سے حواس بجا نہیں معہذا امراض جسمانی وآلام روحانی ؏

ایضاً ؎ درنومیدی بسے امید ست　　پایانِ شب سیہ سپید است

قبلہ آج آپکی خوشی اور خوشنودی کیواسطے اپنی روداد لکھتا ہوں۔ لو طیبہ ۱۸۶۰ء میں لارڈ صاحب بہادر میرٹھ میں آئے دربار کیا صاحب کمشنر بہادر دہلی کو ساتھ لے گئے میں کہا میں بھی چلوں۔ فرمایا کہ نہیں جب لشکر میرٹھ سے دلی میں آیا۔ موافق اپنے دستور کے

روز دربارِ لشکر مقیم میں گیا۔ میر منشی صاحب سے ملا۔ اُن کے خیمہ میں سے اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سیکرٹر بہادر کے پاس بھیجا۔ جواب آیا کہ تم غدر کے دنوں میں بادشاہ باغی کی خوشامد کیا کرتے تھے۔ اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہیں۔ میں گدائے مبرم اس حکم پر ممنوع نہ ہوا۔ جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہنچے۔ میں نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیج دیا۔ مع اس حکم کے واپس آیا۔ کہ اب یہ چیزیں ہمارے پاس نہ بھیجا کرو۔ میں مایوس مطلق ہو کر بیٹھ رہا۔ اور حکام شہر سے ملنا ترک کیا۔ واقع اواخر ماہ گذشتہ یعنی فروری ۱۸۶۳ء میں نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب دلّی آئے۔ اہالی شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے۔ میں تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تھا جگہ سے نہ ہلا۔ کسی سے نہ ملا۔ دو بار ہوا۔ ہر ایک کا مکرر ہوا۔ شنبہ ۸ فروری کو آزادانہ منشی من پھول سنگھ صاحب کے خیمہ میں چلا گیا۔ اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سیکرٹر صاحب بہادر پاس بھیجا بلایا گیا۔ مہربان پاکر نواب صاحب کی ملازمت کی استدعا کی وہ بھی حاصل ہوئی۔ وہ حاکم جلیل القدر کی وہ عنایتیں دیکھیں جو میرے تصور میں بھی نہ تھیں جملہ معترضہ میر منشی لفٹنٹ گورنر سے سابقہ تعارف نہ تھا۔ وہ بطریق حسن طلب میرے خواہاں ہوئے تو میں گیا جب حکام مجرا شناس تھا مجھ سے بے تکلف ملے تو میں قیاس کر سکتا ہوں کہ میر منشی کی حسن طلب با ایمائے حکام ہوگی۔ وللرحمٰن الطاف خفیہ۔ بقیہ روداد یہ ہے کہ دوشنبہ دوم مارچ کو سوادِ شہر مخیم خیام گورنری ہوا آخر روز میں اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہر حسین خان بہادر کے پاس گیا۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا کہ تمہارا دربار و خلعت بدستور بحال و برقرار ہے متحیرانہ میں نے پوچھا۔ کہ حضرت کیونکر۔ حضرت نے کہا۔ کہ حاکم حال نے ولایت سے آکر تمہارے علاقہ کے سب کاغذ انگریزی و فارسی دیکھے۔ اور باجلاس کونسل حکم لکھوایا کہ اسد اللہ خاں کا دربار اور خلعت بدستور بحال و برقرار رہے میں نے پوچھا کہ حضرت یہ امر کس اصل پر متفرع فرمایا کہ ہم کو کچھ معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں۔ کہ یہ حکم دفتر میں لکھوا کر ہم انبالہ۔ ادھر کو روانہ ہوئے ہیں۔ میں نے کہا۔

سبحان اللہ ع

کار ساز ما بفکر کار ما   فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

۱۰ مارچ کو ۱۰ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ کو بلایا۔ خلعت عطا کیا اور فرمایا۔ بہادر کے ہاں کا دربار اور خلعت بھی بحال ہے۔ انبالہ جاؤ گے تو دربار اور خلعت حضور کے قدم دیکھے۔ خلعت پایا لارڈ صاحب بہادر کا حکم سن لیا نہال ہو گیا۔ اب انبالہ کہاں

جیتا رہا تو اور دربار میں کامیاب ہو رہوں گا ؎

کارِ دنیا کسے تمام نکرد　　　ہر چہ گیرید مختصر گیرید

ایضاً۔ حضور خدا کا شکر بجا لاتا ہوں۔ کہ آپ نے خط لکھا اور میرا حال پوچھا یہ پرسش حکم نشتر کا رکھتی ہے اب رگ قلم کی خونتابہ فشانی دیکھو۔ گورنر اعظم نے میرٹھ میں دربار کا حکم دیا۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی نے سات جاگیرداروں میں سے جو تین بقیۃ السیف تھے۔ ان کو حکم دیا اور معدبار عام میں سے سوائے میرے کوئی نہ تھا۔ یا چند مہاجن مجھ کو حکم نہ پہنچا جب میں نے استدعا کی تو جواب ملا۔ کہ اب نہیں ہوسکتا۔ جب یہ سرزمین مخیم خیام گورنری ہوئی میں اپنی عادت قدیم کے موافق خیمہ گاہ میں پہنچا مولوی اظہار حسین خانصاحب بہادر سے تا چیف سکرٹر بہادر کو اطلاع کی جواب آیا۔ کہ فرصت نہیں۔ میں سمجھا کہ اس وقت فرصت نہیں دوسرے دن پھر گیا۔ میری اطلاع کے بعد حکم ہوا کہ ایام غدر میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو۔ اُس دن چلا آیا دوسرے دن میں نے انگریزی خطان کے نام لکھ کر ان کو بھیجا مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اخلاص مظنہ محض ہے۔ امیدوار ہوں کہ اس کی تحقیقات ہو تا کہ میری صفائی اور بیگناہی ثابت ہو۔ یہاں کے مقامات پر جواب نہ ہوا۔ اب ماہ گذشتہ یعنی فروری میں پنجاب کے ملک سے جواب آیا کہ لارڈ صاحب بہادر فرماتے ہیں۔ کہ ہم تحقیقات نہ کرینگے۔ پس یہ مقدمہ طے ہوا۔ اور دربار و خلعت موقوف پنشن مسدود۔ وجہ نامعلوم لاموجود الا اللہ ولا موثر فی الوجود الا اللہ ۱۸۵۵ء میں نواب یوسف علی خان بہادر والی رام پور کہ میرے آشنائے قدیم ہیں۔ اس سال ۱۸۵۵ء میں میرے شاگرد ہوئے۔ غالب ان کو تخلص دیا گیا۔ بیس پچیس غزلیں اصلاح دیکر بھیج دیتا۔ گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رہتا۔ قلعہ کی تنخواہ جاری انگریزی پنشن کھلا ہوا ان کے عطایا فتوح گنے جاتے تھے۔ جب وہ دونوں تنخواہیں جاتی رہیں۔ تو زندگی کا مدار ان کے عطیہ پر رہا۔ بعد فتح دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے۔ میں عذر کرتا تھا۔ جب جنوری ۱۸۶۰ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا۔ کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ تو میں آخر جنوری میں رام پور گیا۔ چھ سات ہفتہ وہاں رہ کر دلی آیا۔ یہاں آپکا خط محررہ ۲۸ ۔ مارچ پایا۔ جواب بھیجا جاتا ہے ؟

ایضاً۔ قبلہ میں نہیں جانتا کہ ان روزوں میں بقول ہندی اختر شناسوں کے کونسی کھوٹی گرہ آئی ہوئی ہے کہ ہر طرف سے رنج و زحمت کا ہجوم ہے۔ مولوی صاحب سے میری ایک ملاقات جب وہ دلی آئے تھے اور میر خیراتی کے گھر میں اترے ہوئے تھے۔ شرفا میں تعارف بنائے محبت اور مودت ہے۔ چہ جائے آنکہ معانقہ اور مکالمہ اور مشاعرہ واقع ہوا ہو۔ روز ملاقات سے اس دن تک کہ حضرت دکن کو روانہ ہوں۔ کوئی

ایسا کہ باعث ناخوشی کا ہو۔ درمیان نہیں آیا۔ اور میرے اس قول کی اس راہ سے کہ مولوی صاحب آپکے ہمنشین وہمدم تھے۔ اور مجھ میں آپ میں پیوند ولائے روحانی متحقق ہے آپ بھی گواہ ہو سکتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ مجھ میں اُن میں رنج پیدا ہوتا تو آپ بہت جلد اصلاح بین الذاتین کی طرف متوجہ ہوتے اب سنئے حال منشی حبیب اللہ کا میں نے ان کو دیکھا ہو۔ تو آنکھیں پھوٹیں تین چار برس ہوئے کہ ناگاہ ایک خط حیدرآباد سے آیا اس میں دو غزلیں خط کا مضمون یہ کہ میں مختار الملک کے دفتر میں نوکر ہوں آپکا تلمذ اختیار کرتا ہوں۔ ان دونوں غزلوں کو اصلاح دیجئے۔ اس امر کے فقط وہ بادی نہیں بریلی اور لکھنؤ اور کلکتہ اور بمبئی اور سورت سے اکثر حضرات نظم و نثر فارسی اور ہندی بھیجتے رہتے ہیں میں خدمت بجالاتا ہوں۔ اور وہ صاحب میرے حکِ اصلاح کو مانتے ہیں۔ کلام کا حسن و قبح میری نظر میں رہتا ہے۔ اور ہر ایک کا پایۂ اور دستگاہ فن شعر میں معلوم ہوجاتا ہے۔ عادات و عندیات عدم ملاقات ظاہری کے سبب میں کیا جانوں آدم ہر بمیر مدعا۔ منشی حبیب اللہ ذکا کے اشعار آتے رہے اور میں اصلاح دیکر بھیجتا رہا بعد و اہد ہونے مولوی صاحب کے ایک غزل اُن کی آئی۔ اور انہوں نے یہ لکھا کہ مولوی غلام امام شہید اکبرآبادی کی غزل پہ یہ غزل لکھ کر بھیجتا ہوں میں نے حسب معمول غزل کو اصلاح دیکر بھیجا۔ اور یہ لکھا کہ مولانا شہید اکبرآباد کے نہیں لکھنؤ والہ آباد کے ہیں۔ اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں لکھی۔ اس میں سے توہین کے معنے مستنبط ہوں۔ تو میں اس کا مستحق سہی۔ اب میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا۔ اور مولوی صاحب نے آپکو کیا لکھا ؎

ایضاً۔ قبلہ میرا ایک شعر ہے ؎

خود پیش خود کفیل گرفتاری من است ہردم بہ پرسش دل مایوس مے رسد

یہ معاملہ میرا اور آپ کا ہے خارج سے مسموع ہوا کہ میں نے جو اغلاط برہان قاطع کے نکال کر ایک نسخہ موسوم بہ قاطع برہان لکھا ہے اور ایک مجلد اس کا آپ کو بھی بھیجدیا ہے۔ آپ اس کی تردید میں کوئی رسالہ لکھ رہے ہیں۔ اگرچہ باور نہیں آیا۔ لیکن عجب آیا۔ ایک مولوی نجف علی صاحب ہیں۔ باوجود فضیلت علم عربی و فارسی میں اُن کا نظیر نہیں۔ وہ جو ایک شخص مجہول الحال نے اہل دہلی میں سے میرے کلام کی تردید میں کتاب تصنیف کی ہے مسمی بہ محرق قاطع برہان۔ انہوں نے اُس کی توہین اور مسودہ کی تفضیح میں دو جزو کا ایک نسخہ مختصر لکھا ہے۔ اور ایک طالب علم مسمی بہ عبدالکریم نے سعادت علی مؤلف محرق قاطع سے سوالات کئے ہیں۔ اور ایک مختصر اس نے لغوائے علمائے شہر مرتب کیا ہے۔ ایک میرے دوست نے بصرف زر اس کو چھپوایا ہے۔ ایک نسخہ اُس کا آج اُسی خط کے ساتھ بسبیل پارسل ارسال کیا ہے۔ اس شہر میں ایک میلہ ہوتا ہے پھول والوں کا میلہ کہلاتا ہے بھادوں کے مہینہ میں ہوا کرتا ہے۔ اُمرائے شہر سے لیکر

اہلِ حرفہ تک قطب جاتے ہیں۔ دو تین ہفتہ تک وہیں رہتے ہیں۔ مسلمان و ہنود دونوں فرقے کی شہر میں دکانیں بند پڑی رہتی ہیں۔ بھائی ضیاءالدین خاں اور شہاب الدین خاں اور میرے دونوں لڑکے سب قطب گئے ہوئے ہیں۔ اب دیوان خانہ میں ایک مَیں ہوں۔ اور ایک داروغہ اور ایک بیمار خدمتگار۔ بھائی صاحب وہاں سے آئیں گے۔ تو مقرر آپ کو خط لکھیں گے۔ تجے پہاڑ سے اُترے چھوٹے پہاڑ پر چڑھ گئے یکلخت عدم تحریر کی وجہ یہ ہے۔

ایضاً۔ قبلہ حاجات قطعہ میں جو حضرت نے الہام درج کیا ہے۔ وہ تو ایک لطیفہ سبیل دعا ہے۔ مگر ہاں یہ کشف یقین ہے اور مخدوم کی روشندلی اور دوربینی ہے۔ کہ جو سوالات میں نے ۳۰ جنوری کو کئے ان کے جواب تم نے ۲۸ جنوری کو لکھ کر بھیج دیئے۔ کیوں نہ کہوں روشن ضمیر ہو۔ اگرچہ جوان ہو مگر میرے پیر ہو۔ مخلص تقریر یہ کہ ۳۰ جنوری کو آخر روز میں نے ڈاک میں خط بھجوایا اور ۳۱ کو ڈاک کا ہرکارہ پڑن چُھٹے تمہارا خط لایا۔ سوالات میں ایک سوال کا جواب باقی رہا ہے۔ یعنی جناب اڈمنسٹن صاحب بہادر کی جگہ چیف سیکرٹر گورنمنٹ کلکتہ کون ہوا۔ یہ دل میں پیچ و تاب باقی رہا۔ کتاب کے باب میں جو کچھ لکھا ہے۔ واقعی یہ کہ درست اور بجا ہے۔ جو کچھ واقعہ ہوا۔ اسکو مفید مطلب فرض کروں۔ لیکن اگر اجازت پاؤں۔ تو اسی باب میں یہ عرض کروں۔ کہ پیشگاہ گورنمنٹ میں بتوسط چیف سکرٹر بہادر سابق اور لفٹنٹ گورنر بہادر حال دو مجلد پیش کئے ہیں۔ ایک نذر گورنمنٹ اور دوسری کے واسطے یہ سوال کہ میری عزت بڑھائی جاوے اور یہ مجلد حضور حضرت شاہنشاہی میں بھجوائی جاوے اچھا نذر گورنمنٹ میں تو مولوی اظہار حسین صاحب کا وہ اظہار ہے نذر سلطانی کے ارسال و عدم ارسال میں کیا دار و مدار ہے۔ دو نسخے جو اُن دونوں صاحبوں کے پیشکش مقرر ہوئے اُن میں سے ایک صدر بورڈ کے حاکم اور لفٹنٹ گورنر ہوئے ردّ و قبول۔ نفرین و آفرین کچھ بھی نہیں۔ قیاساً جو چاہو سو کرو یقین کچھ بھی نہیں۔

۱۷۔ دسمبر ۱۸۵۵ء کا لکھا ہوا حکم فیڈنلم کا ولایت کی ڈاک میں مجھ کو آیا ہے کہ قصیدہ کے صلہ اور جائزہ کے واسطے کہ جو بتوسط لارڈ ڈالن ہوسائن نے بھجوایا ہے۔ خطاب اور خلعت اور پنشن کی تجویز ضرور ہے جو حکم صادر ہوگا سائل کو بتوسط گورنمنٹ اس کی اطلاع دینی ضرور ہے یہ حکم مورخہ ۱۷۔ دسمبر ۱۸۵۵ء آخر جنوری ۱۸۵۶ء میں میں نے پایا۔ فروری۔ مارچ۔ اپریل خوشی اور توقع میں گذرے مئی ۱۸۵۷ء میں فلک نے یہ فتنہ اٹھایا۔ اب اس کتاب اور دوسرے قصیدے کی جابجا نذر کرنے کا یہ سبب ہے کہ سائل حکمہ ولایت کو یاد دہی کرتا ہے۔ اور گورنمنٹ سے تحسین طلب ہے۔ جب یہاں سے نوید تحسین نہیں تو ولایت کو نذر کے ارسال کا بھی یقین نہیں تحسین اور آفرین سے گذرا نذر کے ولایت جانے [illegible] کیونکہ [illegible]

جہاں یہ تفرقہ اور بے اتفاقی اور یہ دشواری اور یہ مشکل جی میں آتا ہے۔ کہ نواب گورنر جنرل بہادر اور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر اور حاکم صدر بورڈ کو ایک عرلیضہ جدا جدا لکھوں۔ پھر یہ سوچتا ہوں۔ کہ انگریزی لکھواؤں فارسی لکھوں اور دونوں صورتوں میں کیا لکھوں۔ کل کا بھیجا ہُوا خط اور یہ آج کا خط یقین ہے۔ کہ دونو معاً ایک وقت میں پہنچیں وہ تو جواب طلب نہیں اس کا جواب لکھئے اور بہت شتاب لکھئے ۔

ایضاً میں سادہ دل آزردگی یار سے خوش ہوں   یعنی سبق شوق مکرر نہ ہُوا تھا

پیر و مرشد خفا نہیں ہُوا کرتے یوں شتاب مجھے یاد نہ آیا۔ یہاں تک تو میں مورد عتاب نہیں ہو سکتا۔ جھگڑا استجاب پر ہے۔ محل استعجاب وہ ہے۔ کہ آپ کا دوست کہتا ہے۔ کہ میر منشی نواب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر میرے شاگرد ہیں۔ اور وہ قاعدہ پر اُن کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اور یہ ان کا یہ حال ہے۔ وائے بر حال ہم اشفقیا کے یہ سکایت ہے۔ شکایت نہیں۔ میں دنیا داری کے لباس میں فقیری کر رہا ہوں۔ لیکن فقیر آزاد ہو نا۔ شیاد وکیا۔ ستر برس کی عمر ہے بے مبالغہ کہتا ہوں ستر ہزار آدمی نظر سے گذرے ہونگے زمرہ خواص میں سے عوام کا شمار نہیں دو مخلص صادق الولادیکھے۔ ایک مولوی سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ دوسرا منشی غلام غوث سلمہ اللہ تعالیٰ۔ لیکن وہ مرحوم حسن صورت نہیں رکھتا تھا۔ اور خلوص اخلاق اُس کا خاص میرے حال تھا۔ اللہ اللہ دوسرا دوست خیر خواہ خلق حسن و جمال چشم بد دور کمال چہرہ وفا جیدتی وصفا تو دُر علی نور میں آدمی ہوں۔ آدم شناس ہوں۔ ۵

عمم نقیبے می زند بہ نہاں خانہ دل   مژدہ باد اہل ریا را کہ زمیدان رفتم

غایت مہر و محبت جس کے کلام کا تم کو مالک سمجھتا ہوں۔ وہ بہ نسبت اپنے اس قدر یقین کرتا ہوں۔ کہ پہلے دو آدمیوں کو اپنے بعد اپنا ماتم دار سمجھا تھا ایک کو تو میں رولیا اب اللہ آمین کا ایک دوست رہ گیا دعائیں مانگتا ہوں۔ کہ خدا اس کا داغ نہ مجھے دکھائیو اس کے ۔ لمث مروں میاں میں تمہارا عاشق صادق ہوں بھائی ابھی قطب نے نہیں آئے۔ واقع ہذیان کے دو جلد اور بھیجو نگا۔

بنام نواب ضیاء الدین احمد خان صاحب بہادر

جناب قبلہ و کعبہ آپ کو دیوان کے دینے میں تامل کیوں ہے۔ روز آپ کے مطالعہ میں نہیں رہتا۔ بغیر اس کے دیکھے آپ کو کچھ حفظ نہ ہوتا ہو یہ بھی نہیں پھر آپ کیوں نہیں دیتے۔ ایک جلد نزار جلد بن جائے میرا کلام شہرت پائے۔ میرا دل خوش ہو تمہاری تعریف کا تعید اہل عالم دیکھیں تمہارے بھائی کی تعریف

کی نثر سب کی نظر سے گذرے اتنے فوائد کیا تھوڑے ہیں۔ رہا کتاب کے تلف ہونے کا اندیشہ و خفقان ہے۔ کتاب کیوں تلف ہوگی۔ احیاناً اگر ایسا ہوا اور دلی لکھنؤ کی عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی تو میں فوراً بسبیل ڈاک رامپور جاؤں گا۔ اور نواب ضیاء الدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لا دوں گا۔ اگر یہ کہتے ہو کہ اب وہاں سے کیوں بھیجو۔ وہ نہ کہیں گے کہ وہیں سے کیوں نہیں بھیجتے ہاں یہ کہو کہ نواب ضیاء الدین خاں صاحب نہیں دیتے۔ تو میں اتنی دور سے کیوں دوں۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تفصیل لکھ کر بھیج دو۔ اگر نہ دیں تو میں کیا کروں۔ اگر دیا تو میرے کس کام کا پہلے تو ناتمام پھر ناقص بعض بعض قصائد اس میں سے اوروں کے نام کر دیئے گئے ہیں۔ اور اس میں کسی ممدوح سابق کے نام پر ہیں شہاب الدین خاں کا دیوان جو یوسف مرزا لے گیا ہے۔ اس میں یہ دونوں قباحتیں موجود تیسری یہ کہ سر بسر غلط ہر مصرعہ غلط۔ یہ کام تمہاری مدد کے بغیر انجام نہ پائے گا۔ اور تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ ہاں اتنا نقصان وہ بھی از روئے دستور معلوم اس صورت میں تلافی کی کفیل جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں بہر حال راضی ہو جاؤ۔ اور مجھ کو لکھو تو میں طالب کو اطلاع دوں۔ طلب اس کی جب دوبارہ ہو تو کتاب بھیج دوں رحم و کرم کا طالب۔ غالب

بنام مرزا شہاب الدین احمد خان صاحب

بھائی تمہارا خط حکیم محمود خاں صاحب کے آدمی کے ہاتھ پہنچا خیر و عافیت سے معلوم ہوئی۔ انصاف کرو۔ کتاب کوئی ہی جو اس کا پتہ کیونکر لگے۔ لوٹ کا مال چوری چوری کچھ کنجڑوں میں بک گیا۔ اور اگر شرک پر چابکا تو میں کہاں جو دیکھوں صبر کرو اور چپ ہو رہو ؎

بر دل نفس اندر دگیتی بسر آید   گیرید کہ گیتی ہمہ یکسر بسر آمد

آدمی تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ خدا کرے یہاں کا حال سن پاتے رہو۔ اگر جیتے رہے اور ملنا نصیب ہوا تو کہا جائیگا۔ ورنہ قصہ مختصر تمام ہوا۔ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اور وہ بھی کوئی خوشی کی بات ہے۔ جو لکھوں اپنے گھر میں اور اپنے بچوں کو میری اور میرے گھر کی طرف سے دعا کہہ دینا۔ اور تم کو بھی تمہاری استانی دعا کہتی ہیں۔ زیادہ زیادہ۔ از غالب دوشنبہ ۲ فروری

ایضاً بھائی شہاب الدین خاں واسطے خدا کے تم نے اور حکیم غلام نجف خاں نے میرے دیوان کا کیا حال کر دیا ہے یہ اشعار جو تم نے بھیجے ہیں۔ خدا جانے کس ولد الزنا نے داخل کر دیئے ہیں۔ دیوان تو چھاپے کا ہے۔ متن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں۔ اگر حاشیہ پر ہوں تو میرے نہیں ہیں۔ بالفرض اگر یہ شعر متن میں بلکہ بھی پاویں تو یوں سمجھنا کہ کسی ملعون نے جلیب سے

اصل کلام کو چھیل کر یہ خرافات لکھ دیئے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس مقصد کے یہ شعر ہیں اُس کے باپ پر اور دادا پر لعنت اور وہ ہفتاد پشت تک ولد الحرام اس کے سوا اور کیا لکھوں ایک تو لڑکے میاں غلام نجف۔ دوسرے تم میری کمبختی بڑھاپے میں آئی کہ میرا کلام تمہارے ہاتھ پڑا ان سطروں کے لکھنے کے بعد تمہارا خط پہنچا۔ یہ دوسرا حادثہ مجھ کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ تقاضا قدر کے امر میں دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔ کہیں جاگیر پر چلے جانے کی اجازت ہو جائے تا کہ سب یکجا باہم آرام سے رہو۔ اپنے کاتب کو کہہ دینا کہ یہ خرافات متن میں نہ لکھے۔ اگر لکھ دیئے ہوں تو وہ ورق نکلوا ڈالنا۔ اور ورق اس کے بدلے لکھوا کر لگا دینا۔ مناسب تو یوں ہے کہ تم کسی آدمی کے ہاتھ وہ دیوان جو تمہارے کاتب نے نقل کیا ہے۔ میرے پاس بھیج دو تا کہ میں اُسکو ایک نظر دیکھ کر پھر تم کو بھیج دوں۔ زیادہ زیادہ۔ آج میرے پاس ٹکٹ ہے نہ دام معاف رکھنا والسلام ؎

ایضاً۔ بھائی تمہارا خط پہنچا کوئی مطلب جواب طلب نہیں تھا۔ کہ میں اس میں جواب لکھتا۔ پھر سوچا کہ مبادا تم آزردہ ہو۔ اس واسطے آج یہ رقعہ تم کو لکھتا ہوں۔ میرا جی تو یہ چاہتا تھا کہ اب جو خط تمہیں لکھوں اس کے آغاز میں یہ لکھوں۔ کہ مبارک ہو۔ تمہارے اپنے وطن مع الخیر جاگیر کو روانہ ہو گئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب کے جو خط تم کو لکھوں گا۔ اس کا مضمون یہی ہوگا خاطر جمع رکھنا اور اگر میرا خط دو چار دن نہ پہنچے تو مجھ کو اسی مضمون کے ظہور کا منتظر سمجھنا اور گلہ نہ کرنا۔ وہ ماں صاحب تم جو خط لکھتے ہو۔ تو اس میں احمد سعید خاں کا کچھ ذکر نہیں ہوتا لازم ہے کہ اس کی خیر و عافیت، اور اس کی بہن کی خیر و عافیت لکھتے رہا کرو۔ یہاں تمہاری پھوپھی اور تمہارے دونوں بھتیجے اچھی طرح ہیں۔ والدعا۔ از غالب یکشنبہ ۱۱ اپریل ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں مرزا شہاب الدین خاں اچھی طرح غازی آباد کا حال تم شاد علی سے سنا ہوگا۔ ہفتے کے دن دو تین گھڑی دن چڑھے احباب کو رخصت کر کے ڈولی سوار ہوا قصد یہ تھا۔ کہ پلکھوے رہوں۔ ہاں قافلے کی گنجائش نہ پائی۔ ہاپوڑ کو روانہ ہوا۔ دونوں برخوردار گھوڑوں پر سوار پہلے ہی چل دیئے۔ چار گھڑی دن رہے میں ہاپوڑ کی سرائے میں پہنچا۔ دونوں بھائیوں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں کو ٹہلتے ہوئے پایا۔ گھڑی بھر دن رہے قافلہ آیا۔ میں نے چھٹانک بھر گھی داغ کیا۔ دو شامی کباب اُس میں ڈال دیئے۔ رات ہو گئی تھی۔ شراب پی۔ کباب کھائے۔ لوگوں نے ادھر کی کھچڑی پکوائی۔ خوب گھی ڈال کر آپ بھی کھائی۔ اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کے واسطے سادہ سالن پکوایا۔ ترکاری منڈوائی۔ یا یہ آج تک دونوں بھائیوں میں موافقت ہے۔ آپس کی صلاح و مشورت سے کام کرتے ہیں۔ اتنی بات زائد ہے کہ حسین علی منزل پر اُتر کو پاپڑ اور مٹھائی کے کھلونے خرید لاتا ہے۔ دونوں بھائی مل کر کھا لیتے ہیں۔ آج ہم نے تمہارے والد کی نصیحت پر عمل کیا۔ چار بجے پانچ کے عمل میں ہاپوڑ

سے چل دیا۔ سورج نکلے بابو گڑھ کی سرائے میں آ پہنچا چارپائی بچھائی اُس پر بچھونا بچھا کر حقہ پی رہا ہوں اور خط لکھ رہا ہوں۔ دونوں گھوڑے کوتل آ گئے۔ دونوں لڑکے رتھ میں سوار آتے ہیں۔ اب وہ آئے اور کھانا کھا لیا، اور چلے تم اپنی استانی کے پاس جاکر یہ رقعہ سراسر پڑھ کر سنا دینا۔ شمشاد کو کتاب کے مقابلے اور تصحیح کی تاکید کر دینا۔

ایضاً۔ میاں وہ قاضی تو مسخرہ ہے۔ اُن کا خط دیکھ لیا۔ خیر ہاں علاؤالدین خاں کا خط گفتہ بہ بہا مذکے طائفہ کا تماشا ہے۔ اب تم کہو استاد میر جان کو کیونکر بھیجو گے اُن کو کہاں پاؤ گے۔ اور علاؤالدین خاں نے حسب الحکم تمہارے چچا کے لکھا ہے لوہارو کی سواریاں آئی ہوئی شاید کل یا پرسوں جائیں۔ اس کی فکر آج کرو امین الدین خاں بیچارہ اکیلا گھبراتا ہوگا۔ چکیدن وہیم۔ رمیدن وہیم یہ غزل علاؤالدین کو بھیج چکا ہوں تم علاؤالدین خاں کو لکھو کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ مصرع ہر دم آزردگی غیر سبب را چہ علاج ؛ اس غزل کو حافظ کی غزل سمجھتے ہو۔ وہ وا غیر سبب یہ کہاں کی بولی ہے مصرع از خواندن قرآن تو قادری چہ فائدہ ؛ و عیاذاً باللہ امیر خسرو قرآن کو کیسے کون لائے فرشت والف ممدودہ ہے قرآن بوزن پران لکھیں گے یہ دونوں غزلیں دوگدھوں کی ہیں۔ شاید ایک نے مقطع میں۔ حافظ اور ایک نے مقطع میں خسرو لکھ دیا ہو۔

ایضاً نور چشم شہاب الدین خاں کو دعا کے بعد معلوم ہو۔ یہ جو رقعہ لیکر پہونچتے ہیں۔ ان کا نام حسن علی ہے اور یہ سید ہیں۔ دواسازی میں یگانہ۔ رکاب داری میں یکتا۔ جان محمد ان کا باپ ملازم سرکار شاہی تھا۔ اب ان کا چچا میر فتح علی پندرہ روپے مہینہ کا الور میں نوکر ہے۔ بہر حال ان سے کہا گیا کہ پانچ روپے مہینہ ملیگا۔ اور نوکر رہ جانا ہوگا۔ انکار کیا کہ پانچ روپے میں میں کیا کھاؤں گا۔ یہاں زن و فرزند کو کیا بھیجواؤنگا۔ جواب دیا گیا۔ کہ سرکار ہی ہے۔ اگر کام تمہارا پسند آئیگا۔ تو اضافہ ہو جائیگا۔ اب وہ کہتا ہے کہ خیر توقع پر یہ قلیل مشاعرہ قبول کرتا ہوں مگر دونوں وقت روٹی سرکار سے پاؤں۔ بغیر اس کے کسی طرح نہیں جا سکتا۔ سو میاں حق بجانب اس غریب کے ہے۔ روٹی کے بغیر بات نہیں بنتی۔ یقین ہے تم رپورٹ کرو گے۔ تو اس امر کی منظوری کا حکم آ جائیگا۔ یہ قصہ فیصل ہوا۔ اب یہ کہتا ہے کہ دو ماہ مجھے پیشگی دو تاکہ کچھ کپڑا لتا بناؤں اور کچھ گھر میں دے جاؤں۔ راہ میں روٹی اور سواری سرکار سے پاؤں تو بیاں بھی حق بجانب سائل کے جانتا ہوں۔ مگر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اپنی رائے اس باب میں لکھ نہیں سکتا۔ خیر تم بھی میرا رقعہ اپنے نام کا علائی مولائی کو بھیج دو۔

غالب سہ شنبہ ۲۴ ستمبر ۱۸۶۱ء

ایضاً۔ تمہارے بھائی کا خط تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ کلیات اردو جو تم نے خریدے ہیں۔ ایک اس میں سے چاہو۔ اپنے چچا کی نذر کرو۔ چاہو بھائی کو تحفہ بھیجو۔ میں نے استاد ان کے نام کا خط لوہارو کو

روانہ کیا ہے بعد ارسال خط مولوی سدید الدین خاں صاحب میرے ہاں آئے۔ اثنائے حرف و حکایات میاں ہیں نے شاہین کی حقیقت پوچھی۔ جواب دیا۔ کہ ہاں عربی میں ایک باجے کا نام شاہین ہے صورت اس کی پوچھی گئی کہا مجھے معلوم نہیں صراح میں میں نے دیکھا ہے۔ فقط تم جو مولانا علائی کو خط لکھو یہ رقعہ ملفوف کرو۔ غالب

رباعی

رقعہ کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے ثاقب حرکت یہ کی ہے بے جا تم نے
حاجی کلو کو تے کے بے وجہ جواب غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے

ایضاً

اے روشنی دیدۂ شہاب الدین خاں کٹتا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضان
ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن

بنام نواب انوار الدولہ سعد الدین خاں صاحب شفق

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خداوند نعمت آج دوشنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہے۔ اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں عنایت نامہ پہنچا۔ ادھر پڑھا۔ ادھر جواب لکھا۔ ڈاک کا وقت نہ رہا۔ خط کو سربمہر کر رکھتا ہوں۔ کل سہ شنبہ ۱۶ فروری کو ڈاک میں بھجوا دوں گا۔ سال گذشتہ مجھ پر سخت گذرا ۱۲-۱۳ مہینے صاحب فراش رہا۔ اٹھنا دشوار تھا۔ چلنا پھرنا کیسا۔ نہ تپ نہ کھانسی نہ اسہال نہ فالج نہ لقوہ ان سب سے بدتر ایک صورت پیدا کی یعنی احتراق کا مرض مختصر یہ کہ سر سے پاؤں تک بارہ پھوڑے ہر پھوڑا ایک تنور ایک شرارہ بے مبالغہ بارہ تیرہ پھائے اور پاؤ بھر مرہم درکار نو دس مہینے بے خور و خواب رہا ہوں اور شب و روز بے تاب راتیں یوں گذریں کہ اگر کبھی آنکھ لگ گئی دو گھڑی غافل رہا ہوں گا۔ کہ ایک آدھ پھوڑے میں ٹیس اٹھی جاگ اٹھا تڑپا کیا پھر سو گیا۔ پھر ہوشیار ہو گیا۔ سال بھر میں سے تین حصے یوں گذرے پھر تخفیف ہونے لگی دو تین مہینے میں لوٹ پوٹ کر اچھا ہو گیا نئے سر سے روح قالب میں آئی۔ اجل نے میری صحت جانی کی قسم کھائی۔ اب اگرچہ تندرست ہوں۔ لیکن ناتواں و سست ہوں حواس کھو بیٹھا۔ حافظہ کو رو بیٹھا۔ اگر اٹھتا ہوں تو اتنی دیر میں اٹھتا ہوں کہ جتنی دیر میں ایک قد آدم دیوار اٹھے۔ آپ کی پرسش کے کیا قربان جاؤں کہ جب تک میرا مرنا نہ سنا میری خبر نہ لی۔ میری مرگ کے خبر کی تقریب اور مثلاً میری یہ تحریر

آدمی ہی اور آدھی بھوت در صورت مرگ نیم مردہ اور در حالت حیات نیم زندہ ہوں ؎

درکشاکش ضعفم نگسلد روان از تن — اینکہ من نمی میرم ہم زناتوانیہاست

اگر ان سطور کی نقل میرے مخدوم مولوی غلام غوث خاں صاحب بہادر میر منشی لفٹنٹ گورنری غرب و شمال کے پاس بھیج دیجئے گا۔ تو اُن کو خوش اور مجھ کو ممنون کیجئے گا ؏

ایضاً۔ پیر و مرشد حضور کا توقیع خاص اور آپ کا نوازشنامہ یہ دونوں حرز بازو ایک دن اور ایک وقت پہنچے توقیع کا جواب دو چار دن میں لکھوں گا۔ ناسازی مزاج مبارک موجب تشویش و ملال ہوئی۔ اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہوا۔ کہ مرض باقی نہیں۔ مگر ضعف باقی ہے۔ لیکن تسکین خاطر منحصر اس میں ہے۔ کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ فرمانے کے اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں [illegible] کی ہنڈی پہنچی۔ اس کا بھی حال سابق کی ہی ہنڈی کا سا ہے۔ یعنی ساہوکار کہتا ہے۔ کہ ابھی ہم کو کالپی کے ساہوکار کی اجازت نہیں۔ جو ہم روپیہ دیں اگر سرکار کے کارپرداز وہاں کے ساہوکار سے کہہ کر اجازت لکھوا بھیجیں۔ تو مناسب ہے۔ صہبائی کے تذکرہ کی ایک جلد میری ملک ہیں سے میرے پاس تھی وہ میں اپنی طرف سے بسبیل ارمغان آپ کو بھیجتا ہوں۔ نذر قبول ہو۔ اب میں حضرت سے باتیں کر چکا خط کو سر نامہ کر کے رکھ دیتا ہوں۔ کہ ڈاک میں دے آوے بارہ پر دو بجے کتاب کا پارسل بطریق بیرنگ روانہ کرونگا۔ پیشگاہ وزارت میں میری بندگی پہنچے گی۔ عرضداشت بعد اس کے پہنچے گی۔ جناب میر صاحب قبلہ میر امجد علی صاحب کو سلام نیاز اور جناب منشی نادر حسین خانصاحب کو سلام ؏

ایضاً: پیر و مرشد اگر میں نے امیدگاہ بکاف عربی از راہ شکوہ لکھا۔ تو کیا گناہ کیا نہ خط نہ خط کا جواب نہ قصیدہ کی رسید ؎

دریں خستگی پوزش از من مجوئے — بود بندہ خستہ گستاخ گوئے

اور یہ جو آپ فرماتے ہیں۔ کہ ان موانع کے سبب سے میں قصیدہ کی تحسین نہیں لکھ سکا بندہ بے ادب نہیں۔ تحسین طلب نہیں ایسے مجمع میں محشور ہوں۔ کہ سوائے افتخار الدولہ کے کوئی سخندان نہیں۔ میں جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ گویا آپ اپنے پر احسان کرتا ہوں ؏ وائے بر جان سخن گر بہ سخندان نرسد۔ افسوس کہ میرا حال اور یہ لیل و نہار آپ کی نظر میں نہیں۔ ورنہ آپ جانیں۔ کہ اس لچھے ہوئے اور اس ٹوٹے ہوئے دل اندر اس مرے ہوئے دل پر کیا کر رہا ہوں۔ نواب صاحب اب نہ دل ہے نہ وہ طاقت نہ قلم ہے۔ وہ زود سخن گستری کا ایک ملکہ باقی ہے۔ بے تامل اور بے فکر جو خیال میں آ جائے۔

دہ لکھوں ورنہ فکر صحبت کا تحمل نہیں ہو سکتا۔ بقول مرزا عبد القادر بیدل ؎

جہدہا در خور توانائی ست ضعف یکسر فراغ مے خواہد

مُہر کا حال معلوم ہؤا پہلے آپ لکھ بھیجئے کہ کیا کھودا جائیگا۔ مہدی حسن خان۔ مہدی حسین خان بہادر لکھ رہا ہوں۔ ورنہ خط لڑکوں نے کھودیا یاد پڑتا ہے۔ کہ نگینہ وہاں سے بھیجنے کو آپ نے لکھا ہے۔ سو اب میں مکرر خواہاں ہوں۔ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ نگینہ بھیجئے گا یا خریدا جائیگا۔ اور نقش ونگین کیا ہوگا۔ تاکہ شمار حروف کا مجھ کو معلوم رہے۔ اب جب آپ مجھ کو لکھیں گے۔ تب میں اس کا جواب لکھوں گا۔ حافظ صاحب کا پہنچنا تقریباً معلوم ہؤا۔ یعنی ان کی طرف سے آپ نے مجھ کو سلام لکھا سو میں بھی ان کی خدمت میں بندگی اور جناب منشی نادر حسین خانصاحب کی جناب میں سلام عرض کرتا ہوں۔ زیادہ حد آداب ۃ

ایضاً۔ قبلہ حاجات قصیدہ دوبارہ پہنچا چونکہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی۔ ناچار اس کو ایک اور ورقہ پر لکھوایا۔ اور حضور میں گذرانا اور تمنائے دیرینہ حاصل کی یعنی دستخط خاص مشتمل اظہار خوشنودی طبع اقدس ہو گئے۔ اخترام الدولہ بہادر میرے ہم زبان اور آپکے ثنا خوان رہے۔ گویا اس امر خاص میں وہ شریک غالب ہیں۔ ہم بطریق کسرۂ اضافی وہم بطریق کسرہ توصیفی پروردگار اس بندگوار کو سلامت رکھے۔ کہ قدردان کمال بلکہ حق تو یوں ہے۔ کہ خیر محض ہے غیاث اللغات ایک نام سو قرد معرز جیسے الفریہ خواہ مخواہ معتبر آدمی آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے۔ ایک معلم فرومایہ رامپور کا رہنے والا۔ فارسی سے ناآشنائے محض اور صرف ونحو میں ناتمام انشاء خلیفہ منشیات۔ مابوبلم کا پڑھانے والا اچھا بچہ دیباچہ میں اپنا ماخذ بھی اُس خلیفہ شاہ محمد ومادھو رام وغلیث وقتیل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ راہ سخن کے غول ہیں۔ آدمی کے گمراہ کرنیوالے یہ فارسی کیا جانیں۔ ہاں طبع موزون رکھتے تھے شعر کہتے تھے ؎

برزہ شتاب مے پے جادہ شناسان بردار اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد ورخت

میرا دل جانتا ہے۔ کہ آپ کے دیکھنے کا میں کسقدر آرزومند ہوں میرا ایک بھائی ماموں کا بیٹا کہ وہ نواب ذوالفقار بہادر کی حقیقی خالہ کا بیٹا ہوتا تھا۔ اور مسند نشین حال کا چچا تھا۔ اور وہ میرا ہم شیر بھی تھا یعنی میرے نے اپنی ماں کی اور اُس نے اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا وہ باعث ہؤا تھا میرے باندا بوندیل کھنڈ آنے کا میں نے سب سامان سفر کر لیا۔ ڈاک میں روپیہ ڈاک کا دے دیا۔ قصد یہ تھا۔ کہ فتح پور تک ڈاک پر جاؤنگا۔ وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں کی سواری میں بلند سے بار مفتہ پیرہ کالپی ہوتا ہؤا آپ کے قدم دیکھتا ہؤا جیسے ڈاک دی چلنے کو نہ تھا۔ ناگاہ حضور والا بیمار ہو گئے اور مرض نے طول کھینچا۔

وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا۔ اور پھر مرزا اورنگ خان میرا بھائی مرگیا۔ **مصرع** اے بسا آرزو کہ خاک شدہ بود واللہ وہ سفر اگرچہ بھائی کی استدعا سے تھا۔ مگر میں نتیجہ اس شکل کا آپ کے دیدار کو سمجھا ہوا تھا۔ ہرزہ سرائی کا جرم معاف کیجئے گا۔ میرا جی آپ کے ساتھ باتیں کرنے کو چاہا۔ اس واسطے جو دل میں تھا۔ وہ اس عبارت سے زبان پر لایا ہ

ایضاً پیر و مرشد کو تسلیم۔ مزاج اقدس۔ الحمد للہ تو اچھا ہے۔ حضرت دعا کرتا ہوں۔ پرسوں آپ کا خط مع سارٹیفکیٹ کے پہنچا۔ آپ کو سید ریاض سے اشرف الوکلا خطاب ملا۔ مجتبانہ ایک لطیفہ تماشا انگیز سنئے ڈاک کا ہرکارہ جو بلیماروں کے خطوط پہنچاتا ہے۔ ان دنوں میں ایک بنیا پڑھا لکھا حرف شناس کوئی فلانی نمہ ڈھک داس ہے۔ میں بالاخانہ پر بیٹھا ہوں۔ حویلی میں آکر اس نے داروغہ کو خط دیکر مجھ سے کہا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ بندگی عرض کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مبارک ہو۔ اکبر جیسا کہ دلی کے بادشاہ نے نوابی کا خطاب دیا تھا۔ اب کالپی سے خطاب کپتانی کا ملا جبران کہ یہ کیا کہتا ہے۔ سرنامہ کو غور سے دیکھا۔ کہیں قبل از اسم مخدوم نیاز کیشان لکھا تھا۔ اس میں تو سیاق سنا ورنہ الفاظ سے قطع نظر کر کے کیشان کو کپتان پڑھا۔ بھائی ضیاء الدین خان صاحب شملہ گئے ہوئے ہیں۔ شاید ماہ حال یعنی یا اول ماہ آئندہ یعنی اگست میں یہاں آجائیں۔ آپ تو بیدا تخفیف تصریع دیتا ہوں تو آپ نواب صاحب سے کتاب کیوں مانگیں۔ اور زحمت کیوں اٹھائیں جس قدر کہ علم ان کو اس خاندان محبت نشان کے حاصل ہو گیا ہے کافی ہے۔ مولانا ناقلق کے نام کی مرضی ان کو پہنچا دیجئے گا۔ اور جناب نادر حسین خانصاحب کو میرا سلام فرما دیجئے گا ہ

ایضاً۔ پیر و مرشد شب رفتہ کو مینہ خوب برسا۔ ہوائیں فرہ بُرودت سے گزند پیدا ہو گیا۔ اب صبح کا وقت ہے ہوا ٹھنڈی بے گزند چل رہی ہے۔ ابر تنگ محیط ہے آفتاب نکلا ہے پر نظر نہیں آتا ہے میں عالم تصور میں آپکو مسند عز و جاہ پر جانشین اور منشی نادر حسین خانصاحب کو آپ کا جلیس مشاہدہ کر کے آپ کی جناب میں کورنش بجا لاتا ہوں۔ اور منشی صاحب کو سلام کرتا ہوں۔ کافر نعمت ہو جاؤں۔ اگر یہ مدایح بجا نہ لاؤں حضرت نے اور منشی صاحب نے میری خاطر سے کیا زحمت اٹھائی ہے۔ بھائی صاحب بہت خوشنود ہوئے۔ منت پذیری میں میرے شریک غالب ہیں۔ فی الحال بتوسط میرے سلام نیاز عرض کرتے ہیں۔ اغلب ہے کہ نامہ جداگانہ بھی ارسال کریں۔ حضرت آپ نماب کی شرارتیں دیکھتے ہیں۔ سب کچھ کہے جاتا ہے۔ اور اس اصل کا کہ جس پر یہ مراتب متفرع ہوں۔ ذکر نہیں کرتا فقیر کو یہ طرز پسند نہ آئی۔ مطلب اصلی کو متروک چھوڑ جانا کیا شیوہ ہے۔ یوں لکھنا تھا۔ کہ آپ کا عنایت نامہ اس کے ساتھ نسب نامہ خاندان مجد علا کا پارسل پہنچا۔ میں ممنون ہوا۔ نواب ضیاء الدین خان بہادر بہت ممنون و شاکر ہوئے۔ جناب عالی میں تو غالب ہرزہ سرا کا معتقد

رہا۔ آپ نے اس کو مصاحب بنا رکھا ہے۔ اس سے اس کا دماغ چل گیا ہے قبلہ و کعبہ جناب مولانا حق میں حضرت شفق نے جو غالب کی شکایت کی تھی۔ وہ مقبول نہ ہوئی۔ اب جناب ہاشمی کو اپنا ہم زبان اور مددگار بنا کر پھر کہتے ہیں۔ آپ کی بات اس باب میں کبھی نہ مانوں گا۔ جب تک سید صاحب کا خوشنودی نامہ جو انگار اس سرٹیفکیٹ کے حصول میں رشوت دینے کو بھی موجود ہیں۔ والسلام ۔

ایضاً پیر و مرشد میں آپ کا فرمانبردار اور آپ کا حکم بطیب خاطر بجا لاتا ہوں۔ اگر سمجھ تو لوں کہ کیا لکھوں وہ مکتوب کہاں بھیجوں۔ آپ کے پاس بھیجدوں یا انھیں منشی صاحب کے پاس بھیجدوں۔ اور رسیم الدین ظہیر الدین کو منشی میر شیخ خواجہ کیا کر کے لکھوں وہ حاکم کی رائے کے شمول کا قیدی اور اس زمانے میں سیکڑوں جزیرہ نشین رہائی پا کر اپنے گھر آ گئے۔ یا انھیں منشی کو کیا اختیار ہے۔ کہ وہ چھٹ جاے یہ آپ کی تحریر سے نہیں معلوم ہوتا۔ کہ اب بھی منحصر اس میں ہے کہ قید دریائے شور کو نہ جائے۔ اور یہیں محبوس رہے یا یہ منظور ہے۔ کہ جزیرہ کو بھی نہ جاوے اور یہاں کے قید سے بھی رہائی پاوے۔ تو اہش کیا ہے اور کارپرداز سے کس طرح کی اعانت چاہی ہے۔ پہلے تو یہ سوچتا ہوں۔ کہ کیا لکھوں پھر جو کچھ لکھوں۔ اس کو کہاں بھیجوں۔ طریق یہ ہے۔ کہ میاں امیر الدین وہ نگارش لیکر منشی صاحب کے پاس جائیں اور بدیں اس خط کے روشناس ہوں۔ میں کیا جانوں کہ امیر الدین کا مسکن کہاں ہے منشی صاحب کو خط بھیجدوں۔ اُن کے نزدیک احمق بنوں۔ کہ کس امر موہوم جھمیلے میں لکھا ہے۔ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اس خط کو پڑھ کر تفحص کریں کہ امیر الدین کون ہے اور کہاں ہے۔ اور کیا چاہتا ہے۔ بہرحال اس خط کے ساتھ ایک اور لفافہ آپ کے نام کا روانہ کرتا ہوں۔ اس میں صرف ایک خط موسومہ منشی صاحب ہے کھلا ہوا۔ اس کو پڑھ کر میاں امیر الدین کے پاس بھیج دیجئے گا۔ مگر گوند لگا کر اور اگر یہ منظور نہ ہو تو میری طرف سے منشی صاحب کے نام کے خط کا مسودہ لکھ کر میرے پاس بھیجئے کہ اس مسودہ کو صاف کر کے کہاں بھیجوں ۔

ایضاً۔ خداوند نعمت۔ شرف افزا نامہ پہنچا۔ شاہ اسرار الحق کے نام کا مکتوب اُن کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ جناب شاہ صاحب سالک مجذوب یا مجذوب سالک ہیں اگر جواب بھجوا دیں گے تو جناب میں ارسال کیا جائیگا۔ قصیدہ کو بارہا دیکھا اور غور کی جس طرح پر ہے۔ اس میں گنجائش اصلاح کی نہ پائی ۔ یعنی لفظ کی جگہ لفظ مرادف بالمعنی لانا صرف اپنی دستگاہ کا اظہار ہے ورنہ کوئی لفظ بے محل اور بے موقع نہیں۔ کوئی ترکیب فارسی محاورے سے باہر نہیں۔ مگر ہاں طرز گفتار کا بدلنا اس کے واسطے چاہیئے دوسرا قصیدہ اس فن میں ایک دور رکھتا اور وہ تکلف بارد ہے بلکہ شاید حضرت کو یہ منظور بھی ہو۔ بس شرم کم خدمتی سے دل ریش اور فرط خجالت سے سر در پیش ہو کر قصیدہ

کو اس لفافہ میں بھیجتا ہوں خدا کرے مورد عتاب نہ ہوں۔ غلہ کی گرانی آفت آسمانی امراض دموی بلائے جانی انواع و اقسام کے اوہام و شور شایع۔ چارہ ناسود مند سعی ضائع میں نہیں جانتا کہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو پھر دن چڑھے وہ فوج باغی میرٹھ سے دلی آئی تھی۔ یا خود قہر الٰہی کالپے در پے نزول ہوا تھا۔ بقدر خصوصیت سابق دلی ممتاز ہے۔ ورنہ سر تا سر قلمرو ہند میں فتنہ و بلا کا دروازہ باز ہے اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون
جناب میر امجد علی صاحب کو بندگی۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو سلام ۔

ایضاً پیر و مرشد ۱۲ بجے تھے میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا۔ کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں نے کھولا پڑھا۔ بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا۔ حضرت کا کیا جاتا میرا نقصان ہوتا۔ سرے سے سنئے آپ کا قصیدہ آپ کا بعد اصلاح بھیجا اُس کی رسید آئی۔ کٹے کٹے ہوئے شعر آئے۔ اُن کی قباحت پوچھی گئی۔ قباحت بتائی گئی۔ الفاظ قبیح کی جگہ بے عیب الفاظ لکھ دیئے گئے۔ وہ صاحب یہ اشعار بھی قصیدہ میں لکھ لو۔ اس نگارش کا جواب آج تک نہیں آیا۔ شاہ اسرار الحق کے نام کا کاغذ اُن کو دیا جواب میں جو کچھ انہوں نے زبانی فرمایا۔ آپ کو لکھا گیا حضرت کی طرف سے اس تحریر کا بھی جواب نہ ملا ۔

پر ہوں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا اک ذرا چھیڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

سوچتا ہوں کہ دونوں خط بیرنگ گئے تھے۔ تلف ہونا کسی طرح متصور نہیں خیر اب بہت دن کے بعد شکوہ کیا لکھا جائے۔ باسی کڑھی میں اُبال کیوں آئے۔ بندگی بیچارگی پانچ لشکر کا حملہ پے در پے اس شہر پر ہوا پہلا باغیوں کا لشکر اس میں اہل شہر کا اعتبار لٹا۔ دوسرا لشکر خاکیوں کا۔ اس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین و آثار ہستی سراسر لٹ گئے۔ تیسرا لشکر کال کا اُس میں ہزار ہا آدمی بھوکے مرے۔ چوتھا لشکر ہیضہ کا اس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے پانچواں لشکر تپ کا اُس میں تاب و طاقت نہ پائی۔ اب تک اس شہر سے کوچ نہیں کیا۔ میرے گھر میں دو آدمی تپ میں مبتلا ہیں ایک بڑا لڑکا اور ایک میرا داروغہ۔ خدا اِن دونوں کو جلد صحت دے۔ برسات یہاں بھی اچھی ہوئی ہے لیکن نہ ایسی کہ جیسی کالپی اور بنارس میں۔ زمیندار خوش کھیتیاں تیار ہیں۔ خریف کا بیڑا پار ہے۔ ربیع کے واسطے پوہ ماہ میں مینہ درکار ہے۔ کتاب کا پارسل پرسوں ارسال کیا جائیگا
ہا ہا ہا جناب حافظ محمد بخش صاحب میری بندگی۔ مغل علی خاں غدر سے کچھ دن پہلے مستسقی ہو کر مر گئے۔ ہے ہے کیونکر لکھوں۔ حکیم رضی الدین خاں کو قتل عام میں ایک خاکی نے گولی مار دی۔ اور احمد حسین خاں اُن کے چھوٹے بھائی اُسی دن مارے گئے۔ طالع یار خاں

کے دونوں بیٹے ٹونک سے رخصت لے کر آئے تھے۔ غدر کے سبب نہ جا سکے۔ یہیں رہے بعد فتح دہلی دونوں بیگناہوں کو پھانسی ملی۔ طالع یار خاں ٹونک میں ہیں۔ زندہ ہیں۔ پر یقین ہے کہ مُردہ سے بدتر ہونگے میر چھوٹم نے بھی پھانسی پائی۔ حال صاحبزادہ میاں نظام الدین کا یہ ہے۔ کہ جہاں سید کا بر شہر کے بعد گئے تھے۔ وہاں وہ بھی بھاگ گئے تھے۔ بڑودہ میں رہے اورنگ آباد میں رہے۔ حیدرآباد میں رہے۔ سال گذشتہ بیچ جاڑوں میں یہاں آئے۔ سرکار سے اُن کی صفائی ہو گئی۔ لیکن صرف جان بخشی۔ روشن الدولہ کا مدرسہ جو متصل کوتوالی چبوترہ ہے۔ اور خواجہ قاسم کی حویلی میں فضل علی خاں مرحوم رہتے تھے۔ وہ اور خواجہ صاحب کی حویلی یہ املاک خاص حضرت کالے صاحب کی اور کالے صاحب کے بعد میاں نظام الدین کی قرار پا کر ضبط ہو گئی۔ اور نیلام ہو کر روپیہ سرکار میں داخل ہو گیا۔ ہاں قاسم خان کی حویلی جس کے کاغذ میاں نظام الدین کی والدہ کے نام کے تھے۔ وہ ان کو یعنی میاں نظام الدین کی والدہ کو مل گئی ہے فی الحال نظام الدین پاک پٹن گئے ہیں۔ شاید بہاول پور بھی جائیں گے۔

ایضاً پیر و مرشد آداب غلط نامہ قاطع برہان کا پہنچے ہوئے تین دن اور آپ کا خیر و عافیت مولوی حافظ عزیز الدین کی زبانی سنے ہوئے دو دن ہوئے تھے۔ کہ کل آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ قاطع برہان کے پہنچنے سے اطلاع پائی۔ معتقدان برہان قاطع بہت سے اونٹ لڑائیں پکڑ پکڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہنچے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قاطع برہان غلط ہے۔ یعنی ترکیب خلاف قاعدہ ہے۔ کلام تعقید کیا ہوتا ہے۔ برہان قاطع نہیں ہو سکتی۔ تو صاحب برہان صحیح اور قاطع برہان غلط۔ گر برہان قطع کی فاعل ہو سکتی ہے اور قطع کا فعل آپ نہیں قبول کرتے۔ قاطع میں جو برہان کا لفظ ہے۔ یہ مخفف برہان قاطع ہے۔ برہان قاطع کی رد کو قطع سمجھو۔ قاطع برہان نام رکھا تو کیا گناہ ہوا۔ دوسرا ایراد یہ ہے۔ **مصرع** بانگشتیاں تیز بے جادہ انگشت کا نون ملفوظ میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں خدا کے واسطے انگشت اور انگریز کا نون باعلان کہاں ہے۔ اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل ڈالتے ہیں۔ اگر انگشت کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا۔ وہ ورق جو چھاپے کا آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اس کو غلط نامہ شامل کے بعد لگا کر جلد بندھوا لیجئے گا۔ حضرت کیوں آپ نے مراسلہ اور میرے مکتوب کا حال پوچھا

مصرع ایں ہم کہ جواب نہ نویسند جواب ست ؎

سمجھ لو اور چپ رہو۔ میں نے مانا جس کو تم نے لکھا ہے وہ لکھیگا کہ میں نے مختار سے پوچھا۔ اس نے یوں کہا پھر میں نے یوں کہا۔ اب یہ بات قرار پائی ہے۔ تو اس تقریر کو حضرت ہی یاد کریں گے۔ فقیر کبھی نہ ملنے گا۔ ایک حکایت سنو۔ محمد علی شاہ کی سلطنت کے آغاز میں ایک صاحب میرے ہم آشنا خدا جانے کہاں کے رہنے والے

کسی زمانہ میں وارد اکبر آباد ہوئے تھے۔ کبھی کہیں کے تحصیلدار بھی ہو گئے تھے۔ زبان اردو کو چلا کر اکبر آباد میں ذکری کی جستجو کی کہیں کچھ نہ بتا۔ میرے ہاں وہ ایک بار آئے تھے۔ پھر وہ خدا جانے کہاں گئے۔ میں دلی آ رہا ہم نشین بیس برس ہوئے ہونگے۔ امجد علی شاہ کے عہد میں اُن کا خط بسبیل ڈاک آیا۔ چونکہ ان دنوں میں دماغ درست اور حافظہ برقرار تھا۔ میں نے جانا کہ یہ وہی نیک نام ہیں۔ خط میں مجھ کو پہلے یہ مصرع لکھا مصرع از بخت شکر دارم و از روزگار ہم۔ آپ سے جدا ہو کر بیس برس آوارہ پھرا۔ جے پور میں نوکر ہو گیا وہاں سے دو برس کے بعد کہاں گیا اور کیا کیا۔ اب لکھنؤ میں آیا ہوں۔ اور وزیر سے ملا ہوں۔ بہت عنایت کرتے ہیں۔ بادشاہ کی ملازمت انہیں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے۔ بادشاہ نے خان بہادر کا خطاب دیا ہے۔ مصاحبوں میں نام لکھا ہے۔ مشاہرہ ابھی قرار نہیں پایا۔ وزیر کو میں نے آپ کا بہت مشتاق کیا ہے۔ اگر کوئی قصیدہ حضور کی مدح میں اور عرضی یا خط جو مناسب جانیں۔ وزیر کے نام لکھ کر میرے پاس بھیجیے۔ تو بیشک بادشاہ آپ کو بلا لینگے۔ اور وزیر کا خط فرمان طلب آپ کو پہنچے گا۔ میں نے اسی عرصہ میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس کی بیت اسم یہ ہے۔ ؎

امجد علی شاہ آنکہ بہ ذوق دعائے او   صدرہ نماز صبح قضا کرد روزگار

الخ متردد تھا کہ کس کی معرفت بھیجوں توکلت علی اللہ بھیج دیا۔ رسید آ گئی صرف پھر دو ہفتہ کے بعد ایک خط آیا۔ کہ قصیدہ وزیر تک پہنچا۔ وزیر پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ آئین شائستہ پیش کرنے کا وعدہ کیا ہے متوقع ہوں کہ میاں بدرالدین مہر کن سے میری مہر خطابی کھدوا کر بھیج دیجئے۔ چاندی کا نگینہ ہو۔ مربع اور قلم جلی خیر تے سرانجام کر کے بھیج دیا۔ رسید آئی۔ اور قصیدہ کی بادشاہ تک گذرنے کی نوید بس پھر دو مہینے تک ادھر سے کوئی خط نہ آیا میں نے جو خط بھیجا الٹا پھر آیا۔ ڈاک کا یہ توضیح کہ مکتوب الیہ یہاں نہیں ایک مدت کے بعد حال معلوم ہوا۔ کہ اس ٹھگ کا وزیر تک پہنچنا اور حاضر رہنا سچ بادشاہ کی ملازمت اور خطاب ملنا غلط۔ بہادری کی مہر تم سے فریب سے حاصل کر کے مرشد آباد کو چلا گیا چلتے وقت وزیر نے دو سو روپے دیئے تھے۔ ایک قاعدہ کلیہ دلی کا سمجھ لو۔ خلاقی کی قدرت مقتضی اس کی ہے۔ کہ جو اس شہر پناہ کے اندر پیدا ہوا مرد یا عورت خفقان۔ مراق۔ اس کی خلقت و فطرت میں ہو۔ آٹھ دس برس کے بعد ساون کے آخر میں خوب مینہ برسا۔ لیکن نہ دریا جاری ہوئے نہ طوفان آیا۔ ہاں شہر کے باہر ایک دن بجلی گری۔ دو ایک گھر جانور تلف ہوئے۔ مکان گرے۔ دس بیس آدمی دب کر مرے۔ دو تین شخص کوٹھے پر سے گر کر مرے۔ مراقیوں نے غل مچانا شروع کیا اپنے عزیزان بسفر رفتہ کو لکھا جا بجا اخبار نویسوں نے اُن سے سن کر درج اخبار کیا۔ و اب دس بارہ دن سے مینہ کا نام نہیں۔ دھوپ آگ سے زیادہ تر تیز ہے۔ وہی خفقانی صاحب روتے پھرتے ہیں کہ کھیتیاں باقی ہیں۔ اگر مینہ نہ برسے گا۔ تو پھر کال پڑے گا۔ مکانات کے گرنے کا حال یہ ہے

کہ پہلے پانچ برس ضبط ہے۔ یغمائی لوگ کڑی تختہ۔ کیواڑ چوکھٹ بعض مکانات کی چھت کا مسالہ سب لے گئے۔ اب ان غربا کو وہ مکان ملے تو ان میں مرمت کا مقدور کہاں فرمائیے مکانات کیونکر نہ گریں۔

ایضاً۔ پیر و مرشد ایک نوازش نامہ آیا۔ اور ستیعے کے پہنچنے کا مژدہ پایا۔ اس کا جواب ابھی کہ کار پردازانِ ڈاک کا احسان مانا۔ اور اپنی محنت کو رائیگاں نہ جانا چند روز کے بعد ایک عنایت نامہ اور پہنچا۔ گویا ساغرِ التفات کا دوسرا دور پہنچا۔ اب ضرور آپڑا۔ کہ کچھ حال اس ستارہ دُم دار کا لکھوں۔ چنانچہ جس وقت سے وہ خط پڑھا ہے سوچ رہا ہوں۔ کہ کیا لکھوں۔ چونکہ بسبب فقدانِ اسباب یعنی عدم رصد و کتب کچھ نہیں کہا جاتا۔ ناچار مرزا صائب کا مصرع زبان پر آجاتا ہے۔ **مصرع**۔ اذیں ستارۂ دنبالہ دار می ترسم ؎ یہ مطلع ہے اور یہ پہلا مصرع ہے۔ **مصرع**۔ ز خالِ گوشۂ ابروئے یار می ترسم ؎ کیا آپ مجھ کو بے خبری اور ہیچ میرزی میں مثالِ کمال نہیں جانتے اور خاص عبارت فارسی کو میرا مصداقِ حال نہیں مانتے۔ پیش ملا طبیبم و پیش طبیب ملا۔ پیش ہیچ ہر دو ہیچ۔ آرائشِ مضامین شعر کے واسطے کچھ تصوف کچھ نجوم لگا رکھا ہے۔ ورنہ سوائے موزونیِ طبع کے یہاں اور کیا رکھا ہے۔ بہرحال علم نجوم کے قاعدہ کے موافق جب زمانہ کے مزاج میں فساد کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ تب سطحِ فلک پہ یہ شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ جس برج میں یہ نظر آئے اُس کا درجہ و دقیقہ دیکھتے ہیں۔ ہزار طرح کی چال ڈالتے ہیں تب ایک حکم نکالتے ہیں۔ شاہجہان آباد میں بعد غروب آفتاب افق غربی پر نظر آتا تھا۔ اور چونکہ ان دنوں میں آفتاب اوّل میزان میں تھا۔ تو یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ یہ صورت عقرب میں ہے۔ درجہ و دقیقہ کی حقیقت نامعلوم رہی۔ چند دن شہر میں اس ستارہ کی دھوم رہی اب دس بارہ دن سے نظر نہیں آتا۔ وہاں شاید اب نظر آتا ہے۔ جو آپ نے اس کا حال پوچھا ہے۔ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ صورتیں قہر آلہی کی ہیں۔ اور دلیل ملک کی تباہی کی۔ قِران النحسین پھر کسوف پھر خسوف پھر یہ صورت پھر کہ وہ عیاذاً باللہ و پناہ بخدا ایسا پہلی نومبر کو بدھ کے دن حسب الحکم حکام کوچہ و بازار میں روشنی ہوئی اور شب کو کمپنی کا ٹھیکہ ٹوٹ جانا اور قلمرو ہند کا پادشاہی عمل میں آنا سنایا گیا۔ نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر کو ملکہ معظمہ انگلستان نے فرزند ارجمند خطاب دیا۔ اور اپنی طرف سے نائب اور ہندوستان کا حاکم کیا۔ میں قصیدہ پہلے ہی اس تہنیت میں لکھ چکا ہوں چنانچہ بہ شمول دستنبو نظر انور سے گذرا ہوگا ؎

تا نہال دوستی کے بردہد   حالیا رفتیم و تخمے کاشتیم

ایضاً۔ حضرت پیر و مرشد اگر آج میرے سب دوست و عزیز یہاں فراہم ہوتے اور ہم اور وہ باہم ہوتے تو میں کہتا کہ آؤ اور رسم تہنیت بجا لاؤ۔ خدا نے پھر وہ دن دکھایا۔ کہ ڈاک کا ہرکارہ انوار الدولہ کا خط لایا **مصرع**

ایں کہ مے بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب منہ پیٹتا ہوں۔ اور سر پٹکتا ہوں۔ کہ جو کچھ لکھا چاہتا ہوں نہیں لکھ سکتا ہوں۔ اپنی حیات جاودانی نہیں مانگتا۔ پہلے انوار الدولہ سے مل کر سرگذشت بیان کروں۔ پھر اس کے بعد روں روپیہ کا نقصان اگرچہ جانکاہ اور جاں گداز ہے۔ پہ بموجب تلف المال خلف العمر فخر اہے۔ جو روپیہ ہاتھ سے گیا ہے۔ اس کو عمر کی قیمت جانئے۔ اور بقائے ذات و بقائے عرض و ناموس کو غنیمت جانئے۔ اللہ تعالیٰ وزیر اعظم کو سلامت رکھے اور اس خاندان کے نام و نشان و عز و شان کو تا بہ قیامت رکھے ہیں۔ گیارہویں مئی ۵۷ء سے اکتیسویں جولائی تک روداد نثر میں بعبارت فارسی ناآموختہ بعربی لکھی ہے اور وہ پندرہ سطر کے مسطر سے چار جزو کی کتاب آگرہ کے مفید الخلائق میں چھپنے کو گئی ہے۔ دستنبو اس کا نام رکھا ہے۔ اور اس میں صرف اپنی سرگذشت اور اپنے مشاہدہ کے بیان سے کام رکھا ہے۔ بعد چھپ جانے کے وہ نسخہ حضرت کی نظر سے گذاروں گا۔ اور اس کو ہم سخنی اور ہم زبانی جانوں گا۔ جناب میر احمد علی صاحب کا جو آپ کے خط میں ذکر نہیں آیا ہے۔ تو اس خیر خواہ احباب کا دل گھبرایا ہے۔ اب جو خط لکھئے۔ تو ان کی خیر و عافیت ہر خط لکھئے۔ ان کی بندگی اور جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کو سلام پہنچے ؏

ایضاً پیر و مرشد معاف کیجئے گا۔ میں نے جمنا کا کچھ حال نہ لکھا۔ یہاں کبھی کسی نے اس دریا کی کوئی حکایت ایسی نہیں کی جس سے استبعاد و استعجاب پایا جائے۔ پرسش کے بعد بھی کوئی بات نہیں سنی۔ سنئے تو یہی موسم کیا ہے۔ گرمی۔ جاڑا۔ برسات تین فصلیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ تگرگ باری علاوہ ایک بحر یعنی کی حقیقت متغیر ہو جائے۔ تو محل استعجاب کیوں ہو۔ اور یہ بات کہ دتی میں تغیر نہ ہو۔ اور پورب میں ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں جمنا با انفراد بہ رہی ہے۔ کہ وہاں کہیں کہیں گنگا باہم مل گئی ہے۔ مجمع البحار ہے حضرت نے خوب وکالت کی مولانا فلق سے تقصیر میری معاف کرادی۔ کہہ دو گے کہ گناہ معاف ہو گیا میں بغیر سارٹیفکیٹ کے کب مانوں گا۔ یہ دن مجھ پر بُرے گذرتے ہیں۔ گرمی میں میرا حال بعینہ وہ ہوتا ہے۔ جیسا زبان سے پانی پینے والے جانوروں کا۔ خصوصاً اس تموز میں کہ غم و ہم کا ہجوم ہے ؎

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں سوز غمہائے نہانی اور ہے

ایضاً قبلہ و کعبہ عرض کر چکا ہوں کہ وہ عنایت نامہ جس میں حضرت نے مزاج کی شکایت لکھی تھی۔ پڑھ کر بے چین ہو گیا ہوں۔ کہ مزاج کا حال مفصل لکھئے۔ چونکہ آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ تو زیادہ مشوش ہوں۔ نسخہ رفع تشویش یعنی شفقت نامہ جلد بھیجئے۔ جناب منشی نادر حسین خاں صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ حضرت میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ متوقع ہوں۔ کہ ان دونوں صاحبوں کی خدمت میں میرا سلام پہنچے اور آپ ان کی خیر و عافیت

لکھیں۔ کبوتروں کا نسخہ جیسا کہ میرے پاس آیا ہے بجنسہٖ ارسال کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ میرن صاحب نے انتقال کیا یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے نام اُن کا سید حسین اور خطاب سید العلماء نقش نگین۔ میر حسین ابن علی میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی۔ اس میں پانچ بڑھتے ہیں۔ یعنی ۱۲۷۸ ہوتے ہیں۔ بتجریہ نئی روش کا میرے خیال میں آیا۔ میں تو جانتا ہوں۔ اچھا ہے۔ دیکھوں آپ پسند فرماتے ہیں۔ یا نہیں **قطعہ**

حسین ابن علی آبروے علم و عمل　　کہ سید العلما نقش خاتمش بودے
نماندے ماندے اگر بودے پنجسال دگر　　غم حسین علی سال ماتمش بودے

زیادہ حد آداب۔ فقط

ایضاً پیر و مرشد یہ خط لکھنا نہیں ہے۔ باتیں کرتی ہیں۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ میں القاب و آداب نہیں لکھتا خلاصہ عرض کا یہ ہے۔ کہ آج شہر میں بدرالدین علی خان کا نظیر نہیں۔ پس مُہر اور کون سکیگا۔ ناچار میں نے آپ کا نوازشنامہ جو میرے نام تھا۔ وہ ان کے پاس بھجوا دیا۔ انھوں نے رقعہ میرے نام آج بھیجا۔ سو وہ رقعہ حضرت کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ آپ پڑھ لیں۔ اور سمجھ لیں۔ اور نگین بہ احتیاط ارسال فرما دیں۔ پھر اُس کے بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ جب میں عرض کروں۔ تب بھیجئے گا۔ تعجب ہے کہ جناب میرزا مجد علی صاحب تعلق کا اس خط میں سلام نہ تھا۔ متوقع ہوں۔ کہ چھاپے کے قصیدے اُن کو سُنا دیے جاویں۔ اور میری بندگی کہی جائے۔ جناب منشی نادر حسین خانصاحب کو میرا سلام بہ ہزار اشتیاق پہنچے۔

ایضاً: للہ الشکر کہ پیر و مرشد کا مزاج اقدس بہ خیر و عافیت ہے۔ پہلے نوازشنامہ کا جواب باآنکہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا۔ ہنوز لکھنے نہیں پایا۔ کہ کل ایک کرمنت نامہ آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے۔ کہ مسہل میں ہوں چنانچہ کل میرا مسہل ہوگیا۔ اس سبب سے توقیع کا پاسخ نگارندہ ہو سکا اور لکھتا بھی تو یہی لکھتا ہے۔ جو آپ نے لکھا ہے اَرِنی کی ے کی حرکت و سکون کے باب قول فیصل یہی ہے جو حضرت نے لکھا ہے۔ اگر تقطیع شعر مساعدت کر جائے اور ارنی پروزن خمسی گنجائش پائے تو نعم الاتفاق ہے۔ ورنہ قاعدہ تصرف مقتضی جانب ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل ؎

چو رسی بطور عزت اَرِنی مگو و مگر یز　　کہ نیرزد ایں تمنا بجواب لن ترانی

اسداللہ بیگ غالب ؎

رفت آنکہ ماز حسن مدارا طلب کنیم　　سر رشتہ درکف اَرِنی گوئے طور بود

نماز سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہائے کیا غزل لکھی ہے قبلہ آپ نے رسمی کیوں نہیں کہا کرتے کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز بیان۔ کیا میں سخن ناشناس اور نافہم ہوں۔ کہ ایسے کلام کے مکرر اصلاح پر جرأت کروں۔ مصرع چھا جانے قطرات اوسے زیادہ ہے۔ ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں۔ مصرع۔ مطرب جادو نفس با نغمہ ہو ہم قسم تن بود دیم آتش سے نہیں۔ ایک میم نظر بیکار ہے۔ دوسری جگہ آپ بجا سہو کر گئے ہیں۔ مصرع۔ مطرب جادو نفس جگر ہو ہم تن تا ابد ایک دی دو مصاحبوں کی غزلیں کب تک ہیں۔ تمنی عنایات فرمایئے گا کہ صاحب کے قصہ کے ساتھ ان کا اسم مبارک ہو بکچہ حال تم کہیے گا زیادہ ادب بیشتر کیونکر کہوں کہ میرے یہاں نہیں ہیں۔ ہاں اتنے ہوش بازار ہیں۔ کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ واہ کیا ہوشمندی ہے کہ قبلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں نہ القاب نہ خطاب نہ بندگی نہ تسلیم سخن غالب ہم تجھ سے کہتے ہیں۔ بہت مصائب نہ بن آئیں۔ یقین خود شناس اتنا کو تو نے کتنی برس کے بعد ایک بیت کی غزل لکھی ہے۔ اور آپ اپنے کلام پر وجد کرتے ہے مگر وہ تحریر کی کیا روش ہے۔ پہلے القاب یکسر بندگی عرض کر۔ پھر اس کے بعد مزاج کی خیر پوچھ۔ پھر عنایت نامہ کے آنے کا شکر ادا کر۔ بعد اس کے یہ کہ روح کی تمثیل کرتا تھا۔ مطلقی جس دن صبح کو میں خط بھیجا۔ اسی دن شام کو عنایت حضرت کا نوازش نامہ پہنچا۔ سلام ہو کہ طاقت ہنوز باقی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ حج بھی ہو جائے گی موسم ہیا آگیا ہے ؎

گرمی اداب ہموں صفت حرارت زبہا۔ محل مہر جہان تاب بمیزان آمد

اگر موقع ہو تو میرے تعمیل سے کام کیا جائے شکایت کا لکھنا ہے۔ وہ سمجھتے ہے طبیب حقیقہ کو اسے اللہ کو کہنا ہے جو ولایت منشی ہے۔ پانچ سات دن کبھی ہم بھی ہم گناہ

ایضاً۔ پیرو مرشد آداب بجا لاتا ہے تمہیں میرا حال آپ نے پوچھا اس پرسش کا شکر بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آپ کا بندہ بہ سر عدم خود اجی جاتا ہے۔ ایک نفسا۔ بائیس حقنے۔ چار مسہل کہاں تک آدمی کو ضعیف نہ کرے۔ مگر آفتاب حمل میں آگیا۔ پانی برف آب ہو گیا ہے۔ کابل و کشمیر کا میوہ بکنے لگا ہے۔ یہ ضعف ضعف مرض تو نہیں کہ اپنے بیمار ہو کر کوئی زائل نہ کر سکے غزلوں کو پڑھنے سے پھولا نہیں سماتا ہوں اور وجد کرتا ہوں۔ خوشامد میرا شیوہ نہیں ہے جو ان غزلوں کی حقیقت میری نظر میں ہے وہ مجھ سے سن لیجئے۔ اور میری داد دینے کو دیکھئے۔ مولانا تعشق ... عرفی کے طرز خیر و سعدی و جامی کی روش کو سو کمال کو پہنچایا ہے۔ اور حضرت قبلہ و کعبہ عاشق اور مولانا ہاشمی اور حضرت عسکری متاخرین میں صاحب و کلیم تو ہیں کہ ننھے لڑکے کو آسمان پہ لے گئے ہیں۔ اور بے تکلف و تحقیق سے کہتا ہوں۔ کہ مجھ کو ایمان نصیب نہ ہو جو آپ اپنے کلام کے حق و اصلاح کے واسطے مجھ سے فرماتے ہیں۔ یہ آپ میری آبرو بڑھاتے ہیں کہ کوئی بات سمجھا ہو۔ کوئی لفظ کا معنا جتا میں کم سمجھاؤں۔ زیادہ وہ الآداب ہو

ایضاً قبلہ و کعبہ کیا لکھوں۔ امور نفسانی نے اضداد کا جمع ہونا محالات عادیہ میں سے ہے۔ کیونکر ہو سکے۔ ایک وقت خاص میں ایک امر حس موجب انشراح کا بھی ہو۔ اور باعث انقباض کا بھی ہو۔ یہ باتیں نے

آپ کے اس خط میں پائی کہ اس کو پڑھ کر خوش بھی ہوا اور غمگین بھی ہوا۔ سبحان اللہ اکثر امور میں تم کو اپنا ہم طالع پاتا ہوں۔ عزیزوں کی ستم کشی اور رشتہ داروں سے ناخوشی میرا ہم توام تو سراسر قلمرو ہند میں نہیں مگر قند میں دو چار یا دشت قبچاق میں سو دو سو ہونگے۔ مگر ہاں اتنے فرمانے سنے ہیں۔ سو پانچ برس کی عمر سے اُن کے دام میں اسیر ہوں۔ اٹھہتر برس ستم اٹھائے ہیں ؎

گر دہم شرح ستم ہائے عزیزان غالبؔ رسم امید ہمانا زجہاں برخیزد

نہ تم میری خبر لے سکتے ہو۔ نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں۔ اللہ اللہ دریا سارا تیر چکا ہوں۔ ساحل نزدیک ہے۔ دو ہاتھ لگائے اور بیڑا پار ہے ؎

عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

شاہ اسرار الحق کو حافظ نظام الدین صاحب کا خط بھجوا دیا۔ ہفتہ بھر کے بعد جواب مانگا۔ جواب دیا کہ اب بھیجتا ہوں۔ دس بارہ دن ہوئے کہ حضرت خود تشریف لائے۔ جواب آپ کے اور حافظ جی کے خط کا مانگا۔ کہا کہ کل بھیجونگا۔ اس واقعے کو آج قریب دو ہفتے کے عرصہ ہوا۔ ناچار اُن کے جواب سے قطع نظر کر کے آپ کو یہ چند سطریں لکھیں ؎

از خون دل نوشتم نزدیک دوست نامہ انّی رأیت دہراً نی ہجرک القیامہ

حافظ جی کو میری بندگی کہئے گا۔ اور یہ خط ان کو پڑھوا دیجئے گا۔ جناب منشی نادر حسین خان صاحب کو میرا سلام پہنچے۔ اگرچہ آپ مبتلائے رنج والم ہو مگر یہ شکر کیا کم ہے۔ کہ انوار الدولہ کے ہم وارد ہو کر جہاں روزگار رہنا فراغت ذاتی کی دلیل ہے۔ سامع اور ترجمان ہے۔ جامع ہاں حضرت بہت دن سے جناب میر امجد علی صاحب کا کچھ حال معلوم نہیں۔ اُن کے تفحص نے مجھ کو حیران کر رکھا ہے یعنی قلق میں مبتلا ہوں۔ آپ اُن کا حال لکھیے۔ خواجہ اسمٰعیل خاں صاحب کہاں ہیں اور کس طرح۔ سنئے تو میں تو آپ سے شاہ انوار الحق کے خط کے جواب کا طالب نہیں ہوں۔ کہ آپ اُن کمبخت کے حاصل ہونے کے انتظار میں مجھ کو خط نہ لکھ سکیں متقصد ہوں کہ اس اپنے خط کا جواب جلد پاؤں۔

بنام میر افضل علی عرف میرن صاحب

سعادت و اقبال نشان میر افضل علی صاحب المعروف بہ میرن صاحب خدا تم کو سلامت رکھے اور پھر تمہاری صورت مجھ کو دکھائے۔ تمہارا خط پہنچا۔ آنکھوں سے لگایا۔ آنکھوں میں نور آیا۔ دل پر رکھا مزا پایا۔ کیا تم اس نام کو سن کر شرماتے تھے۔ اور آپ ہی آپ کھلے جاتے تھے۔ اب بن بن کر باتیں بناتے ہو۔ اور ہم کو گریاں

سناتے ہو۔ کاش کہ تم یہاں آجاؤ تب اس تحریر کا مزا پاؤ۔ میر مہدی صاحب وہ تحریر تمہاری بہ نسبت میرے دیکھ کر بہت خفا ہوئے چنانچہ اب جو تمہاری اُن کی ملاقات ہوگی۔ تو تم کو معلوم ہوگا۔ بھائی تمہارے سید صاحب عزیز کے بیٹے ہیں وہ ایک بار میں نے اُنکو بلایا۔ انہوں نے کرم نہ فرمایا۔ تم سچ کہتے ہو یہ لوگ اور ہی آب و گِل کے ہیں۔ تمہاری اُن کی کبھی نہ بنیگی اور گہری نہ چھنے گی۔ وہیں بیٹھے رہو۔ دیکھو خدا کیا کرتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ رنج و عذاب کا زمانہ جلد گذرتا ہے۔ میر سرفراز حسین صاحب کو میری دعا کہنا اور کہنا بھائی وہ زمانہ آیا ہے۔ کہ سینکڑوں عزیز راہی ملک عدم ہوئے۔ سینکڑوں ایسے مفقود الخبر ہوگئے۔ کہ ان کی مرگ و زیست کی خبر نہیں دو چار جو باقی ہے ہیں۔ خدا جانے کہاں بستے ہیں کہ ہم اُن کے دیکھنے کو ترستے ہیں۔ میر نصیر الدین کو پہلے بیگی پھر دعا۔ دو شنبہ

۹- نومبر ۱۸۵۸ء بین الظہر والعصر حوالہ میر مہدی طال عمرہٗ

ایضاً: برخوردار کامگار میر افضل علی عرف میرن صاحب طال عمرہٗ بعد دعا کے واضح رائے سعادت آثار ہو۔ آپ کا خط پہنچا۔ اگرچہ میں نے صرف پڑھا۔ میر مہدی کے جلانے کو لکھتا ہوں۔ کہ میں نے آنکھوں سے لگایا ہاں صاحب تم نے جو لکھا ہے۔ کہ قبلہ و کعبہ کہنے سے وہ صاحب بہت خوش ہوتے ہیں۔ کیوں نہ خوش ہوں خوشی کی بات ہے۔ تمہارے سر کی قسم میں گویا دیکھ رہا ہوں۔ اور میری نظر میں پھر رہا ہے۔ وہ میر سرفراز حسین کا شرما کر آنکھیں نیچی کر لینی اور مسکرانا خدا کہیں مجھ کو بھی وہ صورت دکھائے۔ میر نصیر الدین یہاں آگئے ہیں۔ تم مجتہد العصر اور حکیم میر اشرف علی کو میری دعا کہنا۔ اور میر مہدی پوچھیں تو کہنا کہ تم کو کچھ نہیں لکھا کل میں نے خبر منگوائی تھی۔ سو لڑکی کو ابھی تپ آئے جاتی ہے۔ یقین ہے کہ تم نے وہاں پہنچکر مولوی مظہر علی کو خط لکھا ہوگا ہاں تم کو ضرور ہے۔ اُن سے نامہ و پیام کی رسم رکھنی والدعا چہار شنبہ ششم جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً: میری جان تمہارا رقعہ پہنچا۔ نہ کھلا کہ میر سرفراز حسین جے پور کیوں جاتے ہیں۔ بہرحال میر مہدی کو دعا کہنا۔ اور میر سرفراز حسین سے یہ پوچھنا کہ تم جے پور چلے۔ میں نے تم کو خدا کو سونپا تم مجھ کس کو سونپ چلے۔ جواب کا طالب۔ غالب ۱۲ جولائی ۱۸۶۴ء

بنام مرزا قربان علی بیگ خاں صاحب سالک

وللرحمٰن الطاف خفیہ۔ خیر و عافیت تمہاری معلوم ہوئی۔ دم غنیمت ہے۔ جان ہے تو جہان ہے۔ کہتے ہیں کہ خدا سے ناامیدی کفر ہے۔ میں تو اپنے باب میں خدا سے ناامید ہو کر کافر مطلق ہو گیا۔ موافق عقیدہ اہل اسلام جب کافر ہو گیا۔ تو مغفرت کی بھی توقع نہ رہی۔ چل بیٹی نہ دنیا نہ دین۔ مگر تم حسب الوسع مسلمان بنے رہو اور خدا سے ناامید نہ ہو۔ اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسراً کو اپنا نصب العین رکھو ح درطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر است

گھر میں تمہارے سب طرح خیر و عافیت ہے۔ محمد میرزا پنجشنبہ اور جمعہ کو داستان کے وقت آجاتا ہے۔ رضوان ہر روز شب کو آتا ہے۔ یوسف علی خاں عزیز سلام اور باقر اور حسین علی بندگی کہتے ہیں۔ کلو داروغہ کورنش عرض کرتا ہے اوروں کو یہ پایہ حاصل نہیں کہ وہ کورنش بھی بجا لائیں۔ خط بھیجتے رہا کرو۔ والدعا۔ اپنی مرگ کا طالب غالب

صبح دوشنبہ ۹ صفر ۱۱ جولائی سال حال ۔

ایضاً میری جان کن اوہام میں گرفتار ہے۔ جہاں باپ کو پیٹ چکا اب چچا کو بھی رو۔ تجھ کو خدا جیتا رکھے۔ اور تیرے خیالات کو صورت وقوع دے۔ یہاں خدا سے بھی توقع باقی نہیں مخلوق کا کیا ذکر کچھ بن نہیں آتی اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچتا ہے کہتا ہوں لو غالب کے ایک اور جوتی لگی بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔ لے اب تو قرضداروں کو جواب دے۔ سچ تو یوں ہے کہ غالب کیا مرا بڑا ملحد مرا۔ بڑا کافر مرا۔ ہم نے از راہ تعظیم جیسا بادشاہوں کو بعد اُن کے جنت آرام گاہ و عرش نشین خطاب دیتے ہیں چونکہ یہ اپنے کو شاہ قلمرو سخن جانتا تھا۔ سقر مقر اور ہاویہ زاویہ خطاب تجویز کر رکھا ہے آئیے نجم الدولہ بہادر ایک قرضدار کا گریبان میں ہاتھ ایک قرضدار بھوگ سنا رہا ہے۔ میں ان سے پوچھ رہا ہوں۔ اجی حضرت نواب صاحب نواب صاحب کیسے اور خانصاحب آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں۔ یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے کچھ تو اکسو کچھ بولو۔ بولے کیا۔ بے حیا بے غیرت کوٹھی سے شراب۔ گندھی سے گلاب بزاز سے کپڑا۔ میوہ فروش سے آم۔ صراف سے دام قرض لیا جاتا ہے یہ بھی سوچا ہوتا۔ کہاں سے دوں گا ۔

بنام مرزا شمشاد علی بیگ خانصاحب رضوان

فرزند دلبند شمشاد علی بیگ خاں کو اگر دعا دیتا ہوں۔ تو دعا، اور اگر آزردہ ہوں تو بندگی۔ غازی آباد سے جا کر طبع قدس نامساز ہوگئی مصرعہ از آمدن کعبہ پشیمان شدہ باشی ۔ قربان علی بیگ خان کو دعا کہنا۔ مرزا تفضل حسین خان کو دعا کہنا۔ اور ان کا حال لکھنا۔ آج شنبہ ۱۳ نومبر کی ہے۔ پرسوں نواب صاحب دورہ کو گئے ہیں۔ فرما گئے ہیں کہ دو ہفتہ میں آؤں گا۔ اگر چار روز یہاں رہیں گے۔ پھر نمائش گاہ بریلی کی سیر کو جائیں گے۔ وہاں سے پھر کر جب آئیں گے۔ تو صاحب کمشنر بریلی کا انتظار فرمائیں گے۔ پنجم دسمبر تک آجائیں گے۔ تین دن جشن رہیگا اُس کے دو چار روز بعد غالب رخصت ہوگا۔ خدا کرے تم تک زندہ پہنچ جائے۔ پیرجی بہت یاد آتے ہیں۔ ان کو دعا کہنا اور یہ غزل پہلے تم پڑھنا۔ پھر سالک کو پڑھانا۔ پھر میاں خواجہ امان اور حکیم سعدا خان کو دکھانا۔ پھر مرزا تفضل حسین خان کے پاس لیجانا۔ اس قصیدہ کے ساتھ کی نثر نواب ضیاء الدین خان یا مرزا تاتب سے مانگ لینا اور اس کی نقل کر لینا

اور قاطع برہان کا حال لکھنا میں نے تیس روپیہ کی ہنڈوی سو روپیہ کی باقی حکیم جی کو بھیجدی ہے۔ حضرت نے رسید بھی نہیں لکھی اُن سے رسید لکھوا بھیجو۔ اور سب جلدوں کے شیرازے بندھ جائیں اور موٹا کاغذ دو نو طرف لگ جائے۔ خبردار کوئی نسخہ بے جلد نہ رہے تین سو جلد کے تیار ہونے کی خبر اور بقیہ حساب میرے پاس بھیجدینا یا روپیہ فوراً بھیجدوں گا۔ یا آکر دونگا۔ گورنر کا حال لکھو کون کون حاضر ہوا کس کس کی ملاقات ہوئی۔ فرخ سیر کے داد اصاحب آئے ہیں۔ یا نہیں اگر آئے ہیں تو روداد مفصل لکھو ہاں بھائی ٹونک والے سید سراج احمد کا بھی حال ضرور لکھنا۔ علی نقی خان وزیر شاہ اودھ کی حقیقت بھی ضرور لکھنا اور مجھ کو ان مقاصد کے جواب کا منتظر سمجھنا۔ آج دوشنبہ ۲۸ نومبر کی ہے۔ آٹھ دن میں خط کی آمد و شد یقینی ہے۔ نودن راہ دیکھونگا۔ دسویں دن اگر تمہارا خط نہ آیا۔ تو میں تمہارا دارالخلافہ پہنچا دونگا۔ مطالب مندرجہ کے جواب کا طالب غالب ؎

ایضاً مرزا رسم تحریر خطوط بسبب ضعف ترک ہوتی جاتی ہے۔ تحریر کا تارک نہیں ہوں۔ بلکہ متروک ہوں۔ اب مجھے دیوانہ سمجھو جیسا چھوڑ گئے ہو۔ رام پور کے سفر میں تاب و طاقت سخن تکرار لطف طبیعت یہ سب اسباب کٹ گیا۔ اگر تمہارے استفسار کا جواب نہ لکھوں۔ تو محل ترحم ہے۔ نہ مقام شکایت نحو۔ میرے خط کے نہ پہنچنے سے تم کو تشویش کیوں ہو۔ جب تک زندہ ہوں۔ غمزدہ و افسردہ ناتواں و نیم جاں ہوں جب مر جاؤنگا تو میرے مرنے کی خبر سن لوگے بس جب تک میرے مرنے کی خبر نہ سنو۔ جانو کہ غالب جیتا ہے خستہ و نثر ندر نجور دردمند یہ سطرین لکھ کر اسوقت تمہارے بھائی پاس بھیجتا ہوں۔ مگر ان کو عادتیہ سفر در وطن ہے۔ بفرض محال اگر گھر میں ہیں تو عنایت اللہ ان کو مع محمد مرزا کے خط کے آئیگا۔ ربیع الثانی جمعہ کا دن صبح کا وقت ہے ؎

بنام مرزا باقر علی خان صاحب کامل

اقبال نشان مرزا باقر علی خان کو غالب نیم جان کی دعا پہنچے۔ تمہارا خط آیا۔ تمہارے روزگار کی درستی آگے سن چکا تھا۔ اب تمہارے لکھنے سے یک بھی ہی۔ دل میرا خوش ہوا۔ اور تم خاطر جمع رکھو۔ جیسا کہ مہاراج نے تم سے کہا ہے تمہاری ترقی انشاءاللہ تعالیٰ جلد ہو گی۔ مجھ سے جو تم گلہ کرتے ہو۔ خط کے نہ بھیجنے کا بھائی اب میری انگلیاں بکتی ہو گئی ہیں اور بصارت میں بھی ضعف آگیا ہے۔ دو سطریں نہیں لکھ سکتا۔ اطراف و جوانب کے خطوط آئے ہوئے دھرے رہتے ہیں۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے۔ میں اس سے جواب لکھوا دیتا ہوں پرسوں کا تمہارا خط آیا ہوا دھرا تھا۔ اب اس وقت مرزا یوسف علی خان آگئے ہیں میں نے ان سے یہ خط لکھوا دیا۔ تمہاری دادی اچھی طرح ہے۔ تمہارا بھائی اچھی طرح ہے تمہارے

گھر میں سب طرح خیر و عافیت ہے۔ تمہاری لڑکی اچھی طرح ہے۔ کبھی روز کبھی دوسرے تیسرے میرے پاس آجاتی ہے ؟

ایضاً۔ نورچشم و راحت جان مرزا باقر علی خاں کو فقیر غالب کی دعا پہنچے تمہارا خط جو میرے خط کے جواب میں تھا۔ وہ مجھ کو پہنچا اس میں کوئی بات جواب طلب نہ تھی۔ اس خط میں ایک نئے امر کی تمہیں اطلاع دیتا ہوں۔ وہ امر یہ ہے۔ کہ میں نے اگلے مہینے میں تمہیں کی ایک جلد مع عرضی اقبال نشان مرزا تفضل حسین خاں کی معرفت الور کو بھجوائی تھی۔ سو اب کے ہفتے میں حضور پُر نور مہاراؤ راجہ بہادر کا خط انہیں کی معرفت مجھ کو آیا۔ حضور نے از راہ بندہ پروری و قدر افزائی القاب بہت بڑا مجھے لکھا۔ اور خط میں فقرے بہت عنایت اور التفات کے بھرے ہوئے درج کئے۔ تم تو وہیں ہو۔ تم کو اس کی اطلاع ہو گئی تھی یا نہیں۔ اور اگر ہو گئی تھی۔ تو تم نے مجھ کو کیوں نہیں لکھا۔ اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں۔ کہ کبھی دربار میں کچھ میرا بھی ذکر آتا ہے۔ یا نہیں۔ اور اگر آتا ہے تو کس طرح آتا ہے۔ حضور سن کر کیا فرماتے ہیں۔ غالب ۷۔ دسمبر ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ اقبال نشان باقر علی خان کو غالب یتیم جان کی دعا پہنچے۔ بہت دن ہوئے کہ تمہارا خط آیا۔ مگر تم نے اپنے مکان کا پتہ تو لکھا ہی نہ تھا۔ فقط الور کا نام لکھ کر چھوڑ دیا۔ میں کیونکر خط بھیجتا۔ ہائے اب شہاب الدین خان کی زبانی پتہ معلوم ہوا ہے۔ سو اب میں تم کو خط لکھتا ہوں۔ جینا بیگم اچھی طرح ہے میرے پاس آتی رہتی ہے اور تمہارے گھر میں سب طرح خیر و عافیت ہے۔ اکتوبر کے مہینے کی تمہاری تنخواہ تمہارے گھر بھیج دی۔ مرزا حسین علی خاں بندگی عرض کرتا ہے۔ اسد اللہ تحریر تاریخ ۱۲ نومبر ۱۸۶۷ء

بنام ذوالفقار الدین حیدر خان عرف حسین مرزا صاحب

بھائی تمہارے خطوں کا اور یوسف مرزا کے خط کا جواب بھیج چکا ہوں۔ محمد قلی خاں صاحب ہمہ تن معروف ہیں۔ دوا دوش کی تعطیل ہو چکی ہے تو ندراستے کی بی بی مر گئی ہے۔ وہ غمزدہ ہو رہا ہے۔ مگر خیر کام کریگا۔ کاش نا مقصب بے پرواہ آدمی ہے تم ایک خط تاکیدی اسکو بھی لکھ بھیجو۔ اکثر وہ کہا کرتا ہے۔ کہ حسین مرزا صاحب چکھنے میں مرزا تفتہ جتانی کر لکھتے ہیں۔ یہ امر اس پر ظاہر نہ ہو۔ کہیں تمہیں یوں لکھنا ہے مطلب اپنا اسکو لکھو ہیں کیکوں اگر کچھ بلکہ میری جان بھی تمہارے کام آئے تو میں حاضر ہوں یہ کہتا لکھتا ہے کہ من ہے کون جان دیتا ہے اور کون کسی سے جان

مانگتا ہے مگر جو فکر مجھ کو تمہاری ہے۔ اور جو میری دسترس ہے اُس کو میرا خدا اور خداوند جانتا ہے دسترس کو تم بھی جانتے ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ اوائل ماہ آیندہ یعنی نومبر میں تیرا حال مقدمہ درست ہو جائے۔ اس سطور کی تحریر سے مُدعا یہ ہے کہ ابھی چُنی لال تمہارا قرضخواہ آیا تھا۔ تمہارا حال پوچھتا تھا۔ کچھ جھوٹ کہکر اس کو راہ پر لایا ہوں کہ سود و سو روپیہ تم کو بھیجدے۔ بنیوں کی طرح کی تقریر اسکو سمجھائی ہے کہ لاالہ جس درخت کا پھل کھانا منظور ہوتا ہے۔ تو اس کو باقی دیتے ہیں۔ حسین مرزا تمہارے کہتے ہیں۔ پانی دو تو اناج پیدا ہو۔ بھائی کچھ تو نرم ہوا ہے تمہارے مکان کا پتہ لکھوا کر لے گیا ہے۔ اور یہ کہہ گیا ہے۔ کہ میں اپنے بیٹے راجی داس سے صلاح کر کے جو بات ٹھہریگی۔ آپ سے آکر کہونگا۔ اگر وہ روپیہ ہی بھیجدے تو کیا کہنا ہے اور اگر وہ خط لکھے۔ اور تم اس کا جواب لکھو تو بضرور لکھنا کہ اسد اللہ نے جو تم سے کہا ہے۔ وہ سچ ہے۔ اور وہ امر ظہور میں آنیوالا ہے۔ میں نیا دو کیا لکھوں یہاں تک لکھ چکا تھا۔ کہ سردار مرزا صاحب تشریف لائے۔ میں نے خط اُن کو نہیں دکھایا مگر عین [illegible] کہا گیا کہ خط حسین مرزا صاحب کو لکھتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا میرا سلام لکھنا اور لکھنا کہ یہاں سب خیر و عافیت سے ہیں۔ اور سب کو دعا سلام کہتے ہیں۔ یوسف مرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو کہ اس وقت سرور امرزا سے دریافت ہو گیا۔ کہ عباس مرزا کے نام کا تمہارا لفافہ اُن کو پہنچ گیا۔ شنبہ ۱۹ - اکتوبر ؁

ایضاً: نواب صاحب آج تیسرا دن ہے۔ کہ تم کو حال لکھ چکا ہوں مصطفیٰ خان آئے۔ ہم میں ان میں باہم گفتگو ہوئی۔ نواب گورنر کی آمد آمد میں کچہریاں بند۔ حکام میرٹھ کو چلے جاتے ہیں ۱۹ یا ۲۰ دسمبر کو میرٹھ میں خیام ہوگا۔ دربار ہیں ہوگا۔ دلّی کا آنا مشتبہ ہے۔ کوئی کہتا ہے نہ آئینگے کوئی کہتا ہے جریدہ بسبیل ڈاک ایش گے۔ کوئی کہتا ہے مع لشکر آئیں گے ۱۰ دن یہاں رہینگے۔ آج ۱۰ دسمبر تک ہے جو کچھ واقع ہوگا۔ وہ تم کو لکھوں گا۔ نقل حکم کی درخواست اور اس مقدمہ کی فکر بعد اس ہنگامہ کے عمل میں آئیگی۔ خاطر جمع رہے۔ تمہارا دوست یعنی حسب الحکم کمشنر ہانسی حصار کل یا پرسوں میرٹھ کو جائیگا۔ اور احمد حسن الدین خان وہاں نہ آئیگا۔ میرا دربار اور خلعت دریا برد ہو گیا نہ پنشن کی توقع نہ دربار و خلعت کی صورت۔ مرزا انجم نہ رسم معمولی قدیم یوسف مرزا صاحب کو دعا پہنچے۔ پرسوں کل جو تمہارے آیا بکل دونوں طرف سے کھلا ہوا لیکر گیا۔ ڈاک کے کار پردازوں نے اُلٹا پھیر دیا اور کہا کہ پلندہ بنا لاؤ۔ پلندہ نہ بن کر گیا۔ بارہ پر دھیکے لیا جا شجا بیٹھا رہا۔ رات کو ۹ بجے اس کے سامنے روانہ ہوا۔ رسید لیکر اپنے گھر آیا۔ خدا کرے تم کو پہنچ جائے۔ اور پسند آئے۔ قصیدہ کے باب میں میں مایوس مطلق ہوں۔ مگر جو کچھ واقع ہو۔ بطریق خبر لکھ بھیجنا۔ مثنوی باد مخالف کی رسید تمہاری تحریر سے معلوم ہو گئی خیر مفتی صاحب کے حکم کی تعمیل ہو گئی فیل خانہ تک بیرا لال ڈگی کے محاذی کے مکانات سب گر گئے۔ بلّی بیگم کا کوچہ التوا میں ہے۔ اہل فوج ڈھانا چاہتے ہیں اہل قلم بچاتے ہیں

پایان کار دیکھیے کیا ہو۔ جمعہ ۱۶ دسمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ جناب عالی کل آپ کا خط لکھا ہوا سہ شنبہ ۸ نومبر کا پہنچا۔ لطف یہ کہ کل وہی سہ شنبہ کا دن ۸ نومبر کی تھی۔ آج بدھ کا دن ۹ نومبر کی صبح کے وقت ہیں تم کو خط لکھنے بیٹھا تھا کہ برخوردار یوسف مرزا خان کا خط لکھا ہوا ۳ نومبر کا پہنچا اب میں دونوں خطوں کا جواب باہم لکھتا ہوں۔ دونوں صاحب باہم پڑھ لیں۔ ۲۔ مرزا آغا جانی صاحب اچھی طرح ہیں۔ ان کو تپ آگئی تھی۔ اب تپ مفارقت کر گئی ہے مگر ضعف باقی ہے۔ آج چوتھا دن ہے۔ کہ میرے پاس آئے تھے۔ کاشی ناتھ سراسر بیہودہ گوئی کرتا ہے۔ نوندلٹے یکسر نزار سود احمد قلی خان اکبر علی بیٹھے ہیں۔ کبھی یہاں آجاتے ہیں تب نوندلٹے کو تاکید کرتے ہیں۔ آجکل یہاں پنجاب احاطہ کے بہت حاکم فراہم ہیں۔ پون ٹوٹی کے باب میں کونسل ہوئی پرسوں ۷ نومبر سے جاری ہوگئی۔ ساگر رام خزانچی چھنامل اور ان تینوں شخصوں کو یہ کام بطریق امانی سپرد ہوا ہے۔ غلہ اور اُپلے کے سوا کوئی جنس ایسی نہیں ہے کہ جس پر محصول نہ ہو۔ آبادی کا حکم عام ہے۔ خلق کا اژدحام ہے۔ آگے حکم تھا۔ کہ مالکان رہیں۔ کرایہ دار نہ رہیں۔ پرسوں سے حکم ہوگیا کہ کرایہ دار بھی رہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ تم یا میں یا کوئی اپنے مکان میں کرایہ دار کو آباد کرے۔ وہ لوگ جو گھر کا نشان نہیں رکھتے۔ اور ہمیشہ سے کرایہ کے مکان میں رہتے تھے۔ وہ بھی آرہیں۔ مگر کرایہ ہوا کہ دیں۔ تم انصاف کرو کہ لبھو کی درخواست کیونکر گذرے۔ جب وہ خود آئیں اور درخواست میں ساعی اور متقاضی ہوں۔ اور مکان ملے تو اس تمام شہرستان ویران میں سے ایک حویلی ملیگی۔ اور ان کو یہاں رہنا ہوگا کیونکر اس ویرانہ میں تنہا رہیگی سہم کر دم نکل جائیگا۔ مالک جبر و اختیار کو کرے کیا ہیئتی کہاں سے بہر حال یہ سب خیالات خام اور حیلے ناتمام ہیں۔ ہاں نقل لینی اور مرافعہ دیکھنا۔ اور نقل حکم لینی اور پھر مرافعہ کرنا پھر اس حکم کی نقل لینی اور والیتیں کہ جلد فیصل ہو جائیں حکام بے پرواہ۔ تمہارا عدیم الفرصت میں یا شکستہ محمد قلی خان کبھی یہاں کبھی وہاں وقت پر موقوف ہے گھبراؤ نہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں کے مکانات شہر ان کو مل گئے۔ اور یہ حکم ہے کہ شہر سے باہر نہ جاؤ۔ دروازہ سے باہر نہ نکلو۔ اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ نواب حامد علی خاں کے مکانات سب ضبط ہو گئے وہ تاہنوز کسو پر کرایہ کے مکانات میں مع متعلقوں کے رہتے ہیں۔ باہر جانے کا حکم ان کو بھی نہیں مرزا الٰہی بخش کو حکم کرانچی بندر جانے کا ہے۔ انہوں نے زمین پکڑی ہے۔ سلطان جی میں رہتے ہیں۔ مدد کرتے ہیں۔ دیکھئے یہ جبر اُٹھ جائے یا یہ خود اُٹھ جائیں۔

ایضاً۔ نواب صاحب سنو آج صبح کو تمہارا خط پہنچا۔ پرسوں مجھ سے ملا ہے شاہ کا لشکر آیا۔ کابلی دروازہ کی فصیل کے قریب ریتی و شاہ کی قبر کے سامنے خیمہ عامہ برپا ہے العدوی لشکر تیس ہزاری باغ تک اترا ہے۔ پنجشنبہ ۲۹ دسمبر ۱۸۵۹ء۔
آپ قبلہ کی معیت کی داستان سنتے پہروں تمہارا خط پڑھ کر فکر گیا میر شیر سے ان کے غیر میں چشم کرم ایک بیلدار کو

اطلاع کروائی۔ چپراسی کے ساتھ کل بھی گیا تھا۔ جواب پایا کہ ہمارا سلام دو۔ اور کہو کہ فرصت نہیں ہے۔ خیر میاں اپنے گھر آیا
کل پھر گیا خبر کروائی حکم ہوا کہ غدر کے زمانہ میں تم باغیوں کی خوشامد کرتے تھے اب ہم سے ملنا کیوں مانگتے ہو۔ عالم نظر میں تیرہ و
تار ہوگیا۔ یہ جواب پیام نومیدی جاوید ہے نہ دربار نہ خلعت نہ پنشن انا للہ وانا الیہ راجعون تقریب یہ ہے کہ راجہ
بھرت پور ریاست لیکر پٹیالے گیا تھا اور اس سبب سے آگرہ میں لارڈ صاحب سے نہیں ملا تھا۔ ایک ہفتہ سے متواتر
کر کے یہاں آیا ہوا تھا۔ آج اُس کی ملازمت ہے شنبہ ۱۰ دسمبر ۱۸۵۹ء ہے گیارہ بجے ہونگے میں خط لکھ رہا ہوں
تو بھی چل ہی ہیں۔ شاید راجہ صاحب کی ملاقات اُسی وقت ہوئی۔ کل یکشنبہ ہے پرسوں دوشنبہ کو یا مہ
شنبہ کو لارڈ صاحب کا کوچ ہے۔ کہتے ہیں کہ پشاور تک جائینگے۔ کل صبح کو محمد قلی خان آئے۔ ایک عرضی انگریزی
اُن کے ہاتھ میں کھینے لگے۔ یہ عرضی طالب علی فیلبان نے مجھ کو بھیجدی ہے۔ اور کہا ہے کہ اُس کے گذرانے کا موقع
نہیں ہیں اسوقت سوار ہوا چاہتا تھا۔ تمہاری یاس سنکر گیا۔ اپنا داغ حسرت بھیا اور پر لکھ آیا ہوں لیکر آیا
ابراہیم علی خان اور میں مستحق ہو کر مر گئے۔ خدا اُن کو بخشے اور مجھ کو بھی یہ دن نصیب کرے۔ کمشنر صاحب کا
نائب یہاں کوئی نہیں اور نہ کبھی انگریزی خون سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے اتنا مسموع ہوا ہے۔ کہ ایک محکمہ لاہور
میں معاوضہ نقصان رعایا کے واسطے تجویز ہوا ہے اور حکم یہ ہے۔ کہ جو رعیت کا مال کالوں نے لوٹا ہے۔ البتہ اُس
کا معاوضہ بحساب دہ یک سرکار سے ہوگا۔ یعنی ہزار روپیہ کے مانگنے والے سو روپیہ پائینگے۔ اور جو گوروں کے وقت
کی غارتگری ہے وہ ہدر اور بحل ہے اُس کا معاوضہ نہ ہوگا۔ شاید یہ جو ہی کمشنر ہوں مکانات کو حامد علی خان کا کر کیوں
لکھتے ہو۔ وہ تو مدت سے ضبط ہو کر سرکار کا مال ہوگیا۔ باغ کی صورت بدل گئی محلسرا اور کوٹھی میں گورے رہتے تھے۔
اب بیچ کمرہ اور سرتاسر دکانیں گرادی گئیں سنگ و خشت کا نیلام کر کے روپیہ داخل خزانہ ہوا۔ اگر یہ نہ سمجھو کہ
حامد علی خاں کے مکان کا عملہ بکا ہے۔ سرکار نے اپنا محلہ کہ مفتوحہ یک مکان تھا واجب بادشاہ اودھ کی
املاک کا وہ حال ہو تو رعیت کی املاک کو کون پوچھتا ہے تم اب تک سمجھتے نہیں ہو کہ حکام کیا سمجھتے ہیں اور نہ کبھی
سمجھو گے کیسا تو تدارک کیسی نفعی حکم کیسا مرافعہ۔ جو احکام کہ دلی میں صادر ہوئے ہیں وہ احکام قضا و قدر ہیں
ان کا مرافعہ کہیں نہیں اب یوں سمجھ لو کہ نہ ہم کبھی کہیں کے رئیس تھے نہ جاہ و حشم رکھتے تھے نہ املاک رکھتے تھے۔
نہ پنشن رکھتے تھے۔ رامپور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہو لیا سبب تم
لکھتے ہو۔ کہ انشاء اللہ تم وہاں جاؤ۔ تو مجھ کو ہنسی آتی ہے میں یقین کرتا ہوں۔ کہ ہلال ماہ
رجب المرجب رام پور میں دیکھوں جو تدبیر وثیقہ کے باب میں تم نے کی ہے۔ وہ بہت مناسب ہے۔ بشرط پیشی
ہونے کے اور ولایت پہنچنے کے سجاد مرزا اور اکبر مرزا اپنی بیرانہ سری میں اُس پر قابض ہو جائینگے
انشاء اللہ العلی العظیم یوسف مرزا خان کو دعا پہنچے۔ حال قصیدہ و مخمس کا معلوم ہوا قبلہ و کعبہ وہ کرمے ہے

ہیں جو باالاولاد سے اور نہ آقا غلام سے سلوک کرتا ہے اُنکو منظور ہے۔ کہ دعا کا عطیہ جاؤ پاؤں اور تمنا کا صلہ مُراد پاؤں سے کارسازئ مالکِ کل کا مانو لیکن میری جان انصاف کرو ان حیلوں میں زندگی تو بسر نہیں ہوتی یہ فکر بھی بیہودہ ہے۔ زندگی میری کب تک سات مہینے یا زیادہ نو مہینے سال آئندہ کے۔ اسی مہینے میں اپنے آقا کے پاس جا پہنچتا ہوں۔ وہاں نہ روٹی کی فکر نہ پانی کی پیاس نہ جاڑے کی شدت نہ گرمی کی حدت۔ نہ حاکم کا خوف نہ مخبر کا خطرہ۔ نہ مکان کا کرایہ دینا پڑے۔ نہ کپڑا خریدنا پڑے نہ گوشت گھی منگاؤں نہ روٹی پکواؤں۔ عالم نور اور سراسر سرور ؎

یا رب ایں آرزوے من چہ خوش ست تو بدیں آرزو مرا برسان

بندۂ علی ابن ابی طالب آرزومند مرگ۔ غالب۔ روز سہ شنبہ ۳۱۔ دسمبر ۱۸۵۹ء ؁

بنام یوسف مرزا صاحب

کوئی ہے یوسف مرزا کو بلائیو۔ لو صاحب وہ آئے۔ میاں میں نے کل خط تم کو بھیجا ہے۔ مگر تمہارے ایک سوال کا جواب رہ گیا ہے۔ ابو تفضل حسین خان اپنے ماموں مؤید الدین خان پاس میرٹھ ہے۔ شاید دلی آیا ہو۔ مگر میرے پاس نہیں آیا۔ والدان کے غلام علی خان اکبرآباد میں ہیں مکتب جاری کرتے ہیں۔ لڑکے پڑھاتے ہیں۔ روٹی کھاتے ہیں۔ تم لکھتے ہو کہ سچا ہے محل واجد علی شاہ کے کلکتے گئے۔ تمہارے ماموں محمد تقی خان کے خط میں لکھتے ہیں۔ کہ شاہ اودھ بنارس آ گئے اس خبر کو اس خبر کے ساتھ منافات نہیں ہے۔ ادھر سے آپ بنارس کو چلے ہوں۔ ادھر سے بیگمات کو وہاں بلایا ہو۔ مگر میری جان ہم کو کیا مصرعہ عالم پس مرگ ما چہ دریا چہ سراب ؁

ایضاً او صاحب میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ آج یکشنبہ کا دن ہے ساتویں تاریخ رمضان کی اور انیسویں اپریل کی صبح کو بھائی فضلو جن کو میر کاظم علی بھی کہتے ہیں۔ اور ہم نے احتشام الدولہ خطاب دیا ہے۔ وہ تین پاؤ کھجوریں اور ایک پیتل کا لوٹا اور دو سوت کی رسیاں لیکر بھٹیارے کے ٹٹو پر سوار ہو کر الور کو روانہ ہوئے پہر دن چڑھے ڈاک کا ہرکارہ تمہارا خط میرے نام کا اور ایک حکمنامہ محکمۂ لاسو دیدہ میر کاظم علی لایا۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ تمہارے ماموں صاحب مع میر آدم مرزا تشریف لائے۔ تمہارا خط ان کو دے دیا وہ اسکو پڑھ رہے ہیں۔ اور میں یہ خط تم کو لکھ رہا ہوں۔ پہلے تو یہ لکھتا ہوں۔ کہ حکمنامہ میر کاظم علی کو دیدینا اور میری طرف سے تعزیت کرنا کہ جبر بھائی صبر کرو۔ اور جیب مہر رہو: تاریخ دو قطعوں میں ایک قطعہ رہا۔ ماہرو خوش خرام کی جگہ مہ رخ خوش خرام بنا دیا ہے ؁

قطعہ سچا ہے بشرطے آنکہ متوفیہ کا شوہر یہ الفاظ اپنی زوجہ کیواسطے گوارا کرلے خواجہ جان جھوٹ بولتا ہے سوالی رامپور کو اس تخمیس کے اجرا میں کچھ دخل نہیں یہ کام قضا سا ہے۔ یعنی علی بن ابی طالب علیہ السلام ناظر جی نے تمہارے قول کی تصدیق۔ اور کہا کہ ہاں مسودہ عرضی کا میرے پاس آگیا میں تم کو دکھاؤں گا۔ خیر تم نے جو لکھا ہوگا۔ وہ مناسب ہوگا۔ خدا اُس [illegible] اور کام بن جائے۔ اگر زینڈر ہیڈلی صاحب میرے دوست کے فرزند ہیں۔ اور نیک بخت اور سعادتمند ہیں۔ میر کاظم علی وغیرہ کی تنخواہ میں میری سفارش کو دخل نہیں ہے تم میر کاظم علی سے دریافت کرلو سال دو مقدموں میں میں نے اُن کو دو خط لکھے۔ مگر انہوں نے ایک کا بھی جواب نہیں لکھا اور ان مقدموں میں کوشش بھی نہیں کی۔ اب اس کو سمجھ کر جو کچھ تم لکھو اُس کے موافق عمل میں لاؤں۔ ناظر جی صاحب اور سجاد مرزا اپنے گھر گئے وہ تم کو دعا اور سجاد بندگی کہہ گیا ہے۔ اپنے آنے میں جلدی نہ کرو۔ ماں کی رضاجوئی کو سب امور پر مقدم جانو میں ابھی رامپور نہیں جاتا۔ برسات بعد بشرط حیات جاؤنگا یعنی اوائل اکتوبر یا اوائل نومبر میں قصد ہے۔ یقین ہے کہ یہ خط دو دن میر کاظم علی کے پہنچنے سے پہلے تمہارے پاس پہنچے اُن کے نام کا خط مناسب ہے بہت احتیاط سے اپنے پاس رہنے دو خبردار جانا نہ رہے۔ جب وہ پہنچیں تب اُن کو حوالہ کرنا صاحب نہ تم سے نہ وہ یہ باتیں غیرت کی ہیں۔ جس طرح اپنے بچوں کو دونگا۔ مظفر مرزا اور تم کو بھی اُسی طرح بھجوا دوں گا۔ ہمشیرہ عزیزہ کو بیٹی دینی والدہ کو میری دعا کہنا۔ مرقومہ یک شنبہ وقت نیم روز ہفتم رمضان و ۲۹۔ اپریل غالب ؎

ایضاً۔ یوسف مرزا کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ کہ تمہارا خط منگل کو پہنچا۔ آج بدھ ۲ شوال اور ۹ مئی کی ہے اُس کا جواب بھیجتا ہوں۔ خدا کی قسم نامس بیڈلی صاحب سے میری ملاقات نہیں ہے۔ ہاں الکہ صاحب سے ہے۔ سو اُن کے نام کا خط کھلا ہوا تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ کر بند کرکے اُن کو دو۔ اور اُن سے ملو۔ اور جو کچھ وہ کہیں مجھ کو لکھو۔ احتشام الدولہ بھائی فضلو میر کاظم علی بہادر کیا جانے کہ کس کو کہتے ہیں۔ اور آگرہ کس بھتیارے کا نام ہے۔ اور سکندر شاہ کونسے درخت کا پھل ہے۔ میرا اردو کا دیوان میر مجھ کو گیا۔ سکندر شاہ سے لیکر مصطفےٰ خاں کو دے آئے۔ ڈاک میں اسکی رسید آگئی نہ برہان قاطع نہ قاطع برہان کل جس وقت تمہارا خط آیا اس وقت منشی میر احمد حسین میرے پاس بیٹھے تھے۔ اور امو جنت سالک مجذوب بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دونوں صاحب تم کو اور بھائی فضلو کو سلام کہتے ہیں اور بھائی فضلو سے یہ کہہ دینا کہ باتفاق رائے منشی میر احمد حسین اب بانٹ کی درخواست کی عرضی بیفائدہ بلکہ مضر ہے۔ تمہارا نذر کا تمغہ قیمتی ایک روپیہ کا منشی جی کے پاس موجود ہے وہ امراؤ بیچ کر روپیہ تم کو بھجوا دینگے۔ غالب ؎

ایضاً یوسف مرزا کیونکر تجھ کو لکھوں۔ کہ تیرا باپ مر گیا۔ اور اگر لکھوں تو پھر کیا لکھوں کہ اب کیا کرو مگر صبر یہ ایک شیوہ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے۔ تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں۔ اور یہی کہا کرتے ہیں۔ کہ صبر کرو ہائے ایک کا کلیجہ کٹ گیا ہے۔ اور لوگ اُسے کہتے ہیں۔ کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا۔ صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی۔ دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں پہلے بیٹا مرا پھر باپ مرا مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ بے سر و پا کس کو کہتے ہیں۔ تو میں کہونگا۔ یوسف مرزا کو۔ تمہاری دادی لکھتی ہیں۔ کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا یہ بات سچ ہے۔ اگر سچ ہے۔ تو جوانمرد ایکبار دونوں قیدوں سے چھوٹ گیا۔ نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ۔ ہاں صاحب وہ لکھتی ہیں کہ پنشن کا روپیہ مل گیا تھا وہ تجہیز و تکفین کے کام آیا۔ یہ کیا بات ہے جو مجرم ہو کر چودہ برس کو مقید ہوا ہو۔ اس کا پنشن کیونکر ملیگا۔ اور کس کی درخواست سے ملیگا۔ رسید کس سے لی جائیگی۔ مصطفےٰ خاں کی رہائی کا حکم ہوا مگر پنشن ضبط ہر چند اس پرسش سے کچھ حاصل نہیں لیکن بہت عجیب بات یہ ہے۔ تمہارے خیال میں جو کچھ آئے وہ مجھ کو لکھو۔ دوسرا امر یعنی تبدیل مذہب عیاذاً باللہ۔ علی کا غلام کبھی مرتد نہ ہوگا۔ ہاں یہ ہے کہ حضرت چالاک اور سخن ساز و ظریف تھے سوچے ہونگے کہ ان داموں میں اپنا کام نکالو۔ اور رہا ہو جاؤ۔ عقیدہ کب بدلتا ہے۔ اگر یہ بھی تھا تو ان کا گمان غلط تھا۔ اس طرح رہائی ممکن نہیں۔ قصہ مختصر تمہاری دادی کا خط جو تمہارے بھائی نے مجھ کو بھیجا تھا وہ میں نے تمہارے ماموں کے پاس بھیج دیا۔ اُن کی جائداد کی واگذاشت کا حکم ہو تو گیا ہے اگر اُن کے بدبخت بھائی کے یار اُن کو چھوڑیں۔ دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے۔ ظفر مرزا کو دعا پہنچے۔ تمہارا خط جواب طلب نہ تھا۔ تمہارے چچا کا آغاز اچھا ہے۔ خدا کرے انجام اسی آغاز کے مطابق ہو۔ ان کا مقدمہ دیکھکر تمہاری پھوپھی کا اور تمہارا انجام دیکھا جائیگا۔ کہ کیا ہوتا ہے ہوگا کیا۔ اگر جائدادیں مل بھی گئیں تو قرضدار سے لیں گے رازق حقیقی پنشن دلوا دے کہ روٹی کا کام چلے۔ جناب میر قربان علی صاحب کو میرا سلام نیاز اور میر کاظم علی کو دعا۔ غالب۔ مرقومہ شنبہ ۲۴ شوال و ۹ مئی سال حال

ایضاً سلمہٗ میری جان لے میری آنکھیں ؎

ز ہجران طفلے کہ در خاک رفت
چہ نالی کہ پاک آمد و پاک رفت

وہ خدا کا مقبول بندہ تھا۔ وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لے کر آیا تھا۔ یہاں رہ کر کیا کرتا۔ ہرگز غم نہ کرو۔ اور ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے۔ تو ابھی تم خود بچے ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ اولاد بہت۔ نانا نانی کے مرنے کا ذکر کیوں کرتے ہو۔ وہ اپنی اجل سے

مرے ہیں۔ بزرگوں کا مرنا بھی بنی آدم کی میراث ہے کیا تم یہ چاہتے تھے۔ کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے۔ ہاں مظفر الدولہ کا غم منجملہ واقعات کربلائے معلّیٰ ہے۔ یہ داغ تا جیتے جی نہ مٹے گا۔ والد کی خدمت بجا نہ لانے کا ہرگز افسوس نہ چاہئے۔ کچھ ہو سکتا ہو۔ اور نہ کیا ہو تو مستحق ملامت ہوتے کچھ ہی نہ ہو سکے۔ تو کیا کرو۔ دعا تو فکر یہ بڑی ہوتی ہے۔ کہ وہ بیٹے کہاں اور کھاتے کیا۔ مولانا کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا کچھ تو مجھ سے معلوم کرو۔ مرافعہ میں حکم دوام حبس بحال رہا۔ بلکہ تاکید ہوئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائیگا۔ ان کا بیٹا ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا سو ہو لیا۔ اِنّا للہ و انا الیہ راجعون۔ ناظر جی کو سلام کہنا اور کہنا کہ حال اپنا مفصّل تم کو لکھ چکا ہوں۔ وہ دہلی اردو اخبار کا پرچا اگر مل جائے۔ تو بہت مفید مطلب ہے۔ ورنہ خیر کچھ محل خوف و خطر نہیں ہے۔ حکام صدر ایسی باتوں پر نظر نہ کرینگے۔ میں نے سکہ کہا نہیں۔ اگر کہا تو اپنی جان اور حرمت بچانے کو کہا یہ گناہ نہیں۔ اور اگر گناہ بھی ہے۔ تو کیا کچھ ایسا سنگین ہے۔ کہ ملکہ معظمہ کا اشتہار بھی اُس کو نہ مٹا سکے۔ سبحان اللہ گولہ انداز کا بارود بنانا اور توپیں لگانی اور بنک گھر اور میگزین کا لوٹنا معاف ہو جائے۔ اور شاعر کے دو مصرعے معاف نہ ہوں۔ ہاں صاحب گولہ انداز کا بہنوئی مددگار ہے۔ اور شاعر کا سالا بھی جانب دار نہیں۔ حضرت میر عنایت حسین صاحب کل آئے۔ میر ارتضیٰ حسین کا خط دیدیا۔ عینک لگا کر خوب پڑھا۔ کہہ گئے ہیں۔ کہ اس کا جواب کل لاؤنگا۔ میں تو صبح کو یہ خط روانہ کرتا ہوں۔ وہ آج یا کل جب خط لادیں گے۔ تو اُس کو جدا گانہ لفافہ میں روانہ کرونگا۔ مظفر مرزا دیکھئے۔ کب تک آتے۔ اور مجھ سے کیونکر ملتے۔ ایک لطیفہ پرسوں کا سنو۔ حافظ مموں بے گناہ ثابت ہو چکے۔ رہائی پا چکے۔ حاکم کے سامنے حاضر ہوا کرتے ہیں املاک اپنی مانگتے ہیں۔ قبض و تصرف ان کا ثابت ہو چکا ہے۔ صرف حکم کی دیر ہے پرسوں وہ حاضر ہوئے۔ مثل پیش ہوئی حاکم نے پوچھا حافظ محمد بخش کون عرض کیا۔ کہ میں پھر پوچھا۔ کہ حافظ مموں کون عرض کیا کہ اصل نام میرا حافظ محمد بخش ہے۔ مموں مموں مشہور ہوں۔ فرمایا یہ کچھ بات نہیں۔ حافظ محمد بخش بھی تم حافظ مموں بھی تم سارا جہان بھی تم جو دنیا میں ہے۔ وہ بھی تم ہم مکان کس کو دیں۔ مثل داخل دفتر ہوئی میاں مموں اپنے گھر چلے آئے۔ ہاں صاحب خواجہ بخش درزی کل سہ پہر کو میرے پاس آیا۔ میں نے جانا ایک ہاتھی کوٹھے پر چڑھ آیا ہے کہتا تھا۔ کہ آغا صاحب کو میری بندگی کہہ بھیجنا۔ میرن صاحب آجکل پانی پت کو جایا چاہتے ہیں۔ میں میر کاظم علی ابن میر تلنگ علی الور سے آئے ہوئے سلطان جی میں اترے ہوئے ہیں۔ دن پندرہ ایک ہوئے۔ محمد قلی خان میری ملاقا

کو آئے تھے۔ علی جی میں رہتے ہیں۔ رضا شاہ پاٹودی گئے ہوئے ہیں۔ میر اشرف علی ابن میر اسد علی مرحوم نے رہائی پائی۔ ابھی املاک کی درخواست نہیں دی۔ ہماری بھابی صاحبہ یعنی زوجہ میر احمد علی خاں مغفور اپنی حویلی میں چین کر رہی ہیں۔ ایک آدھ دن جاؤنگا۔ خدا جانے جمع کے حق ناظر جی کی درخواست پر کیا گذری۔ اس وقت تک اُن کا کوئی خط نہیں آیا۔ دھیان لگا ہوا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں ؂

ایضاً: میری جان خدا تیرا نگہبان میں نے گوڑ پھینک کر دام میں پھنسایا۔ پھر قفس میں بند کر کے یہ رقعہ لکھوایا۔ میر ارتضیٰ حسین کو فقط اُن کے نام کی جو عبارت ہے۔ وہ پڑھا دینا۔ تاکہ اُن کی خاطر جمع ہو جائے۔ مثنوی کبھی اصلاح نہ پائیگی جب تک تمام نہ ہو۔ مثنوی جب تک سب نہ لکھی ہو۔ کیونکر اصلاح دی جائے۔ اپنے چھوٹے ماموں صاحب کو میرا سلام باعتبار محبت کے اور بندگی باعتبار سیادت کے اور دعا باعتبار یگانگی اور اُستادی کے کہنا اور کہنا۔ کہ بھائی اور کیا لکھوں۔ جس حکم کی نقل کے واسطے تم لکھتے ہو۔ وہ اصل کہاں ہے کہ جس کی نقل لُوں ہاں زبان زد خلق ہے کہ قدیم نوکروں سے بازپرس نہیں۔ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ اب کئی دن ہوئے کہ حمید خاں گرفتار آیا ہے۔ پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں حوالات میں ہیں۔ دیکھئے حکم اخیر کیا ہو۔ صرف نوکر رہنے کی مختار کاری پر قناعت کی گئی۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو رہیگا۔ ہر شخص کی سرگذشت کے موافق حکم ہو رہے ہیں۔ نہ کوئی قانون ہے۔ نہ قاعدہ ہے۔ نہ نظیر کام آئے نہ تقریر پیش جائے۔ ارتضیٰ خاں ابن مرتضیٰ خاں کی پوری دو سو روپے کی پنشن کی منظوری کی رپورٹ کی گئی اور ساتھ اس کے یہ بھی سو سو روپیہ مہینہ پانے والیوں کو حکم ہوا۔ کہ چونکہ تمہارے بھائی مجرم تھے۔ تمہاری پنشن ضبط بطریق ترحم دس دس روپیہ مہینہ تم کو ملیگا۔ ترحم یہ ہے۔ تو قتل کیا قہر ہو گا میں خود مجوزہ ہوں۔ اور حکام صدر کا روشناس۔ پنشن نہیں ٹھیر سکتی ۵۲ برس کا پنشن تقرر اس کا یہ تجویز لارڈ صاحب کی منظوری گورنمنٹ اور پھر نہ طلب ہے۔ نہ ملیگا۔ خیر احتمال ہے ملنے کا۔ جانتے ہو کہ علی کا بندہ ہوں اس کی قسم کبھی نہیں کھاتا اس وقت کلو کے پاس ایک روپیہ سات آنے باقی ہیں۔ بعد اس کے نہ کہیں سے قرض کی اُمید ہے۔ نہ کوئی جنس رہن و بیع کے قابل۔ اگر رامپور سے کچھ آیا۔ تو خیر ورنہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعض لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں۔ کہ اس مہینے میں پنشن کی تقسیم کا حکم آجائیگا۔ دیکھئے آتا ہے یا نہیں۔ اگر آتا ہے۔ تو میں مقبولین میں ہوں۔ یا مردودوں میں۔ مظفر مرزا کا خط الور سے آگیا بخیر و عافیت پہنچے میر قاسم علی کا قافلہ بھی وہیں ہے۔ میر قاسم علی کی بی بی اور کی تنخواہ میں سے بموجب سہام شرعیہ دو ثلث مظفر مرزا کی ایک ثلث اپنے لیے تجویز کرتی ہے۔ تمام بموجب خلیفہ میر قاسم علی کے سبب ہے۔

(غالب تحریر جمعہ ۱۰ ذی الحجہ و جولائی سال حال ۱۲۷۵ھ و ۱۸۵۹ع)

ایضاً ۔ میاں پرسوں قریب شام مرزا آغا جانی صاحب آئے وہ اور اُن کے متعلق سب اچھی طرح ہیں۔ حتو بیگ ہانسی گئے۔ کل تمہارا خط آیا۔ بھائی تمہیں خارش کیوں ہوئی۔ حسین مرزا صاحب کیوں بیمار ہوئے خدایا اُن آوارگانِ دشتِ غربت کو جمعیت جیسے تو چاہے عنایت کر۔ مگر تصدقِ مرتضیٰ علی کا تندرست رکھ۔ ماشاءاللہ حسین مرزا کی داڑھی سفید ہو گئی۔ یہ شدتِ غم و رنج کی خوبیاں ہیں۔ اس خط کے پہنچتے ہی اپنی اور ان کی خیر و عافیت لکھنا۔ جہاں تم نے اپنے نام کا خط پڑھا وہاں کا حال یہ ہے ؎

بگفت احوال ما برقِ جہان ست — دمے پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم — گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

ہمارے خداوند ہیں قبلہ و کعبہ ہیں خدا اُن کو سلامت رکھے۔ آغا باقر کا امام باڑہ اس سے علاوہ کہ خداوند کا عزاخانہ ہے ایک بنائے قدیم رفیع مشہور۔ اس کے انہدام کا غم کس کو نہ ہوگا۔ یہاں دو سڑکیں دوڑتی پھرتی ہیں۔ ایک ٹھنڈی اور ایک آہنی سڑک۔ محل ان کا الگ الگ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ گوروں کا بارک بھی شہر میں بنے گا اور قلعہ کے آگے جہاں لال ڈگی ہے ایک میدان نکالا جائیگا۔ محبوب کی دکانیں بھیلوں کے گھر فیل خانہ۔ بلاقی بیگم کے کوچہ سے خاص بازار تک یہ سب میدان ہو جائیگا یوں سمجھو کہ راجہ جان کے دروازہ سے قلعہ کی خندق تک سوائے لال ڈگی اور دو چار کنوؤں کے آثارِ عمارت باقی نہ رہیگی۔ آج جان نثار خان کے چھتے کے مکان ڈھنے شروع ہو گئے۔ کیوں میں دلّی کے ویرانے سے خوش نہ ہوں۔ جب اہلِ شہر ہی نہ رہے۔ شہر کو لے کے کیا چولھے میں ڈالوں۔ حسین مرزا صاحب کو میرا سلام کہنا یہ رقعہ پڑھا دینا۔ اُن کا خط موسومہ محمد قلی خان آیا۔ کلو کے ہاتھ اُن کے گھر بھجوایا۔ اُن کا گھر کہاں وہ تو میر احمد علی خان مرحوم کی بی بی کے ہاں رہتے ہیں۔ وہ نہ تھے۔ جب بھابی صاحب کو معلوم ہوا کہ میرے دیور کا آدمی ہے انہوں نے مدعا دریافت کر کے خط لیا اور کلو سے کہا کہ بھائی کو سلام کہنا کہ محمد قلی خان علی جی گئے ہوئے ہیں خط ان کے پاس بھجوا دونگی۔ کل رضا شاہ آئے تھے میں نے اُن کو کہا تھا کہ تم میر احمد علی خان کی بی بی کو تاکید کر دینا کہ خط ضروری ہے اس کو باحتیاط پہنچا دینا۔ صاحب تمہاری انّا کو میں کیا جانوں کس پتے سے ڈھونڈوں۔ دو اسے میں نے پوچھا امیرالنساء کو وہ نہ سمجھی واجد علی کی ماں کر کے پہچانا۔ سو وہ کہتی تھی کہ واجد علی مع اپنی ماں کے پہاڑ گنج ہے ہمشیرہ کی عرضی کے روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا۔ تم سمجھو اگر وہ عرضی فی الحقیقت کمشنر نے بھیجی ہے تو بیشک مدعائے سائلہ قبول کر کے بھیجی ہے اگر خود نہ منظور کرتا تو کبھی نہ بھیجتا۔ باقر علی اور حسین علی اپنی دادی کے ساتھ والدہ کی والدہ کے پاس قطب صاحب گئے ہوئے ہیں۔ رہا نیاز علی اُن کے ساتھ ہیں۔ دو بنہ گیا ان

اور ایک دعا اور دو آداب ملتوی۔ دوا اور کلو اور کلیان کی بندگیاں پہنچیں۔ قمرالدین خاں پرسوں آیا تھا اب آئے گا تو دعا تمہاری اس کو کہہ دونگا۔ غالب ٭

ایضاً۔ حق تعالیٰ تمہیں عمر و دولت و اقبال و عزت دے۔ خط محررۂ دوم محرم میں کوئی مطلب در طلب نہ تھا۔ مرزا حیدر صاحب کی رحلت کی خبر تھی اور بس۔ کل بدھ کا دن دونوں مہینوں کی ۱۶ تاریخ تھی صبح کے وقت مرزا آغا جانی صاحب آئے اور انہوں نے فرمایا کہ حسین مرزا کی حرم لکھنؤ سے آئی تھی بی فتن کے ہاں اتری تھی اب وہ پٹودی کو اپنے بیٹے کے پاس گئی۔ کہتی تھی کہ نصیب اعدا ناظر جی بہت بیمار ہیں خدا خیر کرے۔ یوسف مرزا میری جان نکل گئی کیا کروں کیونکر خبر منگاؤں۔ یا علی یا علی یا علی دس بارہ بار دل میں کہا ہوگا کہ مادی کا بیٹا دوڑا ہوا آیا اور تین خط لایا۔ یعنی وہ نیچے حویلی میں تھا ڈاک کے ہرکارہ نے خط لاکر دئے۔ نیاز علی اوپر لے آیا ایک خط یار عزیز کا اور ایک خط میر گوپال تفتہ کا اور ایک خط ذوالفقار الدین حیدر مہدی کا میاں قریب تھا کہ خوشی کے مارے مجھ کو رونا آجائے۔ ہائے اس خط کو میں نے آنکھوں سے لگایا۔ مچھلیاں لیں اپنا تماشہ دیکھو ۱۳۔ محرم کا خط ۱۸ کو مجھے بھیجا۔ اس میں مندرج ہے کہ جمعہ کے دن ۱۹ کو ببیل ڈاک کلکتے جاؤں گا اور پھر حضرت مجھ سے مطلب کا جواب مانگتے ہیں ہاں جب کلکتے پہنچ لیں گے اور وہاں سے مجھ کو خط بھیجیں گے اور اپنے مسکن کا پتہ لکھیں گے تب جو کچھ مجھ کو لکھنا ہوگا لکھونگا آغا صاحب کو سب خط تمہارا دیا اور ان کو دستی تت کاشی ناتھ کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو پڑھائیں اور سمجھائیں اور کچھ سجاد مرزا کے واسطے بھجوائیں۔ ضیاء الدین خاں دو ہفتے سے یہاں ہیں اپنے باغ میں اترے ہوئے ہیں دو بار میرے پاس بھی دو دو گھڑی کے واسطے آئے تھے مجھ ان کو منظور ہے۔ رعایت اخلاص و محبت قدیم خدا چاہے تو کچھ سجاد مرزا کو اور کلکتے سے ان کے خط آنے کے بعد کچھ ناظر جی کو ان سے بھجواؤں۔ میرا وہی حال ہے بھوکا نہیں ہوں مگر کسی خدمتگاری کی توفیق نہیں ہے بُرے بھلے حال سے گذرے جاتی ہے۔ افسوس ہزار افسوس جو تم نے اور ناظر جی نے میرے دل کا حال ہے اگر کہوں تو کون باور کرے اور وہ بات تو دو کہتے کی نہیں کرنے کی ہے سو کرنے کا مقدور نہیں۔ تفضل حسین خاں ابن غلام علی میرٹھ میں اپنے ماموں صاحب کے پاس ہے شہر میں آیا تھا میرے پاس بھی آیا تھا۔ تمہارا سلام کہہ دیا۔ پرسوں پھر وہ میرٹھ گیا بھائی فضلو عرب سرا میں رہتے ہیں۔ پرسوں سنے گئے ہیں وہ ڈرتے ہیں عرضیاں دیتے پھرتے ہیں کوئی سنتا نہیں تم کو سلام کہتے ہیں آمد و رفت کا ٹکٹ موقوف ہوگیا نیز اور ہتھیار جس پاس ہو وہ نہ رکھے اور باقی ہندو مسلمان عورت مرد سوار پیادہ جو چاہے چلا آئے چلا جائے مگر غیر آبادی کے ٹکٹ کے رات کو شہر میں رہنے پائے وہ شور و غل تھا کہ سرکیں نکلیں گی اور گوروں کی چھاؤنی

بنے گی کچھ بھی نہ ہوا۔ مربیٹ، کہ ایک جان نثار خان کے چھتے کی سڑک نکلی ہے دلّی والوں نے لکھنؤ کا خاکہ اُڑا رکھا ہے کہتے ہیں کہ لاکھوں مکان ڈھا دیئے اور صاف میدان کر دیا۔ میں جانتا ہوں ایسا نہ ہوگا بات اتنی ہی ہے جو تم نے لکھی ہے۔ بہرحال اب جو کچھ ہو لکھو۔ اور ناظر جی کے روانہ ہو جانے کی خبر اور سجاد۔ اور اکبر اور ان کی ماں کی خیریت اور اپنے باپ کا حال لکھو۔ پنجشنبہ ۱۸ محرم الحرام۔

ایضاً۔ میری جان شکوہ کرنا سیکھو۔ یہ باب میں نے گویا بھی پڑھا یا نہیں۔ کوئی خط تمہارا نہیں آیا کہ میں نے اُسی دن یا دوسرے دن جواب نہ لکھا۔ بلکہ میں ایسا جانتا ہوں کہ یہ جو تم نے مجھ کو شکایت نامہ بھیجا ہے اس کے بعد ایک خط میرا بھی تم کو پہنچا ہوگا یہ خط کل دیا آج میں اس کا جواب لکھتا ہوں سنو صاحب تم جانتے ہو کہ میں ۷ پارچہ کا خلعت ایک بار اور ملبوس خاص شال رومالی دوشالہ ایک بار پیشگاہ حضرت سلطان عالم سے پا چکا ہوں مگر یہ بھی جانتے ہو کہ وہ خلعت مجھ کو دو وارکس کے ذریعے سے ملا ہے یعنی جناب قبلہ و کعبہ حضرت مجتہد العصر مدظلہ العالی۔ ایسا آدمیت اسکی مقتضی نہیں ہے کہ میں بے ان کے توسط کے مدح گستری کا قصد کروں۔ چنانچہ قصیدہ لکھ کر اور جیسا کہ میرا دستور ہے۔ کاغذ کو تہ کرکے حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔ یقین ہے کہ حضرت نے وہاں بھیج دیا ہوگا اور میں تم کو بھی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ لکھنؤ کو بھیج دیا ہے۔ اسی خط میں یہ بھی تم کو لکھا ہے کہ حضرت زبدۃ العلما سید نقی صاحب اگر کلکتہ پہنچ گئے ہوں تو مجھ کو اطلاع دو اور نگی الملک کے باب میں جو مناسب اور معقول و واقعی ہے وہ میں نے پرچہ عالی شان مظفر حسین خان کے خط میں لکھتا ہوں یہ ورق پڑھ کر اُن کی خدمت میں گذران دو اور جو وہ ارشاد کریں مجھ کو لکھو تمہارے اس خط کے مطالب مندرجہ کا جواب ہو چکا اس سے زیادہ میرے پاس کوئی بات اس وقت لکھنے کو نہیں ہے مگر یہ کہ ایک خط تمہارے ماموں صاحب کے نام کا بھیج چکا ہوں اگر وہ پہنچیگا اور خدا کرے پہنچے تو اس سے تم کو ایک حال معلوم ہوگا۔ غالب شنبہ ۵ نومبر ۱۸۵۹ء۔

ایضاً۔ یوسف مرزا میرا حال سوائے میرے خدا اور خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ آدمی کثرت غم سے سودائی ہو جاتے ہیں عقل جاتی رہتی ہے اگر اس ہجوم غم میں میری قوت متفکرہ میں فرق آگیا ہو تو کیا عجب ہے، بلکہ اس کا باور نہ کرنا غضب ہے، پوچھو کہ غم کیا ہے۔ غم مرگ۔ غم فراق۔ غم رزق۔ غم عزت۔ غم مرگ میں قلعہ نامبارک سے قطع نظر کرکے اہل شہر کو گنتا ہوں مظفر الدولہ میر ناصر الدین مرزا عاشور بیگ میرا بھانجہ اس کا بیٹا احمد مرزا انیس برس کا بچہ مصطفیٰ خان ابن اعظم الدولہ اس کے دو بیٹے ارتضیٰ خان اور مرتضیٰ خان قاضی فیض اللہ کیا میں ان کو اپنے عزیزوں کے برابر نہیں جانتا تھا اے لو بھول گیا حکیم رضی الدین خان

میر احمد حسین میکش اللہ اللہ ان کو کہاں سے لاؤں غم فراق حسین مرزا۔ یوسف مرزا۔ میر مہدی میر سرفراز حسین میرن صاحب خدا ان کو جیتا رکھے۔ کاش یہ ہوتا کہ جہاں ہوتے وہیں خوش ہوتے۔ گھر ان کے بے چراغ وہ خود آوارہ سجاد اور اکبر کے حال کا جب تصور کرتا ہوں کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے کہنے کو ہر کوئی ایسا کہہ سکتا ہے مگر میں علی کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان اموات کے غم میں اور زندوں کے فراق میں عالم میری نظر میں تیرہ و تار ہے حقیقی میرا ایک بھائی دیوانہ مر گیا۔ اس کی بیٹی اس کے چار بچے اُس کی ماں یعنی میری بھاوج جے پور میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس تین برس میں ایک روپیہ ان کو نہیں بھیجا بھتیجی کیا کہتی ہوگی کہ میرا بھی کوئی چچا ہے یہاں اغنیا اور امرا کے ازواج و اولاد عیک مانگتے پھریں اور میں دیکھوں اس مصیبت کی تاب لانے کو جگر چاہئے اب خاص اپنا دکھ روتا ہوں۔ ایک بیوی دو بچے تین چار آدمی گھر کے کلو۔ کلیان۔ ایاز یہ باہر مداری کی جورو بچے بدستور گویا مداری موجود ہے میاں گھمن گئے گئے مہینہ بھر سے آ گئے کہ بھوکا مرتا ہوں۔ اچھا بھائی تم بھی رہو۔ ایک پیسے کی آمدنی نہیں بیس آدمی روٹی کھانیوالے موجود مقام معلوم سے کچھ آئے جاتا ہے۔ وہ بقدر سد رمق ہے محنت وہ ہے کہ دن رات میں فرصت کام سے کم ہوتی ہے ہمیشہ ایک فکر برابر چلی جاتی ہے۔ آدمی ہوں دیو نہیں۔ بھوت نہیں۔ ان رنجوں کا تحمل کیونکر کروں۔ بڑھاپا ضعف قویٰ۔ اب مجھے دیکھو تو جانو کہ میرا کیا رنگ ہے۔ شاید کوئی دو چار گھڑی بیٹھتا ہوں۔ ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ گویا صاحب فراش ہوں۔ نہ کہیں جانے کا ٹھکانا نہ کوئی میرے پاس آنیوالا۔ وہ عرق جو بقدر طاقت بنالے رکھتا تھا اب میسر نہیں سب سے بڑھ کر آمد آمد گورنمنٹ کا ہنگامہ ہے۔ دربار میں جاتا تھا خلعت فاخرہ پاتا تھا وہ صورت اب نظر نہیں آتی۔ نہ مقبول ہوں نہ مردود ہوں نہ بیگناہ ہوں نہ گنہگار ہوں نہ مخبر نہ مفسد۔ بھلا اب تم ہی کہو۔ اگر یہاں دربار ہوتا اور میں بلایا جاؤں تو نذر کہاں سے لاؤں۔ دو مہینے دن رات خون جگر کھایا اور قصیدہ چونسٹھ بیت کا لکھا محمد افضل مصوّر کو دیدیا وہ پہلی دسمبر کو مجھ کو دیگا۔ یہ اس کا مطلع ہے ؎

زسال نود گرآئے بر دئے کار آمد ہزار وہشت صد وشصت در شمار آمد

اس ہی التزام اپنی تمام سرگزشت کے لکھنے کا کیا ہے۔ اسکی نقل تم کو بھیجونگا۔ میرے آقا زادہ روشن گہر جناب مفتی میر عباس صاحب کو دکھانا۔ اس بجھے ہوئے بلکہ مرے ہوئے دل پر کلام کا یہ اسلوب ہے۔ جہاں پناہ کی مدح کا ذکر نہ کرسکا۔ یہ قصیدہ ممدوح کی نظر سے گذرا تھا میں نے اسی میں امجد علی شاہ کی جگہ واجد علی شاہ بٹھا دیا۔ خدا نے بھی تو یہی کہا تھا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ہے کہ ایک کا

قصیدہ دوسرے کے نام پر کر دیا۔ میں نے اگر باپ کا قصیدہ بیٹے کے نام کر دیا۔ تو کیا غضب کیا اور پھر کیسی حالت اور کیسی مصیبت میں کہ جس کا ذکر بطریق اختصار اوپر لکھ آیا ہوں اس قصیدہ مت مجھ کو غرض دستگاہ سخن منظور نہیں۔ گدائی منظور ہے بہر حال یہ تو لکھو قصیدہ پہنچا یا نہیں پہنچا۔ پرسوں تمہارے ماموں کا خط آیا۔ وہ قصیدہ کا پہنچنا لکھتے ہیں۔ کل تمہارا خط آیا۔ اسمیں قصیدہ کے پہنچنے کا ذکر نہیں۔ اس تفرقہ کو مٹاؤ۔ اور صاف لکھو۔ کہ قصیدہ پہنچا یا نہیں۔ اگر پہنچا تو حضور میں گذرا یا نہیں۔ اگر گذرا تو کس کی معرفت گذرا۔ اور کیا حکم ہوا۔ یہ امور جلد لکھو۔ اور ہاں یہ بھی لکھو۔ کہ املاک واقع شہر دہلی کے باب میں کیا حکم ہوا۔ میں تم کو اطلاع دیتا ہوں۔ کہ کل بیٹنے فرد فہرست دیہات و باغات و املاک مع حاصل ایک باغ دو دو ملک ناظر جی کو بھیجدی ہے اس خط سے ایکدن پہلے وہ فرد پہنچے گی۔ یہ فرد کلکٹری کے دفتر سے ملی ہے۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ شہر کی عمارت جو سڑک میں نہیں آئی۔ اور رہات ہیں ڈھائی نہیں گئی۔ وہ سب خالی پڑی ہے۔ کرایہ دار کا نام نہیں۔ مجھ کو یہاں کی املاک کا علاقہ حسین مرزا کیواسطے مطلوب ہے۔ میں تو پنشن کے باب میں حکم اخیر سن لوں۔ پھر رامپور چلا جاؤنگا۔ جمادی اوّل سے ذی الحجہ تک ۸ مہینے اور پھر محرم سے ۱۲۷۷ھ سال شروع ہوگا۔ اس سال کے دو چار عدد دس گیارہ مہینے غرضیکہ انیس ۱۹ بیس ۲۰ مہینے بہر طرح بسر کرنے ہیں۔ اس میں رنج و راحت ذلت و عزت جو مقسوم ہے وہ پہنچ جائے۔ اور پھر یا علی یا علی کہتا ہوا ملک عدم کو چلا جاؤں۔ جسم رامپور میں اور روح عالم نور میں یا علی یا علی میاں ہم تمہیں ایک اور خبر لکھتے ہیں۔ برہما کا پتر دو دن بیمار پڑا تیسرے دن مر گیا ہے کیا نیکبخت غریب لڑکا تھا۔ باپ اس کا شیو جی رام اُس کے غم میں مردہ سے بدتر ہے یہ دونوں مصاحب میرے یوں گئے۔ ایک مردہ دل افسردہ کون ہے۔ جسکو تمہارا اسلام کہوں۔ یہ خط اپنے ماموں صاحب کو پڑھا دینا۔ اور فرداً ان سے لیکر پڑھ لینا اور جس طرح اُن کی رائے میں آئے اُس پر حصول مطلب کی بنا اُٹھانا اور ان سب مدارج کا جواب شتاب لکھنا۔ ضیاء الدین خاں میتنکپ چلے گئے۔ اور وہ کام نہ کر گئے۔ دیکھئے آکر کیا کہتے ہیں یا رات کو آگئے ہوں۔ یا شام تک آجائیں کیا کروں کس سے جی بہلاؤں اپنا دل ڈالواں۔ مرتضیٰ علی پہلے سے نیت میں یہ ہے کہ جو شاہ اودھ سے ہاتھ آئے حصہ برابر دو نکروں نصف حسین مرزا اور تم اور سجاد۔ نصف میں متعلقوں کا اور حیات خیالات پر ہے مگر انہی خیالات سے انکا حسن طبیعت معلوم ہو جاتا ہے۔ والسلام خیر ختام دو شنبہ دوم جمادی الاول ۱۲۷۶ھ مطابق ۲۸ نومبر وقت صبح ۔

ایضاً۔ میں صبح تو تمہارے نام کا خط روانہ کیا۔ شام کو تمہارا ایک خط اور آیا حضرت زبدۃ العلما کا ایک وہاں نہ پہنچنا تعجب کی بات ہے

حق تعالیٰ اُس کو بہادر میں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ جب چاہیں وہاں پہنچیں۔ میرا مقصود تو اتنا ہی ہے۔ کہ قصیدہ گذشت اور کچھ ہمارے ہاتھ آئے لیکن کل کے خط کی پشت پر جو سطریں ناظر جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں اُس کے دیکھنے سے اُس ڈوبتی کشتی کا کچھ علاقہ آتا نظر نہیں آتا۔ املاک و انتزاع شہر دلی کے سوال کا جواب ابھی یاز قلم انداز ہے۔ مکرر اگر کہا جائیگا۔ تو بیشک یہ جواب آئیگا۔ کہ ہمنے تو عوض اُن مکانات کے یہ مکانات دیئے معاوضہ ہو گیا۔ بھائی میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ املاک قتل ہوئی اور وہ سوا لاکھ روپیہ جو علاوہ زر مقررہ ملا ہے۔ وہ دلی کی املاک کا تونہا ہے۔ پرسوں ناظر جی کے نام کے مرثیے میں فرد فہرست مجموع املاک بھیج چکا ہوں۔ خیر یہ وار بھی خالی گیا۔ مولانا غالب علیہ الرحمۃ خوب فرماتے ہیں ؎

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید ‏ ‏ ‏ ‏ نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے۔

تمہارے ماموں صاحب کی دستخطی تحریر نے جو میرا حال کیا ہے۔ وہ کس زبان سے ادا کروں ہے ہے حیف ہزار اور یہ کہ کہیں کہاں جاؤں۔ اور کیا کروں۔ اور مجھ کمبخت سے اُس کا جواب سرانجام نہ ہو سکے۔ بہت بڑا آسرا تھا۔ اور سرکار کی خدمت نہ سہی۔ عہدہ نہ سہی۔ علاقہ نہ سہی۔ سو ڈیڑھ سو روپیہ.... مقرر ہو جاتا کیا مشکل تھا۔ دلی کے آدمی خصوصاً اُمرائے شاہی ہر شہر میں بدنام ہو گئے ہیں۔ کہ لوگ اُن کے ساتھ بھاگتے ہیں۔ مرشد آباد بھی ایک سرکار تھی۔ حیدر آباد بہت بڑا گھر ہے مگر بے ذریعہ و واسطہ کیونکر جائے اور جائے تو کس سے ملے کیا کہے۔ ناچار وہیں رہو۔ کسی طرح شاہ اودھ کا سامنا ہو جائے۔ اور میں کہاں کی صلاح بتاؤں۔ نہ صاحب رہتک میں ہیں۔ کل یقین ہے کہ آگئے ہوں گے۔ مجھے ابھی خبر نہیں آئی۔ اگر مشیت الٰہی میں ہے۔ تو دسمبر مہینے میں کچھ ظہور میں آ جائیگا۔ نواب گورنر جنرل بہادر یقین ہے کہ آج آگرہ میں رونق افروز ہوگئے۔ الور جے پور دھولپور گوالیار ٹونک۔ جاؤرہ۔ چھ رئیسوں کی وہاں ملازمت کی خبر ہے۔ خیر ہم کو کیا۔ لیث الدولہ حسین علی خاں بہادر کی خدمت میں میرا سلام نیاز اور شکر یاد آوری مرقومہ صبح سہ شنبہ ۲۹ نومبر جمادی الاول مطابق جنتری کا ہو

ایضاً میاں تمہارا خط رامپور پہنچا اور رامپور سے دلی آیا میں ۲۲ شعبان کو رامپور سے چلا اور ۳۰ شعبان کو دلی پہنچا۔ اُسی دن چاند ہوا۔ یکشنبہ رمضان کی پہلی آج دوشنبہ ۹ رمضان کی ہے نواں دن مجھے یہاں آئے ہوئے ہے۔ میں نے حسین مرزا کو رامپور سے لکھا تھا۔ کہ یوسف مرزا کو میرے آنے تک الور نہ جانے دینا۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ وہ میرا خط اُن کو تمہاری روانگی کے بعد پہنچا جو مجھ کو اپنے ماموں کے مقدمہ میں لکھتے ہو۔ کیا تم مجھ کو اُن کے حال سے غافل اور اُن کی فکر سے فارغ جانتے ہو مجھ کو نادان دیکھا ہوا۔ اگر خدا چاہے۔ تو کوئی صورت بن آئے۔ اب تم کہو کہ کب ملنا ہو گے صرف

تمہارے دیکھنے کو نہیں کہتا شاید تمہارے آنے پر کچھ کام بھی کیا جائے منظفر مرزا کا اور ہمشیرہ صاحبہ کا آنا تو کچھ ضرور نہیں شاید آگے بڑھ کر کچھ حاجت پڑے بہر حال جو ہوگا وہ سمجھ لیا جائیگا۔ تم چلے آؤ۔ ہمشیرہ عزیزہ کو میری دُعا کہہ دینا منظفر مرزا کو دعا پہنچے۔ بھائی تمہارا خط رامپور پہنچا۔ ادھر چلنے کی فکر میں جواب نہ لکھ سکا بخشی صاحبوں کا حال یہ ہے۔ کہ آغا سلطان پنجاب کو گئے۔ جگراؤں میں منشی رجب علی کے مہمان ہیں صفدر سلطان اور یوسف سلطان وہاں ہیں۔ نواب مہدی علی خاں بقدر قلیل بلکہ اقل کچھ اُن کی خبر لیتے ہیں۔ میر جلال الدین خوشنویس اور وہ دونوں بھائی باہم رہتے ہیں۔ میں وہیں تھا۔ کہ صفدر سلطان دلّی کو آئے تھے اب جو میں یہاں آیا۔ تو سُنا کہ وہ میرٹھ گئے خدا جانے رامپور جائیں یا کسی اور طرف کا قصد کریں۔ تباہی ہے قہر آلٰہی ہے مجھ کو لڑکوں نے بہت تنگ کیا ورنہ چند روز اور رامپور میں رہتا زیادہ کیا لکھوں۔ راقم غالب مرقومہ دوشنبہ ۹ رمضان ۲۵ - اپریل ؁

بنام منشی شیونرائن صاحب

صاحب خط پہنچا۔ اخبار کا لفافہ لفافوں کی خبر پہنچی۔ آپ نے کیوں تکلیف کی۔ لفافے بھلا مال کا پیلا ما ہے۔ بیکار آدمی کیا کرے۔ بہر حال جب لفافے پہنچ جائیں گے۔ ہم آپکا شکر بجا لائیں گے ع ہیچ از دوست میرسد نیکوست۔ یہاں آدمی کہاں ہے۔ کہ اخبار کا خریدار ہو مہاجن لوگ جو یہاں بستے ہیں وہ یہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ کہ گیہوں کہاں سستے ہیں۔ بہت سستی ہونگے۔ تو جنس پوری تول دیں گے۔ کاغذ روپیہ مہینہ کا کیوں مول لینگے۔ کل آپ کا خط آیا۔ رات بھر میں نے فکر شعر میں خون جگر کھایا۔ اور شعر کا قصیدہ لکھکر تمہارا حکم بجا لایا میرے دوست خصوصاً میرزا تفتہ جانتے ہیں۔ کہ میں فن تاریخ کو نہیں جانتا۔ اس قصیدہ میں ایک روش خاص سے اظہار ۱۸۵۸ء کا کر دیا ہے۔ خدا کرے تمہارے پسند آئے تم خود قدردان سخن ہو۔ اور تین استاد اس فن کے تمہارے یار ہیں۔ میری محنت کی داد دل جائیگی ؛

قصیدہ

ملاذِ کشور و لشکر پناہِ شہر و سپاہ — جنابِ عالی ایلن برون والا جاہ
بلند رتبہ وہ حاکم وہ سرفراز امیر — کہ باج تاج سے لیتا ہے جسکا طرفِ کلاہ
وہ محض رحمت و راحت کہ بہر اہل جہاں — نیابتِ دمِ عیسیٰ کرے ہے جس کی نگاہ
وہ عین عدل کہ دہشت سے جس کی پرسش کے — بنے ہے شعلۂ آتش انیس پرِ کاہ

زمیں سے سودۂ گوہر اُٹھے بجائے غبار
جہاں ہو توسنِ حشمت کا اُس کے جولانگاہ

وہ مہرباں ہو تو انجم کہیں الٰہی شکر
وہ خشمگیں ہو تو گردوں کہے خدا کی پناہ

یہ اُس کے عدل سے اضداد کو ہے آمیزش
کہ دشت و کوہ کے اطراف میں بہر سرِ راہ

ہزبر پنجے سے لیتا ہے کام شانے کا
کبھی جو ہوتی ہے اُلجھی ہوئی دُمِ روباہ

نہ آفتاب ملے آفتاب کا ہم چشم
نہ بادشاہ ملے مرتبہ میں ہمسرِ شاہ

خدا نے اُس کو دیا ایک خوب فرزند
ستارہ جیسے چمکتا ہوا بہ پہلوئے ماہ

نہ ہے ستارہ روشن کہ جو اُسے دیکھے
شعاعِ مہرِ درخشاں ہو اُس کا مانعِ نگاہ

خدا سے ہے یہ توقع کہ عہدِ طفلی میں
بنیگا شرق سے تا غرب اُس کا بازیگاہ

جواں ہو کے کرے گا یہ وہ جہانبانی
کہ تابع اس کے ہوں روز و شب سپید و سیاہ

کہیگی خلق اُسے داورِ سپہر شکوہ
کہیں گے لوگ اُسے خسروِ ستارہ سپاہ

عطا کرے گا خداوند کارساز اُسے
رواں روشن و خوئے خوش و دلِ آگاہ

ملیگی اسکو وہ عقلِ نہفتہ داں کہ اُسے
پڑے نہ قطعِ خصومت میں احتیاجِ گواہ

نہ ترکتاز سے برہم کریگا کشورِ روس
یہ لیگا بادشہِ چین سے چھین تخت و کلاہ

سنین عیسوی اٹھارہ سو اور اٹھاون
یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے شام و پگاہ

یہ جتنے سیکڑے ہیں سب ہزار ہو جاویں
دراز اس کی ہو عمر اس قدر سخن کوتاہ

امیدوارِ عنایات شیونرائن
کہ آپ کا نمک خوار اور دولت خواہ

یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کیساتھ
تمہیں اور اسکو سلامت رکھے سدا اللہ

ایضاً: شفیق میرے کرم میرے منشی شیونرائن صاحب تم ہزار دس برس سلامت رہو تمہارا عنایت نامہ اس وقت پہنچا اور میں نے اُسی وقت جواب لکھا بات یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ دو جزو یا چار جزو کی ہو جو جیسے کتاب کم نہ ہو مسطر دس گیارہ سطر ہو۔ مگر حاشیہ تین طرف بڑا ہے شیرازہ کی طرف کا کم ہو۔ یہ باتیں سب میں نقشہ کو دیکھ چکا ہوں۔ اُس یار بے پرواہ نے تم سے شاید کچھ نہیں کہا۔ اس کے سوا یہ ہے۔ کہ کاپی کی تصحیح ہو غلط نامہ کی حاجت نہ پڑے آپ متوجہ رہیے گا اور منشی نبی بخش صاحب کو اگر کہیے گا تو وہ بھی شریک رہیں گے مسودہ تو مالک ہی ہیں کاغذ شیر ام پوری ہو خیر مگر سفید مہرہ کیا ہوا ہو خط خوب دلچسپ ہو یہ ہو کہ حاشیہ پر جو لغات کے معنی لکھے جائیں تو اس کی طرز تحریر اور تقسیم دلپسند اور نظر فریب ہو۔ حاشیہ کا قلم بہ نسبت متن کے قلم کے خفی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان جلدوں میں سے

دو جلدیں ولایت کو جائینگی ایک جناب فیض مآب ملکۂ معظمۂ انگلستان کی نذر اور ایک میرے آقائے قدیم لارڈ ایلن برا بہادر کی نذر۔ اور چار جلدیں یہاں کے چار حاکموں کی نذر کرونگا۔ میرزا تفتہ کو پانچ جلدوں کو لکھا تھا۔ لیکن اب چھ جلدیں تیار کر دیجئے گا۔ یعنی شیرازہ اور جدول اوراق چھ جلدوں کی جو لاگت پڑے ایک روپیہ جلد سے لیکر دو روپیہ جلد تک وہ مجھ سے منگوا بھیجئے گا۔ میں بمجرد طلب کے فوراً ہنڈوی بھیج دونگا۔ ایک خریدار پچاس جلد کے وہاں پہنچے ہیں۔ واسطے خدا کے میرزا تفتہ سے کہیئے۔ کہ اُن سے ملیں یعنی راجہ امید سنگھ بہادر اندور والے وہ جیلی انیٹ میں پولیس کے پیچھواڑے رہتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ کا خط آگیا اور میرزا تفتہ نے مجھے پارسل کی رسید نہیں لکھی اب میرا خط فارسی اپنے نام کا اور یہ خط دونوں خط ان کو دکھا دیجئے گا۔ اور راجا امید سنگھ سے ملنے کو کہیئے گا۔ اور وہاں صاحب یہ اُن کو تاکید کیجئے گا۔ کہ وہ رباعی جو میں نے لکھ بھیجی ہے۔ اس کو سب سے پہلے جہاں اس کا نشان دیا ہے۔ اُسی فقرے کے آگے ضرور بر ضرور لکھوا دیں اور رباعی بھیجی صفحہ میں اس فقرہ کے آگے ہے۔ سفینہ اختر بخت خرد مدبلندی بجائے رسید کہ رخ از خاکیاں نہفت تم ان کو یاد دلا کر اُن سے لکھوا لینا ضرور ضرور یہ جو تم نے لکھا کہ صاحب نے سُنکر پسند کیا میں حیران ہوں کہ کون مقام تم نے پڑھا ہوگا۔ کیونکر کہوں کہ صاحب اس عبارت کو سمجھے ہونگے۔ اس کی جو حقیقت ہو مفصل لکھو۔ زیادہ زیادہ۔ راقم اسد اللہ سہ شنبہ ۳۱ ماہ اگست ۱۸۵۸ء ضروری جواب طلب۔

ایضاً۔ بھائی آج سخت حیرت میں ہوں کہ منشی ہرگوپال صاحب نے مجھ کو خط لکھنا کیوں چھوڑا۔ اگر مجھ سے خفا ہیں تو کیوں خفا ہیں۔ اور اگر شہر میں نہیں تو کہاں گئے۔ اور کیوں گئے ہیں۔ اور کب تک آئینگے آپ مہربانی فرما کر یہ امور مجھ کو لکھ بھیجئے۔ اس سے علاوہ ایک رباعی میرزا تفتہ کو بھیجی ہے۔ اور ان کو لکھا ہے۔ کہ اس کو دستنبو میں فلاں جگہ درج کر دینا۔ اور ایک دو فقرے بھائی منشی نبی بخش صاحب کو لکھے ہیں اور اُن کو بھی دستنبو میں لکھنے کا محل بتا دیا ہے۔ میں نہیں جانتا اُن دونوں صاحبوں نے میرے کہنے پر عمل کیا۔ اور انہوں نے نظم کو اور انہوں نے نثر کو کتاب کے حاشیہ پر چڑھا دیا یا نہیں۔ تم سے بہ ابرام تمنا خواہش کرتا ہوں کہ وہ رباعی اور وہ فقرے حاشیہ پر چڑھ گئے ہیں۔ تو مجھ کو ان کے لکھے جانے کی اطلاع دیجئے۔ کہ تشویش رفع ہو۔ اور اگر اُن دونوں صاحبوں نے بے پروائی کی ہے تو واسطے خدا کے آپ میرزا تفتہ سے رباعی اور منشی نبی بخش صاحب سے دونوں فقرے لے لیجئے۔ اور محل تحریر میرے خط سے معلوم کر کے اُن کو جابجا حاشیہ پر رقم کیجئے۔ اور مجھ کو اطلاع دیجئے۔ ضرور ضرور ضرور۔ ایک اور کام آپ کو کرنا چاہیئے۔ کہ شاید تیسرے صفحہ کے آخر میں یا چوتھے صفحہ کے اول میں یہ فقرہ ہے۔ اگر دو دم دیگر بہ تہیب مباش بہم بجنند۔ تہیب کا لفظ عربی ہے یہ ہوگے

لکھا گیا ہے۔ اس کو چھیل ڈالیے گا۔ اور اس کی جگہ نوائے سروش بنا دیجیے گا۔ حقیقت لکھ کر اب سوالات الگ الگ لکھتا ہوں۔ پہلا سوال میرزا تفتہ کا حال اور ان کے خط نہ آنے کی وجہ لکھیے۔ دوسرا سوال میرزا تفتہ نے اگر رباعی دستنبو کے حاشیہ پر لکھ دی ہے تو اس کی اطلاع دو۔ وہ ان کے نام کے خط سے رباعی اور تحریر کا حال معلوم کر کے آپ حاشیہ پر لکھ دیں اور مجھ کو اطلاع دیں۔ تیسرا سوال منشی نبی بخش صاحب نے اگر میری بھیجی ہوئی نثر درج کر دی ہے تو اس کی اطلاع دو۔ وہ ان سے لیکر اور محل معلوم کر کے حاشیہ پر لکھ دیجیے۔ اور مجھ کو لکھ بھیجیے چوتھا سوال اب جس طرح لکھا گیا ہوں تہذیب کی جگہ نوا کا لفظ بنا کر مجھ کو عنایت کیجیے۔ پانچواں سوال خریدار پچاس جلدوں کے پہنچنے میرزا تفتہ سے ملے روپیہ پچاس جلد کی قیمت کا دیا یا ہنوز یہ امور وقوع میں نہیں آئے۔ اس کی اطلاع ضرور دیجیے۔ چھٹا سوال چھاپا شروع ہو گیا یا نہیں۔ اگر شروع نہیں ہوا۔ تو کیا سبب متوقع ہوں۔ کہ میرے یہ سب کام از راہ عنایت بنا کر مجھ کو سوال کا جواب اسی طرح جدا جدا لکھیے۔ اور ضرور لکھیے اور جلد لکھیے۔ راقم اسد اللہ خاں روز جمعہ سوم ستمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ نور بصر لخت جگر منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ خط اور رپورٹ کا لفافہ پہنچا۔ اور سب حال تمہارے خاندان کا دریافت ہوا۔ سب میرے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ اور تم اپنے دودمان کے چشم و چراغ ہو۔ العلامۃ طافتہ شوق سے لکھو۔ آخر صفحہ کی دو سطریں از روئے مضمون سراسر کتاب مضمون کے خلاف ہیں۔ میں نے سرکار کی فتح کا حال نہیں لکھا صرف اپنے پندرہ مہینے کی سرگذشت لکھی ہے۔ تقریباً شہر و سپاہ کا بھی ذکر آگیا ہے۔ اور وہ اپنی سرگذشت جو میں نے لکھی ہے۔ سو ابتدائے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے ۳۱ جولائی ۱۸۵۸ء تک لکھی ہے۔ شہر ستمبر میں فتح ہوا اس کا بھی بیان ضمناً آگیا۔ خوب ہوا جو تم نے مجھ سے پوچھا ورنہ بڑی قباحت ہوتی۔ اب میں جس طرح سے کہوں سو کرو۔ پہلے سوچو کہ تقسیم یوں ہے۔ نہ تین سطریں اوپر اور تین سطریں نیچے اور بیچ میں ایک سطر اس میں کتاب کا نام کیوں میاں تقسیم یوں ہے اب میں دوسرے صفحہ پہ ساتوں سطریں لکھ دیتا ہوں۔ اس کا ملاحظہ کرو اور میرا کہنا مانو۔ ورنہ کتاب کی حقیقت غلط ہو جائے گی۔ اور مطبع پہ بات آئیگی۔ اس صفحہ میں دو ایک باتیں اور سمجھا دوں۔ کہ وہ ضروری ہیں۔ سنو میری جان نوابی کا مجھ کو خطاب ہے۔ نجم الدولہ اور اطراف و جوانب کے امرا سب مجھ کو نواب لکھتے ہیں۔ بلکہ بعض انگریز بھی چنانچہ صاحب کمشنر بہادر دہلی نے ان دنوں میں ایک روبکاری بھیجی ہے۔ تو لفافہ پر نواب اسد اللہ خاں لکھا۔ لیکن یاد رہے۔ نواب کے لفظ کے ساتھ میرزا یا میر نہیں لکھنے۔ یہ خلاف دستور ہے۔ یا نواب اسد اللہ خاں لکھو یا میرزا اسد اللہ خاں لکھو۔ اور بہادر

کا لفظ تو دونو حال میں واجب اور لازم ہے ۔

ایضاً۔ برخوردار نورچشم منشی شیو نارائن کو معلوم ہو کہ میں کیا جانتا تھا۔ کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر بنسی دھر کے پوتے ہو۔ تو معلوم ہوا۔ کہ میرے فرزند دلبند ہو۔ اب تم کو مشفق ومکرم لکھوں۔ تو گنہگار ہم تم کو ہمارے خاندان اور اپنے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے۔ مجھ سے سنو تمہارے دادا کے والد عہد نجف خاں ہمدانی میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی اور گھر بیٹھے تو تمہارے پردادا نے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا۔ تو میں نے یہ دیکھا۔ کہ منشی بنسی دھر خانصاحب کے ساتھ ہیں۔ اور انہوں نے جو کیٹھم گاؤں اپنی جاگیر کا سرکار میں دعویٰ کیا۔ تو منشی بنسی دھر اُس امر کے منصرم ہیں۔ اور وکالت اور مختاری کرتے ہیں۔ میں اور وہ ہم عمر تھے شاید منشی بنسی دھر مجھ سے ایک دو برس بڑے ہوں۔ یا چھوٹے ہوں۔ انیس ۱۹ بیس ۲۰ برس کی میری عمر اور ایسی ہی عمر اُن کی باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت آدھی آدھی رات گذر جاتی تھی چونکہ گھر اُن کا بہت دور نہ تھا اسواسطے جب چاہتے تھے چلے جاتے تھے بس ہمارے اور اُن کے مکان میں مچھیا رنڈی کا گھر اور ہمارے دو کٹرے درمیان میں تھے۔ ہماری بڑی حویلی وہ ہے۔ کہ جو اب لکھی چند سیٹھ نے مول لی ہے۔ اسی کے دروازے کی سنگین بارہ دری پر میری نشست تھی۔ اور پاس اُس کے ایک کھٹیا والی حویلی اور سلیم شاہ کے تکیہ کے پاس دوسری حویلی اور کالے محل سے لگی ہوئی ایک اور حویلی اور اس سے آگے بڑھ کر ایک کٹرہ کہ وہ گڈریوں والا مشہور تھا اور ایک کٹرہ کہ وہ کشمیرن والا کہلاتا تھا۔ اس کٹرے کے ایک کوٹھے پر میں پتنگ اُڑاتا تھا۔ اور راجہ بلوان سنگھ سے پتنگ لڑا کرتے تھے واصل خاں نامی ایک سپاہی تمہارے دادا کا پیش دست رہتا تھا۔ اور وہ کٹروں کا کرایہ اوگا کر اُن کے پاس جمع کرواتا تھا۔ سنو تو بھی تمہارے دادا نے بہت کچھ پیدا کر گیا ہے۔ علاقے مول لئے تھے۔ اور زمینداری اپنا کر لیا تھا۔ دس بارہ ہزار روپیہ کی مالگذاری کرتا تھا آیا وہ سب کارخانے تمہارے ہاتھ آئے یا نہیں اس کا حال از روئے تفصیل جلد مجھ کو لکھو۔ اسداللہ

روز سہ شنبہ ۱۹ اکتوبر وقت ورود خط ۔

ایضاً۔ برخوردار اقبال نشان منشی شیو نرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ تمہارے دو خط متواتر پہنچے۔ میرے بھی دو خط پس و پیش پہنچے ہونگے۔ بموافق اس تحریر کے عمل کیا ہوگا۔ دو جلدیں پُر تکلف اور پانچ جلدیں بہ نسبت اُس کے کم تکلف مرزا حاتم علی صاحب کے عہد اہتمام میں ہیں۔ اس سے ہم کو اور تم کو کچھ کام نہیں وہ جیسی چاہیں بنوا کر بھیج دیں تم ایک جلد میں زیادہ صرف کیوں کرو اپنے طور پر اپنی طرف سے جیسی چاہو بنوا کر بھیجو

ہے تم کو اپنے پیارے ناظر جیسی دھر کی نشانی جانتا ہوں۔ اسکو تمہاری نشانی جانکر اپنی جان کے برابر رکھوں گا۔ باقی حال اپنے خاندان اور تمہارے خاندان اور بابر بل کر اپنا اور جیسی دھر کا بجے ہونا سب تم کو لکھ چکا ہوں۔ مکرر کیوں لکھوں۔ بادشاہ کی تصویر کی یہ صورت ہے کہ اُجڑا ہوا شہر نہ آدمی نہ آدم زاد۔ مگر ہاں دو ایک مصوّروں کی آبادی کا حکم ہو گیا ہے۔ وہ بھتے ہیں سو وہ بھی بعد اپنے گھروں کے لُٹنے کے آباد ہوئے ہیں۔ تصویریں بھی ان کے گھروں میں سے لُٹ گئیں جو کچھ ہیں وہ صاحبان انگریز نے بڑی خواہش سے خرید کر لیں۔ ایک مصوّر کے پاس ایک تصویر ہے۔ وہ تیس روپیہ سے کم کو نہیں دیتا کہتا ہے کہ تین تین اشرفیوں کو میں نے صاحب لوگوں کے ہاتھ بیچی ہیں۔ تم کو دو اشرفی کو دونگا۔ ہاتھی دانت کی تختی پر وہ تصویر ہے۔ میں نے چاہا کہ اس کی نقل کاغذ پر اُتار دے اُس کے بھی بیس روپیہ مانگتا ہے۔ اور پھر خدا جانے اچھی ہو یا نہ ہو اتنا صرف بیجا کیا ضرور ہے میں نے دو ایک آدمیوں سے کہہ رکھا ہے۔ اگر کہیں سے ہاتھ آجائے گی۔ تو لیکر تم کو بھیجدونگا۔ مصوّروں سے خرید کرنے کا تو مجھ میں مقدور تھا۔ نہ تمہارا نقصان منظور اب چھاپا تمام ہو گیا ہوگا وہ پانچ اور دو سات کتابیں جو میرزا صاحب کی تحویل میں ہیں۔ وہ اور وہ ایک جلد جو تم نے مجھ کو دینی ہے۔ وہ یہ سب لوح اور جلد کی درستی کے بعد پہنچ جائیگی مگر وہ چالیس کتابیں سرسری جو مجھے چاہتے ہیں۔ وہ تو آجکل میں روانہ کرو۔ اور ہاں میری جان یہ چالیس کتابوں کا اشتہار کیونکر پہنچے۔ اور محصول اس کا کیا ہوگا۔ اور یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ دس جلدیں راے امید سنگھ کے پاس کہاں بھیجی جائیں گی۔ میرزا تفتہ ہاتھرس کو جاتے ہوئے اُن کا اندور جانا اور شاید پھر آگرہ اور دلّی کا آنا مجھ کو لکھ چکے ہیں۔ ان باتوں کا جواب مجھ کو لکھو تصویر کے باب میں جو کچھ لکھو وہ کروں اور ان مقدمات سے اطلاع پاؤں۔ جواب جلد لکھو اور مفصّل لکھو۔ از غالب نگاشتہ و روانہ داشتہ شنبہ ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۸ء

ایضاً

میاں تمہارے کمال کا حال معلوم کر کے میں بہت خوش ہوا۔ اگر مجھ کو کبھی انگریزی لکھوانا ہوگا۔ تو یہاں سے اردو میں لکھ بھیجدونگا۔ تم وہاں سے انگریزی لکھ کر بھیجدیا کرنا۔ قصۂ قاصدان شاہی میں نے دیکھا۔ اصلاح کے باب میں سوچا اگر سب فقروں کو مقفّیٰ اور عبارت کو رنگین بنانے کا قصد کروں۔ تو کتاب کی صورت بدل جائیگی۔ اور شاید تم کو بھی یہ منظور نہ ہو۔ ناچار اسپر قناعت کی کہ جو الفاظ ٹکسال سے باہر تھے وہ بدل ڈالے مثلاً تم نے گو کہ یہ گنوار بولی ہے۔ وہ یہ ٹھیٹ اردو ہے۔ کرانا یہ ترجمۂ تحقیقات کی بولی ہے مگر واسطے نیز رکنے کے غلط ہے راجہ صحیح ہے کہیں کہیں صرف روابط و ضمائر نامربوط تھے۔ ان کو مربوط کر دیا ہے۔ ایک جگہ کہنے لیے یہ لفظ میری سمجھ میں نہ آیا۔ اس کو تم سمجھ لینا۔ باقی اور سب مربوط اور خوب صاف ہے۔ حاجت اصلاح کی نہیں صاحب کتابیں کیسے روانہ ہونگی۔ حوالی بھی بھیجی کبھی اگر لکھا جانیکا قصد ہے تو بھائی میری کتابیں بھیجکر جانا۔ اور ہاں یہ میں

نہیں سمجھا۔ کہ مہر نیم روز کی بنائی ہوئی سات کتابیں بھی انہی کتابوں کے ساتھ بھیجو گے۔ یا وہ اپنے طور پر روانہ
کریں گے۔ وہ تم نے اپنی خواہش کی ہوئی کتب کا آشوب کا وعدہ کیا تھا اور اس وعدہ سے یہ بات تراوش کرتی تھی۔ کہ
سادہ کتابیں پہلے روانہ ہونگی۔ اور وہ ایک کتاب ہفتہ کے بعد ہفتہ بھی گذر گیا۔ یقین ہے۔ کہ اب وہ سب
یکجا پہنچیں۔ اور شاید کل پرسوں آجائیں۔ وہ نمبر اخبار کا جو تم نے مجھ کو بھیجا تھا۔ اس میں اڈمنسٹن صاحب
کے لفٹنٹ ہونے کی اور بہت جلد آگرہ آنے کی خبر لکھی تھی۔ یہاں مجھ کو کئی باتیں پوچھنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ چیف
سیکرٹر نواب گورنر جنرل کے تھے جب یہ لفٹنٹ گورنر ہوئے۔ تو اب وہاں چیف سیکرٹر کون ہوگا۔ یقین
ہے کہ ولیم میور صاحب اس عہدہ پر مامور ہوں۔ پس اگر یوں ہی ہے۔ تو ان کے محکمہ میں چیف سیکرٹر
کون ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ میر منشی ان کے تو وہی منشی غلام غوث خانصاحب رہیں گے۔ یقین ہے
کہ انکے ساتھ آویں۔ تیسری بات یہ کہ گورنر جنرل کے فارسی دفتر کے میر منشی ایک بزرگ تھے بلگرام
کے رہنے والے منشی سید جان خان آیا ابھی وہی میر ہیں یا ان کی جگہ کوئی اور صاحب ہیں۔ ان سب باتوں
میں سے جو آپکو معلوم ہوں۔ وہ اور جو نہ معلوم ہوں انکو معلوم کر کے مجھ کو لکھیئے۔ اور جلد لکھیئے۔ اور ضرور لکھیئے
یقین تو ہے۔ کہ تم سمجھ گئے ہو کہ میں کیوں پوچھتا ہوں۔ کتابیں جا بجا بھیجنے میں جبتک نام اور مقام
نہ معلوم ہو۔ کیونکر بھیجوں۔ جواب لکھو اور شتاب لکھو کتابیں بھیجو اور جلد بھیجو۔ سہ شنبہ ۹ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ برخوردار کامگار منشی شیو نرائن طال عمرہٗ و زاد قدرہٗ کل جمعہ کے دن ۲۰ نومبر کو ۲۳ کتابیں آ
گئیں۔ میں بہت خوش ہوا۔ اور تم لوگوں کو دعائیں دیں خط تمہارے نام کا ابھی میرا لکھا ہوا رکھا رہ گیا
تھا اس نسخہ کی تحریر سے مقصود یہ ہے کہ میاں عبدالحکیم بہت نیک بخت اور اشراف اور ہنر مند
آدمی ہیں۔ دہلی گزٹ میں معقولوں کے چھاپے کا کام کیا کرتے تھے۔ چونکہ وہ چھاپہ خانہ اب آگرہ
میں ہے۔ یہ بھی وہیں آتے ہیں تمہارے پاس حاضر ہونگے۔ ان پر مہربانی رکھنا۔ بلا وہ شہر بیگانہ
ہے۔ انکو تمہاری خدمت میں شناسائی رہیگی۔ تو اچھی بات ہے۔ صحافی کا کام بھی بقدر معرفت کر
سکتے ہیں۔ شاید اگر دہلی گزٹ میں ان کا طور درست نہ ہو تو اس صورت میں بشرط گنجائش اپنے
مطبع میں انکو رکھ لینا۔ خاتمہ اسد اللہ نگاشتہ شنبہ ۲۱ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ صاحب تمہارا خط آیا حال خوش ہوا دیکھئے مرزا تفتہ کب معاودت کرتے ہیں انگریز پہنچے ہیں تو
یقین ہے۔ کہ آج یہاں آ پہنچیں۔ کل نہ آئیں کل آئیں۔ کل سے شام تک راہ دیکھتا ہوں۔
مہر نیم ماہ نہیں اسکا نام مہر نیم روز ہے۔ اور وہ سلاطین تیموریہ کی تاریخ ہے جب وہ بات ہی
گئی گذری ہوئی وہ کتاب اب نہ چھاپنے کے لائق ہے نہ چھپوانے کے قابل۔ اردو کے خطوط جو آپ چھپوایا چاہتے ہیں۔ یہ بھی زائد

بات ہے۔ کوئی رقعہ ایسا ہوگا۔ کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریر سرسری ہے اُس کی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے۔ کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پہ ظاہر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے۔ تحریر پنجشنبہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ برخوردار اقبال نشان کو دعا پہنچے کل جمعہ کے دن ۱۹ نومبر ۱۸۵۸ء کو سات کتابوں کے دو پارسل پہنچے۔ واقعی کتابیں جیسا کہ میرا جی چاہتا تھا۔ اسی روپیہ کے ہیں۔ حق تعالیٰ میرزا مہر کو سلامت رکھے۔ رقعوں کے چھاپنے کے باب میں ممانعت لکھ چکا ہوں۔ البتہ اس بات میں میری رائے پر تم کو اور میرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ہے۔ مطلب عمدہ جو اس خط کی تحریر سے منظور ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جو کتاب تم نے بنوائی ہے۔ اور میں نے تم کو لکھا تھا۔ کہ پہلے ورق کے دوسرے صفحہ پہ انگریزی عبارت لکھ کر بھیجنا خدا کرے وہ عبارت تم نے نہ لکھی ہو۔ اگر لکھ دی ہو۔ تو ناچار اور اگر نہ لکھی ہو۔ تو اب نہ لکھنا۔ اور سادہ رہنے دینا۔ اور اسی طرح میرے پاس بھیجنا یہ بھی معلوم رہے۔ کہ اب ان کتب کی تقسیم اس کتاب کے آنے تک ملتوی رہیگی۔ اور وہ کتاب میرے پاس جلد پہنچ جائے۔ تو بہتر ہے۔ ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء جواب طلب بلکہ کتاب طلب۔

ایضاً۔ صاحب تم کندھولی سے کب آئے۔ اور جب آئے۔ تو وہ میرا خط بیرنگ کہ جس میں سات روپیہ کی ہنڈوی ملفوف تھی پایا یا نہیں پایا۔ اگر پایا تو موافق اُس تحریر کے عمل کیوں نہ فرمایا۔ اور اس خط میں ایک مطلب جواب طلب تھا۔ اس کا جواب کیوں نہ بھجوایا۔ اچھا اگر تم ایک آدھ دن کے واسطے کندھولی گئے تھے۔ تو کارپردازان مطبع نے خط لیکر رکھ چھوڑا ہوگا۔ اور جب تم آئے ہوگے۔ تو وہ خط تمہیں دیا ہوگا۔ پھر کیا سبب جو تم نے جواب نہ لکھا۔ یا ابھی کندھولی سے تم نہیں آئے یا وہ خط میرا تلف ہوگیا۔ تاریخ تحریر خط مجھے یاد نہیں۔ اب یہ لکھتا ہوں۔ کہ اگر خط پہنچا۔ تو مجھ کو خط کی اور ہنڈوی کی رسید اور میرے سوال کا جواب لکھو۔ اور اگر خط نہیں پہنچا۔ تو اس کی تدبیر بتاؤ۔ کہ اب میں ساہو کار سے کیا کہوں۔ اور ہنڈوی کا ثنی کس طرح سے مانگوں۔ از اسد اللہ مضطرب روز سہ شنبہ ۳۰ نومبر ۱۸۵۸ء جواب طلب۔ شتاب طلب۔

ایضاً۔ صاحب تم خط جواب نہ بھیجنے سے گھبرائے ہوگے۔ حال یہ ہے کہ قلم بنانے میں میرا ہاتھ انگوٹھے کے پاس سے زخمی ہوگیا۔ اور ورم کر آیا۔ چار دن سوتی بھی مشکل سے کھائی گئی ہے۔ بہرحال اب اچھا ہوں۔ پنج آہنگ تم نے مول لے لی۔ اچھا کیا۔ دو چھاپے ہیں۔ ایک بادشاہی چھاپے خانے کا اور ایک منشی نورالدین کے چھاپے خانے کا

پہلا ناقص ہے۔ دوسرا سراسر غلط ہے کیا لکھوں۔ تم سے ضیاء الدین خان جاگیردار لوہارو کے
سبھی بھائی اور میرے شاگرد رشید ہیں جو نظم و نثر میں میں نے کچھ لکھا وہ انہوں نے لیا۔ اور جمع کیا چنانچہ
کلیات نظم فارسی چوں پچپن جزو اور پنج آہنگ اور مہر نیم روز اور دیوان ریختہ سب مل کر سو سوا سو جزو منقطع
مُذہّب اور انگریزی ابری کی جلدیں الگ الگ کوئی ڈیڑھ سو روپیہ کے صرف میں بنوائیں۔ میری خاطر جمع
نہ کلام میرا سب یکجا فراہم ہے۔ پھر ایک شہزادہ نے اُس مجموع نظم و نثر کی نقل کی۔ اب دو جگہ میرا کلام
اکٹھا ہوا۔ یہاں سے یہ فتنہ برپا ہوا۔ اور شہر لُٹے وہ دونوں جگہ کا کتاب خانہ خوانِ یغما ہو گیا۔ ہر چند
میں نے آدمی دوڑائے۔ کہیں سے اُن میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔ وہ سب قلمی ہیں۔ غرض اس
تحریر سے یہ ہے۔ کہ قلمی فارسی کا کلیات قلمی ہندی کا کلیات قلمی پنج آہنگ قلمی مہر نیم روز۔ اگر
کہیں ان میں سے کوئی نسخہ بکتا ہوا آئے تو اس کو میرے واسطے خرید کر لینا۔ اور مجھ کو اطلاع کرنا۔
میں قیمت بھیج کر منگوا لونگا۔ جناب ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا ان
کی فرمائش ہے اردو کی نثر وہ انجام پائے۔ تو اُسکے ساتھ انکو خط لکھوں۔ مگر بھائی تم غور کرو۔
اُردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا۔ اور اس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھرونگا۔
ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں۔ کونسی بات کونسی کہانی کون سا مضمون تحریر کروں۔ اور کیا تدبیر
کروں تمہاری رائے میں کچھ آئے۔ تو مجھ کو بتاؤ۔ ایک قرینہ سے مجھ کو معلوم ہوا ہے۔ کہ شاید گورنمنٹ
سو دو سو دستنبو کی خریداری کریگی۔ اور ان نسخوں کو ولایت بھیجے گی۔ کیا عجیب ہے۔ کہ ہفتہ دو ہفتہ
میں تمہارے پاس الہ آباد سے حکم پہنچے۔ روز دوشنبہ ۱۱ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی یہ بات تو کچھ نہیں۔ کہ تم خط کا جواب نہیں لکھتے۔ خیر دیر سے لکھو اگر شتاب نہیں
لکھتے تمہارا خط آیا۔ اُس کے دوسرے دن میں نے جواب بھجوایا۔ آج تک تم نے اُس کا جواب نہ
بھیجا۔ حال آنکہ اُس میں جواب طلب باتیں تھیں۔ یعنی میں نے اپنی نظم و نثر کی کتب کا حال تم کو لکھ
کر تم سے یہ استدعا کی تھی۔ کہ قلمی نسخہ تمہارے ہاتھ آ جائے۔ وہ تم خرید کرکے مجھے بھیج دینا۔ ریڈ صاحب
کے باب میں میں نے یہ لکھا تھا۔ کہ جب کچھ اُردو کی نثر ان کے واسطے لکھونگا۔ تو دستنبو کی خریداری کی خواہش
کرونگا۔ معہذا تم سے اصلاح پوچھی تھی۔ کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اُردو کروں۔ تم نے
ابیات کا بھی جواب نہ لکھا۔ سید حفیظ الدین احمد کی مُہر کھدوانے کو تم نے لکھا تھا کہ ملتوی رہے
پھر اس کا بھی کچھ بیورہ نہ لکھا۔ میں اسکو بھی کچھ نہیں سمجھا۔ اس کو یکسو کرو۔ ہاں ناں کچھ لکھ بھیجو تمہاری
مُہر بدر الدین علی خان کو دی گئی ہے۔ یقین تو یہ ہے۔ کہ اسی دسمبر کے مہینے میں تمہارے پاس

پہنچ جائے۔ اور ۱۸۵۸ء لکھ دیں۔ شاید کچھ دیر ہو۔ تو جنوری ۱۸۵۹ء میں لکھ دے اس سے زیادہ درنگ
نہ ہوگی۔ تم کو بعد پیچ حرف سے آٹھ حرف سے کیا غرض۔ تم کو اپنی مہر سے کام۔ سچ تو کہو۔ کیا پھر کند ہولی گئے ہو۔ کیا کرتے ہو
کس شغل میں ہو۔ یا مجھ سے خفا ہو۔ اگر خفا ہو تو اور کچھ نہ لکھو خفگی کی وجہ لکھو۔ بہر حال اس خط کا جواب شتاب بھیجو۔
اور اسی خط میں بعد ان سب باتوں کے جواب کے مولوی قمرالدین خان کا حال لکھو۔ کہ وہ کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں۔
برسر کار ہیں یا بیکار ہیں۔ اچھا میرے بھائی اس خط کے جواب میں درنگ نہ ہو۔ زیادہ کیا لکھوں۔ غالب۔

مرسلہ چہار شنبہ ۱۵ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ برخوردار آج اس وقت تمہارا خط مع لفافوں کے لفافے کے آیا۔ دل خوش ہوا۔ بھائی میں اپنے
مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفافے نامقام و درمقام بے تاریخ و ماہ مجھ کو پسند نہیں۔ آگے جو تم نے مجھے بھیجے تھے
وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دیئے۔ اب یہ لفافوں کا لفافہ اس مراد سے بھیجتا ہوں۔ کہ ان کی عوض یہ لفافے
جو درمقام و از مقام سے خالی ہیں۔ جن میں تم اپنے خط بھیجا کرتے ہو۔ مجھ کو بھیج دو۔ اور یہ لفافے اُس کے
عوض مجھ سے لو۔ اور اگر اس طرح کے لفافے نہ ہوں۔ تو ان کی کچھ ضرورت نہیں۔ مہر کے واسطے صاحب زرد
کا نگینہ اور پھر چنے کی دال کے برابر اور ہشت پہلو اس اُجڑے شہر میں کہاں ملیگا۔ عقیق بہت خوش رنگ
سیاہ یا سُرخ جیسا تم نے آگے لکھا ہے۔ مثمن پہلو ہوگا۔ یعنی میری طرف سے تم کو پہنچیگی تم کو بہم حرف
ہر حرف سے کچھ مدعا نہیں آپ اپنی مہر چاہو زمرد پر چاہو الماس پر کھدوالو میں تم کو عقیق کی مہر دونگا۔ رہی
وہ دوسری بات جب تمہاری مہر کھد چکے گی جس طرح تم کہوگے کھد جائیگی۔ میاں کیا قرینہ بتاؤں۔۔
گورنمنٹ کی خریداری کا ایک بات ایسی ہے۔ کہ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا کرے اس کا ظہور ہو
جائے ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ جناب میر صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اُردو میں اپنا کمال
کیا ظاہر کر سکتا ہوں۔ اس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے۔ بہت ہوگا تو یہ ہوگا۔ کہ میرا اُردو بہ نسبت اوروں
کے اردو کے فصیح ہوگا۔ خیر بہر حال کچھ کروں گا۔ اور اردو میں اپنا زور قلم دکھاؤنگا۔ سقے کا آنا اور دستوں
کا آنا یہ چاہتا ہے۔ کہ تم نے رات کو بُری قسم کی شراب مقدار میں زیادہ پی ہوگی۔ کچھ تبرید کرو۔ اور شراب
زیادہ نہ پیا کرو۔ میرا رقعہ تمہارے نام کا در لفافہ کا تمہارے نام کا حسب الحکم تمہارے واپس
بھیجا جاتا ہے۔ میرے لفافہ میں خفا ہونا اسی طرح لکھا تھا۔ جیسا تم کو تمہارا خفا ہونا لکھا تھا۔ بھلا دبیر
فرزند کی جگہ ہیں۔ مجھ سے خفا کیوں ہوں [illegible] آج تک دو تین خط ان کے آچکے ہیں۔ چنانچہ ایک خط
بھی تمہارے خط کے ساتھ ڈاک کا ہرکارہ دے گیا ہے۔ محررہ شنبہ ۱۸ دسمبر ۱۸۵۸ء
ایضاً۔ اب ایک امر خاص کو سمجھو۔ ... مجھ کو لکھنؤ بھیجنی ہیں۔ اور میرے پاس کوئی جلد

پہلا ناقص ہے۔ دوسرا سراسر غلط ہے کیا لکھوں۔ تم سے ضیاء الدین خان جاگیردار لوہارو جیسی بھائی اور میرے شاگرد رشید ہیں۔ جو نظم و نثر میں میں نے کچھ لکھا وہ اُنہوں نے لیا۔ اور جمع کیا چنانچہ کلیات نظم فارسی چوراسی جزو اور پنج آہنگ اور مہر نیمروز اور دیوان ریختہ سب ملکر سو سوا سو جزو متفرق نثر اور انگریزی امری کی جلدیں الگ کوئی ڈیڑھ سو روپیہ کے صرف میں بنوائیں۔ میری خاطر جمع کہ کلام میرا سب یکجا فراہم ہے۔ پھر ایک شہزادہ نے اُس مجموع نظم و نثر کی نقل کی۔ اب دو جگہ میرا کلام اکٹھا ہوا۔ کہاں سے یہ فتنہ برپا ہوا۔ اور شہر لٹے وہ دونوں جگہ کا کتاب خانہ خوان لغما ہو گیا۔ ہر چند میں نے آدمی دوڑائے۔ کہیں سے اُن میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔ وہ سب قلمی ہیں۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ قلمی فارسی کا کلیات قلمی ہندی کا کلیات قلمی پنج آہنگ قلمی مہر نیمروز۔ اگر کہیں ان میں سے کوئی نسخہ بکتا ہوا آئے تو اس کو میرے واسطے خرید کر لینا۔ اور مجھ کو اطلاع کرنا۔ میں قیمت بھیج کر منگا لونگا۔ جناب ہنری اسٹورٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا۔ اُن کی فرمائش ہے اُردو کی نثر وہ انجام پائے۔ تو اُسکے ساتھ انکو خط لکھوں۔ مگر بھائی تم غور کرو۔ اُردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کروں گا۔ اور اس عبارت میں معانی نازک کیونکر بھرونگا۔ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں۔ کہ کیا لکھوں۔ کونسی بات کونسی کہانی کیسا سا مضمون تحریر کروں۔ اور کیا تدبیر کروں تمہاری رائے میں کچھ آئے۔ تو مجھ کو بتاؤ۔ ایک قرینہ سے مجھ کو معلوم ہوا ہے۔ کہ شاید گورنمنٹ سو دو سو دستنبو کی خریداری کریگی۔ اور ان نسخوں کو ولایت بھیجے گی۔ کیا عجیب ہے۔ کہ ہفتہ دو ہفتہ میں تمہارے پاس الہ آباد سے حکم پہنچے۔ روز دوشنبہ ۱۱ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ بھائی یہ بات تو کچھ نہیں۔ کہ تم خط کا جواب نہیں لکھتے۔ خیر دیر سے لکھو اگر شتابی نہیں لکھتے تمہارا خط آیا۔ اُس کے دوسرے دن میں نے جواب بھیجا۔ آجتک تم نے اُس کا جواب نہ بھیجا۔ حال آنکہ اُس میں جواب طلب باتیں تھیں۔ یعنی میں نے اپنی نظم و نثر کی کتب کا حال تم کو لکھ کر تم سے یہ استدعا کی تھی۔ کہ قلمی نسخہ تمہارے ہاتھ آجائے۔ وہ تم خرید کر کے مجھے بھیج دینا۔ دستنبو صاحب کے باب میں میں نے یہ لکھا تھا۔ کہ جب کچھ اُردو کی نثر اُن کے واسطے لکھونگا تو دستنبو کی خریداری کی درخواست کرونگا۔ چہ جائیکہ تم سے اصلاح پوچھی تھی۔ کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی سے اُردو کروں۔ تم نے اسبات کا بھی جواب نہ لکھا۔ سید حفیظ الدین احمد کی مُہر کھدوانے کو تم نے لکھا تھا۔ کہ ملتوی ہے پھر اس کا بھی کچھ بیورہ نہ لکھا۔ میں اسکو بھی کچھ نہیں سمجھا۔ اس کو یکسو کرو۔ ہاں تا ہاں کچھ لکھو بھیجو تمہاری مُہر بدرالدین علی خان کو دی گئی ہے۔ یقین تو یہ ہے۔ کہ اسی مہینے کے جینے میں تمہارے پاس

پہنچ جائے۔ اور ۱۰۵۰ سن لکھ دیں۔ شاید کچھ دیر ہو۔ تو جنوری ۱۸۵۹ء میں لکھ دے اس سے زیادہ درنگ نہ ہوگی۔ تم کو ردیف حرف سے آشفتہ حرف سے کیا تعجب۔ تم کو اپنی مہر سے کام ہے تو لکھو۔ کیا پھر کچھ بھول گئے ہو۔ کیا کر رہے ہو کس شغل میں ہو۔ یا مجھ سے خفا ہو اگر خفا ہو تو اور کچھ نہ لکھو خفگی کی وجہ لکھو۔ بہرحال اس خط کا جواب شتاب بھیجو۔ اور اسی خط میں بعد ان سب باتوں کے جواب کے مولوی قمر الدین خان کا حال لکھو۔ کہ وہ کہاں ہیں۔ اور کس طرح ہیں برسر کار ہیں یا بیکار ہیں۔ اچھا میرے بھائی اس خط کے جواب میں درنگ نہ ہو۔ زیادہ کیا لکھوں۔ غالب۔

مرسلہ چہار شنبہ ۱۵ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ برخوردار آج اس وقت تمہارا خط مع لفافوں کے لفافے کے آیا۔ دل خوش ہوا۔ بھائی میں اپنے مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفافے از مقام و در مقام یہ تاریخ و ماہ مجھ کو پسند نہیں آگے جو تم نے مجھے بھیجے تھے وہ بھی میں نے دوستوں کو بانٹ دیئے۔ اب یہ لفافوں کا لفافہ اس راہ سے بھیجتا ہوں۔ کہ ان کی عوض یہ لفافے جو در مقام و از مقام سے خالی ہیں۔ جن میں تم اپنے خط بھیجا کرتے ہو۔ مجھ کو بھیج دو۔ اور یہ لفافے اس کے عوض مجھ سے لو۔ اور اگر اس طرح کے لفافے نہ ہوں۔ تو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ مہر کے واسطے صاحب زرد کا نگینہ اور پھر چنے کی دال کے برابر اور ہشت پہلو اس اجڑے شہر میں کہاں ملیگا۔ عقیق بہت خوش رنگ سیاہ یا سرخ جیسا تم نے آگے لکھا ہے۔ ہشت پہلو ہوگا۔ پھر میری طرف سے تم کو پہنچیگی تم کو یہ حرف بہر حرف سے کچھ مدعا نہیں آپ اپنی مہر جا بجا زرد پر چاہو اس پر کھدوا لو تم کو عقیق کی مہر دونگا۔ رہی وہ دوسری مہر جب تمہاری مہر کھد چکے گی جس طرح تم کہو گے کھد جائیگی۔ میاں کیا قرینہ بتاؤں۔ گورنمنٹ کی خریداری کا ایک بات ایسی ہے۔ کہ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خدا کرے اس کا ظہور ہو جائے۔ ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ جناب زید صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کر سکتا ہوں۔ اس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے۔ بہت ہوگا تو یہ ہوگا۔ کہ میرا اردو بہ نسبت اوروں کے اردو کے فصیح ہوگا۔ خیر بہرحال کچھ کرونگا۔ در اردو میں اپنا زور قلم دکھاؤنگا۔ ستے کا آنا اور دستوں کا آنا یہ چاہتا ہے۔ کہ تم نے رات کو بری قسم کی شراب مقدار میں زیادہ پی ہوگی۔ کچھ تبرید کرو۔ اور شراب زیادہ نہ پیا کرو۔ میرا رقعہ تمہارے نام کا ورقعہ کا نقد تمہارے نام کا حسب الحکم تمہارے واپس بھیجا جاتا ہے۔ میں نے نقعہ کا خفا ہونا اسی طرح لکھا تھا۔ جیسا تم کو تمہارا خفا ہونا لکھا تھا۔ علاوہ پیر فرزند کی جگہ ہیں مجھ سے خفا کیوں ہونگے۔ اس دن سے آج تک دو تین خط ان کے آ چکے ہیں۔ چنانچہ ایک خط بھی تمہارے خط کے ساتھ ڈاک کا ہرکارہ دے گیا ہے۔ محررہ شنبہ ۱۸ دسمبر ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ اب ایک امر خاص کو سمجھو دو تین دن ہوئے۔ ستیو کی مجھ کو لکھنؤ بھیجنی ہیں۔ اور میرے پاس کوئی جلد

نہیں ہے۔ اب جو تم سے منگاؤں اور یہاں سے لکھنو بھجواؤں تو ایک قصہ ہے یہ صاحب اگرچہ اطراف و جوانب سے مجھ پر قربانیں بھیجتے ہیں۔ تم سے بقیمت کوئی نہیں منگاتا۔ چالیس جلدیں بیلی اور بارہ یہ حالی کی سب تقسیم ہو گئیں۔ ان دونوں صاحبوں کی خاطر مجھ کو بہت عزیز ہے۔ رائیں بدیں یہ کہ ۲۴ ٹکٹ اور ۴ روپیہ آنے کے دو ٹکٹ اس خط میں ملفوف کر کے تم کو بھیجتا ہوں۔ دو پارسل الگ الگ لکھنؤ کو ارسال کرو۔ آٹھ آنے کے ٹکٹ اس پر لگا دو۔ ایک پارسل پر یہ لکھو ایں پارسل بصیغہ بیرنگ پاکٹ اسٹامپ پیڈ در لکھنو بہ محلہ نخاس امام باڑہ اکرام اللہ خاں بمکان میرزا عنایت علی بخدمت میر حسین علی صاحب برسد۔ مرسلہ شیو نرائن مہتمم مطبع مفید خلائق از آگرہ۔ دوسرے پارسل پر یہی عبارت گھر مکان کا پتہ اور نام اور در لکھنو یہ احاطہ خانساماں متصل تکیہ شیر علی شاہ بمکانات مولوی عبدالکریم مرحوم بخدمت مولوی سراج الدین احمد صاحب برسد۔ سمجھ لئے یعنی دو پارسل اسٹامپ پیڈ دونوں لکھنؤ کو ایک بنام میر حسین علی اور ایک بنام سراج الدین احمد بسبیل ڈاک روانہ کر دو۔ اور وہاں صاحب ان دونوں پارسلوں کی روانگی کی تاریخ مجھ کو لکھ بھیجو۔ تاکہ میں اپنے خط میں ان کو اطلاع دوں۔ ایک امر اور ہے اگر تم بھی اس رائے کو پسند کرو۔ یعنی جس طرح تم نے ایک جلد ہنری اسٹورٹ رید صاحب کو اپنی طرف سے بھیجی ہے اسی طرح دو جلدیں ان دونوں صاحبوں کو جن کا نام کاغذ میں لکھا ہوا ہے بھیجدو مگر اپنی ہی طرف سے میرا اس میں اشارہ نہ پایا جائے اور یہ دونوں صاحب بالفعل دلی میں وارد ہیں۔ یہ بات ایسی نہیں ہے۔ کہ خواہی نخواہی اسکو کیا ہی چاہیئے۔ ایک صلاح ہے اور نیک صلاح ہے مناسب جانو کرو ورنہ جانے دو میاں اردو کیا لکھوں۔ میرا یہ منصب ہے۔ کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہوئی خیر ہوئی اب کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈتا پھروں۔ کتاب نام کو میرے پاس نہیں۔ پنشن مل جائے۔ حواس ٹھکانے ہو جائیں۔ تو کچھ فکر کروں۔ پیٹ پڑیں روٹیاں تو سبھی گلاں موٹیاں۔ زیادہ زیادہ غالب روز سہ شنبہ ۴ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء جواب طالب ہے

ایضاً پرسوں اور کل دو ملاقاتیں جناب آرنلڈ صاحب بہادر سے ہوئیں۔ کیا کہوں کہ مجھ پر بے سابقہ معرفت کیا عنایت فرمائی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ گویا مجھ کو مول لیا۔ آج وہ یہاں اور ہیں۔ کل جائیں گے۔ دستنبو تمہاری بھیجی ہوئی ان کے پاس نہیں پہنچی۔ ناچار ایک دستنبو اور ایک پنج آہنگ اپنے پاس سے ان کی نظر کر آیا ہوں۔ لکھنؤ کے دونوں پارسلوں کی رسید مجھ کو آج تک نہیں آئی۔ آخر رسید تو تم کو پارسلوں کی ملی ہوگی۔ ڈاک میں سے معلوم کر کے مجھ کو لکھ بھیجو۔ دیر نہ کرو۔ ورنہ میں متشوش

رہوں گا از غالب نگاشتہ جمعہ ۱۵ ؍جنوری ۱۸۵۹ء ؂

ایضاً - صاحب میں ہندی غزلیں بھیجوں کہاں سے - اُردو کے دیوان چھاپے ناقص ہیں - بہت غزلیں اس میں نہیں ہیں - قلمی دیوان جو تم اور اکمل تھے - وہ لٹ گئے - یہاں یہ کوکہہ رکھا ہے - کہ جہاں یکتا ہوا نظر آجائے لیلو - تم کو بھی لکھ بھیجا اور ایک بات اور تمہارے خیال میں رہے - کہ میری غزل پندرہ سولہ بیت کی بہت شاذ و نادر ہے - بارہ بیت سے زیادہ اور نو شعر سے کم نہیں ہوتی جس غزل کے تم نے پانچ شعر لکھے ہیں - یہ نو شعر کی ہے - ایک دوست کے پاس اُردو کا دیوان چھاپے سے کچھ زیادہ - اب اُس نے کہیں کہیں سے مسودات متفرق بہم پہنچائے ہیں - چنانچہ پنہاں ہوگئیں - ویران ہوگئیں - یہ غزل مجھ کو اُسی سے ہاتھ آگئی ہے - اب میں نے اسکو لکھا ہے - اور تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں - خط لکھ کر رکھ دونگا - جب اُس کے پاس سے ایک غزل آجائیگی - تو اُسی خط میں ملفوف کرکے بھیجدونگا - یہ خط یا آج روانہ ہوجائے - یا کل میں نے ایک قصیدہ اپنے محسن و مربی قدیم جناب فریڈرک اڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی مدح میں ایک اور قصیدہ جناب منٹگمری لفٹنٹ گورنر بہادر ملک پنجاب کی تعریف میں لکھا ہے - اگر کہو تو یہ بھیجدوں مگر فارسی میں اور چالیس چالیس پینتالیس پینتالیس شعر ہیں کتب دستنبو کے بک جانے سے میں خوش ہوا خدا کرے جس کو دی ہو - وہ تین غلطیاں جو معلوم ہیں وہ بتادی ہوں - یہ نہ معلوم ہوا - کہ صاحب لوگوں نے خریدیں - یا ہندوستانیوں نے لیں - تم یہ بات مجھ کو ضرور ضرور لکھو - دیکھو صاحب تم گھبراتے تھے - آخر یہ جنس پڑی نہ رہی - اور ایک گئی بھائی ہندوستان کا قلمرو بے چراغ ہوگیا - لاکھوں مر گئے جو زندہ ہیں - اُن میں سینکڑوں گرفتار بند بلا ہیں - جو زندہ ہیں - اُن میں مقدور نہیں - میں ایسا جانتا ہوں کہ یا تو صاحبان انگریز کی خریداری آئی ہوگی یا پنجاب کے ملک کو یہ آئی ہیں گئی ہونگی - پورب میں کم بکی ہونگی - میاں میں تم کو اپنا فرزند جانتا ہوں خط لکھنے نہ لکھنے پر موقوف نہیں ہے - تمہاری جگہ میرے دل میں ہے - اب میں طبع آزمائی کرتا ہوں - اور جو غزل تم نے منگائی ہے - اُس کو لکھتا ہوں - خدا کرے دو کے تو شعر یاد آجائیں ؂

غزل

ہر ایک بات میں کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

نہیں ہے۔ اب جو تم سے منگاؤں اور یہاں سے لکھنؤ بھجواؤں تو ایک قصہ ہے یہ صاحب لوگ اطراف وجوانب سے مجھ پر فرمائشیں بھیجتے ہیں۔ تم سے بقیمت کوئی نہیں منگواتا۔ چالیس جلدیں بیلی اور باوہ یہ حالی کی سب تقسیم ہو گئیں۔ ان دونوں صاحبوں کی خاطر مجھ کو بہت عزیز ہے رائے معین کے ۴۴ ٹکٹ اور ۴ آنے کے دو ٹکٹ اس خط میں ملفوف کر کے تم کو بھیجتا ہوں۔ دو پارسل الگ الگ لکھنؤ کو ارسال کرو۔ آدھ آنے کے ٹکٹ اُس پر لگا دو۔ ایک پارسل پر یہ لکھو ایں پارسل بصیغۂ بیرنگ پاکٹ اسٹامپ پیڈ در لکھنؤ بہ محلہ نخاس امام باڑہ اکرام اللہ خاں بمکان میرزا عنایت علی بخدمت میر حسین علی صاحب برسد۔ مرسلہ شیو نرائن مہتمم مطبع مفید خلائق از آگرہ دوسرے پارسل پر بھی یہی عبارت گھر مکان کا پتہ اور نام اور در لکھنؤ بہ احاطۂ خانساماں متصل تکیہ شیر علی شاہ بمکانات مولوی عبدالکریم مرحوم بخدمت مولوی سراج الدین احمد صاحب برسد۔ سمجھ لئے یعنی دو پارسل اسٹامپ پیڈ دونوں لکھنؤ کو ایک بنام میر حسین علی اور ایک بنام سراج الدین احمد بسبیل ڈاک روانہ کرو۔ اور ہاں صاحب ان دونوں پارسلوں کی روانگی کی تاریخ مجھ کو لکھ بھیجو۔ تاکہ میں اپنے خط میں اُن کو اطلاع دوں۔ ایک امر اور ہے اگر تم بھی اس رائے کو پسند کرو۔ یعنی جس طرح تم نے ایک جلد مسٹری اسٹورٹ رید صاحب کو اپنی طرف سے بھیجی ہے اسی طرح دو جلدیں ان دونوں صاحبوں کو جن کا نام کاغذ میں لکھا ہوا ہے بھیجو۔ مگر اپنی ہی طرف سے میرا اُس میں اشارہ نہ پایا جاوے اور یہ دونوں صاحب بالفعل دلّی میں وارد ہیں۔ یہ بات ایسی نہیں ہے۔ کہ خواہی نخواہی اسکو کیا ہی چاہیئے۔ ایک صلاح ہے اور نیک صلاح ہے مناسب جانو کرو ورنہ جانے دو میاں اردو کیا لکھوں۔ میرا یہ منصب ہے۔ کہ مجھ پر اردو کی فرمائش ہوئی غیر ہوئی اب کہانیاں قصے کہاں ڈھونڈھتا پھروں۔ کتاب نام کو میرے پاس نہیں۔ پنشن مل جائے۔ حواس ٹھکانے ہو جائیں۔ تو کچھ فکر کروں۔ پیٹ پڑیں روٹیاں تو سبھی گلاں موٹیاں۔ زیادہ زیادہ غالب روز سہ شنبہ ۴ جنوری ۱۸۵۹ء جواب طالب ۔

ایضاً پرسوں اور کل دو ملاقاتیں جناب آرنلڈ صاحب بہادر سے ہوئیں۔ کیا کہوں کہ مجھ پر بے سابقہ معرفت کیا عنایت فرمائی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ گویا مجھ کو مول لیا۔ آج وہ یہاں اور ہیں۔ کل جائیں گے۔ دستنبو تمہاری بھیجی ہوئی اُن کے پاس نہیں پہنچی۔ ناچار ایک دستنبو اور ایک پنج آہنگ اپنے پاس سے اُن کی نظر کر آیا ہوں۔ لکھنؤ کے دونوں پارسلوں کی رسید مجھ کو آج تک نہیں آئی۔ آخر رسید تو تم کو پارسلوں کی ملی ہوگی۔ ڈاک میں سے معلوم کر کے مجھ کو لکھ بھیجو۔ دیر نہ کرو۔ ورنہ میں متشوش

رہوں گا۔ از غالب نگاشتہ صبح ۱۵ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ صاحب میں ہندی غزلیں بھیجوں کہاں سے۔ اُردو کے دیوان چھاپے ناقص ہیں۔ بہت غزلیں اس میں نہیں ہیں۔ قلمی دیوان جو تم اور اکمل تھے۔ وہ لُٹ گئے۔ یہاں سب کو کہہ رکھا ہے۔ کہ جہاں بکتا ہوا نظر آجائے لیلے۔ تم کو بھی لکھ بھیجا اور ایک بات اور تمہارے خیال میں ہے۔ کہ میری غزل پندرہ سولہ بیت کی بہت شاذ و نادر ہے۔ بارہ بیت سے زیادہ اور نو شعر سے کم نہیں ہوتی جس غزل کے تم نے پانچ شعر لکھے ہیں۔ یہ نو شعر کی ہے۔ ایک دوست کے پاس اُردو کا دیوان چھاپے سے کچھ زیادہ ہے اُس نے کہیں کہیں سے مسودات متفرق بہم پہنچا لئے ہیں۔ چنانچہ پنہاں ہو گئیں۔ ویران ہو گئیں۔ یہ غزل مجھ کو اُسی سے ہاتھ آگئی ہے۔ اب میں نے اسکو لکھا ہے۔ اور تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ خط لکھ کر رکھ دونگا۔ جب اُس کے پاس سے ایک غزل آجائیگی۔ تو اُسی خط میں ملفوف کر کے بھیجدونگا۔ یہ خط یا آج روانہ ہو جائے۔ یا کل میں نے ایک قصیدہ اپنے محسن و مربی قدیم جناب فریڈرک اڈمنسٹن صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کی مدح میں ایک اور قصیدہ جناب منٹگمری لفٹنٹ گورنر بہادر ملک پنجاب کی تعریف میں لکھا ہے۔ اگر کہو تو یہ بھیجدوں مگر فارسی میں اور چالیس چالیس پینتالیس پینتالیس شعر ہیں کتب دستنبو کے بک جانے سے میں خوش ہوا خدا کرے جس کو دی ہو۔ دو تین غلطیاں جو معلوم ہیں وہ بتا دی ہوں۔ یہ نہ معلوم ہوا۔ کہ صاحب لوگوں نے خریدیں۔ یا ہندوستانیوں نے لیں۔ تم یہ بات مجھ کو ضرور ضرور لکھو۔ دیکھو صاحب تم گھبراتے تھے۔ آخر یہ جنس پڑی نہ رہی۔ اور یک گونہ بھائی ہندوستان کا قلمرو بے چراغ ہو گیا۔ لاکھوں مر گئے جو زندہ ہیں۔ اُن میں سینکڑوں گرفتار بند بلا ہیں۔ جو زندہ ہیں۔ اُس میں مقدور نہیں۔ میں ایسا جانتا ہوں کہ یا تو صاحبان انگریز کی خریداری آئی ہوگی۔ یا پنجاب کے ملک کو یہ کتابیں گئی ہونگی۔ پورب میں کم بکی ہونگی۔ میاں میں تم کو اپنا فرزند جانتا ہوں خط لکھنے نہ لکھنے پر موقوف نہیں ہے۔ تمہاری جگہ میرے دل میں ہے۔ اب میں طبع آزمائی کرتا ہوں۔ اور جو غزل تم نے منگا بھیجی ہے۔ اُس کو لکھتا ہوں۔ خدا کرے دو کے نو شعر یاد آجائیں۔

غزل

ہر ایک بات میں کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے

چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجت رفو کیا ہے

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا — کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے
رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قایل — جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
وہ چیز جس کیلئے ہو ہمیں بہشت عزیز — سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے
پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تجھ سے — وگرنہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے
رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس اُمید پہ کہئے کہ آرزو کیا ہے
ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا — وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یہ تمہارا اقبال ہے۔ کہ نو شعر یاد آگئے ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاہتی ہیں تین تحفہ کا گودام تمہارے پاس فراہم ہوگیا۔ اگر منگاؤ گے۔ تو قصیدے دونوں بھیجدوں گا۔ مرقومہ سہ شنبہ ۱۹ ماہ اپریل ۱۸۵۹ء

ایضاً بھائی حاشا ثم حاشا اگر یہ غزل میری ہو۔ مصرعہ اسد اور لینے کے دینے پڑے۔ اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں۔ لیکن اگر یہ غزل میری ہو۔ مجھ پر ہزار لعنت اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا۔ کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے۔ سے

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے بھی اُن سے کہا کہ اگر یہ مقطع میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ بات یہ ہے کہ ایک شخص میر امانی اسد ہوگذرے ہیں۔ یہ مطلع اور یہ غزل اُن کے کلام معجز نظام میں سے ہے۔ اور تذکروں میں مرقوم ہے۔ میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں اسد تخلص کہا ہے۔ اور نہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔ تم طرز تحریر اور روش فکر پر بھی نظر نہیں کرتے میرا کلام اور ایسا مزخرف۔ یہ قصہ تمام ہوا۔ وہ غزل جو تمہارے پاس پہنچ گئی ہے۔ چلنے سے پہلے ایک نقل اس کی میرزا حاتم علی مہر کو دیدینا۔ جس دن یہ میرا خط پہنچے۔ اُسی دن وہ غزل نقل کر کے اُن کو بھیجدینا۔ دستنبو کی خریداری کا حال معلوم ہوگیا۔ میرا بھی یہی گمان تھا۔ کہ لاہور کے ضلع میں گئے ہونگے۔ جناب میکلوڈ صاحب فنانشل کمشنر پنجاب نے بذریعہ صاحب کمشنر دہلی مجھ سے منگوائی تھی۔ ایک جلد ان کو بھی بھیج چکا ہوں۔ قصیدے میں نے دو لکھے ہیں۔ ایک اپنے مربی قدیم جناب فرڈیرک اڈمنسٹن صاحب بہادر کی تعریف میں اور ایک جناب منٹگمری صاحب بہادر کی مدح میں ایک پچپن شعر کا ایک چالیس بیت کا اور پھر فارسی اُن کی ریختہ کی غزلوں میں کیا چھاپوگے۔ جانے بھی دو ریختہ کی غزلیں سابق کی جو وہ میرے ہاتھ آتی جائیں گی بھجواتا جاؤں گا۔ میاں تمہاری

جان کی قسم نہ میرا اب ریختہ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ نہ مجھ سے کہا جائے۔ اس دو برس میں صرف وہ پچیس شعر بطریق قصیدہ تمہاری خاطر سے لکھ کر بھیجے تھے۔ سوائے اُس کے اگر میں نے کوئی ریختہ کہا ہو۔ تو گنہگار۔ بلکہ فارسی غزل بھی واللہ نہیں لکھی۔ صرف دو قصیدے لکھے ہیں۔ کیا کہوں کہ دل و دماغ کا کیا حال ہے۔ پرسوں ایک خط تمہیں اور لکھ چکا ہوں اب اس کا جواب نہ لکھنا۔ والدعا۔ چہار شنبہ ۲۶۔ اپریل ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار منشی شیونرائن کو دعا پہنچے۔ خط تمہارا مع اشتہارات کے پہنچا۔ یہاں کا حال یہ ہے کہ مسلمان امیروں میں یہ تین آدمی۔ نواب حسن علی خان۔ نواب حامد علی خان۔ حکیم احسن اللہ خان۔ سو ان کا حال یہ ہے۔ کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں۔ بلکہ یہاں کی اقامت میں تذبذب۔ خدا جانے کہاں جائیں کہاں رہیں۔ حکیم احسن اللہ خان نے آفتاب عالمتاب کی خریداری کر لی ہے۔ اب وہ مکرر حالات دربار شاہی کیوں لینگے۔ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ہے۔ وہ لوگ اس طرف کیوں توجہ کریں گے۔ تم ادھر کا خیال دل سے دھو ڈالو۔ رسالہ نام ہی رسالے کا تاریخی جانے دو۔ رستخیز۔ ہندو غلغلہ سپاہ فتنہ محشر ایسا کوئی نام رکھو۔ اب تم یہ بتاؤ کہ رئیس رامپور کے ہاں بھی تمہارا اخبار یا معیار الشعرا جاتا ہے یا نہیں۔ لکھنے تمہارے معیار الشعرا میں میں نے یہ عبارت دیکھی تھی۔ کہ امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ ہمکو جب تک اُن کا نام و نشان معلوم نہ ہوگا۔ ہم اُن کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ سو میں تم کو لکھتا ہوں۔ کہ یہ میرے دوست ہیں۔ اور امیر احمد ان کا نام ہے۔ اور امیر تخلص کرتے ہیں۔ لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں۔ اور وہاں کے بادشاہوں کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں۔ اب ان دنوں رامپور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ میں ان کی غزلیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ یعنی غزلیں غالب نے ہمارے پاس بھیجیں اور آپ کے لکھنے سے ان کا نام اور ان کا حال معلوم ہوا۔ نام اور حال وہ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس کو آپ کے معیار الشعرا میں چھاپ کر ایک یا دو ورقہ یا چار ورقہ رامپور اُن کے پاس بھیجدو اور سرنامہ پر یہ لکھو کہ در رامپور بردولت حضور رسیدہ بخدمت مولوی امیر احمد صاحب امیر تخلص برسد اور مجھ کو اس کی اطلاع دو اور اس امر کی بھی اطلاع دو۔ کہ رامپور کو تمہارا اخبار جاتا ہے۔ یا نہیں

۱۴ امرسلہ یکشنبہ ۱۲ جون ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار نور چشم منشی شیونرائن کو دعا پہنچے۔ صاحب میں تو منتظر تمہارے آنیکا تھا۔ کس واسطے کہ منشی پیارے لال بھائیوں میں ہیں منشی امیچند کے انہوں نے پرسوں مجھ سے کہا تھا کہ منشی شیونرائن دو تین دن میں آیا چاہتے ہیں۔ آج صبح کو ناگاہ تمہارا خط آیا مجھ کو اسکا پوچھنا تم سے ضرور ہوا۔ اور آنیکی تمہاری خبر جھوٹ تھی۔ یا ارادہ تھا۔ اور کس سبب سے موقوف ہوا۔ بابو ہرگوبند سہائے کا میں ان شاء اللہ احسانمند ہوا۔ حق تعالیٰ اس کوشش کے اجر میں انکو عمر و دولت دے۔ سعادتمند نیک بخت آدمی ہیں۔ ۲۰ تمہاری خواہش کو میں اچھی طرح سمجھا نہیں۔ مصرع ختم شد وہ چھاپا گیا۔ ہزار پانسو ورق چھپ گئے۔ اب جو مصرع اور کہیں سے بھیجونگا وہ کس کام آویگا

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا — کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے
رگوں میں دوڑتے پھرتے ہم نہیں قایل — جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے
وہ چیز جس کیلئے ہو ہمیں بہشت عزیز — سوائے بادۂ گلفام مشکبو کیا ہے
پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار — یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تجھ سے — وگرنہ خوف بد آموزیٔ عدو کیا ہے
رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہئے کہ آرزو کیا ہے
ہوا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا — وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

یہ تمہارا اقبال ہے۔ کہ نو شعر یاد آگئے ایک غزل یہ اور دو غزلیں وہ جو آیا چاہتی ہیں تین غزلہ کا گودام تمہارے پاس فراہم ہوگیا۔ اگر منگاؤ گے۔ تو قصیدے دونوں بھیجدوں گا۔ مرقومہ سہ شنبہ

۱۹ ماہ اپریل ۱۸۵۹ء

ایضاً بھائی حاشا ثم حاشا اگر یہ غزل میری ہو۔ مصرعہ اسد اور لینے کے دینے پڑے۔ اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں۔ لیکن اگر یہ غزل میری ہو۔ تو مجھ پر ہزار ہزار لعنت اس سے آگے ایک شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا اور کہا۔ کہ قبلہ آپ نے کیا خوب مطلع کہا ہے۔ مطلع

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی — مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

میں نے بھی اُن سے کہا کہ اگر یہ مقطع میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ بات یہ ہے کہ ایک شخص میر امانی اسد ہو گذرے ہیں۔ یہ مطلع اور یہ غزل اُن کے کلام معجز نظام میں سے ہے۔ اور تذکروں میں مرقوم ہے۔ میں نے تو کوئی دو چار برس ابتدا میں اسد تخلص کہا ہے۔ اور نہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں۔ تم طرز تحریر اور روش فکر بھی نظر نہیں کرتے میرا کلام اور ایسا مزخرف۔ یہ قصہ تمام ہوا۔ وہ غزل جو تمہارے پاس پہنچ گئی ہے۔ چھپنے سے پہلے ایک نقل اس کی میرزا حاتم علی مہر کو دیدینا۔ جس دن یہ میرا خط پہنچے۔ اُسی دن وہ غزل نقل کرکے اُن کو بھیجدینا۔ دستنبو کی خریداری کا حال معلوم ہوگیا۔ میرا بھی یہی گمان تھا۔ کہ لاہور کے ضلع میں گئے ہونگے۔ جناب میکلوڈ صاحب فنانشل کمشنر پنجاب نے بذریعہ صاحب کمشنر دہلی مجھ سے منگوائی تی۔ ایک جلد ان کو بھی بھیج چکا ہوں۔ قصیدے میں نے دو لکھے ہیں۔ ایک اپنے مربی قدیم جناب فریڈرک اڈمنسٹن صاحب بہادر کی تعریف میں اور ایک جناب منٹگمری صاحب بہادر کی مدح میں ایک پچیس شعر کا ایک چالیس بیت کا اور پھر فارسی اُن کی ریختہ کی غزلوں میں کہا چھاپوگے۔ جانے بھی دو رہیں غزلیں سابق کی جو وہ میرے ہاتھ آتی جائیں گی بھجواتا جاؤں گا۔ میاں تمہاری

جان کی قسم نہ میرا اب ریختہ لکھنے کو جی چاہتا ہے۔ نہ مجھ سے کہا جائے اس دو برس میں صرف وہ پچیس شعر بطریق قصیدہ تمہاری خاطر سے لکھ کر بھیجے تھے بسوائے اُس کے اگر میں نے کوئی ریختہ کہا ہو۔ تو گنہگار بلکہ فارسی غزل بھی واللہ نہیں لکھی۔ صرف دو قصیدے لکھے ہیں۔ کیا کہوں کہ دل و دماغ کا کیا حال ہے۔ پرسوں ایک خط تمہیں اور لکھ چکا ہوں اب اس کا جواب نہ لکھنا۔ والدعا۔ چہارشنبہ ۲۶ اپریل ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ خط تمہارا مع اشتہارات کے پہنچا یہاں کا حال یہ ہے کہ مسلمان امیروں میں یہ آدمی ہیں۔ نواب حسن علی خاں۔ نواب حامد علی خاں۔ حکیم احسن اللہ خاں سو انکا حال یہ ہے۔ کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں۔ معہذا یہاں کی اقامت میں تذبذب۔ خدا جانے کہاں جائیں کہاں رہیں حکیم احسن اللہ خاں نے آفتاب عالمتاب کی خریداری کر لی ہے۔ اب وہ مکرر حالات دربار شاہی کیوں لینگے۔ سوائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں ہے۔ وہ لوگ اس طرف کیوں توجہ کریں گے۔ تم ادھر کا خیال دل سے دھو ڈالو۔ رہا نام اس رسالے کا تاریخی جانے دو۔ ریختہ۔ ہند و غلغلۂ سیاہ فتنۂ محشر ایسا کوئی نام رکھو۔ اب تم یہ بتاؤ۔ کہ رئیس رامپور کے ہاں بھی تمہارا اخبار یا معیار الشعرا جاتا ہے یا نہیں۔ لے بجے تمہارے معیار الشعرا میں میں نے یہ عبارت دیکھی تھی۔ کہ امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ ہمکو جب تک اُن کا نام و نشان معلوم نہ ہوگا ہم اُن کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ سو میں تم کو لکھتا ہوں۔ کہ یہ میرے دوست ہیں۔ اور امیر احمد ان کا نام ہے۔ اور امیر تخلص کرتے ہیں لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں۔ اور وہاں کے بادشاہوں کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں۔ اور اب وہ رامپور میں نواب صاحب کے پاس ہیں میں ان کی غزلیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ یعنی غزلیں غالب نے ہمارے پاس بھیجیں اور اُس کے لکھنے سے ان کا نام اور اُن کا حال معلوم ہوا نام اور حال وہ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اسکو آپ کے معیار الشعرا میں چھاپ کر ایک یا دو ورقہ یا چار ورقہ رامپور اُن کے پاس بھیج دو اور سرنامہ پر یہ لکھو کہ در رامپور بر در دولت حضور رسیدہ بخدمت مولوی امیر احمد صاحب امیر تخلص برسد اور مجھ کو اس کی اطلاع دو اور اس امر کی بھی اطلاع دو۔ کہ رامپور کو تمہارا اخبار جاتا ہے۔ یا نہیں

۱۴ امرسلہ یکشنبہ ۱۲ جون ۱۸۵۹ء

ایضاً برخوردار نور چشم منشی شیو نرائن کو دعا پہنچے۔ صاحب میں تو منتظر تمہارے آنیکا تھا۔ کس واسطے کہ منشی پیارے لال بھائیوں میں ہیں مسٹر راجپیند کے انہوں نے پرسوں مجھ سے کہا تھا کہ منشی شیو نرائن دو تین دن میں آیا چاہتے ہیں۔ آج صبح کو ناگاہ تمہارا خط آیا اب مجھ کو اسکا پوچھنا تم سے ضرور ہوا۔ اور آنیکی تمہاری خبر جھوٹ تھی۔ یا ارادہ تھا۔ اور کس سبب سے موقوف رہا بابو ہرگوبند تمہارا کام ان شاء اللہ سرانجام ہوا۔ حق تعالیٰ اس کوشش کے اجر میں اسکو عمر و دولت دے صاحب تمہارے نیک بخت آدمی ہیں۔ ۱۲۰ تمہاری خواہش کو میں اچھی طرح سمجھا نہیں مصحف نظم کا اور وہ چھاپا گیا۔ ہزار پانسو ورق چھپ گئے۔ اب جس مصرع اور کہیں سے بھیج دیگا وہ کس کام آئیگا

خود لکھتے ہو کہ پہلا جزو تم کو بھیجا ہے۔ جب تک وہ جزو نہ دیکھوں، اسکو دیکھوں یقین ہے کہ قلمی ہوگا اسکو دیکھ کر اور مضامین کو سمجھ کر مقرر
بھی تجویز کرونگا مگر آشنا تم اور یہ بھی لکھو کہ آیا یہی منظور ہے کہ اس مصرع کی جگہ اور مصرع لکھ دوں یا یہی چاہتے ہو کہ یہی ہے اور یہی
لے ہے۔ خط تمہارا آج آگیا پیغام ڈاک یا آج شام کو یا کل شام تک آجائیگا ۱۲ سہ شنبہ ۲ جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار کو بعد دعا کے معلوم ہو تمہارا خط پہنچا اور خط سے کئی دن پہلے رسالہ بغاوت ہند پہنچا تمہارے
تصحیح عزیمت سے بہت خوش ہوا۔ انشاءاللہ اپنے یا تیں حرف کے پڑھنے کو دیکھونگا۔ رسالہ بغاوت ہند ماہ بماہ اور معیار
الشعراء ہر مہینے میں دو بار پہنچتا ہے۔ باقی گفتگو بعد الملاقات ہو رہیگی۔ اپنے شفیق دلی ماسٹر احمد حیدر صاحب
کو تمہارے آنے کی اطلاع دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ جو رقعہ انہوں نے میرے رقعہ کے جواب میں لکھا ہے وہ
تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لینا۔ اگر دستنبو میں باقی ہوں۔ تو وہ اپنے ساتھ لیتے آنا۔ غالب شنبہ ۹ جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ ایک خط اپنی رسید کا بھیجکر پھر تم چپکے ہو رہے۔ نہ معیار الاشعار
نہ بغاوت ہند۔ نہ میرے خط کا جواب نہ ہنڈوی کی رسید۔ برخوردار نواب ضیاء الدین خاں نے اگست سے دسمبر تک
پنج ماہ معیار الاشعار و بغاوت ہند کا بھیجا ہے۔ یعنی ہے مجھ کو دیئے اور میں نے ہنڈوی لکھوا کر وہ ہنڈوی اپنے خط میں
لپیٹ کر تم کو بھیجی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا۔ جب ان مطالب جزئی کا یہ حال ہے تو کتاب اور
انگریزی عرضی کا تو بھی کیا ذکر ہے۔ خدا کے واسطے ان سب مقاصد کا جواب جدا جدا لکھو آج اگست کی ۱۷۔ بدھ کا
دن ہے۔ پہلا نمبر معیار الاشعار کا ابھی نہیں آیا یہ کیا ہے۔ مہر کھدنی شروع ہوگئی ہے اسی اگست کے مہینے میں تمہارے
پاس پہنچ جائیگی۔ اچھا میرے بھائی اس خط کا جواب جلد پاؤں۔ اور کتاب اور عرضی کا بھی اگر تقاضا کروں۔ تو بعید
نہیں۔ مگر آج شام تک آیا تو اس خط کو رہنے دونگا۔ اگر تمہارا خط یا معیار الاشعار یا بغاوت ہند یا کوئی لفافہ
آیا تو اس خط کو پھاڑ ڈالونگا ورنہ کل صبح کو ڈاک میں بھجوا دونگا۔ اپنے لڑکے کو دعا اور اشتیاق دیدار کہہ دینا
غالب مرقومہ چہار شنبہ ۱۷ ماہ اگست ۱۸۵۹ء وقت دوپہر

ایضاً۔ کیوں میری جان تم نے خط لکھنے کی قسم کھائی ہے۔ یا لکھنا ہی بھول گئے ہو۔ مہر تیار نہیں ہوئی تمہارے
مطبع کا کیا حال ہے۔ تمہارا کیا طور ہے۔ تمہارے چچا کا مقدمہ کیونکر فیصل ہوا۔ میرا کلام تم نے کس طرح درست کیا کروگے
یا نہیں۔ معیار الاشعار کا پارسل پہنچ گیا۔ بغاوت ہند کا پارسل ابھی نہیں آیا۔ ان سب مطالب کا جواب لکھو اور شتاب
لکھو۔ غالب محررہ پنجشنبہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار منشی شیونراین کو بعد دعا کے معلوم ہو کیا سبب کہ خط نہیں پہنچتے۔ کیا جواب ادھر سے نہیں آتا۔ دو مجلد بغاوت ہند کے زیادہ پہنچے
ہیں۔ اس کے واسطے تم سے پوچھا گیا تھا۔ اس کا جواب بھی نہ آیا۔ جب یوسف علی خاں عزیز کے خط میں کچھ عبارت تمہارے نام لکھی تھی انہوں نے تم
کو نہ پڑھائی ہوگی۔ اس کا بھی تم نے جواب نہ لکھا۔ ولایتی عرضی اور کتاب کے باب میں تو میں کچھ کہتا ہی نہیں جو اسکا جواب مانگوں۔ کچھ جو منتظر ہو

ہو تو وہی کہو۔ یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں تاکہ تم کو تقاضا معلوم ہو۔ اگر ایک ورق تمہارا آتو یہ حال کہ مجھے خط لکھنے کی گویا تم نے قسم کھائی ہے۔ اور میری خواہش کہ نواب گورنر جنرل بہادر کی خبر وہاں تم کو معلوم ہوا کرے مجھ کو لکھ کرو مخصوصاً اکبرآباد میں اگر کوئی کچھ واقع ہو۔ وہ مفصل لکھو کہ آیا جناب لفٹنٹ گورنر بہادر بھی ساتھ آئیں گے۔ یا جدا جدا اگر یہاں تمام ہو جائینگے۔ دربار کی صورت خیر خواہوں کے تقسیم انعام کی تفنیفت کوئی نیا بندوبست جاری ہو۔ اسکی کیفیت یہ سب مراتب مجھ کو لکھا کرو دیکھو خبردار اس امر میں تساہل نہ کرنا۔ اب کیا سنتے ہو لکھنؤ سے کہاں آئیں گے۔ میں نے سنا ہے فرخ آباد ہوتے ہوئے آگرہ آئیں گے۔ یہاں کہاں کون کوئی دیکھ آئیگا۔ لکھنؤ کے دربار کا حال جو کچھ تم ہو وہ لکھو۔ اگرچہ یہاں لوگ سن سن کر اخبار رہتے ہیں۔ اور میری بھی نظر سے گذر جاتے ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خط سے بھی پا جاتا ہوں۔ تم جو لکھو گے منقح اور مفصل لکھو گے۔ یقین ہے کہ برادر زادہ عزیز یعنی تمہارے الّٰہ جسنے مرزا یوسف علی خاں کے کام کی درستی ولچوتی پرشاد کی سرکار میں کر دی ہوگی۔ اس کی اطلاع ضرور ہے۔ صبح چہار شنبہ ۹ نومبر ۱۸۵۹ء جواب کا طالب غالب۔

ایضاً بخوردار مرو خط لکھے۔ اور آج یکشنبہ ۱۳ نومبر کو لفافہ اخبار آیا۔ یہ اودھ اخبار بھائی ضیاء الدین خاں کے ہاں آتا ہے۔ اور وہ میرے پاس بھیجدیا کرتے ہیں اسکی حاجت نہیں۔ اپنا پیسہ ٹکٹوں پر برباد کرو۔ میرا مقصود اسی قدر ہے کہ فرخ آباد کے اخبار بسبب قرب کے وہاں معلوم ہوتے ہونگے۔ جو سنو وہ مجھ کو لکھو۔ اور جب نواب معلی القاب آگرہ میں آجائیں۔ تو اپنا مشاہدہ مجھ کو لکھتے رہو بس غرض اتنی ہی ہے۔ آج کا اخبار لفافہ بدل کر آج ہی بھیج دیتا ہوں اور دونوں کتابیں بغاوت ہند پرسوں بھیج چکا ہوں۔ تمہارے والد کی طرف سے مجھ کو بڑی تشویش ہے دعا کر رہا ہوں۔ خدا میری دعا قبول کرے۔ اور اُن کو شفائے کامل دے میری دعا اُن کو پہنچا دینا مرزا یوسف علیخاں عزیز کا حال معلوم ہمارے عالی خاندان اور نازپروردہ آدمی ہیں اُن کو جو راحت پہنچاؤ گے اور جو انکی خدمت بجالاؤ گے اُسکا خدا سے اجر پاؤ گے زیادہ سوائے دعا کے کیا لکھوں۔ غالب یکشنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً میری جان دو جلدیں بغاوت ہند کی پرسوں میرے پاس پہنچیں۔ اسوقت برخوردار میرزا شہاب الدین خان بیٹھے ہوئے تھے۔ یکجلدی اُن کو دی کل ایک پارسل میرے نام کا آیا۔ میں خوش ہوا۔ کہ ولایت کی کی عرضی اور دستنبو کا پارسل ہوگا۔ دیکھا تو وہی دو جلدیں بغاوت ہند کی ہیں۔ حیران رہ گیا۔ یہ کیا ظاہراً تمہارے ارسال نے از راہ سہو دوبارہ بھیجدی ہیں چاہتا تھا۔ کہ لفافہ بدل کر ڈبل ٹکٹ لگا کر بھیجدوں۔ پھر سوچا کہ پہلے تم کو اطلاع کر دوں۔ شاید یہیں کسی اور کو دلوا دو۔ بس اب تمہارے کہنے کا انتظار ہے جو کہو سو کروں۔ کہو تم کو بھیجدوں کہو کہیں اور تمہاری طرف سے بھیج دوں۔ میرے کسی کام کی نہیں۔ والدعا راقم اسد اللہ مرقومہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء

ایضاً برخوردار کامگار کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ کہ دستنبو کے آغاز کی عبارت از روئے احتیاط دوبارہ

خود لکھتے ہو کہ پہلا جزو تم کو بھیجا ہے۔ مہر کردہ جزو آئندہ میں اسکو دیکھوں یقین ہے کہ غلطی ہوگی اسکو دیکھکر اور مضامین کو سمجھ کر معتبر بھی تجویز کرونگا۔ مگر اتنا تم اور بھی لکھو کہ آیا یوں منظور ہے کہ اس مصرع کی جگہ اور مصرع لکھیں یا یہی چاہتے ہو۔ کہ یہی رہے اور یہی رہے۔ خط تمہارا آج آگیا۔ یہ خط ڈاک پاپ یا آج شام کو یا کل شام تک آجائیگا۔ اسد سہ شنبہ ۲ جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ تمہارا خط پہنچا اور خط سے کئی دن پہلے رسالہ بغاوت ہند پہنچا تمہارے تصحیح عزیمت سے بہت خوش ہوا۔ انشاءاللہ اپنے یا اپنی حصر کے پوتے کو دیکھو گے۔ رسالہ بغاوت ہند ماہ بماہ اور معیار الاشعار مہینے میں دوبار پہنچتا ہے۔ باقی گفتگو بعد الملاقات ہو رہیگی۔ اپنے شفیق دلی ماسٹر رامچندر صاحب کو تمہارے سفر کی اطلاع دی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ جو رقعہ انہوں نے میرے رقعہ کے جواب میں لکھا ہے وہ تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لینا۔ اگر دستنبو میں باقی ہوں۔ تو وہ اپنے ساتھ لیتے آنا۔ غالب شنبہ ۳۰ جولائی ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ میاں یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ ایک خط اپنی رسید کا بھیجکر پھر تم چپکے ہو رہے نہ معیار الاشعار نہ بغاوت ہند۔ نہ میرے خط کا جواب نہ ہنڈوی کی رسید۔ برخوردار نواب شہاب الدین خاں نے اگست سے دسمبر تک پنج ماہہ معیار الاشعار و بغاوت ہند کا بھیجا ہے۔ یعنی ہے مجھ کو دیدیئے اور ہنڈوی لکھوا کر وہ ہنڈوی اپنے خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ خط پہنچا یا نہیں پہنچا۔ جب ان مطالب جزئی کا یہ حال ہے تو کتاب اور انگریزی عرضی کا تو بھی کیا ذکر ہے۔ خدا کے واسطے ان سب مقاصد کا جواب جلد جلد لکھو۔ آج اگست کی ۱۷۔ بدھ کا دن ہے۔ پہلا نمبر معیار الاشعار کا بھی نہیں آیا یہ کیا ہے۔ خبر چھپنی شروع ہو گئی ہے اسی اگست کے مہینے میں تمہارے پاس پہنچ جائیگی۔ اچھا میرے بھائی اس خط کا جواب جلد پاؤں۔ اور کتاب اور عرضی کا بھی اگر تقاضا کروں۔ تو امید نہیں مگر آج شام تک آیا تو اس خط کو بند کرونگا۔ اگر تمہارا خط یا معیار الاشعار یا بغاوت ہند یا کوئی لفافہ آیا تو اس خط کو پھاڑ ڈالونگا ورنہ کل صبح کو ڈاک میں بھیجوا دونگا۔ اپنے والد کو دعا اور اشتیاق دیدار کہہ دینا

غالب مرقومہ چہار شنبہ ۱۷ ماہ اگست ۱۸۵۹ء وقت دوپہر

ایضاً۔ کیوں میری جان تم نے خط لکھنے کی قسم کھائی ہے۔ یا لکھنا ہی بھول گئے ہو۔ تم ہر تنیہ نہیں ہو جو تمہارے مطبع کا کیا حال ہے۔ تمہارا کیا طور ہے۔ تمہارے چچا کا مقدمہ کیونکر فیصل ہوا۔ میرا کام تم نے کس طرح درست کیا کرتے یا نہیں۔ معیار الاشعار کا پارسل پہنچ گیا۔ بغاوت ہند کا پارسل ابھی نہیں آیا۔ ان سب مطالب کا جواب لکھو اور شتاب لکھو۔ غالب محررہ پنجشنبہ ۲۲ ستمبر ۱۸۵۹ء

ایضاً۔ برخوردار منشی شیونرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو کیا میرے خط نہیں پہنچتے۔ کہ جواب ادھر سے نہیں آتا۔ دو مجلد بغاوت ہند کے نہ پہنچے ہیں۔ ان کے واسطے تم سے پوچھا گیا تو اس کا جواب کچھ نہ آیا۔ بھی یوسف علی خاں عزیز کے خط میں کچھ عبارت تمہارے نام لکھی تھی انہوں نے تم کو نہ پڑھائی ہوگی۔ اس کا بھی تم نے جواب نہ لکھا۔ علاوہ عرضی اور کتاب کے باب میں تو میں کچھ کہتا ہی نہیں جو اس کا جواب نہ بھیجو تو تم مختار ہو

ہو تو ویسی کہو۔ یہ خط تم کو بیرنگ بھیجتا ہوں تاکہ تم کو تقاضا معلوم ہو۔ آگے ایک اور بات سنو تمہارا تو یہ حال کہ مجھے خط لکھنے کی گویا تم نے قسم کھائی ہے۔ اور میری خواہش کہ نواب گورنر جنرل بہادر کی خبر وہاں تم کو معلوم ہوا کرے مجھ کو لکھا کرو خصوصاً اکبر آباد میں اگر وہ کچھ واقع ہو۔ وہ مفصل لکھو آیا جناب لفٹنٹ گورنر بہادر بھی ساتھ آئیں گے۔ یا جُداجُدا اگر پہلے خود تم ہو جائینگے۔ دربار کی صورت خیر خواہوں کے تقسیم انعام کی حقیقت کوئی نیا بندوبست جاری ہو۔ اسکی کیفیت یہ سب مراتب مجھ کو لکھا کرو۔ مجھ کو خبر دار اس امر میں تساہل نہ کرنا۔ اب کیا سنتے ہو لکھنؤ سے کہاں تک رئیس رامپور فرخ آباد ہوتے ہوئے آگرہ آئیں گے۔ یہاں کہاں کون کون رئیس آئیگا۔ لکھنؤ کے دربار کا حال جو کچھ سنا ہو۔ وہ لکھو اگر یہاں لوگوں کے ہاں اخبار آتے رہتے ہیں۔ اور میری بھی نظر سے گذر جاتے ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ تمہارے خط سے بھی پا جاؤں۔ تم جو لکھو گے منقح اور مفصل لکھو گے۔ یقین ہے کہ برادر زادہ عزیز یعنی تمہارے راجہ نے مرزا یوسف علی خان کے کام کی درستی اور ترقی پرشادگی سرکار میں کر دی ہوگی۔ اس کی اطلاع ضرور ہے۔ صبح چہار شنبہ ۹ نومبر ۱۸۵۹ء جواب کا طالب غالب

ایضاً بعد روانگی خط کے آج یکشنبہ ۱۳ نومبر کو لفافہ اخبار آیا۔ یہ اخبار بھائی ضیاء الدین خاں کے ہاں آتا ہے۔ اور وہ میرے پاس بھیجدیا کرتے ہیں۔ اسکی حاجت نہیں۔ اپنے شیرے ٹکٹ کیوں برباد کرو۔ میرا مقصود اسی قدر ہے کہ فرخ آباد کے اخبار بہ نسبت کے وہاں معلوم ہوتے ہونگے۔ جو سنو وہ مجھ کو لکھو۔ اور جب نواب معلی القاب آگرے میں آجائیں۔ تو اپنا مشاہدہ مجھ کو لکھتے رہو بس غرض اتنی ہی ہے۔ آج کا اخبار لفافہ بدل کر آج ہی بھیج دیتا ہوں اور دونوں کتابیں بغاوت ہند پرسوں بھیج چکا ہوں۔ تمہارے والد کی طرف سے مجھ کو بڑی تشویش ہے دعا کر رہا ہوں۔ خدا میری دعا قبول کرے۔ ان کو شفائے کامل دے میری دعا ان کو پہنچا دینا مرزا یوسف علیخاں عزیز کا حال معلوم ہمسایہ عالی خاندان اور ناز پروردہ آدمی ہیں ان کو جو راحت پہنچاؤ گے اور جو انکی خدمت بجا لاؤ گے اسکا خدا سے اجر پاؤ گے زیادہ سوائے دعا کے کیا لکھوں۔ غالب روز یکشنبہ ۱۳ نومبر ۱۸۵۹ء

ایضاً میری جان دو جلدیں بغاوت ہند کی پرسوں میرے پاس پہنچیں۔ اسوقت برخوردار میرزا شہاب الدین خان بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک جلد ان کو دی کل ایک پارسل میرے نام کا آیا۔ میں خوش ہوا۔ کہ ولایت کی عرضی اور دستنبو کا پارسل ہوگا۔ دیکھا تو وہی دو جلدیں بغاوت ہند کی ہیں۔ حیران رہ گیا۔ یہ کیا ظاہراً تمہارے وسائل نے از راہ سہو دوبارہ بھیجدی میں چاہتا تھا۔ کہ لفافہ بدل کر دل ٹکٹ لگا کر بھیجدوں۔ پھر سوچا کہ پہلے تم کو اطلاع کروں۔ شاید یہیں کسی اور کو دلوا دو۔ بس اب تمہارے کہنے کا انتظار ہے جو کہو سو کروں۔ کہو تم کو بھیجدوں کہو کہیں اور تمہاری طرف سے بھیج دوں۔ میرے کسی کام کی نہیں۔ والدعا راقم اسد اللہ مرقومہ ۲۰۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء

ایضاً برخوردار کامگار کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ کہ دستنبو کے آغاز کی عبارت از روئے احتیاط دربار

ارسال کی ہے یقین کہ پہنچ گئی ہوگی! اور چھاپی گئی ہوگی۔ اور آپ نے اُسی عبارت سے اشتہار بھی اخبار میں چھاپا ہوگا یا اب چھاپنے گا۔ بہرحال اس شہر کے اخبار سے یہ حکم ہوا ہے کہ دوشنبہ کے دن پہلی تاریخ نومبر کو رات کی وقت سب فقیر خوار انگریز اپنے اپنے گھروں میں روشنی کریں۔ اور بازار میں اور صاحب کمشنر بہادر کی کوٹھی پر بھی ہوگی۔ فقیر بھی ہوگی فقیر بھی اس تمہید میں کہ اشعار جیسے سے تینتیس مقرری نہیں پاتا۔ اپنے مکان پر روشنی کریگا۔ اور ایک قطعہ پندرہ بیت کا لکھ کر صاحب کمشنر شہر کو بھیجا ہے۔ آپ کے پاس اُس کی نقل بھیجتا ہوں۔ اگر تمہارا جی چاہے۔ تو اسکو چھاپ دو۔ اور جس نمبر میں یہ چھاپا جاوے وہ نمبر یہ دیکھنے کو بھیجدینا۔ اور اب فرمائیے کہ میں کتابوں کے آنے کا کب تک انتظار کروں۔ قطعہ

درین روزگار ہمایون و فرخ — کہ گوئی بود روزگار چراغاں
شدہ گوش پر نو چون چشم بینا — ز آوازۂ اشتہار چراغاں
مگر شہر دیلی فورست کانجا — نگہ گشتہ آسودہ چار چراغاں
بسر تیرہ بر چرخ مہر منور — ہمہ روز در انتظار چراغاں
گواہ من اینک خطوط شعاعی — کہ دارد دلش خار خار چراغاں
درین شب دہا باشد از چرخ گردان — کند گنج انجم نثار چراغاں
نبودست در دہر زین پیش ہرگز — بدین روشنی ہیچ کار چراغاں
شد از فیض شاہنشۂ انگلستان — فزون رونق کاروبار چراغاں
جہاندار وکٹوریہ کز فروغش — ز آتش دمد لالہ زار چراغاں
ز عدلش چنان گشت پروانہ ایمن — کہ شد دیدبان حصار چراغاں
بفرمان سرجان لارنس صاحب — شد این شہر آئینہ دار چراغاں
بدہلی فلک رتبہ سانڈرس صاحب — بیاراست نقش و نگار چراغاں
شد از سعی ہنری اجرٹن بہادر — رواں ہر طرف جوئبار چراغاں
سخن سنج غالب ز روے عقیدت — دعائی کند در بہار چراغاں
کہ یاد افزون سال عمر شہنشہ — بروے زمین از شمار چراغاں

ایضاً۔ برخوردار منشی شیو نرائن کو دعائے دوام دولت پہنچے۔ کل تمہارا خط پہنچا۔ دل خوش ہوا۔ یا قرعلی خاں اور حسین علی خاں یہ دو تو لڑکے میرے پوتے ہیں۔ اور تم بھی میرے پوتے ہو۔ لیکن چونکہ تم عمر میں بڑے ہو تو پہلے اور لڑکے تمہارے ہیں۔ میں حسب الطلب تو دیدہ کے دوستانہ یہاں آیا ہوں۔ اور

اپنی صفائی بذریعہ اُن کے گورنمنٹ سے چاہتا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے کتاب اور عرضی اواسطِ ماہ جنوری میں ولایت کو روانہ کرکے یہاں آیا ہوں۔ چھ ہفتہ میں جہاز پہنچتا ہے۔ یقین ہے کہ پارسل ولایت پہنچ گیا ہوگا ؎

بہ بینم کہ تا کرد گار جہاں   دریں آشکارا چہ دارد نہاں

اپنے والد کو میری دعا کہہ دینا۔ مرزا یوسف علی خان کو میری دعا کہنا اور کہنا کہ میں تمہاری فکر سے فارغ نہیں ہوں۔ اگر خدا چاہے تو کوئی راہ نکل آئے۔ سہ شنبہ ۳ مارچ ۱۸۶۰ء غالب۔

ایضاً۔ برخوردار اقبال آثار منشی شیو نرائن کو بعد دعا کے معلوم ہو۔ کہ ایک نسخہ بغاوت ہند کا ایک دو ورقہ معیار الشعر کا معرفت برخوردار میرزا شہاب الدین خان کے پہنچا۔ اور آج چہارشنبہ ۴ مارچ کی ہے کہ ایک نسخہ بغاوت ہند بھیجا ہوا تمہارا میرے پہنچا۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ اب میں شنبہ کے دن ۷ مارچ کو دلی روانہ ہونگا۔ تم کو بطریق اطلاع لکھا ہے۔ اب بدستور رسالہ خطوط دلی کو بھیجنا یہاں نہ بھیجنا۔ ہاں بھائی ان دنوں میں برخوردار مرزا یوسف علی خاں وہاں آئے ہوئے ہیں آج ہی اُن کا خط مجھ کو پہنچا ہے۔ تم ضرور ان سے ملنا۔ منشی امیر علی صاحب کے ہاں وہ اُترے ہوئے ہیں۔ اُن کو بلاکر میری دعا کہنا اور کہنا کہ اچھا ہے۔ دلی چلے آؤ۔ وہاں جو مجھ سے ملوگے تو زبانی سب کلام ہو رہیگا۔ اور اگر وہ ہاتھرس گئے ہوں۔ تو یہ رقعہ جو تمہارے نام کا ہے۔ ایک کاغذ میں لپیٹ کر ٹکٹ لگا کر ہاتھرس کو شیخ کریم بخش چوکیداروں کے جمعدار کے گھر کے پتے سے بھیجدینا۔ ضرور ضرور۔ از غالب رواں داشتہ چہارشنبہ ۴ مارچ ۱۸۶۰ء وقت دوپہر ؏

ایضاً۔ میاں دیوان کے میرٹھ میں چھاپے جانے کی حقیقت سن لو۔ تب کچھ کلام کرو۔ میں رامپور میں تھا۔ کہ ایک خط تمہارا پہنچا۔ سرنامہ پر لکھا تھا عرضداشت عظیم الدین احمد من مقام میرٹھ۔ واللہ باللہ۔ اگر میں جانتا ہوں۔ کہ عظیم الدین کون ہے۔ اور کیا پیشہ رکھتا ہے۔ بہرحال پڑھا معلوم ہوا کہ ہندی دیوان اپنی سوداگری اور فائدہ اٹھانے کے واسطے چھاپا چاہتے ہیں۔ خیر چپ ہو رہا۔ جب میں رامپور سے میرٹھ آیا۔ بھائی مصطفیٰ خان صاحب کے ہاں اُترا۔ وہاں منشی ممتاز علی صاحب میرے دوست قدیم مجھ کو ملے اُنہوں نے کہا کہ اپنا اردو کا دیوان مجھ کو بھیجدیجئے گا۔ عظیم الدین ایک کتاب فروش اس کو چھاپا چاہتا ہے۔ اب تم سنو دیوان ریختہ اتم واکمل کہاں تھا۔ ہاں میں نے غدر سے پہلے لکھوا کر نواب یوسف علیخاں بہادر کو رامپور بھیج دیا تھا۔ اب جو میں دلی سے رامپور جانے لگا۔ تو بھائی ضیاء الدین صاحب نے مجھ کو تاکید کردی تھی۔ کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان اُردو لے کر

اس کو کسی کاتب سے لکھوا کر مجھ کو بھیج دیتا میں نے رام پور میں کاتب سے لکھوا کر بسبیل ڈاک ضیاء الدین
خان کو دلی بھیج دیا تھا۔ آمدم برسر مدعائے سابق۔ اب جو منشی ممتاز علی صاحب نے مجھ سے کہا۔ تو مجھے
ہی کہتے بن آئی کہ اچھا دیوان تو میں ضیاء الدین خان سے لے کر بھیج دوں گا۔ مگر کاپی کی تصحیح کا ذمہ کون
نواب مصطفیٰ خان سے کہتا کہ میں۔ اب کہو تیں کیا کرتا۔ دلی اکر ضیاء الدین خان سے دیوان ایک مجلد ... سے منگا کر تا
نواب مصطفیٰ خان کے پاس بھیج دیا۔ اگر میں اپنی خواہش سے چھپواتا تو اپنے گھر کا مطبع چھوڑ
کر پرائے چھاپے خانے میں کتاب کیوں بھیجاتا۔ آج اسی وقت میں نے تم کو یہ خط لکھا اور اسی وقت
بھائی مصطفیٰ خان صاحب کو ایک خط بھیجا ہے۔ اور ان کو لکھا ہے۔ اگر چھاپا شروع نہ ہوا تو نہ چھاپا
جائے۔ اور دیوان جلد میرے پاس بھیجا جائے۔ اگر دیوان آگیا تو فوراً تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اور اگر
وہاں کاپی شروع ہو گئی ہے۔ تو میں ناچار ہوں۔ میرا کچھ قصور نہیں ہے۔ اگر سرگذشت کو سن کر مجھ کو
گنہگار ٹھیراؤ۔ تو اچھا میرا بھائی میری تقصیر معاف کیجیو۔ رمضان اور عید کا قصہ لگا ہوا ہے۔ یقین ہے
کاپی شروع نہ ہوئی ہو۔ اور دیوان میرے پاس آئے۔ اور تم کو پہنچ جائے۔ ۱۹ یا ۲۰ جنوری ۱۸۶۲ء
کتاب اور دو نوعرضیاں ولایت کو روانہ کر کے رام پور گیا ہوں۔ تین مہینے کی جہاز کی آمد و رفت سو
گزر چکی ہے۔ خواہی اس مہینہ میں خواہی آغاز ماہ آئندہ یعنی مئی میں جواب کے آنے کا متردد ہوں دیکھئے
آئے یا نہ آئے۔ تو خاطر خواہ آوے یا ایسا ہی سرسری آئے۔

ایضاً۔ برخوردار منشی شیونرائن کو دعا کے بعد معلوم ہو تصویر پہنچی تحریر پہنچی۔ سنو میری عمر ستر برس
کی ہے۔ اور تمہارا دادا میرا ہم عمر اور ہم باز تھا۔ اور میں نے اپنے نانا صاحب خواجہ غلام حسین مرحوم
سے سنا کہ تمہارے پر دادا صاحب کو اپنا دوست بتاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ میں بنسی دھر کو اپنا فرزند سمجھتا
ہوں۔ غرض اس بیان سے یہ ہے۔ کہ سو سوا سو برس کی ہماری ملاقات ہے۔ پھر آپس میں نامہ و پیام کی
راہ و رسم نہیں اور اس راہ و رسم کے مسدود ہونے کا حاصل یہ ہے۔ کہ ایک کو دوسرے کے حال کی خبر
نہیں۔ اگر تم کو میرے حال سے آگاہی ہوتی تو مجھ کو بسبیل ڈاک کبھی اکبر آباد نہ بلاتے لو اب
میری حقیقت سنو۔ چھٹا مہینہ ہے کہ سیدھے ہاتھ میں ایک پھنسی نے صورت پھوڑے کی
پیدا کی۔ پھوڑا پک کر پھوٹ کر ایک زخم۔ زخم کیا ایک غار بن گیا۔ ہندوستانی جراح ہوں
کا علاج رہا۔ بگڑتا گیا۔ دو مہینے سے کالے ڈاکٹر کا علاج ہے۔ سلائیاں دوڑ رہی ہیں
استروں سے گوشت کٹ رہا ہے بیس دن سے صورت افاقت کی نظر آنے لگی ہے
اب ایک اور داستان سنو۔ غدر کے رفع ہونے اور دلی کے فتح ہونے کے بعد میرا
پنشن کھلا۔ چڑھا ہوا روپیہ دام دام ملا آئندہ کو بدستور بے کم و کاست جاری ہوا

مگر لارڈ صاحب کا دربار اور خلعت جو معمولی و مقرری تھا۔ مسدود ہو گیا۔ یہاں تک کہ صاحب سکرتر بھی مجھ سے نہ ملے۔ اور کہلا بھیجا کہ اب گورنمنٹ کو تم سے ملاقات کبھی منظور نہیں ہے۔ فقیر نے تکبیر مایوسی دائمی ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ رہا۔ اور حکام شہر سے بھی ملنا موقوف کر دیا۔ بعد لارڈ صاحب کے ورود کے زمانے میں لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی میں آئے۔ دربار کیا۔ خبر کر دو مجھ کو کیا۔ ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے چپراسی آیا۔ اور کہا کہ نواب لفٹنٹ گورنر نے یاد کیا ہے۔ بھائی یہ آخر فروری ہے اور میرا حال یہ ہے۔ کہ علاوہ اس دائیں ہاتھ کے زخم کے سیدھی ران میں اور بائیں ہاتھ میں ایک ایک پھوڑا جدا ہے۔ حاجتی میں پیشاب کرتا ہوں۔ اٹھنا دشوار ہے۔ بہر حال سوار ہو گیا۔ پہلے صاحب سکرتر بہادر سے ملا۔ پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لطف میں کیا بلکہ عنایا میں بھی جو بات نہ تھی۔ وہ وصل ہو گئی۔ یعنی عنایت سے عنایت اخلاق نے اخلاق وقت رخصت خلعت دیا۔ اور فرمایا کہ یہ ہم تجھ کو اپنی طرف سے ازراہ محبت دیتے ہیں۔ اور مژدہ دیتے ہیں کہ لارڈ صاحب کے دربار میں بھی تیرا نمبر اور خلعت کھل گیا۔ انبالہ جا۔ دربار میں شریک ہو۔ خلعت پہن۔ حال عرض کیا گیا۔ فرمایا خیر اور کبھی کے دربار میں شریک ہو نا۔ اس پھوڑے کا ذرا جانا ہے نہ جا سکا۔ اگر ہے کیونکر جاؤں۔ باوجود گویند بھائی صاحب کو سلام بمضمون واحد۔ ۳ رمضی ۔

ایضاً میاں تمہاری باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ یہ دیوان جو میں نے تم کو بھیجا ہے اتم و اکمل ہے۔ وہ اور کونسی دو چار غزلیں ہیں۔ جو مرزا یوسف علی خان عزیز کے پاس ہیں۔ ۔۔ اس دیوان میں نہیں۔ اس طرف سے آپ اپنی خاطر جمع رکھیں کہ کوئی مصرعہ میرا اس دیوان سے باہر نہیں۔ مجھ کو اُن سے بھی کہونگا۔ اور وہ غزلیں اُن سے منگا کر دیکھ لونگا۔ تصویر میری لیکر کیا کرو گے۔ بیچارہ عزیز کیونکر کھچوا سکیگا۔ اگر ایسی ہی ضرورت ہے تو مجھ کو لکھو۔ میں مصور سے کھچوا کر تم کو بھیجدوں۔ نہ مذبذب کا رنہ نیاز۔ میں تم کو اپنے فرزندوں کے برابر چاہتا ہوں۔ اور شکر کی جگہ ہے۔ کہ تم فرزند سعادت مند ہو۔ خدا تم کو جیتا رکھے۔ اور مطالب عالیہ کو پہنچاوے۔ سہ شنبہ ۳ رجولائی ۱۸۶۰ء۔ غالب ؂

ایضاً میاں میں جانتا ہوں۔ کہ مولوی میر نیاز علی صاحب نے وکالت اچھی نہیں کی۔ میرا مدعا یہ تھا کہ وہ تم پر اس امر کو ظاہر کریں۔ کہ دلی میں ہندی دیوان کا چھپنا پہلے ہی سے شروع ہوا ہے۔ کہ حکیم احسن اللہ خاں نے تمہارا بھیجا ہوا نسخہ مجھ کو دیں اور وہ جو میں نے پہلے کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی تھی۔ یہ مجھ کو دی تھی۔ کہ اب تمہارا اردو اسکے چھاپنے کا نہیں۔ غور کرو میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا۔ اور میں نے تم تمہاری خاطر کو عجز ہی سے پھیر دیا۔ کیونکر ہو سکتا تھا۔ کہ اور کو چھاپنے کی اجازت دوں تم نے جو خط لکھنا موقوف کیا۔ میں سمجھا کہ تم خفا ہو۔ میں نے مولوی نیاز علی صاحب سے کہا۔ کہ میرا معذرت نامہ شوق زراہ سے میرا

تقصیر معاف کر دو میاں جانی خدا کی قسم میں تم کو اپنا فرزند دلبند سمجھتا ہوں۔ اُس دیوان اور تصویر کا ذکر کیا ضرور ہے۔ رامپور سے وہ دیوان صرف تمہارے واسطے لکھوا کر لایا۔ دلی میں تصویر بہزار جستجو بہم پہنچا کر مول لی۔ اور دونوں چیزیں تم کو بھیجدیں وہ تمہارا مال ہے۔ چاہو اپنے پاس رکھو۔ چاہو کسی کو دے ڈالو چاہو پھاڑ کر پھینک دو۔ تم نے دستنبو کی جدول اور جلد بنوا کے ہم کو سوغات بھیجی تھی۔ ہم نے اپنی تصویر اور رامپور کا دیوان تم کو بھیجا۔ میرے پیارے دوست ناظر بنسی دھر کے تم یادگار ہو۔ مصرعہ۔ گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری۔ نجات کا طالب غالب

۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۲ء

بنام بابو ہرگوبند سہائے صاحب

برخوردار بہت دن ہوئے کہ میں نے تم کو خط لکھا ہے۔ اب اس خط کا جواب ضرور لکھو۔ اور جلد لکھو۔ دو سوال ہیں تم سے ایک تو یہ کہ یہاں مشہور ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر الہ آباد سے کانپور آ گئے۔ کوئی کہتا ہے۔ آویں گے۔ اس کا حال جو کچھ تم کو معلوم ہو۔ لکھو۔ دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ دو قسم کی انگریزی شراب ایک کاس ٹیلن اور ایک اولڈ ٹام یہ میں ہمیشہ پیا کرتا تھا اور یہ دونوں قسم چھتیس روپیہ درجن آتی تھی۔ اب یہاں پہلے تو نظر ہی نہیں آتی تھی اب پچاس روپیہ اور ساٹھ روپیہ درجن آتی ہے وہاں تم دریافت کرو۔ کہ اس کا نرخ کیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم کرو۔ کہ بطریق ڈاک پہنچ سکتی ہے یا نہیں۔ یہ دونوں امر دریافت کرکے مجھ کو جلد لکھو۔ اگر بقیمت مناسب ہاتھ آئے اور اس کا بھیجنا ممکن ہو۔ تو یہاں سے روپیہ کی ہنڈوی بھیجدوں اور تم خرید کر بیل گاڑی کی ڈاک پر روانہ کر دو۔ جاڑوں میں مجھ کو بہت تکلیف ہے۔ اور یہ گڑ چال کی شراب میں نہیں پیتا یہ مجھ کو مضرت کرتی ہے اور مجھے اس سے نفرت ہے۔ چہار شنبہ ۲۹ دسمبر ۱۸۵۸ء ضروری جواب طلب از غالب جان بلب۔

ایضاً صاحب تم کو دعا کہتا ہوں۔ اور دعا دیتا ہوں۔ شراب کی قیمت کے دو خط بھیجے بھائی کاس ٹیلن اور اولڈ ٹام دونوں چھتیس روپیہ درجن میں ہمیشہ لیا کرتا تھا۔ اب یہاں مہنگی ملتی ہے۔ میں نے تم سے پوچھا۔ جو وہاں بھی اس قیمت کو ملتی ہے۔ تو میرا مقصود نہیں میں سمجھا تھا کہ شاید وہاں ارزاں ہو۔ خیر اس کو جانے دو۔ روٹی ہی ملے جائے تو غنیمت ہے۔ مہینہ بھر کی روٹی کا مول ایک درجن کی قیمت ہے۔

بنام نواب امین الدین احمد خانصاحب بہادر رئیس لوہارو

بھائی صاحب ساٹھ برس سے جانے تمہارے بزرگوں سے قرابتیں بہم پہنچیں۔ رہا میرا تمہارا معاملہ یہ کہ پچاس برس سے میں تم کو جانتا ہوں۔ سبب اس کے چاہت تمہاری طرف سے بھی ہو۔ چالیس برس سے محبت کا ظہور ظن ہے

ہوا میں تمہیں چاہتا رہا، تم مجھے چاہتے رہے۔ وہ امرِ عام اور یہ امرِ خاص کیا متعلق اس کو نہیں۔ کہ مجھ میں تم میں حقیقی بھائیوں کا سا خلوص پیدا ہو جائے وہ قرابت اور یہ مودت کیا پیوندِ خون سے کم ہے۔ تمہارا یہ حال سنوں اور بیتاب نہ ہو جاؤں۔ اور وہاں نہ آ سکوں۔ مگر کیا کروں۔ مبالغہ نہ سمجھو میں ایک قالبِ بے روح ہوں۔ مصرعہ یکے مردہ شخصم بمردی رواں اضمحلالِ روح کا روز افزوں ہے۔ صبح کو تبرید قریب دوپہر کے روٹی شام کو شراب اگر اس میں سے جس دن ایک چیز اپنے وقت پر نہ ملی میں مر گیا۔ واللہ نہیں آ سکتا۔ نہیں آ سکتا۔ دل کی جگہ میرے پہلو میں پتھر بھی تو نہیں۔ دوست نہ سہی دشمن بھی تو نہ ہوگا۔ محبت نہ سہی عداوت بھی تو نہ ہوگی۔ آج تم دونوں بھائی اس خاندان میں شرف الدولہ اور فخر الدولہ کی جگہ ہو میں لم یلد ولم یولد ہوں میری زوجہ تمہاری بہن میرے بچے تمہارے بچے ہیں۔ تو جو میری حقیقی بھتیجی ہے۔ اس کی اولاد بھی تمہاری ہی اولاد ہے۔ نہ تمہارے واسطے بلکہ ان بیکسوں کے واسطے تمہارا دعاگو ہوں اور تمہاری سلامتی چاہتا ہوں۔ تمنا یہ ہے۔ اور انشاءاللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ کہ تم جیتے رہو اور تم دونوں کے سامنے میں مر جاؤں۔ تاکہ اس قافلہ کو اگر روٹی نہ دو گے تو چنے دو گے۔ اور اگر چنے بھی نہ دو گے۔ اور بات نہ پوچھو گے۔ تو میری بلا سے میں تو موافق اپنے تصور کرنے وقت ان خلک زدوں کے غم میں نہ الجھونگا۔ خیابٗ والدہ ماجدہ تمہاری یہاں آنا چاہتی ہیں۔ اور ضیاء الدین خان اسی واسطے وہاں پہنچتے ہیں۔ سو بعد تبدیلِ آب و ہوا دو فائدے اور بھی بہت اچھے ہیں۔ کثرتِ اطباء صحبتِ احباء تنہائی سے ملول نہ رہو گے۔ حرف و حکایت میں مشغول ہو گے۔ آؤ آؤ شتاب آؤ۔ بھائی میرزا علاؤالدین خان تم کو کیا لکھوں۔ جو وہاں تمہارے دل پہ گذرتی ہے۔ یہاں میری نظر میں ہے۔ خیر دعائے مزیدِ عمر و دولت نجات کا طالب غالب۔

ایضاً۔ برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت بعد سلام مسنون ودعائے بقائے دولت روز افزوں عرض کیا جاتا ہے۔ کہ عطوفت نامہ کی رو سے فارسی دو غزلوں کی رسید معلوم ہوئی۔ تیسری غزل گوہر نتواں گفت اختر نتواں گفت۔ جو تمہارے حسب الطلب بھیجی گئی ہے۔ کیا نہیں پہنچی بے شبہ پہنچی ہوگی تم بھول گئے ہو گے۔ وکیل حاضر باش دربار اسد اللٰہی یعنی علائی مولائی نے اپنے موکل کی خوشنودی کے واسطے فقیر کی گردن پر سوار ہو کر ایک اردو کی غزل لکھوائی۔ اگر پسند آئے۔ تو مطرب کو سکھائی جاوے۔ جھنجھوٹی کے اونچے سروں میں راہ رکھوائی جائے۔ اگر جیتا رہا تو جاڑوں میں اگر میں بھی من آؤنگا۔ والسلام مع الاکرام نجات کا طالب غالب چہار شنبہ ۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۲۸۲ ہجری۔

غزل

میں ہوں مشتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سہی　　　تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

غیر کی مرگ کا غم کس لئے اے غیرتِ ماہ ہیں ہوس پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور سہی
تم ہو بُت پھر تمہیں پندارِ خدائی کیوں ہے تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی
حُسن میں حُور سے بڑھ کر نہیں ہونیکی کبھی آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہی
تیرے کوچہ کا ہے مائل دلِ مضطر میرا کعبہ اک اور سہی قبلہ نما اور سہی
کوئی دُنیا میں مگر باغ نہیں ہے واعظ خُلد بھی باغ ہے خیر آب و ہوا اور سہی
کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یارب سیر کیواسطے تھوڑی سی فضا اور سہی
مجھکو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں زہر کچھ اور سہی آبِ بقا اور سہی
مجھ سے غالبؔ یہ علائیؔ نے غزل لکھوائی ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی

ایضاً برادر صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ تمہارے تفریحِ طبع کے واسطے ایک غزل نئی لکھ کر بھیجی ہے۔ خدا کرے پسند آئے۔ اور مطرب کو سکھائی جائے۔ آج شہر کے اخبار لکھتا ہوں سوانح لیل و نہار لکھتا ہوں۔ کل پنجشنبہ ۲۰ مئی کو اوّل روز پہر بڑے زور کی آندھی آئی۔ پھر خوب مینہ برسا اور ژالا پڑا کہ شہر کرۂ زمہریر ہو گیا۔ بڑے دریبہ کا دروازہ ڈھایا گیا۔ قابل عطار کے کوچہ کا بقیہ مٹایا گیا۔ کشمیری کٹرہ کی مسجد زمین کا پیوند ہو گئی۔ سڑک کی وسعت دوچند ہو گئی۔ اللہ اللہ مسجدوں کے ڈھانے جاتے ہیں۔ اور ہنود کی ڈیوڑھیوں کے جھنڈیوں کے پرچم اڑتے ہیں۔ ایک شیر مرد آور ولایتی بندہ پیدا ہوا ہے۔ مکانات جا بجا ڈھاتا پھرتا ہے۔ فیض اللہ خاں بنگش کی حویلی پر جو کلہ ستے ہیں جس کو عوام گگری کہتے ہیں۔ اُن میں سے ہلا ہلا کر ایک بنا ڈھا دی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ واہ رے تندیر زیادتی اور پھر شہر کے انگلستان کے لوگ سے ایک مرد آزادہ کثیر العیال عسیر الحال عربی فارسی انگریزی تین زبانوں کا عالم دِلّی میں وارد ہوا ہے۔ بلّی ماروں کے محلہ میں ٹھیرا ہے۔ بسبب ضرورت حکام شہر سے مل لیا ہے۔ باقی گھر کا دروازہ بند کئے بیٹھا رہتا ہے۔ گاہ گاہ ہر شام و پگاہ غالب علی شاہ درویش کے تکیہ پہ آ جاتا ہے۔ اہل شہر حیران ہیں۔ کہ کھاتا کہاں سے ہے۔ اس کے پاس روپیہ آتا کہاں سے ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ یہ باپ سے پھر گیا ہے میں جانتا ہوں۔ کہ بے سبب باپ کی نظر سے گیا ہے۔ دیکھئے انجام کار کیا ہو۔ غالب علی شاہ کا قول یہ ہے۔ کہ کل کا بھلا ہو۔ جمعہ ۲۱ مئی ۱۸۶۹ء

ایضاً۔ جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت۔ بعد سلام مسنون و دعائے ترقیٔ دولت روز افزوں عرض کیا جاتا ہے۔ کہ استاد میر جان آئے۔ اور اُنکی زبانی تمہاری خیر و عافیت معلوم ہوئی۔ خدا تم کو زندہ و تندرست و شاد و شاداں رکھے۔ یہاں کا حال کیا لکھوں۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ مصرع نماند آب جز چشم خلق یتیم شب و روز آگ برستی ہے۔ یا خاک۔ نہ دن کو سورج نظر آتا ہے۔ نہ رات کو تارے زمین سے اُٹھتے ہیں۔

شعلے آسمان سے گرتے ہیں۔ شرارے چلا رہا تھا۔ کچھ گرمی کا حال لکھوں۔ عقل نے کہا کہ دیکھ ناداں قلم انگریزی دیا سلائی کی طرح جل اٹھیگی اور کاغذ کو جلادیگی۔ بھائی ہوا کی گرمی تو بڑی بلا ہے گاہ گاہ جو ہوا بند ہو جاتی ہے وہ اور بھی جانگزا ہے۔ خیر اب فصل سے قطع نظر ایک کودک غریب الوطن کے اختلاط کی گرمی کا ذکر کرتا ہوں کہ وہ جانسوز نہیں بلکہ دل افروز ہے۔ پرسوں فرخ مرزا آیا۔ اس کا باپ بھی اس کے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیوں صاحب میں تمہارا کون ہوں اور تم میرے کون ہو۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ کہ حضرت آپ میرے دادا ہیں اور میں آپکا پوتا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ تمہاری تنخواہ آئی کہا جناب عالی آقا جان کی تنخواہ آگئی ہے۔ میری نہیں آئی میں نے کہا تو بولا ہو چلے۔ تو تنخواہ پائے کہا حضرت میں تو آقا جان سے روز کہتا ہوں کہ لوہارو چلو اپنی حکومت چھوڑکر دلّی کی رعیت میں کیوں مل گئے۔ سبحان اللہ بالشت بھر کا لڑکا اور یہ فہم درست اور طبع سلیم میں اس کی خوبی خو اور شرفی سیرت پر نظر کرکے اس کو فرخ سیر کہتا ہوں۔ مصاحب بے بدل ہے تم اس کو بلا کیوں نہیں بھیجتے۔ مگر بھائی غلام حسین خان مرحوم کے متبع ہو کر زین العابدین وحید حسن اور ان کی اولاد کو کبھی منہ نہ لگایا۔ علاؤالدین خان جیسا ہوشمند ہمہ دان بیٹا۔ فرخ سیر جیسا والشر سیدلہ سیخ اور شیریں سخن پوتا یہ دو عطیہ عظمیٰ و موہبت کبریٰ ہیں تمہارے واسطے من جانب اللہ ؎

اگر دریافتی بر دانشت بوس وگر غافل شدی افسوس افسوس

آج ۲۲ جون کی ہے۔ آفتاب سرطان میں آگیا نقطۂ انقلاب صیفی میں دن گھٹنے لگا چاہیے۔ کہ تمہارا غیظ وغضب بھی روز کم ہو جائے۔ نجات کا طالب غالبؔ۔

ایضاً۔ بھائی صاحب آج تک سوچتا رہا کہ بیگم صاحب قبلہ کے انتقال کے باب میں تم کو کیا لکھوں تعزیت کے واسطے تین باتیں ہیں۔ اظہار غم۔ تلقین صبر۔ دعائے مغفرت سو بھائی اظہار غم تکلف محض ہے۔ جو غم تم کو ہوا ہے ممکن نہیں۔ کہ دوسرے کو ہوا ہو۔ تلقین صبر بے دردی ہے یہ سانحہ عظیم البلا ہے جس نے غم رحلت نواب مغفور کو تازہ کیا ایسے موقع پر صبر کی تلقین کیا کی جائے رہی دعائے مغفرت میں کیا اور میری دعا کیا۔ مگر چونکہ وہ میری مربیہ اور محسنہ تھیں دل سے دعا نکلتی ہے۔ معہٰذا تمہارا یہاں آنا سنا جاتا تھا۔ اس واسطے خط نہ لکھا۔ اب جو معلوم ہوا کہ دشمنوں کی طبیعت ناساز ہے۔ اور اس سبب سے آغاز ہوا یہ چند سطریں لکھی گئیں حق تعالیٰ تم کو سلامت اور تندرست اور خوش رکھے۔ تمہاری خوشی کا طالب غالبؔ ۱۵ نومبر ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ رخ مکرم قدام کرام کی خدمت میں بعد ادائے سلام مسنون ملتمس ہوں۔ تمہارا شہر میں رہنا موجب تقویت دل تھا۔ مصرعہ گوشہ لیتے تھے۔ یہاں کے شہر میں تو رہتے تھے۔ بھائی ایک میر دلچسپ ہاتھی آئی

طیور آشیاں گم کردہ کی طرح ہر طرف اڑتے پھرتے ہیں۔ اُن میں سے دو چار بھولے بھٹکے کبھی یہاں بھی آ جاتے ہیں۔ صاحب، اب وعدہ کب وفا کرو گے۔ علائی کو کب بھیجو گے۔ ابھی تو شب کے چلنے اور دن کے آرام کرنے کے دن ہیں۔ بارش شروع ہو جائیگی۔ تو آپ کی اجازت بھی کام نہ آئیگی۔ چلنے والا کہیگا میں رہرو چالاک ہوں تیراک نہیں۔ وہاں سے دہلی تک کشتی بغیر کیونکر جاؤں۔ دخانی جہاز کہاں سے لاؤں۔ مصرعہ: اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش۔ علائی کے دیدار کا طالب غالبؔ۔ استاد میرجان صاحب کو سلام۔ یوم الخمیس ۲۷ محرم سنہ ۱۲۸۰ھ

بنام مرزا علاؤالدین احمد خان صاحب بہادر

صاحب تمہارا خط پہنچا مطالب دلنشین ہوئے۔ خوشنودیٔ خلق سے مجھ کو غرض نہیں۔ کیا اچھی رباعی ہے کسی کی۔

مومن بخیالِ خویش مستم داند | کافر بگمان خدا پرستم داند
مردم ز غلط فہمی مردم مردم | اے کاش کسے ہر آنچہ ہستم داند

بھائیوں سے پھر نہیں ملا۔ بازار میں نکلتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ جواہر چوبدار میرا سلام اخوین کو اور اُن کا سلام مجھ کو پہنچا دیتا ہے۔ اسی کو غنیمت جانتا ہوں ؎

تاب لائے ہی بنے گی غالبؔ | واقعہ سخت ہے اور جان عزیز
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے | بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

یہ مقطع اور مطلع مندرجہ دیوان ہے۔ مگر اس وقت یہ دونوں شعر حسب حال نظر آئے۔ اس واسطے لکھ دیے گئے۔ تم نے اشعار جدید مانگے خاطر تمہاری عزیز ایک مطلع صرف دو مصرعے کہے ہوئے پائے گئے کہ وہ واجب الاظہار بھی ان پر لکھ کر کے ایک مطلع اور پانچ شعر بلکہ کہ بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں۔ بھائی کیا کہوں کہ کس مصیبت سے یہ چھ بیتیں ہاتھ آئی ہیں اور وہ بھی بلند مرتبہ نہیں ؎

بہت سہی غم گیتی شراب کم کیا ہے | غلام ساقیٔ کوثر ہوں مجھ کو غم کیا ہے

مطلع ثانی

رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے | تمہاری طرز روش جانتے ہیں ہم کیا ہے
کٹے تو شب کہیں کاٹے تو سانپ کہلاوے | کوئی بتاؤ کہ وہ زلف خم بخم کیا ہے

لکھا کرے کوئی احکام طالع مولود — کسے خبر ہے کہ واں جنبش قلم کیا ہے
نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا — خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے
وہ داد و دید گرانمایہ شرط ہے ہمدم — وگرنہ مہر سلیمان و جام جم کیا ہے
سخن میں خامۂ غالب کی آتش افشانی — یقیں ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

صاحب تمہارا فرمان قضا توامان بجا لایا۔ مگر اس غزل کا مسودہ میرے پاس نہیں ہے۔ اگر با احتیاط لکھو گے۔ اور اردو کے دیوان کے حاشیہ پر چڑھا دو گے۔ تو اچھا کرو گے۔ عمر و دولت فزوں باد۔
فقط جمعہ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۵ء بارہ پر دو بجے تین کا عمل ؎

ایضاً مرزا روبرو بہ از پہلو آؤ۔ میرے سامنے بیٹھو۔ آج صبح کے ۷ بجے باقر علی خاں اور حسین علی خاں مع ہم امرغ ۱۰ بڑے اور ۸ چھوٹے کے دلی کو روانہ ہوئے۔ دو آدمی میرے اُن کے ساتھ گئے۔ کلو اور لڑکا نیاز علی یعنی ڈیڑھ آدمی میرے پاس ہیں۔ نواب صاحب نے وقت رخصت ایک ایک دوشالہ مرحمت کیا۔ مرزا نعیم بیگ ابن مرزا کریم بیگ دو ہفتہ سے یہاں لوہارو میں اور اپنی بہن کے یہاں ساکن ہیں۔ کہتے ہیں کہ تیرے ساتھ دلی چلونگا۔ اور وہاں سے لوہارو جاؤنگا۔ میرے چلنے کا حال یہ ہے۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی ہفتہ میں چلونگا۔ یہ جان چکے اردو لکھتے لکھتے جو خط مشتمل ایک مطلب پر تھا۔ اس کو تم نے فارسی میں لکھا اور فارسی بھی متقدمانہ نہیں۔ کہ امیر کو اور اپنے بزرگ کو کبھی بصیغہ مفرد نہ لکھیں یہ وہی چھوٹی ہے بڑی سے کا تعصب ہے۔ خیر خط نہ دکھاؤنگا مکتب فیہ کہہ کر کام نکالا۔ میں نے تو چلتے وقت فرخ سیر کے اتالیق کی زبانی بھائی کو کہلا بھیجا تھا کہ تم اگر کوئی اپنا مدعا کہو میں بھائی کی درستی کرا لاوں۔ جواب آیا۔ کہ اور کچھ مدعا نہیں۔ صرف مکان کا مقدمہ ہے۔ سو اس مقدمہ میں میرا اور میرے شرکا کا وکیل ہاں موجود ہے۔ اگر وہ اس امر کا ذکر کرتے تو میں اُن سے اُن کے خالو علی اصغر خان کے نام عرضی یا خط لکھوا لاتا۔ بہر حال اب بھی قاصر نہ رہوں گا۔ تاریخ اوپر لکھ آیا نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہے ؎

ایضاً پنجشنبہ یکم اکتوبر ۱۸۶۰ء ؎

شکر ایزد کہ ترا با پدرت صلح فتاد — حوریاں رقص کناں ساغر شکرانہ زدند
قدسیاں بہر حمائل تو معوذ الہیت — قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

میاں تم جانتے ہو۔ کہ میں عازم رام پور تھا۔ اسباب مساعد ہو گئے۔ بشرط حیات جمعہ کو روانہ ہوں گا۔ لڑکے بالوں کی خیر و عافیت علی حسین خان کی تحریر سے معلوم ہوتی رہتی ہے میرا لکھنا زائد ہے ایک بار میں صاحب کمشنر کی عیادت کو گیا تھا۔ فرخ مرزا بھی میرے ساتھ

گیا تھا۔ مزاج کی خبر پوچھ آیا۔ بھائی صاحب کو میرا سلام کہنا۔ راقم غالب علی شاہ نو

ایضاً جانان جانان ایک خط میرا تمہارے دو خطوں کے جواب میں تم کو پہنچا ہوگا۔ آج میں علی حسن خان بہادر کے گھر گیا۔ اُن سے میں نے تذکرہ کیا۔ فرمایا۔ کہ فرخ سیر کی ماں کو لکھ بھیجو کہ سال بھر کی تنخواہ کی رسید بھیجدیں۔ یہاں سے روپیہ بھیجدیا جائیگا۔ آج منگل ہے۔ ۴ شعبان کی اور ۲۶ دسمبر کی دو بھتیجے تمہارے جمعہ کے دن ۲۲ دسمبر کو روانہ دہلی ہوئے میں پرسوں یوم الخمیس کو مرحلہ پیما ہونگا ؎

اول ما آخر ہر منتہی ۔ ودر اکرام و عزت ∗ آخر ما جیب تمناتہی ۔ از مال و دولت

تو گمان گردیہ کہا کہ فارسی بگھار کر مجھ سے جلدی کی چند دن سن ۔ ایک غسیل حضورت دینی کی ہے ایک علی اصغر خان سے ایلچی دونوں کل آ پہنچی ۔ مرزا قیم بیگ بن مرزا کریم بیگ دو تین ہفتہ سے یہاں وارد اور اپنی بہن کے ہاں ساکن ہیں۔ نہ اللہ کی خدا نے بختر پر کی ماحصہ وہ جائیں۔ فقط غالب ؎

ایضاً۔ صبح دوشنبہ شانزدہم ازمہ صیام۔ میری جان نئے مہمان کا قدم تم پر مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اور اس کے بھائی کی عمر و دولت میں برکت دے تمہاری طرز تحریر سے صاف نہیں معلوم ہوتا کہ سعید ہے یا سعیدہ ہے۔ ثاقب جس کو عزیز اور غالب عزیزہ جانتا ہے۔ واضح لکھو تا اقبال رفع ہو۔ خط ثاقب کے نام کا تو یہ تو یہ خط کاہے کو ایک تختہ کاغذ کا ہے۔ نے سراسر پڑھا لطیفہ دیدہ و شوخی و شوخ چشمی کا بیان جب کرتا کہ فحوائے عبارت سے جگر خون ہو جاتا۔ بھائی کو تم جدا۔ ایسا سخن گذار۔ ایسا نہ بان آور۔ ایسا عیار طرازیوں عاجز و درماندہ وا زکار رفتہ ہو جائے۔ تمہارا تم جُدا۔ ساغر اول و درد کیا دل سے کرآئے۔ کیا زبان لیکر آئے کیا علم لیکر آئے کیا عقل لیکر آئے۔ اور پھر کسی روش کو برت نہ سکے کبھی شیوہ کی داد نہ پائی۔ گویا نظیری تمہاری زبان سے کہتا ہے ؎

جوہر بینش من در تہ زنگار بماند ∗ آنکہ آئینہ من ساخت نپرداخت دریغ

بھائی اس عرض میں میں بھی تیرا ہم طالع اور ہمدرد ہوں۔ اگرچہ یک فنہ ہوں۔ مگر مجھ اپنے بیمان کی قسم میں نے اپنی قسمت نثر کی اور نظم کی بانداز بالنسبت پائی نہیں آپ ہی کہتا ہوں سمجھا تقدیر کی دادا زندگی وشتہ ہے کرم کے جز دادا میرے نانے بھٹو میں بھر دیئے ہیں۔ بقدر ہزار ایک ہوس آسے نہ وہ طاقت جسمانی کہ ایک لاٹھی ہاتھ میں لوں۔ اور اس میں شطرنجی اور ایک لوٹا مع سوتلی کے لٹکاؤں اور پیادہ پا چل دوں کبھی شیراز جا نکلا کبھی مصر میں جا ٹھہرا کبھی نجف جا پہنچا۔ نہ وہ دستگاہ کہ ایک عالم کا میزبان بن جاؤں اگر تمام عالم نہ ہو سکے نہ سہی جس شہر میں رہوں اُس

شہر میں تو بجز کا ننگا نظر نہ آئے ہے

نہ بستان سرائے نہ میخانہ — نہ دستان سرائے نہ جانانہ
نہ رقص پری پیکراں بر بساط — نہ غوغائے رامشگراں در رباط

خدا کا مقہور، خلق کا مردود، بوڑھا، ناتواں، بیمار، فقیر، نکبت میں گرفتار۔ تمہارے حال پر غور کی اور چاہا کہ اس کا نظیر بہم پہنچاؤں۔ واقعہ کربلا سے نسبت نہیں دے سکتا۔ لیکن واللہ تمہارا حال اُس ریگستان میں ہو بہو ایسا ہے۔ جیسا مسلم ابن عقیل کا حال کوفہ میں تھا۔ تمہارا خالق تمہارا، اور تمہارے بچوں کی جان و آبرو کا نگہبان۔ میرے اور معاملات کلام و کمال سے قطع نظر کرو۔ وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے۔ اور خود در بدر بھیک مانگے۔ وہ میں ہوں ۔

ایضاً چاشتگاہ سہ شنبہ دوازدہم نومبر ۱۸۶۱ء آج جس وقت کہ روٹی کھانے کو گھر جاتا تھا۔ شہاب الدین خان تمہارا خط اور مصری کی ڈلیاں لیکر آئے ہیں۔ اُس کو لوا کر گھر گیا۔ اپنے سامنے مصری تلوائی آدھ پاؤ اوپر دو سیر نکلی خانہ دولت آبادی کافی و وافی ہے۔ اور اب حاجت نہیں۔ روٹی کھا کر باہر آیا۔ تمہارے ابن عم کا آدمی جواب خط کا متقاضی ہوا کہ شتر سوار جانے والا ہے۔ میں کھانا کھا کر لیٹنے کا عادی ہوں۔ لیٹے لیٹے مصری کی رسید لکھ دی۔ مطالب مندرجہ خط کا جواب بشرط حیات کل بھیجونگا۔ غالب

ایضاً۔ اقبال نشانا بخیر و عافیت بفتح و نصرت دربار دو پہنچنا مبارک ہو۔ مقصود ان سطور کی تحریر سے یہ ہے۔ کہ مطبع اکمل المطابع میں چند احباب میرے مسودات اُردو کے جمع کرنے پر اور اس کے چھپوانے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ مجھ سے مسودات مانگے ہیں۔ اور اطراف و جوانب سے بھی فراہم کئے ہیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا جو لکھا وہ یہاں بھیجا ہوا وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خطوط میرے تمہارے پاس بہت ہونگے۔ اگر ان کا ایک پارسل بنا کر بسبیل ڈاک بھیجدو گے۔ یا آجکل میں کوئی ادھر آنیوالا ہو اسکو دیدو گے۔ تو موجب میری خوشی کا ہوگا۔ اور میں ایسا جانتا ہوں۔ کہ اس کے چھاپے جانے سے تم بھی خوش ہو گے۔ بچوں کو دعا۔ غالب

ایضاً۔ جان غالب یاد آتا ہے۔ کہ تمہارے عم نامدار سے سُنا ہے کہ لغات دساتیر کی فرہنگ وہاں ہے اگر ہوتی تو کیوں نہ تم بھیجدیتے۔ خیر مصرعہ: آنچہ ما در کار داریم اکثرے در کار نیست۔ تم ثمر نورس ہو۔ اُس نہال کے کہ جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشو و نما پائی ہے اور میں ہوا خواہ و سایہ نشین اُس نہال کا رہا ہوں۔ کیونکہ تم مجھکو عزیز نہ ہو گے۔ رہی دید و ادید۔ اس کی دو صورتیں تم دہلی میں آؤ۔ یا میں لوہارو آؤں۔ تم مجبور میں معذور۔ خود کہتا ہوں۔ کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو۔ جب تک نہ سمجھ لو۔ کہ میں کون ہوں۔ اور ماجرا کیا ہے۔ سنو عالم دو ہیں۔ ایک عالم ارواح۔ اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود

فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ اور پھر آپ جواب دیتا ہے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ہر چند قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں۔ لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ھ میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا ۱۳ برس حوالات میں رہا۔ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی۔ اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا۔ اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا۔ فکر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیل خانہ سے بھاگا۔ تین برس بلاد شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایان کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے۔ اور پھر اسی مجلس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے دو ہتھکڑیاں اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فگار رہا۔ ہاتھ ہتھکڑیوں سے زخمدار مشقت مقرری اور مشکل ہو گئی طاقت یک قلم زائل ہو گئی۔ بے حیا ہوں۔ سال گذشتہ بیڑی کو زاویۂ زندان میں چھوڑ مع دونوں ہتھکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ مراد آباد ہوتا ہوا رام پور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا۔ کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں کیا بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی حکم رہائی دیکھیے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے۔ کہ اس ماہ ذی الحجہ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی کے سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعد نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا ؎

فرخ آں روز کہ از خانۂ زنداں بروم　　سوئے شہر خود ازیں وادیٔ ویراں بروم

گانے میں غزل کے سات شعر کافی ہوتے ہیں۔ دو فارسی غزلیں دو اردو غزلیں اپنے حافظ کی تحویل میں بھیجتا ہوں۔ بھائی صاحب کی نذر۔

غزل

از جسم بجاں نقاب تا کے　　ایں گنج دریں خراب تا کے
ایں گوہر پر فروغ یارب　　آلودۂ خاک و آب تا کے
ایں راہرو مسالک قدس　　واماندۂ خورد و خواب تا کے
بیتابی برق جز دمے نیست　　ماوین ہمہ اضطراب تا کے
جاں در طلب نجات تا چند　　دل در تعب عذاب تا کے
پرسش ز تو بے حساب باید　　غم ہائے مرا حساب تا کے
غالب بچنیں کشاکش اندر
یا حضرت بو تراب تا کے

دوش کز گردش بختم گلہ بر روئے تو بود
چشم سوئے فلک و روئے سخن سوئے تو بود

آنچہ شب شمع نگہبان کردی و رفتی بے تاب
نفسم پردہ کشائے اثر خوئے تو بود

چہ عجب صانع اگر نقش دہانت گم کرد
کاں خود از تنگیاں رُخ نیکوئے تو بود

کیف باد صبا و ایں ہمہ رسوائی دل
کاخر از پردگیان شکن موئے تو بود

مردن و جاں بہ تمنائے شہادت دادن
ہمہ از اندیشۂ آزردن بازوئے تو بود

دوست جا دم گرہے را کہ بکار رم زدہ اند
کایں ہمانست کہ پیوستہ در ابروئے تو بود

لالہ و گل دمد از طرف مزارش پس مرگ
تا چہ ہا در دل غالبؔ ہوس روئے تو بود

ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشاں اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور

لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور

ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا
ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشاں اور

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اُٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہے جائیں کہ ہاں اور

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے انداز بیاں اور

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

ضد کی ہے اور بات مگر خو بری نہیں
بھولے سے اس نے سیکڑوں وعدے وفا کیے

صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو
دینے لگا ہے بوسے بغیر التجا کیے

رکھتا پھروں ہوں خرقہ و سجادہ رہن مے
مدت ہوئی ہے دعوت آب و ہوا کیے

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عدو
کس دن ہمارے سر پہ نہ آرے چلا کیے

غالبؔ تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا
مانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

ایضاً۔ سعادت و اقبال نشان میرزا علاؤ الدین خان بہادر کو فقیر اسد اللہ کی دعا پہنچے کل شام کو مخدوم مکرم جناب آغا محمد حسین صاحب شیرازی بیوزری ایلی مانند دولت ناخواستہ ناگاہ آئے

فقیر کے تکیہ میں تشریف لائے شب کو جناب ڈپٹی ولایت حسین خان کے مکان میں آرام فرمایا۔ اب وہ یہاں آتے ہیں تقریب طلوع آفتاب بچشم بیم یا ذیہ رقعہ تمہارے نام لکھا ہے۔ جو کچھ جی چاہتا وہ مفصل نہیں لکھ سکتا مختصر مفیدہ آغا صاحب کو دیکھ کر یوں سمجھا کہ میں بوڑھا چچا غالب جوان ہو کر میلے کی سیر کو حاضر ہوا ہے پس نور چشمان راحت جان مرزا باقر علی خان بہادر و مرزا حسین علی خان بہادر و جناب آغا صاحب کا قدمبوس بجا لاؤ اور ان کی خدمتگذاری کو اپنی سعادت اور میری خوشنودی سمجھیں۔ بیں ہاں مرزا علائی اگر کرنیل الگزنڈر اسکنر بہادر سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا۔

ایضاً۔ صاحب میری داستان سنئے۔ پنشن کم و کاست جاری ہوا۔ تنخواہ سہ سالہ یکمشت مل گیا ہوا ادائے حقوق چار سو روپیہ دینے باقی ہے۔ اور ستاسی روپیہ گیارہ آنہ مجھے نیچے مئی کا مہینہ بدستور ملا۔ آخر جون میں حکم ہو گیا۔ کہ پنشن دار علی العموم ششماہی پایا کریں۔ ماہ بماہ پنشن تقسیم نہ ہوا کرے میں دس بارہ برس سے حکیم محمد حسین خان کی حویلی میں رہتا ہوں۔ اب وہ حویلی غلام اللہ خاں نے مول لے لی آخر جون میں ہمدگر ایسی ملیں گی کہ ایک محلسرا اور ایک دیوان خانہ ہو نہ ملیں نا چاہیے چاہتا۔ کہ تین چار دن میں ایک مکان ایسا ملے۔ کہ جس میں جا رہوں۔ نہ ملا تمہاری چھوٹی پھوپھی نے بیکس نوازی کی۔ کہ تھوڑا عالی حویلی مجھ کو رہنے کو دی بر خوردار عایت مرزا علی نہیں۔ کہ محلسرا سے قریب ہو۔ مگر خیر بہت دور بھی نہیں کل یا پرسوں وہاں جا رہا ہونگا ایک پاؤں زمین پر ہے ایک پاؤں رکاب میں۔ توشہ کا وہ حال گوشہ کی یہ صورت کل شنبہ عاشر ذی الحجہ کی اور رجون کی پہر دن چڑھے تمہارا خط پہنچا دو گھڑی کے بعد سنا گیا کہ امین الدین خان صاحب نے اپنی کوٹھی میں نزول اجلال کیا پہر دن رہے ارادہ مہربانی تاکہ میرے ہاں تشریف لایئے۔ میں نے اُن کو دبلا و افسردہ پایا۔ دل کڑھا۔ علی حسین خان بھی آیا۔ اس نے مجھے ملا۔ بیٹے تمہیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے بھائی صاحب بولے کہ جب میں یہاں آیا۔ تو کوئی وہاں بھی تو ہے اور اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہیں میں نے کہا اتنا ہی قبلتا تم اس کو چاہتے تھے ہنسنے لگے۔ غرض کہ میں نے بظاہر ان کو تم سے اچھا پایا۔ لیکن تم لوگوں کے دلوں کا مالک اللہ ہے۔ راقم غالب نگاشتہ در واں داشتہ یکشنبہ بین الظہر والعصر ۔

ایضاً چہار شنبہ ۵ ستمبر ۱۸۶۲ء سکا میر زا علائی مولائی اس وقت تمہارا خط پہنچا ادھر پڑھا اُدھر جواب لکھا۔ واہ کیا کہنا ہے۔ نرام پور کے علاقہ کو گاڈ شتگ[1] اور مجھ کو بیل پیوند کے قسمہ کو تازیانہ اور مجھ کو گھوڑا بنایا وہ علاقہ اور وہ پیوند لوہارو کے سفر کا مانع و مزاحم کیوں ہو

[illegible]

---

[1] گاڈ شتگ کو ہندی میں آد کہتے ہیں۔ کہ جس سے گاڑیاں بیلوں کی گاڑی ہانکتے ہیں ۱۲

رئیس کی طرف سے بطریق وکیل محکمہ کمشنری میں متعین نہیں ہوں۔ جس طرح امرا واسطے فقیر کے وجہ معاش مقرر کر
دیتے ہیں ایسی طرح اس سرکار سے میرے واسطے مقرر ہے۔ ہاں فقیر سے دعائے خیر اور مجھ سے اصلاح نظم مطلوب
ہے چاہوں دلی رہوں چاہوں اکبرآباد۔ چاہوں لاہور چاہوں لوہارو۔ ایک گاڑی کپڑوں کیواسطے کرایہ کروں
کپڑوں کے صندوق میں آدھی درجن شراب دھروں آٹھ کہار ٹھیکہ کے لوں چار آدمی رکھتا ہوں۔ دو بیٹا
چھوڑ دوں دو ساتھ لوں چل دوں۔ رامپور سے جو لفافہ آیا کرے گا۔ لڑکوں کو حافظ لوہارو بھجوایا کریگا
گاڑی ہو سکتی ہے۔ شراب مل سکتی ہے۔ کہار بہم پہنچ سکتے ہیں۔ طاقت کہاں سے لاؤں۔ روٹی کھانے
کو باہر کے مکان میں سے محلسرا میں کہ وہ بہت قریب ہے۔ جب جاتا ہوں۔ تو ہندوستانی گھڑی بھر
میں دم ٹھہرتا ہے۔ اور یہی حال دیوان خانہ میں آکر ہوتا ہے۔ والی رامپور نے بھی تو مرشدزادہ کی شادی
میں بلایا تھا۔ یہی حال لکھا تھا۔ کہ میں اب معدوم محض ہوں۔ تمہارا اقبال تمہارے کلام کو اصلاح دیتا ہے
اس سے بڑھ کر مجھ سے خدمت نہ چاہو۔ بھائی تم کو اور تمہارے دیکھنے کو جی بہت چاہتا ہے۔ پر کیا کروں
عقرب و قوس کے آفتاب یعنی نومبر دسمبر میں قصد کروں گا۔ کاش لوہارو کی جگہ گڑگانوہ ہوتا یا
بادشاہ پور ہوتا۔ کہو گے کہ رامپور گیا تو ٹھیک ہے وہاں گئے کہ دو برس ہوگئے یہاں انحطاط و
اضمحلال روزافزوں نہ تم یہاں آسکتے ہو۔ نہ مجھ میں وہاں آنے کا دم۔ بس اگر نومبر دسمبر میں
میرا اخیر حملہ چل گیا تو خیر ورنہ مصرعہ لے واسطے زنجیری جیدا مرگئی صبح ۔ غالب

ایضاً اقبال نشان مرزا علاؤالدین خان بہادر کو غالب گوشہ نشین کی دعا پہنچے۔ برخوردار علی حسین خان
آیا۔ مجھ سے ملا۔ بھائی کا حال اس کی زبانی معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ الولد سرّ لابیہ
تم اُس کے مصداق کیوں بنے خفقان و مراق اگرچہ تمہارا خانہ زاد موروثی ہے لیکن آجتک تمہاری
خدمت میں حاضر نہ ہوا تھا۔ اب کیوں آیا۔ اگر آیا تو ہرگز سکونت نہ دو۔ ہاں کم از کم خبردار اس کو اپنے پاس
پھٹکنے نہ دینا۔ شفیق مکرم و ملطف مجسم منشی نولکشور صاحب بسبیل ڈاک یہاں آئے مجھ سے اور تمہارے
چچا اور تمہارے بھائی شہاب الدین خاں سے ملے خالق نے ان کو زہرہ کی صورت اور مشتری
کی سیرت عطا کی ہے۔ گویا بجائے خود قرآن السعدین ہیں۔ تم سے میں نے کچھ نہ کہا
تھا۔ اور کلیات کے دس مجلد کی قیمت [illegible] مانگ لئے تھے۔ اب اُن سے جو ذکر آیا تو
انہوں نے یہی قیمت شہرۂ اخبار یعنی قبول کی یعنی روپیہ فی جلد۔ اس صورت میں دس
مجلد کے روپیہ میں دوں۔ اور روپیہ تم دو گے۔ روپیہ مطبع اودھ اخبار میں پہنچانے
چاہئیں۔ میں دسمبر ماہ حال کی دسویں تک بعوض غالب جونگا جو روپیہ علی حسین خاں کو دے دوں

کہو لکھنؤ بھیجدوں۔ اس نگارش کا جواب جلد لکھو۔ بھائی صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہنا اور اُستاد میر جان کے میری طرف سے قدم لینا۔ نجات کا طالب غالبؔ پنجشنبہ ۱۲ جمادی الثانی سال عفر مطابق ۴ دسمبر ۱۸۶۲ء سال کیا غضب ہے۔ یہ گویا تاریخ وفات جناب نواب گورنر جنرل لارڈ الگن صاحب بہادر کی ہے:

ایضاً۔ جمعہ نہم رجب و دسمبر ۱۸۶۳ء۔ میری جان تمہارا خط بھی آیا۔ اور علی حسین خان نجم الدین بھی تشریف لایا اگر سر نوشت آسمانی میں بھی اور آخر رجب یا اوائل شعبان میں ہمارا تمہارا ملنا مندرج ہے۔ تو زبانی کہہ سن لینگے۔ قلم کو ان اسرار کی محرمیت نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ملک و مال و جان و تن و ننگ و نام کے امور میں آشفتہ و سرگردان بلکہ عاجز و حیران ہو۔ دوسرے کو اس سے کیا گلہ۔ نظیری ؎

بامانہ جفا و نا خوشی با خود غرور و سرکشی   از ما نہٗ از خود نہٗ آخر از آن کیستی

محل عقل و ہوش۔ و دماغ سو تباہ۔ افیون کا تخم ہو جانا علاوہ اللہ جو چاہے سو کرے ایسا پیارا باغ و بہار بھائی یوں بگڑ جائے۔ نجات کا طالب غالبؔ:

ایضاً۔ پنجشنبہ ۲۶ رمضان۔ صاحب کل تمہارا خط پہنچا۔ آج اس کا جواب لکھکر روانہ کرتا ہوں رجب بیگ۔ شعبان بیگ۔ رمضان بیگ یہ نام ور بھی بہنے ہیں۔ سو خالی گئے۔ شوال بیگ آدمی کا نام نہیں سنا۔ ہاں عیدی بیگ ہو سکتا ہے۔ پس جب عید ہے۔ اور روز سعید ہے۔ تو کیا بعید ہے کہ حجات شہور ثلثہ ماضیہ اس مہینے میں تم آ سکے ہے ہیں تو کہتا ہوں۔ نہ آ سکو اس ماہ مبارک میں۔ امصلئے حکم کرد کا وہ ہنگامہ گرم ہو کہ پارسیوں کی عید کو سہ برنشین کا گمان گذرے۔ وہ در کیوں جائے۔ ہولی کی دلہنڈی کا سماں لوہار و میں بندھ جائے۔ ایک خر سوار کی سواری بڑی دھوم سے نکلی۔ حسن اتفاق یہ کہ وہی موسم ہے۔ ہولی اور عید کو سہ برنشین کا زمانہ باہم ہے وقت کے آفتاب میں یہ دونوں تہوار ہوتے ہیں۔ کل آفتاب حوت میں آیا ہے۔ کہ سہ برنشین اور ہولی کا مژدہ لایا ہے۔ خیر چند روز اور کشمکش فراق اور تیرے دیدار کا مشتاق ہوں۔ تو کو سہ برنشین۔ وہ ہولی کی رنگ رلیاں منائے اور خر سوار کو بعزیۂ تازیانہ دوڑائے علاؤ الدین خان۔ اللہ تو میرا فرزند روحانی معنوی ہے۔ فرق اسی قدر ہے۔ کہ میں جاہل ہوں۔ اور تو مولوی ہے۔ اے ظالم اسکو سہ برنشین کی داد دے عقل کرامت ہے۔ الہام ہے لطف طبع ہے۔ یہ اسم کس قدر مناسب مقام ہے۔ حبیبہ کا مقدم تم پر مبارک ہو۔ شامت مجھ سے لڑتا تھا۔ کہ بیٹا ہے میں کہتا تھا کہ پڑتی ہے بار میں بیٹیا اور شاقب رہا بیٹیا جدا گانہ

ا۔ نواب میرن صاحب کے نام سے پیچ ...

ایضاً میری جان علائی ہمہ دان اس دفعہ دخل مقدر کا کیا کہنا ہے۔ فرہنگ لغات دساتیر تمہارے پاس ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اُس کی نقل تم سے منگاؤں تم نے دساتیر مجھ سے مانگی۔ اسی صحیفہ مقدس کی قسم کہ وہ میرے پاس نہیں ہے۔ جی میں کہوگے کہ اگر دساتیر نہیں۔ تو فرہنگ کی خواہش کیوں ہے حق یوں ہے۔ کہ بعض لغات کے اعراب یاد نہیں اس واسطے فرہنگ کی خواہش ہے اگر اُس فرہنگ کی نقل بھیجدو گے تو مجھ پر احسان کروگے۔ دساتیر میرے پاس ہوتی تو آج اس خط کے ساتھ اس کا بھی پارسل بھیج دیتا ہاں صاحب اگر دساتیر ہوتی اور میں بھیجدیتا۔ تو البتہ بھائی صاحب کا شکوہ ہوتا۔ دین و دنیا میں کیوں ماجور ہوتا اور سالی اہرا پر حصول اجر کیوں مرتب ہوگیا۔ بھائی وہ مذہب اختیار کیا چاہتے ہیں۔ اور تم اس مذہب کو حق جانتے ہو۔ کہ میں جو واسطہ اس کے اعلان وتشیع کا ہوتا تو عند اللہ مجھ کو استحقاق اجر ملنے کا پیدا ہوتا۔ اپنے باپ کو سمجھاؤ اور ایک شعر میرا اور ایک شعر حافظ کا اور ایک شعر مولوی روم کا سناؤ۔ غالب ۔

دولت بغلط نبود از سعی پشیماں شو — غالب — کافر نتوانی شد ناچار مسلماں شو
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ — حافظ — چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند
مذہب عاشق ز مذہبہا جدا است — مولوی — عاشقاں را مذہب و ملت جدا است

رات کو خوب مینہ برسا ہے۔ صبح کو تھم گیا ہے۔ ہوا سرد چل رہی ہے۔ ابر تنک چھا رہا ہے۔ یقین ہے کہ تمہاری جدہ ماجدہ مع اپنی بہو اور پوتے کے روانہ لوہارو ہوں۔ کل آج کی روانگی کی خبر تھی۔ یہ اُن کا سعید ازلی ہے۔ ابر کا محیط ہونا اور ہوا کا سرد ہوجانا خاص اس کی آسایش کے واسطے ہے میرا گھر سر راہ ہے وہاں بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں محمد علی بیگ ادھر سے نکلا یعنی محمد علی بیگ لوہارو کی سواریاں روانہ ہوگئیں۔ حضرت ابھی نہیں گیا۔ آج نہ جائینگے۔ آج ضرور جائینگے۔ تیاری ہو رہی ہے۔ مرقومہ شنبہ یکم جون وقت صبح ۶ بجے کے عمل میں۔ غالب ۔

ایضاً یکشنبہ ۲ محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۱ جون ۱۸۶۳ء میری جان مرزا حسین علی خاں آئے اور مجھ سے ملے میں نے خطوط مرسلہ تمہارے یکشنبہ اُن کو دیئے اب تمہارے پاس پہنچنے کا اُن کو اختیار ہے رسید کا البتہ مجھے انتظار ہے۔ علی حسین خاں سے آنے کی حقیقت اور میعاد اقامت کی مدت پوچھی تھی جواب پایا۔ کہ ایک مہینے دس دن کی رخصت لے کر آیا ہوں۔ بی بی بیمار ہے اُس کا استعلاج منظور ہے میری جان علی حسین خاں کے کام آنے تو دریغ نہ کروں۔ بھلا یہ مبالغہ سہی بلکہ بیشک تبلیغ و غلو ہے لیکن قریب قریب اس کے یعنی جو چیز امکان سے باہر نہ ہو۔ مگر سوچ کہ آئین غمخواری و اندوہ گساری

کیا ہو گی۔ میرزا بد وضع و بد روش نہیں کہ پند و بند کا محتاج ہو۔ کوئی اس کا مقدمہ کسی محکمہ میں دائر نہیں کہ مصلحت و مشورت کی احتیاج ہو۔ ہے امورِ خانگی یعنی بی بی اور اس کے آبا و اخوان کے معاملے اُس میں نہ تم کو دخل نہ مجھ کو مداخلت تم علی حسین خاں کو اس پیوند پر کیا کیا چھیڑتے ہو۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا دادا کتنا بڑا آدمی تھا۔ اور اس کے دادا کی اور اس کی سسرال ایک ہے۔ یہ ذریعہ فخر ہے۔ اُس کو اور اُس کے طفیل سے تم کو بلکہ تمھاری سی نازش اگر مجھ ننگ اقربا کے حصّہ میں بھی آجائے۔ تو کچھ بعید نہیں ہر چند تمھارا ہر کلمہ ایک بذلہ ہے لیکن اس خسرِ خسروانی نے مار ڈالا کیا کہوں جو مجھ کو مزا ملا ہے۔ کہاں خسر و خسروان نغات عربی الاصل اور کہاں روزمرہ مشہور کہ خُسر سُسرے کو کہتے ہیں۔ صنعت اشتقاق و طباق کو کس سینہ زوری سے برتا ہے۔ اچھا میر زا میاں یہ خسر بمعنی پدر زن کیا لفظ ہے حروف بین الفارسی والعربی مشترک ہیں لیکن ان معنوں میں نہ فارسی ہے نہ عربی ہے فارسی میں پدر زن بے تکلّف اضافت کہتے ہیں۔ عربی میں اسی طرح بمعنی نقصان متعرف ہے۔ شاید سُسرے کا جامد ہی ہو۔ فی الحقیقت سُسرے کی تفریس و تعریب جو یہ پرسش نہ بسبیل استہزا ہے۔ بلکہ بطریق استفسار و استعلام ہے۔ جو تمھیں معلوم ہو۔ بلکہ اگر تم پر مجہول ہو۔ تو معلوم کر کے مجھے لکھ بھیجو۔ یوسف علی خاں عزیز مانند مس و بستان کے کر جو دانۂ ڈال کے مینہ کا منتظر ہو اور ابر گئے اور تو بہت مضطر و حیران ہے علی حسین خاں آتے ہیں۔ علی حسین خاں آتے ہیں آئے وہ آئے تو کیا لائے۔ غالب۔

ایضاً میرزا تفتہ کو دعا پہنچے۔ انگلی کی گھاتی جب خود پک کر پھوٹ گئی تھی اور پیپ نکل گئی تھی۔ تو نشتر کیوں کھایا۔ مگر یہ کہ بطریق خوشامد طبیب سے رجوع کی جب اُس نے نشتر تجویز کیا خواہی نخواہی انتثال امر کیا پڑا الغرض شاید یوں نہ ہوں۔ کچھ مادہ باقی ہوں۔ بہرحال حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شفا بخشے۔ قطعہ

بسکہ فعال ما یرید ہے آج — ہر سلحشور انگلستان کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے — زہرہ ہوتا ہے آب انسان کا
چوک جس کو کہیں وہ مقتل ہے — گھر بنا ہے نمونہ زندان کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک — تشنۂ خوں ہے ہر مسلمان کا
کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تک — آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے پھر کیا — وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر کیا کئے شکوہ — سوزشِ داغ ہائے پنہاں کا
گاہ رو کر کہا کئے باہم — ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا

اس طرح کے وصال سے یارب　　کیا مٹے دل سے داغ ہجراں کا

ایضاً یا بھتیجے گویا بھائی مولانا علائی خدا کی دہائی نہ میں ویسا ہونگا جیسا تیز سمجھا ہے۔ اور تم مجھ کو لکھ چکے ہو یعنی خفقانی اور خیالی تراش نہ ویسا ہونگا جیسا میرزا علی حسین خان بہادر سمجھے ہونگے ۔ ہائے کاش کسے برآنچہ ہستم دانستے۔ دہلی نے میں میرا انتظار اور میرے آنے کا تقریب شادی پر مدار یہ بھی شعبہ ہے اُنہیں ظنون کا جس سے تمہارے چچا کو گمان ہے۔ مجھ پر جنون کا جاگیردار میں نہ تھا۔ ایک جاگیردار مجھ کو بلاتا۔ گویا میں نہ تھا کہ اپنا ساز و سامان لیکر چلا جاتا۔ دو چلنے جاکر شادی کھاؤں اور پھر اس فصل میں کہ دُنیا کرہ نار ہو رہا۔ دیہاتی کے دیکھنے کو نہ جاؤں اور پھر اس موسم میں کہ جاڑے کی گرمی بازار ہو کل اُدھر تو میرجان صاحب نے تمہارا خط مجھ کو دکھایا ہے۔ میں نے اُنکو جانے نہ جانے میں متردد پایا ہے۔ جائیں نہ جائیں میں اپنی طرف سے ترغیب کرتا رہتا ہوں۔ اور کہتا رہونگا۔ غلام حسن خان اگر کسی وقت آجائیں گے۔ تو اُن کو تمہاری تحریر کا خلاصہ خاطر نشان کر دونگا۔ حق سبحانہ تعالیٰ ان دونوں صاحبوں کو یا ایک کو ان میں سے توفیق دے یا مجھ کو طاقت　　یا تم کو انصاف کہ میرے نہ آنے کو دہلی کی دلبستگی پر محمول نہ کرو۔ مجھ کو رشک ہے جزیرہ نشینوں کے حال پر عموماً اور رئیس فرخ آباد پر خصوصاً کہ جہاز سے اُتر کر سرزمین عرب میں چھوڑ دیا۔
ا ا ا ا ہ

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار　　اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

کلیات کے انطباع کا اہتمام اپنی زندگی میں مجھ کو نظر نہیں آتا۔ قاطع برہان کا چھاپا تمام ہو گیا۔ حق التصنیف کی ایک جلد میرے پاس آگئی وہ تمہارے عم نامدار کے نذر ہوئی۔ باقی جلدیں جن کا میں خریدار ہوا ہوں اور درخواست میرے مطبع میں داخل ہے۔ جب تک قیمت نہ بھیجدوں کیونکر آئیں روپیہ کی تدبیر میں ہوں اگر بہم پہنچ جائے تو بھیجدوں۔ تمہارے پاس جو قاطع برہان پہنچی ہے اگر چھاپے کی ہے تو نسخہ ہے۔ جہاں جہاں جدول غلط نامہ میں دیکھ لو زیادہ اغلاط منظور ہو جسے پوچھ لو۔ اگر قلمی ہے تو درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ اس کو میری تالیف نہ سمجھو۔ بلکہ مجھ کو بلیلا اور اُس کو پھاڑ ڈالو۔ صباح یوم الخمیس ۱۹ رجب المبارک بارہ پر تین بجے تمہارا خط آیا۔ ادھر پڑھا اُدھر جواب لکھنے بیٹھا یہاں تک لکھ چکا تھا۔ کہ شیخ شہاب الدین ہمرو ہدی آئے۔ تمہارا لفافہ اُن کو دیا وہ پڑھ رہے ہیں ہم لکھ رہے ہیں ابر آیا ہوا ہے۔ ہوا سرد چل رہی ہے۔

ایضاً۔ میاں تم میرے ساتھ وہ معاملے کرتے ہو۔ جہاں اختیار سے مرسوم و معمول ہیں۔ خیر تمہارا حکم بجالایا۔ غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے۔ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے دربار کیا۔ میری تعظیم و توقیر اور میرے حال پُر تلطف و عنایت میری ارزش و استحقاق سے زیادہ

بلکہ میری خواہش اور تصور سے سوا میدول کی اس ہجوم امراض جسمانی اور الام روحانی کو ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ ہردم دم نزع ہے۔ دل غم سے خونریز ہوگیا ہے۔ کہ کسی بات سے خوش نہیں رہ سکتا۔ مرگ کو نجات سمجھے ہوئے ہوں۔ اور نجات کا طالب ہوں۔ کئی دن سے کوئی تحریر دلپذیر تمہاری نظر نہیں آئی۔ نہ مجھے تم نے یاد کیا۔ نہ اپنے بھائی کو کچھ لکھا۔ اب اس خط کا جواب جلد لکھو۔ پہلے اپنے بچوں کا حال پھر وہاں کے اوضاع جیسا تمہارا قاعدہ ہے منقح اور مفصل لکھو۔ فقط نجات کا طالب غالب

ایضاً۔ میری جان تخلص تمہارا بہت پاکیزہ اور میری پسند ہے۔ پیشی کو بہ تکلف اس کا مصحف کیوں ٹھہراؤ۔ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ قدا کی نے کو جیم فارسی سے بدل دو۔ نبی کی تقدیم موحدہ علی النون لکھو۔ یہ وساوس دل سے دُور کرو۔ مہر و ایک اچھا تخلص ہے۔ رہرو اُس کی تجنیس موجود ہے شیون ایک اچھا تخلص ہے۔ شیون اس کی تصحیف ہے۔ تمہارے واسطے بمناسبت اسم عالی تخلص خوب تھا۔ مگر اس تخلص کا شعر بہت بڑا نامی گذر چکا ہے۔ ہاں نامی سامی یہ دو تخلص بھی اچھے ہیں۔ مولانا فائق کی پیروی کرو۔ مولانا لائق کہلاؤ۔ اگر کہو گے کہ اس ترکیب سے لفظ ملالائق پیدا ہوتا ہے مولانا شائق بن جاؤ۔ ہنسی کی باتیں ہو چکیں۔ اب حقیقت واجبی سنو۔ نسیمی تخلص خامی بروزن لہوی ونظری اچھا ہے۔ اگر ملناہی منظور ہے۔ تو نامی سامی مہر و شیون۔ یہ چار تخلص رباعی بروزن عرفی و غالب اچھے ہیں۔ ان میں سے ایک تخلص قرار دو۔ میرے نزدیک سب سے بہتر تمہارے واسطے خاص فخری تخلص بہتر ہے۔ کہو گے کہ آزادپور کے باغ میں ایک آم کا نام فخری ہے۔ ماحصل کلام دعوان کی ذکر میں جو تخلص میرے خیال میں آئے۔ وہ آج لکھ بھیجتا ہوں۔ بھائی مؤید تخلص نیا ہے اگر یہ پسند آئے۔ تو یہ رکھو۔ والدعا صبح یکشنبہ ۱۲ مئی ۱۸۶۱ء۔ نجات کا طالب غالب ؔ

ایضاً۔ صاحب بہت دن سے تمہارا خط نہیں آیا۔ آپ کا وکیل بڑا چرب زبان ہے۔ مقدمہ اس نے جیت لیا۔ چنانچہ اس کی تحریر سے تم کو معلوم ہوا ہوگا۔ سنتا ہوں۔ کہ حمزہ خاں کو ان دنوں علت مشائخ کا دورہ ہے۔ اور سعدی کی اس بات پر عمل کرتے ہیں ؎

کسانیکہ یزدان پرستی کنند باوانِ دولاب مستی کنند

خدا مبارک کرے۔ غالب

ایضاً صبح یکشنبہ یکم مارچ ۱۸۶۲ء صاحب پرسوں تمہارا خط آیا۔ کل جمعہ کے دن نواب کا مسہل تھا۔ ۱۱ بجے وہاں سے آیا۔ چونکہ جبوب میں مکرّب دوائیں تھیں بہت بے چین رہے۔ آٹھ دس دست آئے۔ آخر روز مزاج بحال ہوگیا۔ تنقیہ اچھا ہوا۔ اب بفضل الٰہی اچھے ہیں۔ اور یقین

ہے کہ مرض عود نہ کرے۔ دلی کی اقامت کی مدت اپنے والد کی رائے پر رہنے دو۔ بقدرِ مناسب وقت عزم خیر خواہانہ کچھ کہوں گا۔ ضرورت بالیرلم۔ میں تم سے زیادہ ان کا مزاج داں ہوں۔ یہ خود پسند اور صحبتِ سیارش کا دشمن ہے۔ مقلیوں کے مقدمہ کو طبیعت امکان پر چھوڑ دو۔ میں دخل نہ کرونگا۔ ہاں اگر خود مجھ سے پوچھینگے۔ یا میرے سامنے ذکر آجائیگا تو میں اچھی طرح کہوں گا۔ مصرعہ بریدہ باد زبانے کہ ناسزا گوید۔ جو برا نہ مانتا اگر یہ دونوں بھائی یا ان میں سے ایک رفیق ہو گیا یوں تمام عمر خوشی گذر جائے لیکن تم کے برس کے جینے کے ہونے کا ایگریمنٹ لکھتے ہو۔ غالب ؂

ایضاً۔ مرزا علائی پہلے اوستاد میر جان صاحب کے قہر و غضب سے مجھ کو بچا دینا کہ میرے حواس جو منتشر ہو گئے ہیں۔ جمع ہو جائیں میں اپنے کو کسی طرح کے قصور کا مورد نہیں جانتا جھگڑا انہی کی طرف سے ہے تم اس کو یوں چکا دینی۔ اگر اُن کو صرف آشنائی و ملاقات منظور ہے۔ تو وہ میرے دوست ہیں شفیق ہیں۔ میرا سلام قبول فرمائیں۔ اور اگر قرابت و رشتہ داری ملحوظ ہے۔ تو وہ میرے بھتیجے ہیں۔ مگر عمر میں چھوٹے میری دعا قبول فرمائیں۔ صاحبین کی رائے کا اختلاف مشہور ہے۔ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا مگر ہر ایک قول جدا جدا لکھیں آج نہ لکھا تو بھی دو چار دن کے بعد لکھوں گا۔ تم تم سمجھ تو گئے ہو گے۔ کہ صاحبین مرزا قربان علی بیگ اور مرزا شمشاد علی بیگ ہیں بھائی صاحب کی رضا جوئی مجھ کو منظور اور یہ غزل معروض ہے میری طرف سے سلام کہو ؎

از من غزلے گیر لقرمائے کہ مطرب — ہینے دراز رہ مگے نوازش ہمہ دم را

غزل

جز صرفِ غم زیادہ نبود است کام ما — گوئی چراغِ روز سیاہست جام ما
در خلوتش گذر نبود باد را مگر — مرمر بخاکِ راہ رساند پیام ما
اے بادِ صبح عطرے ازاں پیرہن بیار — تسکیں نبوئے گل نپذیرد مشام ما
ہر بار دانہ بہرِ ہما افگنیم و مور — آید بدام و دانہ رباید ز دام ما
گفتی چو حالِ دل شنود مہربان شود — مشکل کہ پیشِ دوست تواں برد نام ما
از ما بما پیام و ہم از ما بما سلام — ہیچ وے صبا و پیام و سلام ما
مقصودِ ما ز دہر بر آئینہ طلیقتی ست — یارب بکامِ ہیچ دوست مباد ا بکام ما
غالب بقولِ حضرت حافظ ز فیضِ عشق — ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

ایضاً میاں چلتے وقت تمہارے چچا نے غلیل کی فرمائش کی تھی لم لوپ پہنچکر وہ بے سعی و تلاش ہاتھ آگئی بنوا رکھی۔ لڑکوں نے ملازموں نے سب نے مجھ سے سن لیا کہ یہ نواب ضیاء الدین خان کے واسطے ہے اب چینے سے ایک ہفتہ پہلے تم نے غلیل مانگی بھائی کیا بتاؤں کہ کتنی جستجو کی کہیں ہم نہ پہنچی س بیبیہ کمہول کو نہ ملی نواب صاحب سے مانگی۔ توشہ خانہ میں بھی نہ تھی۔ ایک امیر کے ہاں پتہ لگا۔ وہ ڈرا ہوا گیا۔ کچھی موجود پائی لیکن کیا کچھی جیسے سنجف خان کے عہد کے تورانیوں میں ہماری تمہاری ہڈی بنوانے کی فرصت کہاں آج ہی کل چلدیا۔ اس بانس کی قدر کرنا اور اس کو اچھی طرح بنوا لینا۔ بلاؤ فرخ سیر اور اس کے خوان خوش و خرم ہیں۔ فرخ سیر کی ماں نے باجرے کا حلوہ سوہان کھلایا۔ نجات کا طالب۔ شنبہ ۲۵ رشعبان ۱۳ رجنوری ۃ

الضاً۔ جانِ غالب دو خط متواتر تمہارے پہنچے مغربی عرفا میں سے ہے۔ بیشتر اُس کے کلام میں خیلی حقیقت آگین ہیں۔ لیکن ساماں گلہ دارد و گریبان گلہ دارد۔ اس زمین میں میں نے اس کی غزل نہیں دیکھی۔ حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے ؎

در بزم وصال تو بہنگام تماشا نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے۔ یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ ؎

گمان زلیست بود بر منت ز بیدردی بدست مرگ وے بدتر از گمان تو نیست

مجھے کا فور و کفن کی فکر پڑ رہی ہے وہ ستمگر شعر و سخن کا طالب ہے۔ زندہ ہوتا تو دمیں کیوں نہ چلا آتا مجھ پہ سے یہ تکلیف اٹھالو اور تم اس زمین میں چند شعر لکھ کر بھیجدو میں اصلاح دیکر بھیجدونگا عصا پیر چلائے بیرد اللہ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں ہے آگے جو کچھ حافظ میں موجود تھا۔ وہ لکھ بھیجا اب جو کچھ یاد آگیا وہ لکھتا ہوں :

غزل

بلمن کہ عاشقم سخن ورنگ و نام چیست در امر خاص حجت دستور عام چیست
مستم ز خواب دل کہ دو چشم از آں پُر است گوئی مخور شراب و نہ بینی بجام چیست
با دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام داند کہ حور و کوثر و دارالسلام چیست
ما خستہ غمیم بود مے دوائے ما با خستگاں حدیث حلال و حرام چیست

از کاسۂ کرام نصیب است خاک را — تا از فلک نصیبۂ کاس کرام چیست
غالبؔ اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت — پرسد چرا کہ نرخ مے لعل فام چیست

ایضاً تو صاحب وہ مرزا رجب بیگ مرے انکی تعزیت آپ نے نہ کی شعبان بیگ پیدا ہو گئے کل ان کو چھٹی ہو گئی آپ تبریک نہ بھیجتے۔ ع اے وائے زمحرومی دیدار دیگر ہیچ: میاں خدا جانے کس طرح یہ چار سطریں تجھ کو لکھی ہیں۔ شہاب الدین خاں کی بیماری نے میری زیست کا مزہ کھو دیا۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی عوض میں مر جاؤں۔ اللہ اس کو جیتا رکھے۔ اس کا داغ مجھ کو نہ دکھاوے۔ یا رب اس کو اس کی اولاد کے سر پر سلامت رکھ۔ نجات کا طالب غالبؔ ۔

ایضاً مولانا نسیمی کیوں خفا ہوتے ہو۔ ہمیشہ سے اسلاف و اخلاف ہوتے چلے آئے ہیں۔ اگر میرزا خلیفۂ اول ہے تم خلیفۂ ثانی ہو۔ اس کو عمر میں تم پر تقدم زمانی ہے۔ جانشین دونوں مگر ایک اول ہے۔ اور ایک ثانی ہے۔ شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے۔ طریق صید افگنی سکھاتا ہے۔ جب وہ جوان ہو جاتے ہیں۔ آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم سخنور ہو گئے۔ حسن طبع خداداد رکھتے ہو۔ ولادت فرزند کی تاریخ کیوں نہ کہو۔ اسم تاریخی کیوں نہ نکالو کہ مجھ پیر غم زدہ دل مردہ کو تکلیف دو۔ علاؤ الدین خاں تیری جان کی قسم میں نے پہلے لڑکے کا اسم تاریخی نظم کر دیا تھا۔ اور وہ لڑکا نہ جیا مجھ کو اس وہم نے گھیرا ہے۔ کہ میری نحوست طالع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں۔ نصیر الدین حیدر اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدہ میں چل دیئے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوئے پھر نہ سنبھل سکے۔ جس کی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔ صاحب تمہاری دہائی خدا کی میں نہ تاریخ ولادت کہونگا۔ نہ نام تاریخی ڈھونڈوں گا۔ حق تعالیٰ تم کو اور تمہاری اولاد کو سلامت رکھے۔ اور عمر و دولت و اقبال عطا کرے۔ سنو صاحب حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے۔ وہ امرد کو دو چار برس گھٹا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں نوجوان ہے لیکن بچہ سمجھتے ہیں یہ حال تمہاری قوم کا ہے قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت اور نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت اور متحقق اور تم صاحب بھی جانتے ہو۔ مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کرو اور اس مسخرے کو گمنام و ذلیل نہ سمجھ لو۔ تم کو چین نہ آئیگا۔ پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں۔ ہزارہا خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ نہیں لکھتے۔ بہت لوگ ایسے ہیں۔ کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط فارسی و انگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے صرف شہر کا نام ہے یہ سب مراتب تم جانتے ہو۔ اور ان خطوط کو دیکھ چکے ہو۔ اور پھر مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتا۔ اگر میں تمہارے نزدیک امیر نہیں نہ سہی اہل حرفہ میں سے بھی نہیں

ہوں کہ جب تک محلہ اور تھانہ نہ لکھا جائے۔ ہرکارہ میرا پتہ نہ پائے۔ آپ صرف دہلی لکھ کر میرا نام لکھ دیا کیجئے۔ خط کے پہنچنے کا میں ضامن۔ پنجشنبہ ۴ ماہ اپریل ۔

ایضاً۔ میری جان ناسازی روزگار و بے ربطی اطوار بطریق داغ بالائے داغ آرزوئے دیدار و دو آتش شرارہ بار اور یہ ایک دریائے ناپیداکنار و قنا ربنا عذاب النار۔ خدا نے بھائی ضیاء الدین خان کے بڑھاپے پر اور میری بیکسی پر رحم فرمایا۔ میر شہاب الدین خان بچ گیا۔ امراض مختلفہ میں گھر گیا تھا۔ بواسیر خونی زحیر تپ صداع بالفعل اب من کل الوجوہ صحت حاصل ہے۔ ضعف جاتے ہی جائیگا۔ آگے کون سے قوی تھے۔ کہ اب اُن کو ضعیف کہا جائے۔ ایک بڈھا کسی گلی میں جاتے جاتے ٹھوکر کھا کر گر پڑا کہنے لگا۔ ہائے بڑھاپا ادھر اُدھر دیکھا جب جانا کہ کوئی نہیں ہے کہتا ہُوا بُڈھا کہ جوانی میں کیا پتھر پڑتے تھے۔ والسلام غالب مستہام ۔

ایضاً۔ صاحب پرسوں تمہارا خط آیا۔ اور کل دوپہر کو اُستاد میر جان آئے۔ جب اُن سے کہا گیا تو یہ جواب پایا۔ کہ مدت سے آمادہ سفر ہو رہا بیٹھا ہوں۔ حکیم صاحب کی گاڑی کی روانگی کے وقت میں نے اپنی گٹھڑی کھینچی تھی۔ وہ پھر آئی۔ اس مراد سے کہ گاڑی میں جگہ نہ گٹھڑوں کی نہ سواری کی ناچار چپ ہو رہا۔ اب وہ گٹھڑی ویسی ہی بندھی ہوئی رکھی ہے۔ جب میاں خان اور عزیز خان روانہ ہونگے اور منشی امداد حسین خان مجھ کو اطلاع دینگے۔ تو میں فوراً چل دونگا پابرکاب ہوں۔ کل ہی آخر روز غلام حسن خان آئے۔ کل انہوں نے چوتھے دن کھانا کھایا تھا۔ ہیضہ ہو گیا تھا۔ متواتر دست پے بہ پے غرض بچ گئے کہتے تھے۔ کہ آج جولائی کی ۱۷ تاریخ ہے۔ ۱۳ دن یہ اور پانچ دن اگست کے اور نہیں جا سکتا۔ تنخواہ لیکر بانٹ بونٹ کر ایک دن نہ ٹھیرونگا۔ ہاپڑ کی راہ لونگا۔ مرزا شمشاد علی بیگ سے تمہارا پیام کہا گیا۔ بعید ہے جو غلام حسن خان کے ہم سفر ہو جائیں بھائی کی طرف سے منشی امداد حسین خاں کو لکھوا بھیجو کہ میاں جان وغیرہ کے ساتھ استاد کو ضرور بھیجنا۔ اور تم اپنی طرف سے اپنے ابن عم غلام حسن خان کو بحوالہ میری تحریر کے عیادت اور اوائل اگست میں روانگی کی تاکید لکھ بھیجو ؎

در بزم وصال تو بہنگام تماشا   نظارہ ز جنبیدن مژگان گلہ دارد

یہ زمین قدسی علیہ الرحمتہ کے حصّہ میں آ گئی ہے۔ میں اس میں کیونکر تخم ریزی کروں۔ اور بے حیائی سے کچھ ہاتھ پاؤں ہلاؤں۔ تو اس شعر کا جواب کہاں سے لاؤں ؎

ہرگز نتواں گفت دریں قافیہ اشعار   بیجاست بلادر اگر از من گلہ دارد

التوائے شربِ شراب ۲۲ رجون شروعِ شراب۔ ۲ جولائی مصرع المنۃ للہ کہ در میکدہ باز است۔

ایضاً۔ شنبہ ۱۰ جولائی ۱۸۶۲ء علائی مولائی غالب کو اپنا دعاگو اور خیرخواہ تصور کریں مادہ ہائے تاریخ کو نہ آپ قالب نظم میں لائیں اور نہ اور کو اس امر منکر کی تکلیف دیں۔ بھائی بتجویز بد پر لعن لکھا۔ منجملہ عبادت بھی لیکن تقریباً کہہ دیتے ہیں۔ کہ یزید پر لعنت کسی مومن نے اُس کی ہجو میں قصیدہ نہیں لکھا۔ ابداعِ مادہ ہائے تاریخ تمہارے حسنات میں لکھا گیا۔ مثاب تم ہو چکے اجر پاؤ گے۔ اتقاء اللہ اب اپنے کو بدنام اور کسی کو ملول اور عداوت کو ظاہر اور اگر ظاہر ہو تو قلم نہ کرو۔ علی بخش خاں مرحوم مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ میں ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوا ہوں۔ اب کے رجب کے مہینے سے اہترواں برس شروع ہوتا ہے۔ اُس نے ۶۶ برس کی عمر پائی۔ نئی تقریر و تحریر کا آدمی تھا۔ اکبر آباد میں میرے کا سے ملے اثنائے مکالمت میں کہنے لگے۔ کہ میں چچا جان کے ساتھ جرنیل لارڈ لیک صاحب کے لشکر میں موجود تھا۔ اور ہولکر سے جو محاربات ہوئے ہیں۔ اُس میں شامل رہا ہوں۔ بے ادبی ہوتی ہے۔ ورنہ اگر قبا و پیرہن اُتار کر دکھلاؤں۔ تو سلادین ٹکڑے ٹکڑے بے جا بجا تلوار اور برچھی کے زخم میں وہ ایک بیدار مغز اور جہاں دیدہ ور آدمی اُن کو دیکھ کر کہنے لگا کہ نواب صاحب ہم ایسا جانتے ہیں کہ تم جرنیل صاحب کے وقت میں چار یا پانچ برس کے ہو گے۔ یہ سن کر آپ نے کہا کہ درست بجا ارشاد ہوتا ہے۔ خدایش بیامرزاد و بدیں دردتہائے بے نمک مگیراد غالب ۔۔

ایضاً۔ یکشنبہ ۹ فروری ۱۸۶۳ء صاحب جمعہ کو میں نے تم کو خط لکھا۔ اُسی وقت بھیج دیا۔ پہر دن چڑھے سنا کہ شب کو بھیرو رہا ہوا۔ کیا آیا خود اُن سے حال پوچھا۔ علی محمد بیگ کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ بہ نسبت دورہ ہائے سابق خفیف تھا۔ اور افاقہ جلد ہو گیا۔ کل مرزا شمشاد علی بیگ ناقل تھے۔ کہ مجھ سے علی حسین کہتے تھے۔ کہ نواب صاحب فرماتے ہیں۔ کہ لوہارو چلو گے۔ اور ہماری دال روٹی قبول کرو گے میں نے کہا کہ میں دال روٹی چاہتا ہوں۔ مگر پیٹ بھر کے غالب کہتا کہ اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ سالک سے سلوک منظور نہیں تنہائی ہوائے شمشاد در سراست ؎

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ایضاً۔ صاحب میں انکار رفتہ و ماندہ ہوں۔ آج تمہارے خط کا جواب لکھتا ہوں۔ لفظ خسر کے باب میں اتنی توضیح کیا ضرور تھی۔ میرا علم لغات عربیہ کا محیط نہیں ہے۔ اور یہ بطریق حق الیقین جانتا ہوں کہ خسر لغت فارسی نہیں سسرے کی تعریب سے خسر پیدا ہوا ہو تو کیا عجب ہے تم سے اُس کی تحقیق چاہی تھی۔ کہ یہ لغت عربی الاصل نہ ہو۔ وہ معلوم ہوا کہ عربی نہیں۔ لغت ہندی ہے اور یہی

تھا مبلغ عقیدہ علی حسین خان آئے۔ دو تین بار مجھ سے مل گئے۔ اب تو وہ آ سکتے ہیں۔ نہ میں جا سکتا ہوں۔ نصیب دشمناں وہ لنگڑے ہیں مولا ان کے پاؤں کا حال مفصل تم کو معلوم ہوگا۔ جونکیں لگیں کیا کیا اٹھایا تک نوبت پہنچی۔ میری حقیقت سنو جیسے بیس سے زیادہ کا عرصہ ہوا بائیں پاؤں میں ورم کف پا سے پشت پا کو گھیرتا ہوا پنڈلی تک آماس۔ کھڑا ہوتا ہوں۔ تو پنڈلی کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں۔ خیر اختیاری تھا نے محلسرا نہ گیا کہ تامیں منگا لیا۔ پیشاب کو کیونکر نہ اٹھوں۔ حاضری بکسی بغیر اوکڑو بیٹھے بات نہیں بنتی پاخانہ کو اگرچہ دوسرے تیسرے دن جاؤں۔ مگر جاؤں تو سہی یہ سب موقع خیال میں لا کر سوچ لو کہ کیا گذرتی ہوگی۔ آغاز رفتن مرید علیہ یا مستزاد ع پیری و صد عیب چنین گفتہ اند۔ اپنا یہ مصرعہ بار بار چپکے چپکے پڑھتا ہوں۔ ع اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے۔ مرگ اب ناگہانی کہاں ہے اسباب و سامان سب فراہم ہیں۔ لئے الٰہی بخش خان مغفور کا کیا مصرع ہے۔ ع۔ آ جی جاؤں نکل اے اگر جان کہیں۔ تمامہ پیغامہ مرگ کا طالب۔ غالب جمعہ ۲ جولائی سنہ ۱۸۶۳ء

ایضاً ولیعہدی میں شاہی ہو مبارک   عنایات الٰہی ہو مبارک

اس امر فرخ و ہمایوں کی شہرت میں کوشش ہو سکتی ہے۔ اور اس کے اخفا میں مبالغہ حقیقت تم اپنی زبان پر نہ لاؤ اگر کوئی اور کہے مانع نہ آؤ نہ اشتہار نہ استتار ۱۲ اور وہ ہوا۔ مگر مدت معینہ کے بعد اور پھر جھاگ کا نہ آنا اور تمہارے پکارنے سے متنبہ ہو جانا مادہ کی کمی کی علامتیں ہیں۔ شدت میں جس قدر خفت ہو غنیمت ہے میرے خطوط اردو کے ارسال کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا تمہارے حسن طبع پر تم سے بعید تھا۔ میں منت بے مزہ ہوا اگر بے مزگی کے وجوہ لکھوں تو شاید ایک تختہ کاغذ کا سیاہ کرنا پڑے۔ اب ایک بات مختصر لکھتا ہوں۔ سنو بھائی اگر ان خطوط کا تم کو اخفا منظور ہو اور شہرت تمہارے منافی طبع ہے۔ تو ہرگز نہ بھیجو۔ قصہ تمام ہوا۔ اور اگر ان کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے تو میرے تحقیقی خطوط اپنے پاس رہنے دو اور کسی منصدی سے نقل اُتروا کر چاہو کسی ہاتھ چاہو بھیج یا پارسل رسال کر دو لیکن خدا کے واسطے کہیں غصہ میں آ کر عطا نہ تو یہ تعالے تم کہو کہ اصل خطوط نہ بھیجنا کہ یہ امر میرے مخالف مقصود ہے۔ بھلا صاحب ڈرتا ہوں۔ میں تم سے ادھر خط پڑھا ادھر جواب لکھ کر ڈاک میں بھیجا۔ تمہارا خط رہنے دیا ہے۔ جب آغا شمشاد علی بیگ آئیں گے پڑھ لیں گے۔

ایضاً میری جان کیا کہتے ہو۔ کیا چاہتے ہو۔ ہوا ٹھنڈی ہو گئی۔ پانی ٹھنڈا ہو گیا۔ فصل اچھی ہو گئی۔ آلِ بہشت پیدا ہو گیا۔ توقیع جانشینی مجھ ستم کو پہنچا خرقہ پایا۔ سبحہ و سجادہ کا یہاں پتہ نہیں۔ ورنہ

وہ بھی عزیز نہ رکھتا۔ اس سے بڑھکر یہ کہ بھائی نے شفا پائی اُستاد میر جان پہنچ گئے۔ آخر اکتوبر میں یا آغاز نومبر میں تیر رخشاں کو بھی دیں لو۔ پھر عقرب و قوس کے آفتاب کا کیا ذکر۔ آبان ماہ و آذر ماہ سے کیا غرض ؎

بسے تیر و دہ ماہ اُردی بہشت بر آید کہ ما خاک باشیم و خشت

اوستاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری بھپھی اُن کی چچی تھیں۔ اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دعا اور اس رُو سے کہ دوست ہیں۔ اور دوستی میں کم و بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے سلام اور اس سبب سے کہ اُستاد کہلاتے ہیں۔ بندگی اور اس نظر سے کہ یہ سیّد ہیں۔ درود اور موافق مضمون اس مصرع کے ؎ سولئے اللہ باقی الوجود ۔ سجود۔ حضرت وہ شرف نامہ نہیں ہے کسی احمق نے شرف نامہ میں سے کچھ لغات اکثر غلط کمتر صحیح چن کر جمع کئے ہیں۔ نہ دیباچہ ہے۔ کہ اُس سے جامع کا دل معلوم ہو۔ نہ خاتمہ ہے کہ عہد و عصر کا حال کھلے۔ یا یہ نسخہ میاں ضیاء الدین کے پاس ہے اگر وہ آجائیں گے تو اُن سے کہہ دونگا اگر وہ لا دینگے۔ تو اُن کو قیمت دیکر علائی مولائی کو بھیجدوں گا چھی بکری کے گوشت کے قلئے۔ دو پیازے پلاؤ۔ کباب جو کچھ تم کھاتے ہو۔ مجھ کو خدا کی قسم اگر اس کا کچھ خیال بھی آتا ہو۔ خدا کرے بیکانیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسّر نہ آیا ہو۔ کبھی یہ تصوّر کرتا ہوں کہ میر جان صاحب اُس مصری کے ٹکڑے چباتے ہونگے۔ تو یہاں میں رشک سے اپنا کلیجہ چابنے لگتا ہوں۔
نجات کا طالب غالب۔ سہ شنبہ ۱۵۔ ماہ اکتوبر ۱۸۶۱ء

ایضاً خاک تمنا کم و تو یادِ بہار نتوانی مرا از جا بُردن
ہاں نسیمے ز من چہ مے خواہی زحمتِ تو شتن چہ مے خواہی

خوشی مجھ میں تم میں مشترک ہے۔ تم نے مجھے تہنیت دی تو مبارک اور میں نے تمہیں تہنیت دی تو مناسب للہ الحمد اللہ الشکر۔ بھائی سچ تو یہ ہے۔ کہ ان دنوں میرے پاس ٹکٹ نہیں۔ اگر بیرنگ بھیجوں تو کہار ماندہ اُٹھ نہیں سکتا۔ ڈاک گھر تک جائے کون۔ اپنا مقصود تمہارے والد ماجد سے اور تمہاری جدہ ماجدہ اور تمہارے عم عالی مقدار سے کہہ چکا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ میری بی بی اور بچوں کو کہ یہ تمہاری قوم کے ہیں۔ مجھ سے لو۔ کہ میں اب اس بوجھ کا متحمل ہو نہیں سکتا۔ انہوں نے بھی بشرط اُن لوگوں کے وہاں بلانے کی اس خواہش کو قبول کیا۔ میرا قصد سیاحت کا ہے۔ پنشن اگر کھل جائیگا۔ تو وہ اپنے صرف میں لایا کرونگا۔ جہاں جی لگا وہاں رہ گیا۔ جہاں سے جی اکھڑا چل دیا ؎
تا در میانہ خواستہ کردگار چیست۔ غالب۔ دوشنبہ ۲۳ محرم ۱۲۷۵ھ ہجری مطابق ۲۳ اگست ۱۸۵۸ء

ایضاً۔ مرزا علائی مولائی نہ لاہور سے خط لکھا نہ لوہارو سے تقریر مادہ حتی محو انتظار رہا کہ امیدوار رہا۔ اب جو کسی طرح کی توقع نہ رہی تو شکوہ طرازی کا موقع ہاتھ آیا۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ ایک شکوے کے دفع میں طولانی نامہ برابر ایک رسالہ لکھو گے۔ ہزار وجہیں سو وجہ بیان کرو گے۔ میں اس تصور کا مزہ اٹھا رہا ہوں۔ کہ دیکھوں کیا لکھتے ہو۔ دادی صاحبہ سے لکھوانا پھوپھی صاحبہ سے لکھوانا غالب سے لکھوانا بے حصول اجازت نہ آنا اس کے بھی کچھ معنی ہیں۔ یا نہیں۔ اچھا میرا میاں کچھ اس باب میں لکھو۔ چیڑی اور دو دعا ایک مندیل اور سیلا یا کوئی اور چیز مبارک بچوں کو میری دعا کہنا۔ اور اُن کی خیر و عافیت لکھنا۔ اُستاد میر جان صاحب کو سلام مرزا تو جب ملیگا کہ تم دلی آؤ اور اپنی زبان سے لاہور کے ہنگامۂ انجمن کا حال بیان کرو۔ نجات کا طالب غالب چہارشنبہ ۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴ء

ایضاً صبح یکشنبہ ۲۔ ستمبر سنہ ۱۸۶۳ء جانا عالیشانا پہلے خط اور پھر بتوسط برخوردار علی حسین خان مجلد کلیات فارسی پہنچے۔ حیرت ہے کہ چار روپیہ قیمت کتاب اور ۳ر محصول ڈاک قالب انطباع میں آکر پانچ روپیہ قیمت اور ۵ر محصول قرار پائے۔ خیر جہاں سو وہاں سوا سے۔ میرا حال تمہیں اور تمہارا حال مجھے معلوم ہے۔ مصرعہ ایہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ آپ کے چھپنے میں شاید دے سکوں۔ نومبر سنہ حال فشہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ انشاء اللہ العلی العظیم۔ میں بے حیا تھا نہ مرا اچھا ہونے لگا۔ عوارض میں تخفیف ہے۔ طاقت آتی چلی ہے۔ مختصر مفید سے

دو نامہ مختصر ایں مصرعہ شاعرجہ نویسیم　　اے وائے ز محرومی دیدار دگر ہیچ

نجات کا طالب غالب

ایضاً۔ دوشنبہ ۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ اے میری جان مثنوی ابر گہربار کونسی فکر تازہ تھی۔ کہ میں تجھ کو بھیجتا کلیات میں موجود ہے بعہد شہاب الدین خان نے بھیجی ہاں میں کہ کیا بھیجتا تب محرق کے دیکھنے سے انکار کیوں کرتے ہو۔ اگر منافی طبع تحریر کو بسبب از جا رفتہ دیکھا کرتے تو فریقین کی کتب مبسوطہ کہاں سے موجود ہوتیں افسوس کہ میں نے عربی جانا عربی نہیں ہے۔ اب مانا یہ ایک سہو طبیعت تھا۔ میرا اعتراض تو غلط محبت پر ہے۔ افسوس وفسوس ایک کیوں ہو جائے یہاں کے اطوار مجھ سے باوجود قرب مخفی اور تم پر باینہمہ آشکار۔ دوران باخبر در حضور و ترو ایکان بے بہرہ و دور مدوبہ آگیا دل سے نکلا تحرسن سے نکلا ہاتھ سے نہیں نکلا۔ جب ہاتھ سے نکل جائیگا۔ دو حنیس محل لی جائیگی۔ اور یہ گنبد کٹ جائیگا۔ تب ترسا ترسا پیشگاہ نادری میں تمہارے یہاں آنے کے باب میں کچھ عرض کیا جائیگا میں ان دنوں مردود بھی ہوں۔ والسلام

صبحدم با ابو البشر گفتم | پارۂ زر بدہ کہ زر داری
حیف باشد کہ از چو من پسرے | خاک رنگین عزیز تر داری
گفت حیف است از تو خواہش زر | کہ تو گنجینۂ گہر داری
گنجدانِ سخن حوالہ تُست | خود ہمیں مایۂ اے پسر داری ،
پیشِ من زر کجاست جانِ پدر | بیری ہرچہ در نظر داری .
گفتم اینک بہ بند پیلائی | زر ہمیں مے دہی اگر داری .
سر زنبیلِ آں عمرُ و عیار | گر ز عیاریش خبر داری
بکشا زود زر بریز و مگوے | کہ ہمیں مدعا مگر داری
گفت بابا فسانہ بودہ است | چہ فرو ریزم وچہ برداری

ایضاً یکم جنوری ۱۸۶۳ء علائی مولائی کو غالب طالب کی دعا۔ بیچارہ مرزا کا معاملہ علی حسین خاں کی معرفت طے ہوگیا۔ یہاں بندہ کا سوال تھا دس روپے سے تین کم کرنے کا خیال۔ متوسط دوسرا چو علی حسین خاں بہادر کے بعد درمیان آئے وہ کیا کرے اور کیا کہے۔ مرزا قانع و متوکل ہیں نہ روپے مانگے نہ دس اللہ بس ماسوی ہوس۔ جناب ترولین صاحب بھائی کے دوست دلی تک آئے لاٹ صاحب کہلاتے ہیں سنتا ہوں کہ کل اکبرآباد جاتے ہیں۔ بھائی علی بخش خاں مدت سے بیمار تھے رات بارہ پر دو بجے مر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تمہار یم تا ملاقات آکر دن کو بارہ بجے سلطان جی لے گئے ہیں میں نہ جا سکا۔ تجہیز و تکفین انکی طرف سے عمل میں آئی گی بارہ پر تین بجے یہ خط میں نے تمہیں لکھا ہے۔ کل شنبہ ۳ جنوری صبح کو ڈاک گھر بھیجدونگا۔ مشفقی شفیق میر بیان صاحب کو سلام معہ الاکرام نجات کا طالب غالب ؀

ایضاً صبح شنبہ۔ ششم ۱۸۶۳ء لا موجود الا اللہ اُس خدا کی قسم جسکو میں نے ایسا مانا ہے اور اس کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتا ہے کہ خطوط کے ارسال کو مکرر نہ لکھتا۔ اندراج ملال نہ تھا۔ طالب کے ذوق سست پاریں متوقع ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سوداگر ہے۔ اپنا نفع و نقصان سوچیگا۔ لاگت بچت کو جانچے گا۔ میں متوسط کو مہتمم سمجھا تھا۔ اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپوا دیگا۔ ۲۰ رقعہ ایک جگہ سے لیکر ان کو بھیجے اُس کی رسید میں تقریباً انہوں نے طلب رقعات بہ تکلف سوداگر لکھی۔ اور اُس سوداگر کو معقول الخبر لکھا۔ ظاہرا کتابیں لیکر کہیں گیا ہوگا۔ کتابیں لیتے گیا ہوگا۔ یہ ۲۳ لفافے اور ۴۴ خط بدستور میرے بکس میں موجود و محفوظ رہیں گے۔ اگر متوسط بتقاضا

طلب کریگا۔ ان خطوط کی نقلیں اس کو اور اصل تم کو بھیجدوں گا ورنہ تمہارے بھیجے ہوئے کاغذ تم کو پہنچ جائیں گے۔ میاں ان خطوں کے ارسال میں تم نے مجھ سے وہ کیا جو میں نے تم سے دوجانہ میں کیا تھا۔ بھلا میں تو پیر خرفت ہوں اور رسم خرافت کو نسیان لازم ہے۔ تم نے کیا سمجھ کے کپڑا لپیٹ کر اور مختم کر کے بھیجا خطوں پر ایک قلیل العرض کاغذ لپیٹ کر ارسال کیا ہوتا۔ اگر منشی بہاری لال میرا اور شہاب الدین کا دوست نہ ہوتا تو بچاس روپیہ کا مجھ کو دھنیہ لگتا ۵ رسیدہ بود بلائے۔ ولے بخیر گذشت

غالب ؎

ایضاً۔ بدست مرگ ولے بقدر انگشت تو نیست۔ مکرر لکھ چکا ہوں کہ قصیدہ کا مسودہ میں نے نہیں رکھا۔ مکرر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کونسی رباعیات مانگتے ہو۔ پھر لکھتے ہو۔ کہ رباعیاں بھیج قصیدہ بھیج معنی اس کے یہ کہ تو جھوٹا ہے۔ اب کے تو مکرر نہ لکھیے گا۔ بھائی قرآن کی قسم۔ انجیل کی قسم توریت کی قسم۔ زبور کی قسم۔ ہنود کے چار وید کی قسم۔ دساتیر کی قسم۔ ژند[۱] کی قسم پاژند[۲] کی قسم اُستا کی قسم۔ گرو کے گرنتھ کی قسم نہ میرے پاس وہ قصیدہ نہ مجھے وہ رباعیاں یاد۔ کلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں۔ ۵ بر بہانیم کہ ہستم وہماں خواہد بود چھاپے میں دس پندرہ جلدیں منگا لونگا۔ ایک بھائی کو ایک تم کو ارمغان بھیجونگا۔ اور اگر بھائی کو جلدی ہے۔ تو لکھنؤ میں اودھ اخبار کا مطبع مالک اسکا منشی نولکشور مشہور قیمتی جلدیں چاہئیں۔ لکھنؤ سے منگا لیں۔ بہر حال دو جلدیں جب وقت متوقع ہوگا بھیجدوں گا۔ ۱۱ رجون ۱۸۶۳ء۔ نجات کا طالب غالب ؎

ایضاً۔ یکشنبہ ۱۶ فروری ۱۸۶۳ء بہنگام نیمروز۔ صاحب کل تمہارے خط کا جواب بھیج چکا ہوں پہنچا ہوگا۔ آج صبح کو بھائی صاحب کے پاس گیا بھائی ضیاء الدین خان اور بھائی شہاب الدین خان بھی وہیں تھے۔ مولوی صدرالدین میرے سامنے آئے حکیم محمود خان کے طور پر معالجہ قرار پایا ہے یعنی انہوں نے نسخہ لکھ دیا ہے۔ سو اس کے موافق حبوب بن گئی ہیں۔ نقوع کی دوائیں آج آکر بھیگیں گی کل حبوب کے اوپر وہ نقوع پیا جائیگا۔ مگر انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ابھی حضرت مریض کی اور ان کے ہوا خواہوں کی رائے میں قصد اس استعلاج کا مذبذب ہے۔ نسخہ کی حقیقت کو میزان نظر میں تول رہے ہیں۔ استاد میر جان بھی تھے۔ نیم نا معقول مرزا اسد بیگ بھی تھے۔ سب طرح خیریت ہے۔ کل تمہارے خط میں دوبارہ یہ کلمہ مرقوم دیکھا۔ کہ دلی بڑا شہر ہے۔ ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہونگے۔ اے میری جان یہ وہ دلی نہیں ہے۔ جس میں تم پیدا ہوئے ہو۔ وہ دلی نہیں ہے

---

[۱] پیرماس باختہ [۲] ژندگی کی تفسیر کا نام ہے یہ کتاب آتش پرستوں کے مذہب کی ہے ؎

جس میں تم نے علم تحصیل کیا ہے۔ وہ دلّی نہیں ہے جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے۔ وہ دلّی نہیں ہے۔ جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں۔ وہ دلّی نہیں ہے جس میں اکیاون برس سے مقیم ہوں۔ ایک کیمپ ہے مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیشہ باقی سراسر ہنود معزول بادشاہ کے ذکور جو بقیۃ السیف ہیں۔ وہ پانچ پانچ روپیہ مہینہ پاتے ہیں۔ اناث میں سے جو پیرزن ہیں۔ وہ کٹنیاں اور جوانین کسبیاں امرائے اسلام میں سے اموات گنو حسن علی خان بہت بڑے باپ کا بیٹا سو روپیہ روز کا پنشن دار سو روپیہ مہینہ کا روزینہ دار بنکر نامراد مر گیا میر ناصر الدین باپ کی طرف سے پیرزادہ۔ نانا اور نانی کی طرف سے امیرزادہ مظلوم مارا گیا۔ آغا سلطان بخشی محمد علی خان کا بیٹا جو خود بھی بخشی ہو چکا ہے۔ بیمار پڑا نہ دوا نہ غذا انجام کار مر گیا۔ تمہارے چچا کی سرکار سے تجہیز و تکفین ہوئی۔ احبا کو پوچھو ناظر حسین مرزا جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آیا ہے۔ اُس کے پاس ایک پیسہ نہیں ٹکے کی آمد نہیں۔ مکان اگرچہ رہنے کو مل گیا ہے۔ مگر دیکھئے چھٹا رہے۔ یا ضبط ہو جائے۔ بڈھے صاحب ساری املاک بیچکر نوش جان کر کے بیک بینی و دو گوش بھرت پور چلے گئے۔ ضیاء الدولہ کے پانسو روپیہ کرایہ کی املاک واگذاشت ہو کر پھر قرق ہو گئی۔ تباہ خراب لاہور گیا وہاں پڑا ہوا ہے۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ قصہ کوتاہ قلعہ اور جھجر اور بہادر گڑھ۔ بلب گڈھ۔ فرخ نگر کم و بیش تیس لاکھ روپیہ کی ریاستیں مٹ گئیں شہر کی عمارتیں خاک میں مل گئیں۔ ہنرمند آدمی یہاں کیوں پایا جائے۔ جو حکما کا حال لکھا ہے وہ بیان واقع ہے۔ صلحا اور زہاد کے باب میں جو حرف مختصر میں نے لکھا ہے۔ اُس کو بھی سچ جانو۔ اپنے والد ماجد کی طرف سے خاطر جمع رکھو۔ سحر و آسیب کا گمان ہرگز نہ کرو۔ خدا چاہے۔ تو استعمال ایارجات کے بعد بالکل اچھے ہو جائیں گے۔ اور اب بھی خدا کے فضل سے اچھے ہیں۔ عافیت کا طالب غالب ؁

ایضاً۔ ابھی مولانا علائی نواب صاحب دو مہینے تک کی اجازت دے چکے اور یہ میں خبر تراشی نہیں کرتا مرزا علی محمد بیگ کی زبانی ہے۔ کہ نواب علاؤالدین خان سے کہہ چکے ہیں۔ کہ قصہ مٹ گیا ہے اب تم شوق سے دلّی جاؤ۔ دو ہفتہ سے لیکر دو مہینے تک کی تم کو رخصت ہے۔ پھر تم کیوں نہ آئے۔ خدا نے دعا۔ تمہاری تو تمہارے استدعا قبول کی۔ تمہاری طرف سے سستی قدمی اور دل مردی کی کیا وجہ اگر حال کی حکایت جو شب ہے۔ تو تم سچ لکھو۔ کہ ماجرا کیا ہے۔ مرزا یوسف علی خان عزیز تمہارے بلائے ہوئے اور مہدی حسین بھائی صاحب کے مطلوب مرزا عبدالقادر بیگ کے قبائل کے ساتھ کل معاونہ تو آموجود ہوئے ہیں۔ شنبہ ۱۷ ستمبر ۱۸۶۴ء نجات کا طالب غالب ؁

ایضاً میاں مدعا اصلی ان سطور کی تحریر سے یہ ہے۔ کہ اگر کل کمیٹی میں گئے ہو۔ تو میرے سوال کے

پڑھ جانے کا حال لکھو۔ ضمناً ذکر ایک مدبر کا لکھا جاتا ہے۔ جو تم نے اس مدبر کے صفات لکھے۔ سب سچ ہیں احمق خبیث النفس۔ حاسد۔ طبیعت بری۔ سمجھ بری۔ قسمت بری۔ ایک بار میں نے دکنی کی دشمنی میں گالیاں کھائیں ایک بار بنارسی کی دوستی میں گالیاں کھاؤں گا۔ میں نے جو تمہیں اس کے باب میں لکھا تھا۔ وجہ اس کی یہ تھی۔ کہ میں نے سنا تھا کہ تم نے اپنے ہمسائیوں سے کہہ دیا ہے۔ یا کہا چاہتے ہو۔ کہ اس کو بازار میں بے حرمت کریں۔ یہ خلاف شیوۂ مومنین ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ قصد نہ کرنا یہ مدعا اس قول کا ہے۔ جو میں نے تم سے پہلے کہا تھا۔ کہ تم یہ تصور کرو۔ کہ اس نام کا آدمی اس محلہ میں بلکہ اس شہر میں کوئی نہیں

غالب ۔

ایضاً مولانا علائی۔ واللہ علی حسین کا بیان بمقتضائے محبت تھا۔ بار بار کہتا تھا۔ اور یہ کہتا تھا۔ کہ حق بجانب ان کے ہے۔ نہ کوئی ہم عشق نہ کوئی ہم نفس نہ سیر نہ شکار نہ مجلس نہ دربار تنہائی و بے شغلی اور بس۔ جی کیونکر نہ گھبرائے۔ خفقان کیوں نہ ہو جائے۔ نہ دن یاد نہ تاریخ آج چوتھا یا بھی شاید بھول گیا ہوں پانچواں دن ہے۔ کہ منشی نولکشور بسواری ڈاک رہ گرائے لکھنؤ ہوئے۔ کل پہنچ گئے ہوں۔ یا آج پہنچ جائیں۔ آج روز یکشنبہ ۱۲ دسمبر کی ہے۔ ایکدن منشی صاحب میرے پاس بیٹھے تھے اور برخوردار شہاب الدین خان بھی تھا۔ میں نے ثاقب کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر میں دنیادار ہوتا تو اس کو نوکری کہتا۔ مگر چونکہ فقیر تکیہ دار ہوں۔ تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ تین جگہ کا روزینہ دار ہوں۔ ساڑھے باسٹھ روپے مہینے لما صہ سال سرکار انگریزی سے پاتا ہوں۔ اور بارہ سو سال رام پور سے اور چوبیس روپیہ سال ان مہاراج سے تو صحیح یہ کہ دو برس سے ہر مہینہ میں چار بار اخبار مجھ کو پہنچتے ہیں۔ قیمت نہیں لیتے۔ مگر ہاں اڑتالیس ٹکٹ میں مطبع پہنچا دیا کرتا ہوں۔ بس یہ جو میں نے پوچھے تھے۔ کہ علی حسین خان کے حوالہ کروں۔ مقصود اس سے یہ تھا۔ کہ اس سال بسبب تنگدستی دشوار ہے۔ خیر اب جس طرح ہوگا۔ حصار پر ہنڈوی لکھوا کر تم کو بھیج دوں گا۔ تم حصار بھیج کر روپیہ منگوا لیجیو۔ خدا چاہے۔ تو ۵ ستمبر میں روپیہ تمہارے پاس پہنچ جائے استاد میر جان صاحب کو منحوس کہہ کر مجھ کو فرعون بننا پڑا۔ دوہائی خدا کی اب ایسا نہ کروں گا میرا سلام بلکہ دعا اُن کو کہہ دینا۔ پرسوں مولوی صدرالدین خان صاحب کو فالج ہو گیا۔ سیدھا ہاتھ رہ گیا ہے۔ زبان موٹی ہو گئی ہے۔ بات مشکل سے کرتے ہیں اور کم سمجھ میں آتی ہے میں اپاہج ہوں جا نہیں سکتا جو اُن کو دیکھ آتا ہے۔ اُس سے اُن کا حال پوچھا جاتا ہے۔ دن تاریخ صدر میں لکھ آیا ہوں۔ کاتب کا نام غالب ہے۔ کہ دستخط سے پہچان جاؤ ۔

ایضاً۔ آج بدھ کے دن ۲۷ رمضان کو پہر دن چڑھے جس وقت کہ میں کھانا کھا کر باہر آیا تھا ڈاک

کاہرکارہ تمہارا خط اور شہاب الدین خاں کا خط معاً لایا۔ مضمون دونوں کا ایک وہ کیا مضمون ان دونوں میں کہ سب طرح رنج و عذاب فراہم ہیں۔ ایک داغ جگر سوز یہ بھی ضرور تھا۔ سبحان اللہ میں نے اُس کی صورت بھی نہیں دیکھی یا ولادت کی تاریخ کہی یا اب رحلت کی تاریخ لکھنی پڑی۔ یہ ورو گار تم کو جیتا رکھے۔ اور نعم البدل عطا کرے۔ میاں اسکو سب جانتے ہیں۔ کہ میں مادہ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں۔ لوگوں کے مادے دیئے ہوئے نظم کر دیتا ہوں۔ اور جو مادہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں۔ وہ بتشبیہ لچر ہوا کرتا ہے چنانچہ اپنے بھائی کی رحلت کا مادہ دریغ دیوانہ نکلا پھر اُس میں سے آہ کے عدد گھٹائے تمام دوپہر اُسی فکر میں رہا یہ نہ سمجھا کہ مادہ ڈھونڈھنا تمہارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو تاکا کیا کہ کسی طرح سات اُسپر بڑھاؤں۔ بارے ایک قطعہ درست ہوا۔ مگر تمہاری زبان سے یعنی گویا تم نے کہا ہے۔ پانچ شعر ہیں تین شعر زائد دو مورد مدعا لیکن میں نہیں جانتا کہ تعمیہ اچھا ہے یا بُرا ہے۔ ہاں غلاق تو البتہ ہے۔ تامل سے سمجھ میں آتا ہے اور شاید لوح مزار پر کھدوانے کے قابل نہو۔

قطعہ

درگریہ اگر دعویٰ ہم چشمی ما کرد بینی کہ شود ابر بہاری خجل از ما
ناچار بگوئیم شب و روز کہ زین سیل باشد کہ برد کالبد آب و گل از ما
گفتی کہ نگہدار دل از کشمکش غم خود گرد بر آورد غم جان گسل از ما
یحییٰ شد و از شعلۂ سوز غم ہجرش چوں شمع دود دود بسر متصل از ما
غم دیدہ نسیسے پے تاریخ وفاتش بنوشت کہ در داغ پسر سوخت دل از ما

ما کے عدد ۴۱ دل کے عدد ۳۴ ما میں سے دل گیا۔ گویا ۴۱ میں سے ۳۴ گئے باقی رہے سات وہ داغ پسر پر بڑھاوے ۱۲۷۴ ہاتھ آئے تو

ایضاً۔ سبحان اللہ ذرا دیر تک نہ پیام بھیجنا نہ خط لکھنا اور پھر لکھنا تو سراسر غلط لکھنا مجھ سے کتاب مستعار مانگتے ہو۔ یاد کرو کہ تم کو لکھ چکا ہوں۔ کہ دساتیر اور برہان قاطع کے سوا کوئی کتاب میرے پاس نہیں۔ ازانجملہ برہان قاطع تم کو دے چکا ہوں۔ دساتیر میرا ایمان و حرز جان ہے۔ اشعار تازہ مانگتے ہو۔ کہاں سے لاؤں۔ عاشقانہ اشعار سے مجھ کو وہ بعد ہے۔ جو ایمان سے کفر کو گورنمنٹ کا بھاٹ تھا۔ مدحتی کرتا تھا۔ خلعت پاتا تھا۔ خلعت موقوف مدحتی متروک نہ غزل نہ مدح ہزل و ہجو میرا آئین نہیں پھر کہو کیا لکھوں۔ بوڑھے پہلوان کے سے پیچ بتانے کو رہ گیا ہوں۔ اکثر اطراف و جوانب سے اشعار آجاتے ہیں۔ اصلاح پا جاتے ہیں۔ باور کرنا اور مطابق واقع سمجھنا۔ تمہارے دیکھنے کو دل بہت چاہتا ہے اور دیکھنا تمہارا موقوف اس پہ ہے کہ تم یہاں آؤ۔ کاش اپنے والد ماجد کے ساتھ چلے آتے اور مجھ کو

دیکھ جاتے اردو کا دیوان رامپور سے لایا ہوں۔ اور وہ آگرہ گیا ہے۔ وہاں منطبع ہوگا۔ ایک نسخہ تمہارے پاس بھی پہنچ جائیگا ؎

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

مرقومہ روز دوشنبہ ۲ جولائی سنہ ۱۸۶۰ غالب

ایضاً۔ صاحب میرے۔ عالی قدر اور تمہارا دانہ ماجداب اچھا ہے۔ از روئے عقل اعادۂ مرض کا احتمال باقی نہیں ہے۔ رہا وہم اُسکی دوا لقمان کے پاس بھی نہیں۔ مرزا قربان علی بیگ اور مرزا شمشاد علی بیگ کے باب میں جو کچھ تم نے لکھا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھوگے میری طرف سے جواب وہی ہوگا۔ جو آگے لکھ چکا ہوں یعنی میں تماشائی محض رہونگا۔ اگر بھائی صاحب مجھ سے کچھ ذکر کرینگے۔ تو بھلی کہوں گا۔ آپ کے عم عالی مقدار جو فرماتے ہیں۔ کہ غالب کو بیٹھے ہوئے ہزارہا تسویلات و خیالات دکھلائی دیتے ہیں۔ یہ حضرت نے اپنی ذات پر میری طبیعت کو طرح کیا ہے۔ اور وہ یہ سمجھے ہیں۔ کہ جس طرح میں مبتلائے وساوس و اوہام ہوں۔ اور لوگ بھی اسی طرح بخارات مراقی میں گرفتار ہونگے۔ قیاس مع الفارق ہے۔ نہ تخیل صادق یہاں لاموجود الا اللہ کے بادۂ ناب کا رطل گراں چڑھائے ہوئے اور کفر و اسلام و نور و نار کو مٹائے ہوئے بیٹھے ہیں ؎ کجا غیر کو غیر و کو نقش غیر سوائے اللہ واللہ ما فی الوجود ضمیران بروزن ہُو گران لغت عربی ہے نہ معرب میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ یہ پھول ہندوستان میں ہوتا ہے یا نہیں اس کی تحقیقات ازروئے الفاظ الادویہ ممکن ہے۔ آج اُس نے جلاب لیا۔ بیس دست آئے۔ مواد خوب اخراج ہوا۔ **فارسی غیر فصیح** امروز فلانی مسہل گرفت دہ دست آمد و مواد خوب برآمد۔ **فارسی فصیح** امروز فلانی بگاہ دارو ے مسہل آشامید تا شام دوبارہ نشست یا دہ بار به مستراح رفت یا دہ بار به بیت الخلا رفت مادہ فاسد چنانکہ باید اخراج یافت معلوم رہے کہ ولایتیوں کے منطق میں خصوصاً اور اہل پارس کے روزمرہ میں عموماً نشستن استعادہ ہے۔ ریدن کا چنانچہ ایک تذکرہ میں مرقوم ہے۔ کہ اصفہان میں ایک امیر نے شعرا کی دعوت اپنے باغ میں کی۔ مرزا صائبؔ اور اُس عصر کے کئی شعرا جمع ہوئے۔ ایک شاعر کے تذکرہ میں اس کا نام مندرج ہے اور میں بھول گیا ہوں۔ اکول تھا۔ مگر معدہ اُس کا ضعیف تھا۔ حرص و شرہ کے سبب سے بہت کھا جاتا تھا۔ ہضم نہ کر سکتا تھا۔ کھا کھا کر شراب پی پی کر دروازہ باغ کا مقفل کر کے سب سو رہے۔ اس مرد اکول فضول نے رات بھر میں سارا باغ ہگ بھرا۔ ایک جگہ جگہ کبھی اس کیاری میں کبھی اُس روش پر کبھی اُس درخت کے تلے کبھی اُس دیوار کی جڑ میں قصہ مختصر غایت شرم و حیا سے دو چار گھڑی رات رہے دیوار سے کود کر چلا گیا صبح کو جب جاگے

اُس کو اِدھر اُدھر ڈھونڈھا کہیں نہ پایا۔ مگر حضرت کا فضلہ کئی جگہ نظر آیا۔ مرزا نے ہنس کر فرمایا۔ یارانِ شمار اچہ افتادہ است کہ میگوئید فلانے در باغ نیست ہے بینم کہ شما دریں باغ چند جا نشستہ است صبح جمعہ ۵۔ رمضان و ۷ مارچ سال رستاخیز۔ رباعی خط میں لکھنا بھول گیا۔ میں نے بھائی کو تہنیت میں بھیجی تھی۔ رباعی

اے کردہ بمہر زرفشانی تعلیم   پیدا ز کلاہ تو شکوہ دیہیم
بادا بتو فرخندہ زیزدانِ کریم   پروانگیٔ جدید و اقطاع قدیم

ایضاً مولانا علائی نہ مجھے خوفِ مرگ نہ دعویٰ صبر ہے۔ میرا مذہب بخلاف عقیدہ قدریہ جبر ہے تم نے میاں جی گری کی۔ بھائی نے برادر پروری کی تم جیتے رہو وہ سلامت رہیں ہم اس حویلی میں تا حیات رہیں۔ اس ابہام کی توضیح اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ مینہ کی شدت سے چھوٹا لڑکا ڈرنے لگا۔ اُس کی دادی بھی گھبرائی۔ مجھ کو خلوت خانہ کا دروازہ قریب رہے۔ اُس کے آگے ایک چھوٹا سا صحن یاد تھا۔ جب تمہارے پاؤں میں چوٹ لگی ہے۔ تو میں اسی دروازے سے تم کو دیکھنے آیا تھا۔ یہ سمجھ کر خلوت خانہ کو محلسرا بنایا چاہتا تھا۔ کہ گاڑی ڈولی لونڈی اصیل کا چلن تیلن تنبولن کہاری پنہاری۔ ان فرقوں کا ممر دروازہ رہیگا۔ میری اور میرے بچوں کی آمد و رفت دیوان خانہ میں سے رہیگی حیاذاً باللہ وہ لوگ دیوان خانہ میں سے آئیں جائیں۔ اپنے بیگانے کو ہر وقت بچھلیا میاں نظر آئیں۔ بی وفادار جن کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں۔ اب تمہاری پھوپھی نے انہیں وفادار بیگ بنا دیا ہے۔ باہر نکلتی ہیں۔ سودا تو کیا لائیں گی۔ مگر خلیق اور ملنسار ہیں۔ رستہ چلتوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ محل سے نکلیں گی اطراف نہر کی سیر نہ کرینگی ممکن نہیں کہ دروازہ کے سپاہیوں سے باتیں کرینگی ممکن نہیں پھول نہ توڑیں اور بی بی کو لیجا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ پھول تمہارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں۔ شرح۔ ہمارے چچا کے بیٹے کی کیاری کے ہیں ہے ایسے عالی شان دیوان خانہ کی یہ قسمت اور مجھ سے نازک مزاج دیوانے کی یہ شامت مہدا اس سہ دری کو اپنے آدمیوں کے اور لڑکوں کے مکتب کے لئے ہرگز کافی نہ جانا۔ موتر اور کبوتر اور دینہ اور بکری باہر گھوڑوں کے پاس رہ سکتے تھے۔ عرض ربی بفتح الہام پڑھا اور چپ ہو رہا۔ مگر تمہاری خاطر جمع رہے۔ کہ اسباب وحشت و خوف و خطرات نہ رہے۔ مینہ کھل گیا ہے۔ مکان کے مالکوں کی طرف سے مرمت شروع ہو گئی ہے۔ نہ لڑکا ڈرتا ہے۔ نہ بی بی گھبراتی ہے۔ نہ میں بے آرام ہوں کھلا ہوا کوٹھا چاندنی رات ہوا سرد تمام رات فلک پر مریخ پیشِ نظر۔ دو گھڑی

کے تڑکے زہرہ جلوہ گر۔ ادھر چاند مغرب میں ڈوبا اُدھر مشرق سے زہرہ نکلی صبوحی کا وہ لطف روشنی کا وہ عالم ۶۔ ماہ اگست ۱۸۶۲ء ۔

ایضاً۔ صبح سہ شنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۲ء جان غالب مگر جسم سے نکلی ہوئی جان قیامت کو دوبارہ ملنے کی توقع ہے خدا کا احسان مرزا قربان علی بیگ تمہاری کشش کے مجذوب کیوں بنتے وہ تو خود سالک ہیں۔ مگر ہاں یہ صاحبزادہ سعادتمند رضوان سوا اس کے آپ مالک ہیں نواب صاحب کا ہم معنی اور آپ کا ہم بادہ ہوتا بہتر ہوا۔ کاش تم یہ لکھتے کہ مشاہرہ کیا مقرر ہوا۔ اثنا عشری ایک تم ہو سو تمہیں کیا اختیار ہے۔ البتہ عشرۂ مبشرہ کی اولیت پیدا ہے۔ باپ تمہارا خلاف قاعدہ اہل سنت و جماعت عشرہ میں ثلثہ کو کم کرتا ہے۔ رضوان نے نہ مانا۔ وہ تو ثلثہ کا دم بھرتا تھا۔ تہور خاں صاحب کے باب میں بندہ جویا اس خبر کا ہے۔ کہ اب تو مارو سے ان کا ارادہ کدھر کا ہے۔ رضوان کو دعا پہنچے۔ نواب صاحب کی عنایت اور مولانا علائی کی صحبت مبارک ہو۔ میرجی سے جب پوچھتا ہوں۔ کہ تم خوب خوش ہو۔ اور وہ کہتے ہیں کیا کہنا ہے اور میں پوچھتا ہوں۔ کس کا تو وہ فرماتے ہیں۔ مرزا شمشاد علی بیگ کا اور کسی کا نام تم کیوں نہیں لیتے دیکھو یوسف علی خاں بیٹھے ہیں۔ ہیرا سنگھ موجود ہے۔ واہ صاحب میں کیا خوشامدی ہوں۔ جو منہ دیکھی کہوں۔ میرا شیوہ حفظ الغیب ہے۔ غائب کی تعریف کرنی کیا عیب ہے۔ ہاں صاحب آپ ایسے ہی وضعدار ہیں۔ اس میں کیا عیب ہے ۔

ایضاً۔ جانا عالیشانا خط پہنچا۔ خط اُٹھایا۔ تمہاری آشفتہ حالی میں ہرگز شک نہیں تم کہیں قبائل کہیں جوالی شہر نا سازگار انجام کا ناپایدار ایک حال اور سو آزار۔ اسد اللہ تمہارا یاور۔ علی تمہارا مددگار میں پا در رکاب بلکہ نعل در آتش کب جاؤں۔ اور فرخ سیر کو دیکھوں ایک خط میں نے علی حسین خاں کو لکھا وہاں سے اُن کا جواب آگیا۔ روہیلا پھوڑے پھنسی میں مبتلا ہے خدا اسکو صحت دے۔ شمشاد علی بیگ کہاں الور پہنچا۔ اور اس طرح گیا۔ کہ شہاب الدین خاں سے ملکر بھی نہ گیا خیر ع رموز مصلحت خویش خسروان دانند۔ یہاں جشن کے وہ سامان ہو رہے ہیں کہ جمشید اگر دیکھتا تو حیران رہ جاتا۔ شہر سے دو کوس پر آغا پور نامی ایک بستی ہے۔ آٹھ دس دن سے وہاں خیام برپا تھے۔ پرسوں صاحب کمشنر بہادر بریلی مع چند صاحبوں اور میموں کے آئے۔ اور خیموں میں اترے کچھ کم سو صاحب و میم جمع ہوئے۔ سب سرکار رامپور کے مہمان کل سہ شنبہ ۵ دسمبر حضور پرنور بڑے تجمل سے آغا پور تشریف لے گئے۔ بارہ پر دو بجے گئے۔ اور شام کے پانچ بجے خلعت پہنکر آئے۔ وزیر علی خاں۔ خانسامان تواضع میں سے روپیہ پھینکتا ہوا آتا تھا۔ دو کوس کے عرصہ میں دو ہزار روپیہ سے کم نہ نثار ہوا ہوگا۔ آج صاحبان عالیشان

کی دعوت ہے۔ پس شام کا کھانا وہیں کھائیں گے۔ روشنی آتشبازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کریگی طوائف کا وہ ہجوم، حکام کا وہ مجمع کہ اس مجلس کو طوائف الملوک کہا چاہیے۔ کوئی کہتا ہے کہ صاحب کمشنر بہادر مع صاحبان عالیشان کے کل جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے۔ پرسوں۔ رئیس کی تصویر کھینچتا ہوں۔ قد رنگ شکل شمائل بعینہٖ بھائی ضیاءالدین خاں عمر کا فرق اور کچھ چہرا اور رنگ متفاوت حلیم و خلیق باذل کریم۔ متواضع متشرع۔ متورع۔ شعر فہم سینکڑوں شعر یاد۔ نظم کی طرف توجہ نہیں نثر لکھتے ہیں۔ اور خوب لکھتے ہیں۔ جلالائی طباطبائی کی طرز برتتے ہیں۔ شگفتہ جبین ایسے کہ اُن کے دیکھنے سے غم کوسوں بھاگ جائے۔ فصیح بیان ایسے کہ اُن کی تقریر سُنکر ایک اور نئی روح قالب میں آئے۔ اللّٰھم دام اقبالہٗ وزاد اجلالہٗ بعد اختتام محافل طالب رخصت ہونگا۔ بعد حصول رخصت دلّی جاؤنگا۔ بھائی صاحب کی خدمت میں بشرط رسائی و تاب گویائی سلام کہنا اور بچوں کی خیر و عافیت جو تم کو معلوم ہوئی ہے وہ مجھ کو لکھنا ۲۰ دسمبر ۱۸۶۵ء کی بُدھ کا دن صبح کے آٹھ بجا چاہتے ہیں۔ کاتب کا نام غالب ہے۔ کہ تم جانتے ہوگے۔

ایضاً۔ صبح یکشنبہ، ۲۷ جولائی ۱۸۶۲ء۔ میری جان سُن پنجشنبہ ۸ جمعہ ۹ ہفتہ دس آتوار گیا۔ یک قطرہ برہمزدن مینہ نہیں تھا۔ اس وقت شدّت سے برس رہا ہے۔ انگیٹھی میں کوئلے دہکا کر پاس رکھ لئے ہیں۔ دو سطریں لکھیں۔ اور کاغذ کو آگ سے سینک لیا کیا کروں تمہارے خط کا جواب ضرور لو سنتے جاؤ۔ مرزا شمشاد علی بیگ کو تمہارا خط پڑھوا دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ غلام حسن خاں کی معیت پر کیا موقوف ہے مجھے آج سواری مل جائے کل چل نکلوں۔ اب میں کہتا ہوں۔ کہ اونٹ ٹٹو کا موسم نہیں گاڑی کی تدبیر ہو جائے بس پچاس برس کی بات ہے۔ کہ الٰہی بخش خاں مرحوم نے ایک زمین نئی نکالی میں نے حسب الحکم غزل لکھی بیت الغزل یہ ہے ؎

پلادے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے — پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

مقطع یہ ہے ؎

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے — کہا جو اُس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

اب میں دیکھتا ہوں۔ کہ مطلع اور چار شعر کسی نے لکھ کر اس مقطع اور اس بیت الغزل کو شامل ان اشعار کے کر کے غزل بنائی ہے۔ اور اس کو لوگ گاتے پھرتے ہیں مقطع اور ایک شعر میرا اور پانچ شعر کسی اُلّو کے جب شاعر کی زندگی میں گانے والے شاعر کے کلام کو مسخ کر دیں۔ تو کیا عجیب ہے۔ کہ وہ شاعر متوفی کے کلام میں مطربوں نے خلط کر دیا ہو مقطع بیشک مولانا مغربی کا ہے۔ اور وہ شعر جو میں نے تم کو لکھا ہے اور

یہ شعر جواب لکھتا ہوں ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار — گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

یہ دونوں شعر قدسی کے ہیں۔ مغربی قدما میں اور عرفا میں سے ہے جلیل عارف۔ ان کا کلام دقائق و حقائق تصوف سے لبریز۔ قدسی شاہجہانی شعرا میں صائب و کلیم کا ہم عصر و ہم چشم۔ ان کا کلام گرم و شور انگیز۔ ان بزرگوں کی طرز و روش میں زمین و آسمان کا فرق۔ بھائی صاحب کو سلام کہنا اور کہنا صاحب وہ زمانہ نہیں کہ ادھر متھرا داس سے قرض لیا۔ ادھر درباری مل کو مارا۔ ادھر خوب چند چین سکھ کی کوٹھی جا لوٹی۔ ہر ایک پاس تمسک مہری موجود۔ شہد لگاؤ چاٹو۔ نہ مول نہ سود۔ اس سے بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل پھوپھی کے سر۔ بانیہمہ کبھی خان نے کچھ دے دیا۔ کبھی الور سے کچھ دلوا دیا۔ کبھی ماں نے کچھ آگرہ سے بھیج دیا۔ اب میں اور باسٹھ روپے آٹھ آنے کلکٹری کے، سو روپیہ رامپور کے۔ قرض دینے والا ایک، میرا مختار کار۔ وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے۔ مول میں قسط اس کو دینی پڑے۔ انکم ٹیکس جدا۔ چوکیدار جدا۔ سود جدا۔ مول جدا۔ بی بی جدا۔ بچے جدا۔ آمدنی ایک سو باسٹھ۔ تنگ آگیا۔ گذارہ مشکل ہوگیا۔ روزمرہ کا کام بند رہنے لگا۔ سوچا کہ کیا کروں۔ کہاں سے گنجائش نکالوں۔ قہرِ درویش بر جانِ درویش۔ صبح کی تبرید متروک۔ چاشت کا گوشت آدھا۔ رات کی شراب و گلاب موقوف۔ بیس بائیس روپیہ مہینہ بچا۔ روزمرہ کا خرچ چلایا۔ یاروں نے پوچھا تبرید و شراب کب تک نہ پیوگے۔ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ پلائیں گے۔ پوچھا نہ پیوگے تو کس طرح جیوگے۔ جواب دیا کہ کس طرح جیوگے جواب دیا کہ جس طرح وہ جلائیں گے۔ بارے مہینہ پورا نہیں گذرا تھا کہ رامپور سے علاوہ وجہ مقرری اور روپیہ آگیا۔ قرض مقسط ادا ہوگیا۔ متفرق رہا۔ خیر ہو۔ صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہوگئی۔ گوشت پورا آنے لگا۔ چونکہ بھائی صاحب نے وجہ موقوفی اور بحالی پوچھی تھی۔ اُن کو یہ عبارت پڑھا دینا اور حمزہ خاں کو بعد سلام کہنا۔ ع اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدامِ ما۔ دیکھا ہم کو یوں بلاتے ہیں۔ دو پیسہ کے نبیوں کے لونڈوں کو پڑھ کر مولوی مشہور ہونا اور مسائل ابوحنیفہ کو دیکھنا۔ اور مسائل حیض و نفاس میں غوطہ مارنا اور ہے اور عرفا کے کلام سے حقیقتِ حقہ وحدتِ وجود کو اپنے دل نشین کرنا اور ہے۔ مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو نومسلموں کو ابوالائمہ کا ہمسر مانتے ہیں۔ دوزخ اُن لوگوں کے واسطے ہے۔ موحد خالص اور مومن کامل ہوں۔ زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہوں۔ اور دل میں لا موجود الا اللہ لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوا ہوں۔ انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ یہ خاتم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ مقطع نبوت کا مطلع امامت۔ اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے

اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام ع بریں زیستم ہم بریں بگذرم۔ ہاں اتنی بات اور ہے۔ کہ اباحت اور زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں۔ اگر مجھ کو دوزخ میں ڈالینگے۔ تو میرا جلانا مقصود نہ ہوگا۔ بلکہ دوزخ کا ایندھن ہوںگا۔ اور دوزخ کی آنچ کو تیز کرونگا۔ تاکہ مشرکین و منکرین نبوتِ مصطفوی و امامت مرتضوی اُس میں جلیں۔ سنو مولوی صاحب اگر ہٹ دھرمی نہ کروگے اور کتمانِ حق کو گناہ جانوگے۔ تو البتہ تم کو یاد ہوگا۔ اور کہوگے کہ ہاں یاد ہے۔ جن روزوں میں تم علاؤالدین خاں کو گلستاں اور بوستاں پڑھاتے ہو۔ اور تم نے ایک دن غریب کو دو تین طمانچے مارے ہیں۔ تو امین الدین خاں ان دنوں میں لوہارو ہیں۔ علاؤالدین خاں کی والدہ نے تم کو ڈیوڑھی پر سے اُٹھوادیا تم باچشم پُر آب میرے پاس آئے۔ میں نے تم سے کہا۔ کہ بھائی شریف زادوں کو، دو سردار زادوں کو چشم نمائی سے پڑھاتے ہیں۔ مارتے نہیں تم نے بیجا کیا۔ آئندہ یہ حرکت نہ کرنا تم نادم ہوئے۔ اب وہ مکتب نشین طفل سے گذر کر پیر ہفتاد سالہ کے واعظ بنے تم نے کئی فاقوں میں ایک شعر حافظ کا حفظ کیا ہے۔ ع چوں پیر شدی حافظ الخ اور پھر پڑھتے ہو۔ اُس کے سمجھنے کہ اُس کی نظم کا دفتر حافظ کے دیوان کے دو چند سہ چند ہے مجموعہ شرح جداگانہ اور یہ بھی لحاظ نہیں کرتے کہ ایک شعر حافظ کا یہ ہے۔ اور ہزار شعر اس کے مخالف ہیں۔ ؎

صوفی بیا کہ آئینہ صاف ست جام را تا بنگری صفائے مئے لعل فام را
شراب ناب خورد و رُخ مہ جبیناں بیں دیگر خلاف مذہب آناں جمال ایناں بیں
ترسم کہ صرفۂ نبرد روز باز خواست دیگر نان حلال شیخ ز آب حرام ما
ساقی مگر وظیفہ حافظ زیادہ داد کاشفتہ گشت طرہ دستار مولوی

میاں میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ محلسرا کی دیواریں گر گئی ہیں۔ پاخانہ ڈھ گیا چھتیں ٹپک رہی ہیں۔ تمہاری پھوپھی کہتی ہیں۔ ہائے دبی ہائے مری۔ دیوان خانہ کا حال محلسرا سے بدتر ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا فقدانِ راحت سے گھبرا گیا ہوں۔ چھت چھلنی ہے۔ ابر دو گھنٹہ برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے مالک اگر چاہے کہ مرمت کرے۔ تو کیونکر کرے۔ مینہ کھلے تو سب کچھ ہو۔ اور پھر اثنائے مرمت میں مَیں بیٹھا کس طرح رہوں۔ اگر تم سے ہو سکے۔ تو برسات تک بھائی سے مجھ کو وہ حویلی جس میں میر حسن رہتے تھے۔ اپنی پھوپھی کے رہنے کو اور کوٹھی میں سے وہ بالاخانہ مع دالان زیریں جو الٰہی بخش خاں مرحوم کا مسکن تھا۔ میرے رہنے کو دلوادو۔ برسات گذر جائیگی مرمت ہو جائیگی۔ پھر صاحب اور میم اور بابا لوگ اپنے قدیم مسکن میں آرہینگے تمہارے والد کی ایثار و عطا کے جہاں مجھ پر احسان ہیں۔ ایک یہ مروت کا احسان میرے پایان عمر

ہیں اور بھی سہی۔ غالب

ایضاً چہار شنبہ ۱۸ مئی ۱۸۶۲ء بقول عوام باسی عید کا دن صبح کا وقت۔ میری جان غالب کثیر المطالب کی کہانی سنو میں اگلے زمانہ کا آدمی ہوں۔ جہاں ایک امر کی ابتدا دیکھی یہ جان لیا کہ اب یہ امر طابق اس ہدایت کے نہایت پذیر ہوگا۔ یہاں اختلاف طبائع کا وہ حال کہ آغاز عشق و انجام مخدوش مبتدا خبر سے بیگانہ شرط جزا سے محروم سنتا اور متواتر سنتا کہ فیصلہ طے ہوگیا۔ اب علاؤ الدین خاں مع قبائل آئیں گے دل خوش ہوا۔ کہ اپنے محبوب کی شکل مع اس کے نتائج کے دیکھوں گا۔ پرسوں آخر روز بہاس پاس گیا۔ اثنائے اختلاط و انبساط میں نے پوچھا کہو بھائی علاؤ الدین خاں کب آئیں گے۔ جواب کچھ نہیں اب وہ مقدمہ طے ہوگیا ہاں وہ تو روپیہ میں نے دے ہی دیا میں نے کہا نواب چاہیئے۔ کہ وہ آئیں فرمایا کہ شاید ابھی نہ آئیں مع معلوم ہوا کہ خیر لشنگا یا چاہتا ناچار ارادہ کیا کہ جو کچھ کہنا تھا۔ اب وہ لکھ کر بھیجوں۔ پرسوں تو شام ہوگئی تھی۔ کل بکھیڑے والوں نے دم نہ لینے دیا۔ اس پر طرہ یہ کہ مذنب نے کہا کہ بھائی تم سے شاکی ہیں۔ اب ضرور آ پڑا کہ گزارش مدعا سے پہلے تمہارے رفع ملال میں کام کروں بھائی تم میرے فرزند بلکہ بہ از فرزند ہو۔ اگر میرا صلبی بیٹا اس عہد و انست و تحریر و تقریر کہ ہوتا تو میں اسکو اپنا بیٹا ... نہ جانتا میرے خطوط کے نہ پہنچنے کا گلہ غلط تمہارا کونسا خط آیا کہ اس کا جواب یہاں سے نہ لکھا گیا۔ میرے پاس جو مقاصد ضروری فراہم تھے۔ وہ میں نے اس نظر سے نہ لکھے۔ کہ اب تم آتے ہو۔ زبانی گفت و شنید ہو جائیگی۔ خاقانیہ نے چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا دیا تب مجھے تو طیہ و تمہید میں ایک ورق لکھنا پڑا۔ ورنہ آغاز نگارش یہاں سے ہوتا۔ یا اسد اللہ الغالب

باسمن از جہل معارض شدہ کا متقبلے کہ گوش ہجو شنم این بود شرح عظیم

یہ رسالہ موسوم بہ محرق قاطع برہان جو ثاقب نے تم کو بھیجا ہے۔ میرے کہنے سے بھیجا ہے۔ اور اس ارسال سے میرا مدعا یہ ہے کہ اس کے معاینہ کے وقت اس کتاب کی بے ربطی عبارت پر اور میری اپنی قرابت اور نسبت ہائے عدیدہ پر نظر نہ کرو۔ بیگانہ وار دیکھو اور بروئے انصاف حکم دو بے حیف و میل اس نے جو مجھ کو گالیاں دی ہیں ان پر غصہ نہ کرو۔ غلطیاں عبارت کی شدت التہاب حمل کی صورت سوال دیگر جواب دیگر ان باتوں کی طرف نظر کرو۔ بلکہ اگر فرصت مساعدت کرے تو ان مراتب کو الگ ایک کاغذ پر لکھو۔ اور بعد اتمام میرے پاس بھیجدو۔ میرا ایک دوست ہوا خواہ کہ وہ منجملہ جہال اقلیم ہے ان ہفوات کا خاکہ اڑا رہا ہے۔ نیر رخشاں نے اس کو مدد دی ہے تم بھی بھائی مدد دو اور وہ امر مبہم کہ جو تمہارے والد کی تحریر سے دلنشیں نہیں ہوا۔ یعنی قصہ ٹیک جانا اور پھر آنا اس کا اجمال

مفصل و مشرح لکھ دیں تاریخ اپنا نام آغاز کتابت میں لکھ آیا ہوں۔ اب ارسال جواب کی تاکید کے سوا اور کیا لکھوں فقط۔

ایضاً۔ میاں تمہارے باپ کا تابع تمہارا مطیع فرخ مرزا فرمانبردار مگر اپنی اُٹھا ہوں۔ اپنے کو بھی نہیں سمجھا کہ میں کون ہوں۔ آج فرخ صاحب کے نام کا رقعہ پہنچ جائیگا جو جز تمہارے دیئے ہوئے میر مہدی حسین صاحب کو دیجئے۔ اور باقی دن چڑھے عیاں مطبع جمع ہولیں تو وہ ملتی بھی منگا دوں۔ غالب

ایضاً شنبہ ۸ شعبان و ۷ فروری وقت نماز ظہر عزیز اصغر سید یحییٰ سرائے مولانا علائی کے خاطر نشان و دولت نشین ہو کہ آج صبح کو ۵ یا ۶ گھڑی دن چڑھے۔ دونوں بھائی صاحب تشریف لائے میں گیا اور ملا علی حسین خان کو بھی دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بھائی صاحب والدہ صاحبہ کے پاس گئے میں گھر آیا کھانا کھایا دوپہر کو تمہارا خط پایا۔ یہ دو گھڑی لوٹ پوٹ کر جواب لکھا۔ اور ڈاک میں بھجوایا۔ یہ مرض جو بھائی کو ہے اس راہ سے کہ ضد صحت ہے۔ مگر وہ جیسا ہے مہذہ ہرگز موجب خوف و خطر نہیں میں تو بھول گیا تھا۔ اب بھائی کے بیان سے یاد آگیا کہ ۱۲-۱۳ برس پہلے ایک دن ناگاہ یہ حالت طاری ہو گئی تھی۔ وہ موسم جوانی کا تھا۔ اور حضرت عادی بہ افیون نہ تھے تنقیہ بہ قے فوراً اور بہ اسہال بعد چند روز عمل میں آیا۔ اب سن کہولت استعمال افیون مزید علیہ وہ وہ جلد جلد متواتر ہوئے اضطراب از راہ محبت ہے از روئے حکمت اضطراب کی کوئی وجہ نہیں نظری میں یکتا حکیم امام الدین خان وہ عملی میں چالاک حکیم احسن اللہ خان وہ کرولی ہے۔ حکیم محمود خان وہ ہمسایہ دیوار بہ دیوار حکیم غلام نجف خان وہ دوست قدیم صادق الولا حکیم تبا کے خاندان میں دو صاحب موجود۔ تیسرے حکیم ہیں وہ بھی شریک ہو جائیں گے۔ اب آپ فرمائیے حکیم کون ہے۔ ہاں دو ایک ڈاکٹر یا عطیار ہم قوم حکام یا امیر یا کوئی ایک آدھ بید سو متردد اور گمنام بہر حال خاطر جمع رکھو۔ خدا کے فضل پر نظر رکھو۔ سبحان اللہ تم مجھ سے سفارش کرو۔ امین الدین خان کی کیا میرے پہلو میں دل یا میرے دل میں ایمان جس کو محبت بھی کہتے ہیں۔ بقدر پرنشہ و سر مو بھی نہیں معالجہ حکماء کی رائے پر رہیگا۔ تدبیر اور غمخواری میں اگر قصور کروں تو گنہگار میاں ایسے موقع میں رائے اطباء میں خلاف کم واقع ہوتا ہے مرض تشخیص ہو، معین سو مزاج سازج نہیں مادی ہے۔ اور مادہ بارد ہے۔ کوئی طبیب سوائے تنقیہ کے کچھ تدبیر نہ سوچیگا تنقیہ میں سوائے منضجات بلغم اور کچھ تجویز نہ کریگا۔ تجویز ہے کہ دو دن کے بعد تنقیہ خاص ہو۔ اور ایارج کو مسہل دیا جائے۔ اسماء و آیات شفا بخش متبرک ہیں سو محو و دفع بلا ان کے ذریعہ سے متصور ہے۔ لیکن ان ملاؤں و عزائم خوانوں نے نہ تو دی ہے۔ کچھ نہیں جانتے اور باتیں بکھارتے ہیں۔ تمہارے باپ پر کوئی سحر کیوں کرے گا۔ بیچارہ

مانگ ایک ایسے گوشہ میں رہتا ہے۔ کہ جب تک خاص وہاں کا قصد نہ کرے۔ کبھی کوئی وہاں نہ جائے۔ یہ خیال عبث ہاں خیرات دو مساکین سے طلب دعا اور اہل اللہ سے استمداد۔ شہر میں مساکین شمار سے باہر۔ اہل اللہ میں ایک حافظ میر الحمد۔ تابخیر شما سلامت۔ نجات کا طالب۔ غالب نے دن اور تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں ۞

ایضاً اقبال نشان والاشان صدرہ عزیز تر از جان مرزا علائی الدین خان کو دعائے درویشانہ غالب دیوانہ پہنچے۔ سال نگارش تم کو یاد ہو گا۔ میں نے دفترستان قدسی کا نام کو جانشین و خلیفہ قرار دیکر ایک سجل لکھ دیا ہے۔ اب جو چار کم اسی برس کی عمر ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا بلکہ مہینوں کی نہ رہی۔ شاید بارہ مہینے جسکو ایک برس کہتے ہیں۔ اور جیون ورنہ دو چار مہینے پانچ سات ہفتے دس بیس دن کی بات رہ گئی ہے۔ اپنی ثبات حواس میں اپنے دستخط سے یہ توقیع تم کو لکھ دیتا ہوں۔ کہ فن اردو میں قولاً و فعلاً تم میرے جانشین ہو جا چاہئے۔ کہ میرے جاننے والے جیسا مجھ کو جانتے تھے۔ ویسا تم کو جانیں اور جس طرح مجھ کو مانتے تھے تم کو مانیں۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ وَيَبْقىٰ وَجهُ رَبِّكَ ذُو الجَلالِ والإِكرَام ۞ یک شنبہ سلخ صفر ۱۲۸۵ھ ہجری ۲۱-جون ۱۸۶۸ء من مقام دہلی ۞

بنام مرزا امیر الدین احمد خان المدعو بہ فرخ مرزا

اے مردم چشم جہاں بین غالب پہلے القاب کے معنی سمجھ لو۔ یعنی چشم جہاں بین غالب کی تپلی چشم جہان بین تمہارا باپ مرزا علاؤالدین خان بہادر اور پتلی تم۔ آج میں نے تمہارا خط دیکھا مجھ کو بہت پسند آیا۔ اُستاد کامل نہ ہونے کے باوصف تم نے یہ کمال حاصل کیا۔ آفرین صد آفرین میں اپنے اور تمہارے پروردگار سے کہ وہ رب العالمین ہے یہ دعا مانگتا ہوں کہ تم کو زیادہ نہیں تو تمہارے باپ کے برابر علم و فضل اور تمہارے پردادا حضرت فخرالدولہ نواب احمد بخش خان بہادر جنت آرام گاہ کے برابر جاہ و جلال عنایت کرے سیاں تمہارے دادا نواب امین الدین خان بہادر ہیں۔ میں تو تمہارا دل دادہ ہوں بخیر دار ہر جمعہ کو اپنی صورت مجھے دکھا جایا کرو۔ والدعا دیدار کا طالب غالب ۞

بنام میر احمد حسین المتخلص بہ میکش

بھائی میکش آفرین۔ ہزار آفرین۔ تاریخ نے مزا دیا۔ خدا جانے وہ خُرمے کس مزے کے ہونگے۔ جی

کی تاریخ ایسی ہے۔ دیکھو صاحب ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ تو تاریخ دیکھی اس کی تعریف کے خرمے کھاؤ گے۔ اُس کی توصیف کرو گے۔ کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آوے کہ یہ حسن طلب ہے کہ تاج الدین محمد غریب کو زیادہ تکلیف دو۔ ایسی نعمت نے کہاں آیا ہے جو خرمے لیکر آوے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ اگر بفرض محال تم یوں ہی عمل میں لاؤ گے۔ اور میاں دین محمد صاحب کے ہاتھ خرمے بھجواؤ گے۔ تو ہم بھی کہیں گے تازہ تھے بہتر یا رہ سے بہتر ہو۔

ایضاً۔ میاں عجب اتفاق ہے۔ نہ میں تمہارے دیکھنے کو آسکتا ہوں نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنجہ فرما سکتے ہو۔ وہ قدم رنجہ کہاں سے کرو۔ سراپا رنجہ ہو۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ یہ تعطیل کے دن کیا خوش گذرے۔ یوسف مرزا سے میر سرفراز حسین سے تمہارا حال سن لیتا ہوں۔ اور سن کر کڑھتا ہوں۔ خدا تمہارے حال پر رحم کرے۔ اور تم کو شفا دے۔ خواہش یہ ہے۔ کہ تا توفیق کا عذر نہ کرو۔ معمولاً اپنا حال اپنے ہاتھ سے لکھو۔ والدعا۔ اسد ؎

بنام جناب حکیم غلام مرتضےٰ خان صاحب

جانصاحب جمیل المناقب حکیم غلام مرتضےٰ خان صاحب کو غالب مہجور کا سلام خوب یاد کیجئے۔ کہ میں نے کبھی کسی امر میں آپکو تکلیف نہیں دی۔ اب ایک طرح کی عنایت کا سائل ہوں۔ حامل ہذا المکتوب پنڈت جے نرائن میرا یہ خط لیکر حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے بزرگ نواب احمد بخش خان کی سرکار میں مناصب عالیہ اور عہدہ ہائے جلیلہ رکھتے تھے۔ اب متوقع یہ آیا ہے۔ کہ جیسے نوکری میں چھپالے آتے ہیں۔ آپ کو میرے سر کی قسم جہاں تک ہو سکے سعی کر کے ان کو موافق ان کی عزت کے کوئی منصب کوئی عہدہ دلوا دو گے۔ تو میں یہ جانوں گا کہ تم نے مجھے نوکر رکھوا دیا ہے۔ بڑا احسانمند ہوں گا۔ نجات کا طالب۔ غالب ۱۳ شوال ۱۲۸۱ھ ہجری ؎

بنام جناب حکیم غلام رضا خان صاحب

نور دیدہ و سرور دل و راحت جان، اقبال نشان حکیم غلام رضا خان کو غالب نیم جان کی دعا پہنچے۔ تم سے رخصت ہو کر اور تمہیں خدا کو سونپ کر روانہ رامپور ہوا موسم اچھا تھا۔ گرمی گذر گئی تھی۔ جاڑا ابھی چمکا نہ تھا۔ عالم اعتدال آب و ہوا سایہ و سرچشمہ جا بجا آرام سے رامپور پہنچا۔ نواب صاحب عالی بمقتضائے الولد سر لابیہ حسن اخلاق میں نواب فردوس آرام گاہ کے برابر بلکہ بعض شیوہ و روش میں ان سے بہتر

ہیں بمجرد مسند نشینی کے غلہ کا محصول یک قلم معاف کیا۔ علی بخش خان خانساماں کو تیس ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا۔ مفصل حالات بذل ونوال عندالملاقات زبانی کہوں گا۔ سنو صاحب میں فقیر آزاد کیش ہوں۔ دنیادار نہیں مکار نہیں۔ خوشامد میرا شعار نہیں۔ جس میں جو صفات دیکھتا ہوں وہ بیان کرتا ہوں۔ نواب صاحب تو گھر بیٹھے مجھے سو روپیہ مہینہ دیتے ہیں۔ تم مجھے کیا دیتے ہو۔ جو تمہارے باب میں میرا عقیدہ یہ ہے۔ کہ اگر بالفرض میرا کوئی صلبی بیٹا ایسا ہوتا جیسے تم ہو۔ تو میں اس کو اپنا فخر و شرف جانتا۔ علم و عقل و خلق و صدق و سداد و حلم کے جامع تورع و زہد و تقویٰ کے حاوی اخلاق میں حکماء روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں۔ وہ سب تم میں پائے جاتے ہیں۔ پروردگار تم کو عمر طبعی عطا کرے اور دولت و اقبال شمار سے زیادہ دے۔ انشاء اللہ کہ ہمچنیں خواہد بود۔ غالب ؎

بنام جناب ماسٹر پیارے لال صاحب

شفیق مکرم بابو پیارے لال صاحب کو سلام کل رقعہ مسودہ بابو جیند و لال صاحب کے پاس پہنچ گیا ہے۔ یقین ہے کہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا۔ اور آپ مسودہ کرنے پر متوجہ ہونگے۔ جلدی کا نہیں آپ بغور اچھی طرح تامل سے لکھئے۔ جب صاف ہو جائیگا۔ مجھے دیجئے گا۔ میں اپنی مہر کرکے ڈاک میں بھجوا دونگا۔ ابھی ڈپٹی کمشنر بہادر کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ کہتے تھے۔ کہ کل لارڈ صاحب آئیں گے۔ اور پرسوں شملے تشریف لے جائیں گے۔ بطریق اطلاع آپ کو لکھا ہے۔ یہ منظور نہیں کہ عرضی آج تیار ہو جائے اور کل میں آپ دو ن ڈاک میں ارسال کرنا منظور ہے

راقم اسد اللہ خان غالب۔ ۱۳ اپریل ۱۸۶۶ء

ایضاً۔ کیوں صاحب ہم سے ایسے خفا ہو گئے کہ ملنا بھی چھوڑا۔ خیر میری تقصیر معاف کرو۔ اور اگر ایسا ہی گناہ عظیم ہے کہ کبھی نہ بخشا جائیگا۔ تو وہ گناہ میرا مجھ پر ظاہر کرو۔ تاکہ میں اپنے قصور پر اطلاع پاؤں۔ برخوردار بیرا شنگھ تمہارے پاس پہنچتا ہے۔ اور یہ تمہارا دست گرفتہ ہے۔ رہتک میں تم نے اسے نوکر رکھوا دیا تھا۔ خیر وہاں کی صورت بگڑ گئی۔ اب یہ غریب بہت تباہ ہے۔ اور امور معاش میں سخت دل تنگ تمہیں دستگیری کرو۔ تو یہ سنبھلے ورنہ اس کا نقش ہستی صفحہ دہر سے مٹ جائیگا۔ والسلام۔ عنایت کا طالب۔ غالب ؎

ایضاً۔ فرزند ارجمند اقبال بلند بابو ماسٹر پیارے لال کو غالب ناتواں نیم جان کی دعا پہنچے۔ لاہور پہنچ کر تم نے مجھے خط نہ بھیجا اس کی میں جتنی شکایت کروں بجا ہے تم نہیں جانتے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے

میں تمہارا عاشق ہوں۔ اور کیونکر نہ عاشق ہوں صورت کے تم اچھے سیرت کے تم اچھے۔ شیوہ وروش کے تم اچھے۔ خالق نے خوبیاں تم میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ اگر میرا صلبی فرزند ایسا ہوتا تو میں اسکو اپنا فخر خاندان سمجھتا۔ اور اب تم جس قوم اور جس خاندان میں ہو اُس قوم اور اُس خاندان کے ذریعۂ افتخار ہو۔ خدا تم کو سلامت رکھے۔ اور عمر و دولت و اقبال و جاہ و جلال عطا کرے۔ میاں تم کو یاد ہے۔ کہ میں رقعۂ سابق میں اس سے نورچشم مرزا یوسف علی خان کے باب میں کچھ لکھا ہے۔ میرے اختلال حواس کا حال تم جانتے ہو۔ خدا جانے اس وقت کس خیال میں تھا۔ اور میں کیا لکھ گیا۔ وہ جو کچھ لکھا مہمل انگاری تھی۔ اب جو کچھ لکھتا ہوں۔ یہ راست گفتاری ہے۔ مختصر یہ یعنی مرزا یوسف علی خان عزیز بڑے عالی خاندان اور بڑے بزرگ قوم کے ہیں۔ شاعر بھی بہت اچھے ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ صاحب استعداد ہیں۔ علم اُن کو اچھا ہے۔ یہ بھی گویا فرقۂ اہل علم و فضل ہی سے ہیں۔ اور ترقی کے قابل ہیں۔ نورچشم مولوی نعیم الدین کو میری دعا کہنا۔ تحریر ۳۰، جنوری ۱۸۶۸ء

بنام منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر

برخوردار منشی جواہر سنگھ کو بعد دعائے دوام عمر و دولت معلوم ہو۔ خط تمہارا پہنچا۔ خیر و عافیت تمہاری معلوم ہوئی۔ قطعے جو تم کو مطلوب تھے۔ اُس کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے میں تم سے کہہ نہیں سکتا۔ نری کوشش نہیں روپیہ صرف کیا ۱۵ روپیہ جو تم نے بھیجے تھے۔ وہ اور پچیس تیس روپیہ اپنے صرف کئے پانچ پانچ اور چار چار روپیہ اور دو دو روپیہ کو قطعے مول لئے اور بنوائے۔ خرید میں روپیہ جدا دیئے اور بنوانے میں روپیہ جدا لگے۔ دوڑتا پھرا۔ حکیم صاحب پاس کئی بار جاکر حضور والا کا قطعہ لایا۔ اب دوڑ رہا ہے۔ ولیعہد بہادر کے دستخطی قطعہ کے واسطے یقین کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آوے۔ اور یہاں اس قطعہ کے ہاتھ آنے کے وہ سب کو یکجا کر کے تمہارے پاس بھیجدیگا۔ مدد میں بھی اس کی کرتا ہوں۔ لیکن اُس نے بڑی مشقت کی۔ آفریں صد آفریں۔ پندرہ روپیہ میں سے ایک روپیہ اپنے صرف میں نہیں لایا۔ اور اماں کو عاجز کر کے اس سے بہت روپے لئے۔ جب سب قطعہ تمہارے پاس پہنچیگے۔ تب اُس کا حُسن خدمت تم پر ظاہر ہوگا کیوں صاحب وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی۔ بہت دن ہوئے۔ جب تم نے لکھا تھا۔ کہ اسی ہفتہ میں بھیجوں گا۔ والدعا۔ اسد اللہ ۔

ایضاً۔ برخوردار کامگار سعادت و اقبال نشان منشی جواہر سنگھ جوہر کو بلب گڈھ کی تحصیلداری مبارک ہو۔ پیپلی سے نوح آئے نوح سے بلب گڈھ گئے۔ اب بلب گڈھ سے دِلّی آؤ گے۔ انشاء اللہ سنو صاحب حکیم مرزا جان خلف الصدق حکیم آغا جان صاحب کے تمہارے علاقہ تحصیلداری میں بصیغہ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہیں۔ ان کے والد ماجد میرے پچاس برس کے دوست ہیں۔ ان کو اپنے بھائی کی برابر جانتا ہوں۔ اس صورت میں حکیم مرزا جان میرے بھتیجے اور تمہارے بھائی ہوئے لازم ہے کہ اُن سے یکدل و یک رنگ رہو۔ اور ان کے مددگار بنے رہو۔ سرکار سے یہ عہدہ بصیغہ دوام ہے۔ تم کو کوئی نئی بات پیش کرنی نہ ہوگی۔ صرف اسی امر میں کوشش ہے کہ صورت اچھی بنی رہے۔ سرکار کی خاطر نشان رہے کہ حکیم مرزا جان ہوشیار اور کارگزار آدمی ہے۔ ۱۷ فروری ۱۸۶۴ء

بنام منشی ہیرا سنگھ صاحب

نورِ چشم غالب غم دیدہ۔ منشی ہیرا سنگھ کو دعا پہنچے۔ تمہارا خط مقررہ ۱۰ جنوری پہنچا۔ دورہ کا سفر اور تمام ہوا اب جاڑوں کے دن آرام سے کاٹو۔ گھبراؤ نہیں۔ سال بھر پڑھائے۔ جب دفتر کا شعبہ سے آگاہ ہوجائے۔ تب ڈپٹی کمشنر سے ترقی کی درخواست کرنا۔ اگر نائب تحصیلدار ہو جاؤ گے۔ تو رفتہ رفتہ اکسٹرا اسسٹنٹ ہونے کی گنجائش ہے۔ مدرسہ علاقہ میں تو نوکر نہیں ہو جو بابو پیارے لال کو تمہاری بدلی کا اختیار ہو۔ تمہارا دیں اس باب میں بابو صاحب سے نہ کہوں گا اور نہ یہ خط تمہارا منشی جواہر سنگھ کو دکھلاؤں گا۔ ناحق الجھو کیوں؟ اس اُلجھنے سے فائدہ کیا۔ خاطر جمع رکھو ع کرحم گر نکند مدعی خدا بکند۔ میں ویسا ہی ہوں۔ جیسا تم دیکھ گئے ہو۔ اور جب تک جیوں گا ایسا ہی رہوں گا۔ غالب ۱۴ جنوری ۱۸۶۶ء

بنام منشی بہاری لال المتخلص بہ مشتاق

سعادتمند باکمال منشی بہاری لال کو بہین تاثیر دعائے غالب خستہ حال عمر و دولت اقبال فراواں منشی من بھاون لال تمہارے والد ماجد کا انتقال موجب رنج و ملال ہوا اگرچہ اس مرحوم سے میری ملاقات نہ تھی لیکن تمہارے تنہا اور بے عزیز رہ جانے کا میں نے بہت غم کھایا۔ خدا ان کو بخشے اور تم کو صبر عطا کرے۔ غالب ۲۷۔ فروری ۱۸۶۶ء

ایضاً برخوردار بہاری لال مجھ کو تم سے جو محبت ہے۔ اُس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہارے خال فرخ فال منشی مکند لال میرے بڑے پُرانے یار ہیں۔ خوشخو۔ شگفتہ رو۔ بذلہ گو۔ دوسرے تمہاری سعادتمندی اور خوبی اور حلم اور لیاقت اور قابلیت علم اُردو نظم و نثر میں تمہاری طبع کی روانی اور تمہاری قلم کی گل افشانی مگر چونکہ تم کو مشاہدۂ اخبار اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی عبارت کا شغل تحریر ہمیشہ رہتا ہے۔ بہ تقلید اور اخبار نویسوں کے تمہاری عبارت میں بھی املا کی غلطیاں ہوتی ہیں میں تم کو جا بجا آگاہ کرتا رہتا ہوں۔ خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ بالکل زائل ہو جائے۔ مگر بہاری لال اس نونہال بلاغ دولت یعنی حکیم غلام رضا خاں کے دوام صحبت کو اپنے طالع کی یاوری سمجھو۔ یہ دانشمند ستودہ خوئے امیر نامور ہونے والا اور مرتبۂ اعلیٰ کو پہنچنے والا ہے۔ اس کی ترقی کے ضمن میں تمہاری بھی ترقی ہونے والی ہے۔ ع

بیا دامان صاحب دولتے گیر   کہ مرد از صاحب دولت شود پیر

میاں پیچ تو یوں ہے۔ کہ اکمل المطابع اجمل المطابع بھی ہے۔ حکیم غلام نبی خاں مہربان روزگار ہیں۔ نیکو خوے اور نیکو کردار ہیں۔ میر فخر الدین اُستاد منش اور سعادتمند نوجوان ہیں۔ یکم کتار اور مہرنج و مہرنجان ہیں۔ تم چاروں شخص بیک صدق و صفا و مہر و وفا کے چار عنصر ہو جہاں آفریں تم چاروں صاحبوں کو خوشنود و دل شاد اور اکمل المطابع کو بارونق و آباد رکھے۔ غالب ۷ رجب ۱۲۸۶ھ

خاتمہ کتاب اردوئے معلی ریختہ کلک بلاغت انتما سخندان بیمثال معنی سنج نازک خیال شاعر نغز گوئے لاو بیانا تر جادو طراز شیرین بیان مرزا قربان علی بیگ خاں صاحب سالک شاگرد

مولانا غالب مرحوم

شیدائیان شاہد دلفریب سخن ہر وقت اس کے خریدار اور شیفتگان حسن معانی ہر دم اس کے خواستگار رہتے ہیں کہ اچھا کلام جو طبع طباع ناظرین خردمند پیشہ اور پسند خاطر شائقین درست اندیشہ ہو میسر آئے صاحب نظران دیدہ وری کی آنکھیں بستان معانی کی سیر سے سیر ہوتی ہیں مشاہدۂ ماہ پیکران

عنبر افشاں سے تسلی نہیں پاتے اور رنگین مشامان نکتہ پرور جیسے دماغ میں گلستان سخن کی بو بھر جاتی ہے ہیں چین باغ ارم کے سونگھنے کو نہیں جاتے۔ اور پھر وہ کلام اور وہ سخن جو نیر اعظم سپہر سخنوری و ماہ منیر آسمان معنی گستری شہسوار عرصہ نکتہ دانی یکہ تاز میدان جادو بیانی فرمانروائے کشور نازک خیالی زینت افزائے اورنگ بے مثال تاجور کشور رفعت شاعر فطرتی رتبت چمن آرائے گلستان فصاحت عندلیب خیابان بلاغت فروغ بزم آفرینش نور دیدہ بینش استاد یگانہ مسلم الثبوت زمانہ رشک عرفی و غیرت طالب جناب استادی نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ غالب کی زبان معجز بیان سے آیا ہو۔ اور خامہ پروین افشاں سے نکلا ہو یعنی مجموعہ یہ سفینہ بے نظیر و مجموعہ دلپذیر جس کا ہر حرف باعث نظارت چشم نظارگیاں اور ہر نقطہ سبب تازگی دیدہ مشتاقاں ہے ہر سطر کو دریائے موج خیز معانی اور ہر فقرہ کو گلزار ہمیشہ بہار رنگین بیانی کہنا چاہیے عبارت سے سلسبیل کی سلاست پیدا ہے۔ مضامین سے آب کوثر کی لطافت ہویدا بلکہ انداز رسا میں گوہر معانی شکار شیرینی ادا پر ادائے شیرین بیان متعدد غور کیجیے کہ فراہم آنا اس نسخہ بے بدل کا اور طبع ہونا اس کتاب بے مثل کا کیونکر غنیمت نہ سمجھا جائے۔ ناظرین کو لطف ارزانی اور شائقین کو مذاق سخن کی فراوانی مبارک۔ کیونکر شکر فراہمی نسخہ کیا جائے۔ ہائے سالک اندوہگین کیا خوب کیا کلام ہے سنئے بے خبر گریہ و ہنگامہ ماتم عام ہے ؎

باید چو شمع در دل شبہا گریستن	سرگرم بودن از تہ دل پا گریستن
تا سازگار جسم مرا ناگوار خفتن	نا خوش گوار چشم مرا نا گریستن
این ست اگر تراوش سرچشمہ حیات	باید بر خضر و مسیحا گریستن

متنفید نامہ حکاویز تمام و کمال تشریف طبع نہ پاچکا تھا۔ کہ سپہر بے مہر نے بتاریخ ۲- ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ جامہ حیات جناب مغفور و مرحوم کو چاک کیا ہے۔ آفتاب علم و کمال کو ریخ خسوف دکھایا۔ ماہتاب فضل و ہنر کو صدمہ کسوف میں پھنسایا ؎

اس ستمگار سے کوئی پوچھے	ہاتھ اس واقعے سے کیا آیا

نہ سوچا کہ عالم میں تاریکی چھا جائیگی زمانہ کو تسکین نہ ہاتھ آئیگی۔ آنکھیں اشکبار دل بیقرار ہونگے۔ مگر ؎

نیش عقرب نہ پئے کین است	مقتضائے طبیعتش این است

اپنی عادت سے ناچار ہے دشمنی اہل کمال اس کا اشعار ہے۔ کوئی مبتلائے آفت ہو تو ہو گرفتار

مصیبت ہو اس کو اپنی گردش کا فلک دکھاتا ہے کبھی یگانۂ آفاق کو نقشِ ہستی صفحۂ روزگار سے مٹاتا ہے۔ سخن اُردوئے نوحہ سرائی سے کیونکر بدل نہ ہو۔ سخن سنجی کے عوض کبھی نالۂ پُردرد اور کبھی آہِ سرد لب پر ہے۔ کہئے جب یہ بارِ گراں افسردہ دل پر آئے دل کی مجال ہے۔ کہ بیٹھ نہ جائے۔ کیسی تاریخ خاتمۂ کتاب کیسا دیباچہ۔ ہاں گفتگو کو مختصر کرتا ہوں اور ایک قطعہ لکھتا ہوں۔

قطعہ

کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا — لب پہ نالوں کا اژدحام ہوا
سانحہ مرگ حضرت غالب — سببِ رنجِ خاص و عام ہوا
ہے یہی سالِ طبع سالِ وفات — آج اُن کا سخن تمام ہوا

تاریخ طبع حصّہ اوّل اُردوئے معلّٰی طبع زادِ منشی جواہر سنگھ صاحب جوہر تخلص

جو اُردوئے معلّٰی گشت تصنیف — ہمانا یک جہاں گردید طالب
پئے سالِ مسیحائی طبعش — بگو جوہر خبے اُردوئے غالب

ملنے کا پتہ
ایم۔ فرمان علی تاجر کتب موہن لال روڈ
لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُردوئے مُعلّٰی

حصّہ دوم

دیباچہ کہ بر سراج المعرفت من تصنیف مولوی مُفتی سیّد رحمت علی خان بہادر نگاشتہ اند

سبحان اللہ آدمی اور خدا کی حمد و شکر کا دعویٰ حمد و شکر کی گزارش کا سرمایہ دو قوتیں ہیں شکر اور نطق اور یہ دونوں قوتیں موہبتی ہیں۔ بخشی ہوئی دستگاہ پر خودنمائی اور پھر اُسی بخشنے والے کے آگے کیسی تنگ ظرفی ہے۔ اور کیسی برہنہ حیائی۔ اس صورت میں ادائے حق حمد کے تو کیا معنی مگر ہاں حمد کرنے والا بقدر توفیق حمد شائستۂ آفرین ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ کہ توفیق نتیجۂ کشت و کار ہے؟ البتہ عطیۂ پروردگار ہے۔ قدرت حمد اُس نے پیدا کی۔ توفیق حمد اُس نے عطا کی۔ جبکہ آدمی حمد کا عاجز ہو۔ تو سپاس عطیۂ توفیق کیوں نہ لازم ہو۔ ہاں اے حق شناس اگر تجھ کو شعور ہے عطیۂ توفیق شکر ایک اور شکر ضروری ہے

اگر کسے شکر حق فزوں گوید شکر توفیق شکر چوں گوید

حق یوں ہے۔ کہ حقیقت از روئے مثال ایک نامۂ سربمہر پیچیدہ سربستہ ہے۔ کہ جس کے سرنامہ پر لکھا ہے۔ لاموثر فی الوجود الا اللہ۔ اور خط میں مندرج ہے لا موجود الا اللہ اور اس خط کا لانے والا اور اس راز کا بتلانے والا وہ نامہ گزار نامور ہے۔ کہ جس پر رسالت ختم ہوئی۔ ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی صورت یہ ہے۔ کہ مراتب توحید چار ہیں۔ آثار و افعال و صفات و ذات انبیائے پیشین صلوات اللہ علیٰ نبینا و علیہم اطلاق مدارج توحید سہ گانہ پر مامور تھے۔ خاتم الانبیاء کو حکم ہوا۔ کہ حجاب تعینات اعتباری اٹھا دیں اور حقیقت یگانگی ذات کو صورت الآن کما کان میں دکھا دیں۔ اب گنجینۂ معرفت خواص اُمت محمدیؐ کا سینہ ہے۔ اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے۔ عامہ مومنین کی کہ وہ اس کلام سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہیں۔ اور نفی شرک فی الوجود جو اصل مقصود ہے۔ انکی نظر میں نہیں جیسا لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ

کہیں گے اُس سے اُسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قدم گاہ پر رہینگے یعنی ہمارے کلمہ سے وہ مراد ہے جو خاتم الرُسل کا مقصود تھا۔ یہی حقیقت شفاعت محمدی کی اور یہی معنی ہیں۔ رحمتہ للعالمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناخوش ہے ندائے روح فزائے من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ قلم اگرچہ دیکھنے میں دو زبان ہے۔ لیکن وحدت حقیقی کا ازدواج ہے۔ گفتگوئے توحید میں وہ لذت ہے۔ کہ جی چاہتا ہے۔ کوئی سو بار کہے۔ اور سو بار سنے۔ نبی کی حقیقت دو جہتیں ہے ایک جہت خالق کہ جس سے، مستفیض کرتا ہے۔ اور جہت خلق کہ جس سے فیض پہنچاتا ہے۔ ؎

بنی را دو وجہ است ولیکن خلق یکے سوئے خالق یکے سوئے خلق

بداں وجہ از حق بود مستفیض بدیں وجہ بہ خلق باشد مفیض

یہ جو صوفیہ کا قول ہے۔ الولایۃ افضل من النبوۃ یعنی اس کے صاف از روئے انصاف یہ ہیں۔ کہ ولایت نبی کی کہ وہ وجہ الی الحق ہے افضل ہے۔ نبوت سے کہ وہ وجہ الی الخلق ہے نہ یہ کہ ولایت عام افضل ہے۔ نبوت خاص سے جس طرح نبی مستفیض ہے۔ حضرت الوہیت سے اُسی طرح ولی مستنیر ہے انوار نبوت سے۔ مستنیر کی تفضیل منیر پیامبر مستفیض کی ترجیح مفیض پر۔ ہرگز معقول اور عقلا کے نزدیک مقبول نہیں اب وہ ولایت خاصہ نبی تھی نبوت کے ساتھ منقطع ہو گئی۔ مگر وہ فروغ کا اخذ کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ نبوت سے منور رہاتی ہے نقل و تحویل ہوتی چلی آتی ہے۔ اور چراغ سے چراغ جلتا چلا جاتا ہے۔ اور یہ سراج ایزدی تا ظہور صبح قیامت روشن رہے گا۔ اور اب اُسی کا نام ولایت اور یہی مشعل طریق ہدایت ہے۔ ولایت و ہدایت وہی حقیقت توحید ذاتی ہے کہ جو اندر سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ شہید عیون اعیان اُمت اور منظور اکابر ملت ہوتی ہے۔ مگر وہ بات ایکبار ہو کہ ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہے اور دل نور معرفت سے منور ہو جائے، اور وہ مقام نبوت کہاں کہ قائل لا الٰہ الا اللہ کو اگرچہ اُس کے معنے اچھی طرح نہ سمجھا ہو قدم گاہ توحید پر قایم کر دے یعنی رسول مقبول واجب التعظیم قائل انا احمد بلا میم علیہ التحیۃ والتسلیم اب سعادت بقدر ارادت ہے اور بلند جراحت ہیچ بھی تو ہے آدمی کیونکر سمجھ سکے اور بطلان بدیہیات کے جواز پر اس بلکہ نظر تسلی ہو یعنی اس مجموع موجودات کو کہ افلاک و انجم و بحار و جبال اسی میں ہیں۔ نیست و نابود محض جان لے اور تمام عالم کو ایک وجود مان لے۔ رباعی

اے کردہ بآرائش گفتار بسیچ در زلف سخن کشودہ راہ خم و پیچ

عالم کہ تو چیز دیگرش مے دانی ذاتیست بسیط و منبسط دیگر ہیچ

جب اولیاء اللہ نے کہ وہ اطبائے روحانی ہیں۔ دیکھا کہ نفوسِ بشری پر وہم غالب ہے اور بسبب
استیلائے وہم مشاہدۂ وحدتِ ذات سے محروم رہے جاتے ہیں۔ ہرچند اُن کو سمجھائیں گے راہ پر نہ
آئیں گے۔ ناچار اشغال و اذکار وضع کیے۔ تا قوتِ متخیلہ اُس میں اُلجھی رہے۔ اور رفتہ رفتہ بے
خودی طاری ہو جاوے۔ وحدتِ وجود اس طرح کی بات تو نہیں کہ تہ ہو۔ اور ہم اس کو بجبر یا بہ تکلف
ثابت کیا چاہتے ہوں۔ ع دانی ہمہ اوست ورنہ دانی ہمہ اوست۔ وہم صورت گری اور پیکر تراشی
کر رہا ہے۔ اور معدومات کو موجود سمجھ رہا ہے۔ پس جب وہ وہم شغل و ذکر کی طرف مشغول ہو گیا
بے شبہ اپنے کام سے یعنی صورت گری و پیکر تراشی سے معزول ہو گیا۔ بیخبری و بیخودی چھا گئی۔ اور وہ
کیفیت موحدین کو بمجرد فہم حاصل ہوتی ہے۔ اُس شاغل کے نفس کو بیخودی میں آ گئی۔ ایک دریا
میں جان کر کودا ایک کو کسی نے تغافل کر کے دھکیل دیا۔ انجام دونوں کا ایک ہے۔ وہ لوگ جو وحدت
وجود کو سمجھ لیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ نہیں ہیں۔ مگر ہاں کم ہیں۔ اور مخفی ہیں۔ اور کہیں کہیں ہیں۔ اور
ایسے نفوس کو کہ جو کسبِ حالتِ بیخودی کے واسطے محتاجِ اشغال و اذکار رہیں۔ بہت ہیں۔ بلکہ بیشمار ہیں۔ حق
سبحانہ ہمیشہ سلامت رکھے۔ حضرت شاہنشاہِ حق شناس حق آگاہ سراج الملۃ والدین ابو ظفر بہادر
شاہ کو جو لباسِ بادشاہی میں یادِ الٰہی کر رہے ہیں ؎

شاہی و درویشی اینجا باہم است — بادشاہ عہد۔ قطب عالم است

حکم دیا حضرت پیر و مرشد برحق نے جنابِ آں افادت مآب۔ معرفت نصاب۔ مجمع البحرین شرع و عرفان
قرانُ السعدین عقل و ایمان۔ ابو حنیفۂ ثانی۔ سراج العلماء۔ ضیاء الفقہاء مولانا مفتی سید رحمت علی خاں
بہادر کو اور فرمایا اُن سے کہ وہ اشغال و اذکار جو انتہائے قوسِ نزولی نبوت و ابتدائے قوسِ عروجی
ولایت یعنی عہدِ جنابِ رسالت علیہ السلام سے ہم سینہ بسینہ و سفینہ بسفینہ چلے آتے ہیں اُن کو ایک
رسالے میں درج کریں۔ اور اس رسالے کی تحریر میں وہ عبارتِ اُردو کو صاف اور بے تکلف ہو خرچ
کریں کیوں نہ اربابِ فہم اس رازداری پہ قربان ہو جائیں۔ کہ مجموعِ اشغال و اذکار زبانِ حقیقت ترجمان
سے فرمائے ہیں۔ اور حکم دیا ہے کہ اُن کو وابستہ بسلاسلِ فقراء منقول من رسائل العرفاء تحریر کریں قضا را
یہ ترک کج مج زبان اسد اللہ خاں ہیچمدان کہ جس کا فن سخن میں غالب نام اور وہ خود مغلوب ہو رہا ہے
تمام ہے۔ اس رسالے کے مشاہدے سے مستفیض ہوا۔ جی میں آیا۔ کہ اس کتاب مستطاب پر ایک دیباچہ
لکھئے اور پھر میں برگِ سفر ساز کروں۔ اور عزمِ سفرِ حجاز کروں۔ زمزم کے پانی سے وضو کروں۔ اور اس
کاشانۂ ملائک آشیانہ کے گرد پھروں۔ اور حجرِ اسود کو چوموں۔ اور پھر وہاں سے مدینہ منورہ

کو جاؤں۔ اور خاک تربت اطہر کا سرمہ آنکھوں میں لگاؤں۔ بادشاہ نے کیا عجیب ہے کہ دو برس کی تنخواہ دیکر مجھ کو خانہ خدا کے طواف کی رخصت دیں۔ کہ یہ گنہگار وہاں جاوے اور اگر زیست باقی ہے۔ تو وہاں جا کر اپنے ستاون برس کے گناہ کہ جس میں سوائے شرک کے سب کچھ ہے۔ بخشوا کر پھر آوے ؎

غالب ہوائے کعبہ بسر جا گرفتہ است رفت آنکہ عزم خلخ و نوشاد کردے

دیباچہ کہ بر کتاب خواجہ بدر الدین خان عرف خواجہ امان موسوم بہ حدائق انظار نگاشتہ اند

سبحان اللہ شاہد زیبائے سخن کا حسن بھبتیاں۔ مشاہدہ اس کا نور افزائے نگاہ۔ تصوّر اس کا انجمن افروز خیال اندروئے لفظ۔ اہل معنی کی نظر میں آئینہ عارض جمال من حیث المعنی بصورت صنعت قلب کلام مقلوب یعنی کمال۔ اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو ہم اس صورت میں کیونکر کہیں کہ کیا ہوتا۔ اس تعینۂ خوب کی نظارگی سے بے بادہ مست ہو جاتے اور یہ پیکر ہوشربا دیکھ کر اہل معنی یک قلم صورت پرست ہو جاتے۔ نظم میں اور ہی ڈھنگ۔ نثر میں اور ہی روپ۔ فارسی میں اور ہی زمزمہ۔ اردو میں اور ہی آہنگ سیر و تواریخ میں وہ دیکھو جو تم سے سینکڑوں برس پہلے واقع ہوا۔ افسانہ و داستان میں وہ کچھ سنو کہ کبھی کسی نے نہ دیکھا نہ سنا۔ ہر چند خردمند بیدار مغز تواریخ کی طرف بالطبع مائل ہونگے۔ لیکن قصہ کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے بھی دل سے قائل ہونگے۔ کیا تواریخ میں متنع الوقوع حکایات نہیں۔ ناانصافی کرتے ہو۔ یہ کچھ بات نہیں۔ سام اپنے فرزند کو پہاڑ پر پھکوائے سیمرغ اس کو اپنے گھونسلے میں اٹھالائے۔ پرورش کرکے پہلوان بنائے۔ آداب و حرب و ضرب سکھلائے۔ پھر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سے گھبرائے۔ زال اس اسم بے مسمیٰ کو بلائے۔ سیمرغ گردان کبوتر کی طرح سیٹی کی آواز سنتے ہی چلا آئے۔ اور اپنی بیٹ کے لیپ سے یا اور کسی طرح سے رستم کے زخم اچھے کرکے ایک تیر دوشاخہ دے کر تشریف لیجائے۔ رستم دس برس کی عمر میں مست ہاتھی کو ہلاک کرے۔ جب چشم بد دور جوان ہو۔ دیو سپید کو تہ خاک کرے۔ فرعون کا دعویٰ خدائی مشہور ہے۔ شداد و نمرود کا بھی تواریخ میں ایسا ہی مذکور ہے۔ اگر اہل طبیعت ایک پہلوان لبید سنت حمزہ دیو کش رستم جیسا قرار دیں۔ اور ایک نمرود شاہ گو وہ دعویٰ خدائی کرنے والا

شل نمرود گمراہیں گو یہ ایک ڈھکوسلا بنایا ہے مگر اچھا بنایا ہے۔ انہیں روایات کا چربہ اُٹھایا ہے
مگر اچھا اٹھایا ہے۔ موعظت۔ پند نہیں ترہات تذبذبانہ ہے۔ سیر و اخبار نہیں جھوٹا افسانہ ہے
داستان طرازی منجملہ فنونِ سخن ہے۔ سچ یہ ہے۔ کہ دل بہلانے کے لئے اچھا فن ہے۔ عمرو کی عیاریاں
دیکھو حمزہ کی میدان داریاں دیکھو۔ جامع ان حکایات کا کوئی سخنور ایران ہے۔ مگر وہ میر تقی محمد شاہی
جو ندیم شمس الدولہ اسحٰق خان کا ہے۔ گویا باغِ ارم کو ہندوستان میں اٹھا لایا۔ اس نے بوستان
خیال میں کچھ اور ہی تماشا دکھلایا۔ ان قصص میں سے ایک جلد ہے معز نامہ واہ ری بزم و رزم و سحر
و طلسم اور حسن و عشق کی گرمی ہنگامہ۔ معز الدین کی طلسم کشائیاں اگر سنیں تو امیر حمزہ کی یہ صورت
ہو کر اپنی صاحبقرانی کو ذمہ بندے پھریں۔ اور کہیں پتہ نہ پائیں۔ ابوالحسن کی عیاریوں کے جوہر اگر
دیکھیں تو خواجہ عمرو کو یہ حیرت ہو۔ کہ ذرہ سی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ وہ نواب امیر برادر زادہ
سعادت توامان خواجہ بدر الدین خان عرف خواجہ امان کہ وہ ایک جوان شیریں بیان تیز ہوش ہے
اور ہر فن کے کمال کی تحصیل میں سخت کشش و سخت کوش ہے۔ تا کہ جو خیال آیا لکھا یا گایا یا کہ بیان
تان سین کو انگلیوں پر نچایا یا مصوری کی طرف سے جو طبیعت آئی۔ وہ تصویر کھینچی کہ اس کو دیکھ کر
مانی و بہزاد کو حیرت آئی۔ اس اقبال آثار کا یہ ارادہ ہوا معز نامہ کی فارسی نثر کے اُردو کرنے پر آمادہ
ہوا حجتہ الملک فیروز بخت کی کشور کشائیاں۔ ابوالحسن جوہر کی نیرنگ نمائیاں عجائباتِ حکیم قسطاس
کی حیرت افزائیاں۔ ملکہ نوبہار کی رنگین ادائیاں جمشید خود پرست کی زور آزمائیاں عقار منکوس
منحوس کی حیلہ پیمائیاں سلیمن و کتقار کی لڑائیاں مسلمانوں کی بھلائیاں کافروں کی برائیاں فارسی
سے اردو میں لے آیاں۔ یوں تصور کرو کہ قالب اردو میں ایک قصر دلکشا یا ایک خانہ باغ نزہت
افزا سرتاسر بنایا۔ عبارت آرائی کو ترک کیا ہے۔ گویا تقریر کو پیرایہ تحریر دیا ہے۔ بعد اختتام نگارش
غالبِ خاک افتادہ سے دیباچہ لکھنے کی آرزو کی میں نے ہر چند عجز آمیز معذرت انگیز گفتگو کی بیداد
گر نے ایک بات نہ سنی اور ایک عذر نہ مانا۔ بھلا اس اصرار کا کیا علاج اور اس عہد کا کیا ٹھکانا۔
بھیجا اور پیادہ بھیجا۔ ناچار بجز خامہ فرسائی کے کچھ نہ بن آئی اس دیباچہ کے انجام کا سحر
اس کے اور کوئی رنگ نظر نہ آیا کہ عالم معراج کو سیدھا چلا گیا۔ اور حضرت نظامی سے
ایک شعر مانگ لایا۔ اسی شعر و شاعری شعار کو خاتمہ میں لکھے دیتا ہوں۔ بہت تنگ آ گیا ہوں
اب دم لیتا ہوں ۔؎

شکر کہ ایں نامہ بعنوان رسید ۔۔۔ پیشتر از عمر بپایان رسید

ومن اللہ التوفیق وھو خیر رفیق

تقریظے کہ بر کتاب ابوظفر سراج الدین بہادر نگاشتہ اند

اللہ اللہ نطق کو آفریدگار نے کیا پایہ اور کیا سرمایہ دیا ہے۔ کہ امور دینی میں سے کسی امر کا شہود اور مصالح دنیوی میں سے کسی مصلحت کا وجود۔ بلکہ اگر مثل اسم اعظم فرض کیجئے تو اسکی بھی نمود بے اس لطیفہ غیبی کا شمول نمود عالم امکان میں ممکن نہیں ؎

سخن داناں دوست دارم کہ دوست ۔۔۔ بہ تصدیق از نا طلبگار اوست

مسائل حکیمانہ کی بستی ترہات ندیمانہ کی مستی۔ درد و درد لطف کے مراتب کا اظہار افسانہ و افسون کے مقاصد کا مدار شکوہ و شکایت کا عنوان۔ تعریف و تقریظ کا بیان معشوقوں کی حکایت فتح و شکست کی روایت صرف و نحو کی رازدانی لفظ و معنی کی گلفشانی۔ جو کچھ اگلوں نے کہا ہے۔ جو کچھ اب کوئی کہہ رہا ہے جو کچھ آگے کہیں گے اور قیامت تک کہتے رہیں گے۔ جو کچھ نیک و بد از سخن ہے۔ سب وابستہ ہے۔ نطق سخن سے اب سمجھئے کہ سخن از روئے مثال کیا ہے۔ چشمہ ہے ندی بے میل ہے دریا ہے۔ کیسی معانی اور کس زور کا پانی۔ اس کا چڑھاؤ۔ اس کی رفتار اس پر کس زور و مد کس کا۔ نتیجہ بعد مقرر کیا۔ ادھر ایک نالا بہادیا۔ دریا کی لہر گمشدہ کی ڈگ ہے؟ کہ کبھی کے ہاتھ میں ہو یار نہ دیکھا ہے۔ کہ آغاز کلام جسکو ہندی میں اشان اور فارسی میں انگیزہ اور عربی میں بانشہ کہتے کچھ اور ہے پھر وسط میں صورت بدلکر وہ کچھ اور ہو گیا۔ کہ انجام سے تطوع تعریف اللال نہیں سمجھایا تاکہ یہ کیا طور ہے یہ کتاب کہ مجموعہ دانش ہو گیا ہے۔ اگرچہ اسکو بینیہ سمجھ سکتے ہیں بلکہ اللہ و کیفیت ایک انجام پایا تو تجہ کو پیشگاہ سلطنت ابد مدت سے حکم آیا۔ کہ بندہ درگاہ اسد اللہ اس کی تقریظ لکھنے میں اظہار حسن اطاعت کرے۔ اور سخن طرازی میں آرائش زبان اردو پر قناعت کرے۔ جیسا کہ حکم بجالانا ضرور ہے ویسا ہی یہ بھی کہہ جانا ضرور کہ تمنا اس رسالہ کی نگارش کا کیا ہے ان اوراق کے ناظرین پر مخفی و مستور نہ رہے۔ کہ سن اشارہ جلوس میمنت مانوس میں نہ شہر سے بلکہ فالیج سے یہ آواز بلند ہوا کہ حضرت قدر قدرت فلک رفعت ثریا بارگاہ انجم سپاہ بادشاہ ابن بادشاہ خلیفہ روئے زمین ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ بادشاہ غازی نے ترک مذہب آبائے نامدار کیا۔ اور تشیع کو تسنن پر اختیار کیا۔ یاد یا ختگان بزم قرب اور داننا خلوت انس احد حیرت انداز بجا۔ اگر بادشاہ نے کبھی یہ بات کہی ہوتی تو پہلے ان

کو آگہی ہوتی اسرار سلطنت کی خبر۔ اور پھر اُس میں عام کو آگاہی ہو خاص پر کہ پوچھنے کا یارا نہ چپ رہنا گوارا۔ علمائے نامدار و مشائخ کبار و فقہائے دیار نے جرأت کر کے عرضداشت بھیجی مضمون یہ کہ ایسا سُنا جاتا ہے۔ اور باور نہیں آتا ہے۔ اُمیدوار ہیں۔ کہ خداوند تاج و سریر کے مافی الضمیر پر آگہی پائیں حضور نے تحاشی کی۔ اور فرمایا کہ کبھی ایسا داعیہ ہمارے ضمیر میں اور کبھی ایسا کلمہ ہماری زبان پر نہیں گذرا بعد چند روز کے ایک دن حسب الحکم قضا توام ؎

بزم سلطانی ہوئی آراستہ — کعبۂ امن و اماں کا در کھلا

شہنشاہ گیتی پناہ مسند جم نشین۔ اہل دول ہم نشین۔ امرائے دستہ دستہ دست بستہ صف نگاری مانند خار سر دیوار باغ و پروانۂ ملے چراغ۔ اس چمن میں نشاط اندوز۔ اور اُس انجمن میں ادب آموز زبان مبارک گہرفشاں ہوئے۔ حقیقت مذہب اہل سنت و جماعت بیان ہوئی سو فن علیہ آئین مجمع عظیم میں بہ پیرایۂ حسن ظن جلوہ گر ہوا خاص و عام کو اعلیٰ حضرت کا ثبات قدم مسلک تسنن پر باور ہوا۔ مضامین ارشاد کئے ہوئے اعلیٰ حضرت کے بموجب ارشاد قالب نظم میں ڈھلے ناکارہ جانب جانب سے اس نظم کے جواب میں کچھ وار چلے یہ گنہگار بے گناہ بھی ہدف سہام مجروح ہوا۔ اور خنجر زبان کے زخم سے مجروح ہوا۔ الغرض جب وہ [illegible] دیکھی گئی تو آپ میں [illegible] پائی گئی۔ ناچار یہ رسالہ جیسا کہ حضرت مولف نے دیباچہ میں لکھا ہے۔ لکھا گیا [illegible] کے واسطے جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے کہا گیا۔ میں اگر اس گذارش میں [illegible] نہ لکھا جاتا۔ تو البتہ دفع تحریر کا موضوع لہ مجہول رہ جاتا۔ بحث و تنازع کا رسم و آئین اور ہے۔ شیوۂ سخندانی معنی آفرین اور ہے۔ نہ سفیہ ہوں کہ ہجو میں سخن سرائی کروں۔ نہ فقیہ ہوں کہ بحث میں زور آزمائی کروں غریب الوطن سپاہی زادہ ہوں۔ فلک زدہ خانماں برباد افتادہ ہوں۔ تاب آفتاب حوادث سے ظل اللہ کے سایۂ دیوار کی پناہ میں بیٹھا ہوں۔ گویا ایک تھکا ہوا مسافر ہوں۔ کہ آرام کی جگہ دیکھ کر دم لینے کو راہ میں بیٹھا ہوں۔ احسان ہے۔ مجھ پر خدا کا کہ میں سوائے اپنے خدا کے کہ وہ غیب دان اور اپنے بندوں پر مہربان ہے یہ نہیں اور کسی کا گنہگار ہوں جو مجھ کو اپنا ہمکیش سمجھیں۔ ان سے دعائے مغفرت کا متوقع۔ اور جو مجھ کو اپنا مخالف مذہب گمان کریں۔ ان سے دعائے تخفیف عذاب کا امیدوار ہوں۔ حسبی اللہ و نعم الوکیل ونعم المولیٰ ونعم النصیر۔ فقط

تقریظ کہ کتاب گلزار سرور تصنیف میرزا رجب علی بیگ صاحب سرور نگاشتہ اند

سبحان اللہ خدا کی کیا نظر فروز صنعتیں ہیں۔ تعالیٰ اللہ کیا حیرت آور قدرتیں ہیں یہ جو حدائق العشاق کا فارسی زبان سے عبارت اردو میں نگارش پاتا ہے۔ ارم کا ہیں دنیا سے اٹھ کر بہارستان قدس کا ایک باغ بن جاتا ہے۔ وہاں حضرت رضوان ارم کے گلبند و آبیار ہوئے۔ یہاں میرزا رجب علی بیگ صاحب سرور حدائق العشاق کے صحیفہ نگار ہوئے۔ اس تمام پر یہ ہیچمیرز جو موسوم بہ اسد اللہ خاں اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے۔ خدائے جہان آفرین سے توفیق کا اور خلق سے انصاف کا طالب ہے۔ ہاں اے صاحبان فہم و ادراک سرور سحر بیان کا اردو کی نثر میں کیا پایہ ہے۔ اور اس بزرگوار کا کلام شاہد معنی کے واسطے کیسا گراں بہا پیرایہ ہے ؎

رزم کے داستان گر سنیئے ہے زبان ایک تیغ جوہر دار
بزم کے التزام گر کیجئے ہے قلم ایک ابر گوہر بار

مجھ کو دعوےٰ تھا۔ کہ انداز بیان و شوخی تقریر میں فسانۂ عجائب بے نظیر ہے جس نے میرے دعوے کو اور فسانۂ عجائب کی یکتائی کو مٹا دیا۔ یہ وہ تحریر ہے۔ کیا ہوا اگر ایک نقش دوسرے کا ثانی ہے یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ نقاش لاثانی ہے۔ مانی نقاش بے معنی صورتیں بنا کر پیمبری کا دعویٰ کرے کیا عقل کی کمی ہے۔ یہ بندۂ خدا معنی کی تصویر کھینچکر دعوئ خدائی نہ کرے۔ کس حوصلہ کا آدمی ہے۔ سچ تو یوں ہے۔ کہ جناب مہاراجہ صاحب والا مناقب عالی شان الیشری پرشاد نارائن سنگھ بہادر جس باغ کی آرائش کے کارفرما ہوں۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے۔ کہ مرزا سرور چمن آرا ہوں وہ باغ کیسا ہوگا۔ بہشت نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا۔ کوئی نہ کہے گا۔ کہ یہ درویش گوشہ نشین فضولی و مبکر کیوں ہے بے دیکھے بھالے حضور کا ثنا گستر کیوں ہے صاحبو! حاتم سے ہم نے کیا دولت پائی ہے۔ کہ اس کی سخاوت کی ثنا کرتے ہیں۔ رستم سے کہاں شکست کھائی ہے کہ اس کی شجاعت کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ ہاں جناب مہاراجہ صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان بابو سدھیشر پرشاد نارائن کا مورد عنایت رہا ہوں جن دنوں وہ دلی میں تشریف لائے ہیں۔ اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں۔ جب ناشناسائی اور بیگانگی درمیان نہ ہو تو ان کا نیازمند کیوں ان کا ثنا خوان نہ ہو۔ نہیں نہیں میرا کیا منہ ہے ثنا خوانی کا میں تو عاشق ہوں ان کی شاعر پروری و سخندانی کا جنہوں نے قدردانی کی۔ سرور نے گرافشانی کی حضور کا اقبال۔ سرور کا کمال۔ حضور کی عالی ہمتی سرور کی خوش قسمتی۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نقش صفحۂ روزگار پہ

یادگار رہے گا۔ مصنف کا شہرۂ رنگین بیانی میں مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تا روز شمار رہے گا
فقط

دیباچہ کہ بر دیوان منشی حبیب اللہ المتخلص بہ ذکا نگاشتہ اند

یہ کلام کسی بادشاہ کا نہیں کسی امیر کا نہیں۔ کسی شیخ شیاد کا نہیں۔ یہ کلام ہے ایک دوست روحانی کا ہے۔ اور فقیر اپنے دوستوں کے کلام کو معرض اصلاح میں بغرض دشمن دیکھتا ہے۔ پس جب تملق نہیں مدا نہیں۔ تو جو مجھ کو نظر آیا ہے۔ بے حیف و میل کہوں گا۔ تتریں نعمت خان عالی کی طرز کا احیا کیا ہے۔ مگر میرا یہ کچھ اُس سے بہتر دیا ہے۔ قصائد میں انوری کا چربہ اُٹھایا ہے مگر طبیعت نے اچھا زور دکھایا ہے۔ غزل میں متاخرین کا انداز عاشقانہ سوز و گداز منشی حبیب اللہ ذکا سخنور ہمہ دان یکتا۔ نقط طراز معنی آفریں صد آفریں صد ہزار آفریں

دیباچہ کہ بر کتاب نواب عالیجناب مرزا کلب حسین خان بہادر کلک گہر سلک [آزردہ] [اللہ]

سبحان اللہ شاہد سخن کس قدر حسن میں لاثانی ہے۔ سچ تو یوں ہے۔ کہ یوسف کنعان معانی ہے کنعان ہرگز ناں ہو کارواں ہو۔ کوئی جگہ کوئی جگہ مقام کوئی مکان ہو۔ زلف ویسی ہی عنبر۔ عارض بدستور تابدار لب کی جاں بخشی کا وہی عالم چشم اُسی طرح بیمار مہد اور سلطنت مصر کے زمانہ کا جمالی تصور میں لائیگا۔ وہ آفتاب تاباں کہ حضرت یوسف کا ادنی ذرہ پائیگا۔ تو ہم ابھی قلمرو سخن سے آئے ہیں۔ حسن پرستان سخن کے واسطے نوید سراسر امید لائے ہیں۔ سنی سنائی نہیں کہتے ۔ دیکھ آئے ہوتے تو چپ ہو رہتے امید یہ کہ دانشمند آدمی باور کریں۔ تو بایہ یہ کہ دیدہ ور لوگ نظر کریں۔ کہ یوسف سخن کنعان و چاہ کا رواں و بازار و زندان سے نکل کر تخت فرمانروائی مصر پر جلوہ افروز ہوا ہے۔ زلیخائے عشق کے گھر عید ہوئی ہے اور یوسف حسن کی سرکار میں نوروز ہوا ہے۔ غالب آشفتہ تو شرح اس وقت کے ناظرین جبتک رمز نہ جانیں گے تیری بات کبھی نہ مانیں گے۔ کیوں نہیں کہتا کہ خالق نے نواب عالی جناب والا دودمان مرزا کلب حسین خاں کو ایسی طبیعت بخشی ہے جو انہوں نے ان اوراق کو اپنے انشاء بے فقرہ وار اشعار کو نعت حقیقت سے زینت بخشی ہے دیباچہ نگار نے اس مجموعۂ نظم کو معذرت کیا ہے۔ اور شاہد معنی کو یوسف قرار دیا ہے جس کتاب میں ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مدح کے بعد مقدمہ زینت اوراق ہو ان اوراق کا سواد کیوں نہ سرمۂ چشم اہل دین اور اوراق کیوں نہ حرز بازوے مومنین آفاق ہو۔ میرا یہ علو نعت بے نیاز کردہ ہو۔ کہ انشاء اللہ کے ملک کا ستائش گر ہو۔ اور بندۂ اس ستائش کے غالب بر غالب یعنی طبیعہ سے بہتر ہوں۔ بس دعوی کا گواہ اسد اللہ فقط ٭

دیباچہ در تذکیر و تانیث حسب فرمایش مولوی سید احمد حسن بلگرامی نوشتہ آمد

سیدی سندی نور بصر و لخت جگر قرۃ العین اسد مولوی سید فرزند احمد کے طول عمر و دوام دولت و تزاید اقبال کی دعا مانگتا ہوں جن کو مبدء فیاض سے اس رسالے کے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ سبحان اللہ تذکیر و تانیث کی تقریر کہ وہ اور مطالب کی توضیح پر بھی مشتمل ہے۔ کس لطف سے ادا ہوئی۔ ہر چند اس مادہ سے کہ دانا اور دقیقہ رس اور منصف ہیں۔ قواعد تذکیر و تانیث کے منضبط نہ ہونے کے خود معترف ہیں لیکن تو بہ ہم دستی فہم لطف طبع سے وہ منضبط ضوابط بہم پہنچائے ہیں۔ کہ اور صاحبوں کے دل کی دوسروں کو کیا خبر مگر مجھے تو دل سے پسند آئے ہیں۔ دعا یہ ہے۔ اور یقین بھی یہی ہے کہ رسالہ صفحہ روزگار پر یادگار اور ہمیشہ منظور اولی الابصار رہیگا جو صاحب اس کو مطالعہ فرمائیں گے نفع بھی پائیں گے۔ اور لطف بھی اٹھائینگے۔ مؤلف صاحب جو کامیاب اپنے ذہن رسا سے ہیں دقیقی جلیل القدر شیخ آباد والا ہے۔ اور حضرت فیض رفعت مولوی سید صاحب عالم صاحب مارہروی کے نواسے ہیں۔ سید واسطی بلگرامی ہیں جہاں کے سادات علم و فضل میں نامی اور قدر و منزلت میں گرامی ہیں۔ ان حضرات کا مداح گویا اپنا ثناخوان ہے جیسا کہ مولوی معنوی رومی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے ؎

مادح خورشید مداح خود است ٭ کہ دو چشمم سر نامرمد است

خطوط در تحقیق الفاظ و اصلاح اشعار زبان اردو بنام منشی ہرگوپال تفتہ

واہ کیا خوبی قسمت ہے میری۔ بہت دن سے دھیان لگا ہوا تھا۔ کہ اب منشی جی کا خط آتا ہے۔ اور ان کی خیر و عافیت معلوم ہوتی ہے۔ خط آیا اور خیر و عافیت معلوم نہ ہوئی۔ یعنی معلوم ہوا۔ کہ خیر نہیں ہے۔ اور پاؤں میں چوٹ لگی ہے۔ سو صاحب یہ بھی غنیمت ہے۔ کہ ہڈی کو صدمہ نہیں پہنچا۔ اتنا پھیلاؤ ابھی اس سبب سے ہوا۔ کہ کوئی مالش کرنے والا نہ ملا۔ اور چوٹ کہنہ ہوگئی۔ البتہ کچھ دیر میں افاقت ہوگی۔ بعد افاقت ہونے کے تم مجھ کو اطلاع کرنے میں دیر نہ کرنا۔ میرا دھیان لگا ہوا ہے۔ بابو صاحب کا خط آیا تھا۔ پھر انہوں نے تکلیف کی اور وہ کچھ بھیجا جو آگے بھیجا تھا۔ تمہاری مفارقت سے بہت ملول ہیں۔ طرز تحریر سے فراوانی محبت معلوم ہوتی تھی میں نے اُن کو لکھ بھیجا ہے۔ کہ منشی جی گئے نہیں ضرورت کو کیا کریں۔ جلد پھر آئیں گے۔ آپ اُن کو اپنے پاس ہی تصور فرمایئے۔ بابو ہرگوبند سنگھ تعطیل میں کول گئے ہونگے جو آپ کے خط میں اُن کی بندگی نہیں لکھی۔ کیوں انہوں نے تکلیف کی

بہ جہت دو سو قدم پر میرے گھر سے اُن کا مکان اور وہ جاتے وقت مجھ سے رخصت نہ ہو گئے۔ اب بندگی سلام کیا ضرور۔ ہاں صاحب یہ تم نے اور بابو صاحب نے کیا سمجھا ہے کہ میرے خط کے سرنامے پر اتلی کے محلے کا پتہ لکھتے ہو۔ میں بلیماروں میں رہتا ہوں اتلی کا محلہ یہاں سے بے مبالغہ آدھ کوس ہے۔ وہ تو ڈاک کے ہرکارے مجھ کو جانتے ہیں ورنہ خط ہرزہ پھرا کرے۔ آگے کالے صاحب کے مکان میں رہتا تھا۔ اب بلی ماروں میں کرائے کی حویلی میں رہتا ہوں۔ اتلی کا محلہ کہاں اور میں کہاں۔ بخشی جی کو لکھتے ہو کہ حاکم کے ساتھ گئے ہیں۔ اور پھر لکھتے ہو کہ نہ دورہ میں بلکہ اپنے کام کو۔ بہرصورت اب آ گئے ہوں گے میرا سلام کہیے گا۔ اور اپنی خیر و عافیت کے ساتھ اُن کی معاودت کی خبر لکھیے گا۔ ورنہ مجھ کو خط لکھنے میں تامل رہیگا۔ نظر شگفتن و گوش شگفتن ہم نہیں جانتے اگرچہ منشی ہرگوپال تفتہ اور مولانا نورالدین ظہوری نے لکھا ہو ؎

نظارہ راز خون دلم گل در آستین　　خوش مگو۔ بگو کہ ز چشم چمن چکید

یہ نہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن شگفتن بجز گوش و نظر کی مانند غرابت رکھتا ہے۔ یہ خونفشانی چشم کا استعارہ ہے۔ اور خونفشانی صفت چشم ہو سکتی ہے۔ اگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا تو ہم اس کا استعارہ شگفتگی کر لیتے۔ خوش ہونا جب صفت چشم و گوش نہ ہو۔ تو ہم کیا کریں۔ یاد رہے یہ نکات سوائے تمہارے اور کو میں نہیں بتاتا۔ میری بات کو غور کر کے سمجھ لیا کرو۔ میں پوچھنے سے اور تکرار سے ناخوش نہیں ہوتا۔ بلکہ خوش ہوتا ہوں مگر ہاں ایسی تکرار جیسی بخش اور بقیتر کے باب میں کی تھی۔ ناگوار گذرتی ہے۔ کہ وہ طرح تہمت تھی مجھ پہ جو میں آپ کو دکھیلا لگا۔ تم کو اس کے لکھنے کو کیوں نہ منع کرونگا ؎

اے صد ہزار راز نہاں اندرین سخن　　گر کم سخن توئی مگف کم سخن مباد
ہر چہ بانٹی خود کنم نہ بدی　　نیکبختی نام سے توانم کرد

یہ دونوں شعر بے سقم ہیں سبنے دو ؎

سرنامہ کا ہیم سلامت یاد　　کام را کام سے توانم کرد

میں نہیں سمجھا کہ اس کے معنی کیا ہیں۔ کام کو کام سب کر سکتے ہیں۔ اس میں لطف کیا ہے ؎

لنز کماز پئی آن نازنین سوار بیفوند　　ز حیرت مید بدانگشت نیز نیہا دہنوز

حدیث کے اس مطلع میں واقعی ایک حشو زائد اور بیہودہ ہے۔ جس کے واسطے سند نہیں ہے سکتا یعنی نابہ

یہ ستم ہے۔ یہ عیب ہے۔ اس کی کون پیروی کریگا۔ حزیں تو آدمی تھا۔ یہ مطلع اگر جبریل کا ہوتا تو اس کو سند نہ جانو۔ اور اسکی پیروی نہ کرو۔ بھائی تمہارا مصرعہ اس قبیل سے نہیں ہے۔ اس میں تو مکنید متمم معنی ہے مکنید زائد نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے۔ کہ فارسی رہنے دو۔ تو اور اگر ہندی کرو۔ تو مصرعہ مہمل اور بے معنی ہے ع چہ گل چہ لالہ چہ نسرین چہ نسترن مکنید۔ کیا گلاب کیا پھول کیا لالہ۔ کیا موتیا۔ کیا چنبیلی ذکر نہ کرو نہا نہ کرو۔ یعنی کیں نہ کرو۔ اب جب تم نہیں کہو کہ صاحب ذکر نہ کرو۔ تب کہی جانے ورنہ کبھی جانا نہیں جاتا کہ ذکر نہ کرو۔ اسے تم نے کہا بھی کہ ہمارا مقصود یہ ہے۔ کہ ذکر نہ کرو۔ حضرت ذکر مضاف کیونکر ہو سکتا ہے۔ گل و لالہ و نسرین و نسترن کی طرف کہوگے کہ ذکر کا لفظ نہیں۔ بیان کا لفظ اوپر کے مصرعہ میں ہے وہ بیان کا لفظ رسن سے اور زنجیروں سے ان چاروں لفظوں سے ربط نہیں پاتا۔ مطلع لکھو۔ ترجیع بند لکھو۔ یہ مصرعہ معنی دینے ہی کا نہیں مہمل محض ہے والسلام۔ اسد اللہ۔

ایضاً۔ بندہ پرور بیش از بیش و کم از کم یہ ترکیب بہت فصیح ہے اسکو کون منع کرتا ہے۔ اور جلالا اسیر کی یہ بیت بہت پاکیزہ اور خوب ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ روز ماں من و ہر جیش از بیش شد۔ وہ روز ماں تو و ظلم از کم شد۔ اوستاد کیا کہے گا۔ اس بیت میں ٹکڑے کا الف و لام ہے من اور تو ہر اور جبر بیش از بیش اور کم از کم یاد رہے کہ بیشتر از بیش و کمتر از کم اگرچہ بحسب معنی جائز ہے لیکن فصاحت اس میں کم ہے۔ بیش از بیش و کم از کم فصیح ہے و شعر تمہارا خوب ہے۔ اور ہمارا دیکھا ہوا ہے ؎

قیس از تو نہ ایم کم وے صبر — بیش ست ترا کم ست ما را

لیکن ہاں پہلے مصرعہ میں اگر کمتر ہوتا تو اور اچھا تھا۔ بہرحال اتنا خیال رہے۔ کہ ایسی جگہ تر کا لفظ فصیح ہے چنانچہ میرا شعر ہے ؎

جلوہ کن منت منہ از ذرہ کمتر نیستم — حسن با این تابناکی آفتاب بیش نیست

مصرعہ روزنہ چشم توجہ از روزنہ دیوار کم ست۔ یہاں بہت ہی اوپرا معلوم ہوتا ہے۔ اور زانہدی کا ترجمہ ہو گیا ہے۔ فارسیت نہیں رہتی مصرعہ بس شمار زندگانی ہا مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس مطلع کو یوں درست کر دیا ہے ؎

رائگان ست زندگانی ہا — می توان کرد جانفشانی ہا

اور اس صورت میں یہ مطلع ایسا ہو گیا تھا کہ میرے جی میں آئی تھی کہ تم کو نہ دوں۔ اور خود اسی زمین میں غزل کہوں۔ پھر میری غیرت نے کی۔ اور تم کو دے دیا۔ حضرت نے ملاحظہ نہیں فرمایا۔ یہ خط جو آپ نے مجھے لکھا ہے۔ شراب کے نشہ میں لکھا ہے۔ اور وہ اصلاحی اوراق بھی اسی عالم میں ملاحظہ فرماتے ہیں۔ اب مصرعہ گلہ تا کے ز زندگانی ہا۔ اس کو موقوف کیجئے۔ اور مطلع رہنے دیجئے۔ کہ وہ بہت خوب ہے۔ بعینہ مولانا ظہوری کا معلوم ہوتا ہے۔ بھائی سارے اوراق اصلاحی کو غور سے دیکھا کرو

ہماری محنت تو ضائع نہ جاوے۔ ایامے چند۔ جمع الجمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے بلکہ فقیر کے نزدیک جمع الجمع ہی نہیں ہے مثلاً معانی چند اور احکام چند اور اسرار چند یہ آدمی لکھ سکتا ہے۔ مگر ہاں آمالی ہا یہ کیسی سوجھی ہے۔ مصرعہ خطائے بزرگاں گرفتن خطاست۔ ہم کو اپنی تہذیب سے کام ہے۔ اہل ایران سند کیوں ڈھونڈتے پھریں۔ مثلاً حضرت حافظ نے لکھا ہے ؎

صلاح کار کجا و من خراب کجا ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

میری جان ایسے موقع پر یہ چاہیے۔ کہ بزرگوں کے کلام کو ہم مورد اعتراض نہ کریں۔ اور شرف قلم نے شخص کے اقبال کی بجائے۔ الجزو یہ ابھی موجب ملال ہے۔ مگر یہ کونسا واقعہ عظیم ہولناک ہے۔ کہ صاحبان اقبال اس کو چھاپیں۔ آپ اس طرف اتنا اعتبار نہ فرمائیے ؎

گر ماہ و آفتاب بمیرد و عزا مگیر در تیرہ زہرہ کشتہ شود نوحہ خوان مخواہ

میر مکانے صاحب کہ مکان بدل آیا ہوں۔ بلیماروں کے محلہ میں ایک حویلی کرایہ کو لے کر اس میں رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا رہنا تخفیف کرایہ کے واسطے نہ تھا صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا۔ واسطے اطلاع کے تم کو لکھا ہے۔ اگرچہ میرے خط پر حاجت مکان کے نشان کی نہیں ہے در دہلی بہ اسد اللہ برسد کافی ہے۔ مگر اب لال کنواں نہ لکھا کرو۔ محلہ بلیماراں لکھا کرو اور ہاں صاحب ہمارے شفیق بابو صاحب کا حال لکھو۔ مسہل سے فراغت ہوئی۔ اور مزاج کیسا ہے۔ اور اب اجمیر اور وہاں سے آبو پہاڑ کو کب جائیں گے۔ تمہارا سلام میں کہہ دیجیے گا۔ والسلام۔ محررہ دو شنبہ بست و دوم مارچ ۱۸۵۲ء

ایضاً۔ میرزا تفتہ پیر شود بیاموز۔ تم خوش گو اور زود گو مقرر ہو۔ لیکن جس کو تم تحقیقات کہتے ہو۔ وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ قیاس دوڑاتے ہو۔ وہ قیاس کہیں مطابق واقع ہوتا ہے کہیں خلاف عرفی کہتا ہے ع روح را ناشتا فرستادی یعنی روح کو تو نے بھوکا بھیجا۔ ناشتا اس کو کہتے ہیں جس نے کچھ کھایا نہ ہو ہندی اس کی نہار منہ تم لکھتے ہو ؎ عجب ناشتا فرستادی۔ یعنی قدمائے صبح جلیبیا گر بناری میں مشہور ہے۔ اس نے ناشتا بھی کیا ہے یا نہیں۔ واقف کہتا ہے ؎

نے محرم قفس نہ بدام آشنا شدیم نفرین کنیم ساعت پرواز خویش را

یہاں ہندی کی فارسی ہے۔ بری گھڑی اور سب گھڑی۔ اہل زبان ایسے موقع پر طالع لکھتے ہیں مصرعہ۔ نفرین کنیم طالع پرواز خویش را۔ قیس کہتا ہے ؎

بر صحب جائے بکوئی زتو خون پاک بود
کشتہ برگشتہ تپاں بود گر خاک بود

یہاں پر پلیچ نہ بود کا محل ہے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ فالک نہیں بولتے ہیں۔ اور پھر صاحب برہان قاطع کا کیا ذکر کرتے ہو۔ وہ تو ہر لغت کو تین حرکتوں سے لکھتا ہے۔ زبر، زیر، پیش کا تفرقہ منظور نہیں رکھتا ہے۔ لکھتا ہے کہ یوں بھی آیا ہے۔ اور یوں بھی دیکھا ہے۔ جس لغت کو کاف عربی سے لکھیگا۔ کاف فارسی سے بھی بیان کریگا۔ جس لفظ کو طائے حطی سے لائیگا۔ تائے قرشت سے بھی ضرور لکھیگا۔ فضلائے کلکتہ کے حاشیے دیکھو کہ وہ اس کی کیا تحقیق کرتے ہیں۔ نبیا نبوت کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں امام کے مشتقات میں سے زنہار نہیں۔ نبی بخش کا مخفف نبیا اور امام کا متعلق اگر مذکر ہے۔ تو ماہی اور ماگر مونث ہے۔ تلامن فعولنے ہندی لغت کے الفے کا التزام کیا ہے۔ مصرعہ دفعت آن مدکہ مینار اگ منہدی۔ کند۔ اور ابانده کو اس نگاہ التزام منظور نہیں۔ مگر کیا کریں۔ اگر اکاؤں نام ہے۔ ایک گاؤں کا۔ اسکو کیونکر بدلیں۔ ہاں قریہ ملئے قرشت کہینگے۔ لکھنؤ نام ہے ایک شہر کا وہ لکھنؤ بہائے مخلوط کے کہینگے۔ فی زمانہ نا چھاپے کو چھاپے لیتے ہیں۔ عربی جھگڑ کو جگر بولتا ہے۔ مصرعہ آن یاد کہ در ہند گرا دید جگر آید۔ ثقیلہائے مخلوط۔ تشدید۔ یہ تینوں ثقالتین مشادیں۔ صاحب برہان قاطع اس لفظ کو فارسی بتاتا ہے۔ اور زبان علمائے اہل ہند میں بھی اسکو مشترک جانتا ہے۔ اپنے کو رسوا اور خلق گمراہ کرتا ہے ۵

ہرزہ مشتاب و پے جادو شناسان بردار ۔۔۔ اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم الثبوت نہیں۔ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے فرہنگ لکھنے میں دیوان کا مدار قیاس پر ہے۔ جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھ دیا۔ نخواجی و سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی فرہنگ ہو تو ہم اس کو مانیں۔ ہندیوں کو کیونکر مسلم الثبوت جانیں۔ کلکتے کا چھپا پنج بحر دیکھ کے کہیں کلام کرنے لگا۔ یہی الیل اسکو خدا سمجھے۔ وہ جو یہ تقیہ بولتے وہ وہ باتیں سکوا دیں کہ ازخود ان کو بعض معلوم ہیں ہے سہو سے لکھا اور اصل زعفران بعین مفتوح اور مخفف ہے [illegible] دیکر یہ کہ جیب سوی خان [illegible] یکلکھنا۔ اس لفظ کی صحت میں کچھ تامل نہ کیا۔ دام لیوے۔ اپریل جیسے کا روپیہ اور تعزیت و تہنیت کے خط کا جواب آگیا۔ آئندہ جو خدا چاہے۔ نجات کا طالب غالب یکشنبہ ۱۴ مئی ۱۸۶۰ع

الٰہی بھائی یہ مصرعہ جو تم کو بہم پہنچا ہے فن تاریخ گوئی میں اس کو کرامت اور اعجاز کہتے ہیں۔ یہ مصرعہ، سلطان [illegible] کا سا ہے۔ چار لفظ اور چاروں واقعے کے مناسب۔ یہ مصرعہ کہہ کر اور مصرعہ کی فکر کرنی کیں واسطے وہ واہ سبحان اللہ اور پھر تم کو فکر کے لفظ میں تردد ہوا اور ایک سو کہا ماہا شعر ظہوری کا لکھا۔ ثبوت کو یہ لفظ ہزار جگہ [illegible] پنج آہنگ میں پچاس ہزار جگہ آیا ہوگا۔ فکر در فکر لفظ فارسی ہے۔ مرادف جاہ کے پس جاہ کو، وہ اس کو کیں نے کہا ہے۔ کہ بغیر ترکیب

۵ دس ہزار لفظ کی صرف تعداد لکھی ہے [illegible]
[illegible]

دیتے۔ نہ کہ آسماں جاہ اور سکندر جاہ اور مظفر فر اور فریدوں فر یوں بھی درست ہے۔ اور صرف جاہ اور فریدوں بھی درست ہے۔ اور ایک بات تم کو معلوم ہے کہ اس پورے خطاب کو خطاب بہادری کہنا بہت کیا ہے۔ سنو: خطاب کے مراتب میں پہلے تو خانی کا خطاب ہے۔ اور یہ بہت ضعیف ہے۔ درست کہو ہے۔ مثلاً ایک شخص کا نام ہے۔ میر محمد علی یا شیخ محمد علی یا محمد علی بیگ اور اُس کو خاندانی بھی خانی نہیں حاصل۔ یہ جب اُس کو بادشاہ وقت محمد علی خان کہہ دے۔ گویا اُس کو خانی کا خطاب ملا۔ اور جو شخص کہ اس کا نام اصلی محمد علی خان ہے۔ یا تو وہ قوم افغان ہے۔ یا خانی اُس کی خاندانی ہے۔ بادشاہ نے اس کو محمد علی خان بہادر کہا پس یہ خطاب بہادری کا ہے۔ اس کو بہادری کا خطاب کہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر خطاب دولگی کا ہے۔ یعنی مثلاً محمد علی خان بہادر اس کو منیر الدولہ محمد علی خان بہادر کہا۔ اور اب یہ خطاب دولگی کا ہوا۔ اس کو بہادری کا خطاب نہیں کہتے اب اس خطاب پر آخر الکل جنگ کی ہوتی ہے۔ منیر الدولہ محمد علی خان بہادر ثابت جنگ بھی خطاب پورا نہیں۔ پورا جب ہوگا۔ کہ جب ملک بھی ہو یعنی پورے خطاب کو خطاب بہادری سمجھنا غلط ہے یہ واسطے تمہارے معلوم ہونے کے لکھا گیا ہے۔ اب آپ اس سات بیت کے قطعہ کو اپنے دیوان میں داخل اور شامل کیجیے۔ یعنی قطعوں میں لکھ دیجیے۔ جب تمہارا دیوان چھاپا جاویگا۔ یہ قطعہ بھی چھپ جاوے گا مگر ہاں منشی صاحب کے سامنے اسکو پڑھیے۔ اور ان سے استدعا کیجیے۔ کہ اس کو آگرے بھیجیں تاکہ چھاپہ ہو جاوے۔ اسعد الاخبار میں، ورنہ مدۃ الاخبار میں یقین ہے۔ کہ وہ تمہارے کہنے سے عمل میں لاوینگے۔ مجھ کو کیا ضرور ہے کہ میں لکھوں میں نے بہار صادق الاخبار میں چھپوا دیا ہے ۵

ایضاً۔ صاحب! دو زبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی متعارف۔ ایک فارسی۔ ایک عربی۔ ہرچند اس منطق[۱] میں لغات ترکی بھی آ جاتے ہیں۔ مگر کمترین عربی کا عالم نہیں۔ مگر نرا جاہل بھی نہیں پس اتنی بات ہے۔ کہ اس زبان کے لغات کا محقق نہیں ہوں۔ علماء سے پوچھنے کا محتاج اور سند کا طلبگار رہتا ہوں۔ فارسی میں مبدء فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے۔ کہ اس زبان کے قواعد و ضوابط میرے ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں۔ جیسے فولاد میں جوہر۔ اہل پارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفاوت ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُن کا مولد ایران اور میرا مولد ہند۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ آگے دیکھے۔ سو دو سو برس۔ آٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ جو لغت عربی ہے۔ بمعنی بخشش ہوا دمیغہ ہے صفت مشبہ کا بے تشدید اس وزن پر صیغہ فاعل یاری

---

[۱] منطق سے یہاں مراد زبان یا بولی ہے۔

سماعت میں جو نہیں آیا۔ تو میں اس کو خود نہ لکھوں گا۔ مگر جب کہ نظیری شعر میں لایا۔ اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا۔ تو میں نے مانا۔ کیا ہنسی آتی ہے۔ کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھ کو بھی یہ سمجھے ہو۔ کہ استاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا یا اس کے قوافی لکھ لئے اور اس قافیہ پر لفظ جوڑنے لگے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بچپن میں جب میں ریختہ لکھنے لگا ہوں۔ لعنت ہے مجھ پر اگر میں نے کوئی ریختہ یا اس کے قوافی پیش نظر رکھ لئے ہوں۔ صرف بحر اور ردیف قافیہ دیکھ لیا۔ اور اس زمین میں غزل قصیدہ لکھنے لگا۔ تم کہتے ہو نظیری کا دیوان وقت تحریر قصیدہ پیش نظر ہوگا۔ اور جو اس کے قافیہ کا شعر دیکھا ہوگا۔ اس پر کہا ہوگا۔ واللہ اگر تمہارے اس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے۔ چہ جائے آنکہ وہ شعر بجائے شاعری معنی آفرینی ہے۔ قافیہ پیمائی نہیں ہے۔ از زمان لفظ عربی از متہ تبع دونوں طرح فارسی میں مستعمل۔ زمانی۔ یک۔ ہر زمان۔ زمان زمان دیں زمان۔ وراں زمان سب صحیح اور فصیح جو اس کو غلط کہے وہ گدھا بلکہ اہل فارس نے مثل صبح و موجہ بیاں بھی ہے بڑھا کر زمانہ استعمال کیا ہے۔ یک زمان کسی نے کبھی غلط نہ کہا ہوگا۔ سعدی کے شعر لکھنے کی کیا حاجت۔ سو میاں میرے ہموطن یعنی ہندی لوگ جو وادی فارسی دانی میں دم مارتے ہیں وہ اپنے قیاس کو دخل دیکر ضوابط ایجاد کرتے ہیں۔ جیسا وہ گدھا گدھا عبدالواسع ہانسوی لفظ نامراد کو غلط کہتا ہے۔ اور یہ الو کا پٹھا قتیل صفوتکدہ و شفقکدہ و نشتر کدہ کو۔ اور ہمہ عالم و ہمہ جا کو غلط کہتا ہے۔ کیا میں بھی ویسا ہی ہوں۔ جو یک زمان کو غلط کہوں گا۔ فارسی کی میزان یعنی ترازو میرے ہاتھ میں ہے۔ للہ الحمد وللہ الشکر۔ مرقومہ چہار شنبہ ۲۰ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً۔ میاں تمہارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا۔ کہ تمہارا کلام اچھا نہیں۔ میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و قدرداں نہ ہوگا۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ تم مشق سخن کر رہے ہو۔ اور میں مشق فنا میں مستغرق ہوں۔ بوعلی سینا کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے قاعدہ اور موہوم جانتا ہوں۔ زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے۔ اور باقی حکمت اور سلطنت اور شاعری اور ساحری۔ سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا اور مسلمانوں میں نبی بنا تو کیا۔ دنیا میں نامآور ہوئے تو کیا اور گمنام جیئے تو کیا۔ کچھ وجہ معاش ہو اور کچھ صحت جسمانی باقی سب وہم ہے۔ اے یار جانی۔ ہر چند وہ بھی وہم ہے۔ مگر میں ابھی اسی پایہ پر ہوں۔ شاید آگے بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے۔ اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے بھی گذر جاؤں۔ عالم

عالم بیرنگی میں گذر رہا ہوں۔ جس سناٹے میں ہوں۔ وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا پتہ نہیں ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیئے جاتا ہوں اور جس سے جو معاملہ ہے اس کو ویسا ہی برت رہا ہوں۔ لیکن سب کو وہم جانتا ہوں۔ یہ دریا نہیں ہے سراب ہے ہستی نہیں ہے۔ پندار ہے۔ ہم تم دونوں اچھے خاصے شاعر ہیں۔ مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشہور رہیں گے۔ ان کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہم کو تم کو ہوگا۔ قطعات تاریخ آگرہ کیونکر بھیجوں پھر تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ خالق معنی بے معنی صحیح اور مسلم اور جائز۔ لیکن جس طرح اللہ میں مشدد لام کو دو لام کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ آلہ اور آلہی میں الف ممدودہ کو دوسرا الف کیونکر سمجھیں قیاس کا کام نہیں ہے۔ اتفاق سلف شرط ہے۔ جب اور کسی نے الٰہی میں دو الف نہیں مانے تو ہم کیونکر نہ مانیں۔ دوئم بروقت جوئم غلط۔ دوم ہے بغیر تحتانی بالفرض تحتانی بھی لکھیں گے۔ تو دوئم پڑھیں گے۔ اگرچہ اور لکھیں گے۔ دوئم واؤ کا اعلان ٹکسال باہر ہے۔ ہاں دومی درست ہے۔ مگر نہ بہ حرف تحتانی مثل زمین نہ بہ حذف نون بلکہ بطریق قلب بعض۔ دوئم کا دومی ہو گیا۔ کٹوری کی تاریخ کو بے تامل بھیجدو۔ اور تاریخ وفات کا اور مادہ سوچو۔ کس واسطے کہ جب الٰہی میں سے ایک الف لیا۔ تو ایک عدد کم ہو جائیگا۔ والدعا۔ غالب روز ورود نامہ بلکہ وقت ورود نامہ بعد خواندن نوشتہ شد۔ یک شنبہ ۔

ایضاً بھائی تمہارے ذہن نے خوب انتقال کیا۔ میں نے جس وقت یہ شعر پڑھا ؎ بہند آمدنی ز ایران دیار ما ز آمدنی کی جگہ آمودنی بصیغہ اسرار ٹکسال باہر معلوم ہوا ؎ رسیدند درہند زایرانِ دیار۔ اس کی جگہ لکھ دیا۔ واقعی پوستین کا پہنچنا راہ میں واقع ہوا۔ پھر رسیدند درہند بیجا تمہارا تصرف مستحسن جس طرح تم نے لکھا ہے اسی طرح رہنے دو۔ صاحب! سنبلستان سے کیوں گھبراتے ہو۔ میں تمہارے گھبرانے سے گھبراتا ہوں۔ رخ کو گل زلف کو سنبل فرض کرتے ہیں۔ سنبلستان میں کیا عیب ہے۔ اور اگر نہیں پسند تو یہ قصہ ہی جانے دو۔ اس وقت کہ اکتوبر کی آٹھویں ہفتہ کا دن۔ تیسرے پہر کا وقت ہے میر قاسم علی صاحب تشریف نہیں لائے۔ باترین کے مصنف اور دلی کے نامعتقد ہیں۔ ۱۲- غالب روز شنبہ ۸ اکتوبر ۱۸۵۹ء آخر روز شنبہ ۔

ایضاً۔ میاں سنو اس قصیدے کا ممدوح شعر کے فن سے ایسا بیگانہ ہے۔ جیسے ہم تم اپنے مسائل دینی سے بلکہ ہم تم باوجود عدم واقفیت مسائل دینی سے نفور نہیں اور وہ شخص اس سے

بیزار ہے علاوہ اس کے وہ اتفاقیہ کہاں۔ وہاں سے نکالے گئے دلی میں اپنے گھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں سے گئے ہیں۔ ایک بار میرے پاس نہیں آئے۔ نہ میں ان کے پاس گیا۔ یہ دونسا میں بیتی بھی نہیں۔ منشی کا نام لیجیے۔ چہ جائے کہ مدح کیجیے والسلام۔ اتوار ۱۳ جون سنہ ۱۸۶۰ء

اے دوستا یافت ممدوح سزا اور مدح ۔۔۔ غالب اے دریغا نیست ممدوحے سزاوار غزل

ایضاً۔ انگشتری اور خاتم دونوں ایک ہیں۔ تم نے انگشتری نگین باندھا۔ یہ غلط نہیں مگر بہتے کس محر کیا ترکیب ہے نیس کس محر وفا البتہ درست ہے۔ قدروں میں بسبب تکدر حواس اور بکثرت دو دو پرچے میں نے خیال نہ کیا ہوگا۔ یہ خط لکھ کر بند رکھا تھا۔ کہ کل صبح روانہ کرونگا چشم بد دور آج اسی وقت تمہارے دو گھڑی دن ہے۔ آپ کا نوازش نامہ پہنچا۔ یہ سطر جو میں نے خالی چھوڑ دیا ہے۔ اس کو کنڈ یہ سطریں لکھ کر پیش کرتا ہوں۔ سبحان اللہ مصرعہ دیگر نتواں گفت افعی را کہ اژدہا ست۔ اس کا وزن کیسا درست ہے۔ کیا فرماتے ہو۔ غور کرو۔ بعد غور کے اس کی ناموزونی کا خود اقرار کروگے شرف قزوینی کے مطلع میں ساغر غم در کشیدہ ایم۔ دوم در کشیدہ ایم۔ دوسرے شعر میں پیمانۂ زہر ستم درکشیدہ ایم۔ درکشیدن کو ربط پیمانہ کے ساتھ ہے نہ زہر کے ساتھ۔ اگر زہر درکشیدن جائز ہوتا تو وہ سم کے قافیہ کو کیوں چھوڑتا۔ تیسرے شعر میں قلم در کشیدن ہے چوتھے شعر میں آب درکشیدن ہے۔ پانچویں شعر میں سر درکشیدن ہے کیا زہر پانی ہے۔ اگر مثل زہر آب ہوتا تو روا تھا۔ سبحان اللہ یہ عبارت جائیکہ شرف قزوینی سر فرو پیمانہ و زہر درکشیدے برآمد شرف زہر کا درکشید بلکہ پیمانۂ زہر درکشید شما ہمہ ساغر سم درکشید سم درکشیدن کیا ہو پیمانۂ غم درکشیدن کہا۔ ہم نے تو تم کو اجازت دی ہے۔ خیر یہ بنے دو بند میں اس کو کون سمجھے گا جو یوں کر دو مطلع

داغی من و دل آنچہ ہم در کشیدہ ایم غالب ہم و یک نفس و دو ساغر سم در کشیدہ ایم

سبحان اللہ تم بلاغت ہو کہ میں اب دو مصرعہ موزوں کرنے پر قادر ہوں۔ جو مجھ سے غلط مانتے ہو مطلع

گمان زیست بود بر منت زبے دردی بدست مرگ شہید ترا تو گمان تو نیست

خیر شرف قزوینی کی مندپرہ معلق رہنے دو۔ ۱۲۔ غالب۔ میں ایسا جانتا ہوں۔ کہ مطلب منشی کا اندوہ وسیع بوزن تریع اور لغت ہے ۱۲۔ صاحب یہ قصیدہ تمہارا یا کس کا ہے۔ کہ بیرزن جانتا ہے کیا کہتا ہے۔ ایک خیال رکھا کرو۔ کہ شعر اخیر میں کوئی بات ایسی آجائے۔ کہ جس سے اختتام کے معنی پیدا ہو جائیں۔ ایک قصیدہ اصلاح دیکر بھیج چکا ہوں۔ اور اسی ورق پر قلاسفے و اسباب کا

باب میں تم کو ایک نصیحت کر چکا ہوں۔ ادھر کے جواب کا ہرگز خیال نہ رکھو۔ اور ادھر سے اگر قصیدے کے ارسال میں دیر ہوا کرے تو گھبرایا نہ کرو۔ اب میرے پاس دو قصیدے ہیں۔ ایک لشکر کا ادھم اور ایک کل آیا ہے۔ یہ جانا تو دریا مانو خوب ہے کہ مضمون سے پہلے ممدوح کو ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ اگر میں ہم کو ممدوح بنا سکتا تو قصیدہ اُس کے نام کا تم سے منگوا چکا ہوتا۔ اور اس ممدوح تک پہنچا چکا ہوتا بھائی ایک دقیقہ ہے۔ کہ لکھنے کے قابل نہیں ہاں ملاقات ہوئے پر کہہ سکتا ہوں۔ اسد اللہ

ایضاً۔ صاحب گوہر بار خاور نژاد یہ قصیدہ بہت اصلاح طلب تھا۔ ہم نے اصلاح دیکر تمہارے پاس بھیجدیا ہے۔ جب تم صاف کر کے بھیجو گے۔ ہم تمہارے ممدوح کو دیدینگے کل تمہارا قصیدہ پہنچا ہم نے دوپہر کو دیکھ کر درست کیا۔ آج پنجشنبہ ۱۲ ستمبر کو ڈاک میں بھجوا دیا۔ صاحب آج میر بادشاہ آئے تمہاری خیر و عافیت ان کی زبانی معلوم ہوئی۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔ اور مجھ کو تمہارے خوش رکھنے کی توفیق دے ممدوح کا نام پیا فلمو۔ بات اسی قدر ہے۔ کہ رامپور میں کوئی صورت کوئی کسی طرح بنتی نظر نہیں آتی۔ ورنہ کیا تمہارا قصیدہ وہاں نہ بھجواتا۔ ۱۲ اور دراعہ کو یہ نہ کہو۔ کہ تشدید نہیں ہے۔ اصل لغت مشدد ہے شعرا اس کو مخفف بھی باندھتے ہیں۔ سعدی کے مصرعہ سے اتنا مقصود حاصل ہوا۔ کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔ یاد رہے جادہ اور دراعہ دونوں عربی لغت ہیں۔ وہ دال کے تشدید سے اور یہ رے کی تشدید سے مگر خیر جادہ۔ دراعہ بھی لکھتے ہیں۔ یہ نہ کہو کہ دراعہ ہرگز نہیں ہے یہ کہو کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔ غالب ۱۲ ستمبر

ایضاً صاحب دیباچہ و تقریظ کا لکھنا ایسا آسان نہیں ہے کہ جیسا تم کو دیوان کا لکھ لینا کیوں روپیہ خراب کرتے ہو۔ اور کیوں چھپواتے ہو۔ اور اگر یوں ہی جی چاہتا ہے۔ تو ابھی کیے جاؤ۔ آگے چل کر دیکھ لینا۔ اب یہ دیوان چھپوا کر اور تیسرے دیوان کی فکر میں پڑو گے۔ تم تو دو چار برس میں ایک دیوان کہہ لوگے۔ میں کہاں تک دیباچہ لکھا کرونگا۔ مدعا یہ ہے۔ کہ اس دیوان کو اُس دیوان کے برابر ہو لینے دو۔ اب کچھ قصیدہ و رباعی کی فکر کیا کرو۔ دو چار برس میں اس قسم سے جو کچھ فراہم ہو جائے۔ دوسرے دیوان میں اُن کو درج کرو۔ صاحب جہاں تقطیع میں نہ سمائے۔ وہاں کیوں لکھو۔

ایضاً۔ دیدہ مست یہ نقطہ نیا بنایا ہے۔ مقصود تمہارا تو میں نے سمجھ لیا۔ مگر مبادا اور کوئی نہ سمجھے بعینہ فی بطن القائل کے یہی معنی ہیں چشمان پرخمار چشمان بے حیا ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ اور سب اشعار میں نہ عیب نہ لطف۔ دیکھو صاحب خط یہ تم پھر وہی پیش و پس کا قصہ لائے ہو۔ چہ جرم و چہ سبب و چہ گناہ یہ جو سنا کرتے ہو ع عشق است و صد ہزار تمنا مرا چہ جرم و

اس کی حاجت کیا ہے۔ جاناں مدد کیا داں مددے یہ تمام غزل اسی طرح کی ہے۔ اگر یہ ترکیب درست نہ ہوتی تو میں ساری غزل کیوں نہ کاٹ ڈالتا دیکھو رفیع السودا کہتا ہے ؎

نہ ہو بہ کفر سے نہ دیں کو نقصان مجھ سے — باعث دشمنی ہے گبر و مسلمان مجھ سے

غالب کہتا ہے ؎ مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام — ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یعنی اب جو دور مجھ تک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں۔ یہ جملہ سارا مقصد ہے میرا فارسی کا دیوان جو دیکھیگا وہ جانیگا کہ جملے کے جملے مقدمہ چھوڑ جاتا ہوں مگر ؎ متحق وثقتے و ہر نکتہ مکانے دارد یہ فرق البتہ و جدائی بے بیانی نیس

اگر دریافتی بر دانشت بوس — وگر غافل شدی افسوس افسوس ۔ اسداللہ روز جمعہ ۱۳ فروری ۱۸۶۵ء

ایضاً۔ صاحب یہ قصیدہ ہمنے خوب لکھا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کا تمہیں صلہ دے۔ نواب مصطفےٰ خان صاحب کے ہاں سے قصیدے کی رسید آگئی۔ یقین ہے کہ تم کو بھی وہ خط لکھیں۔ دریں ولا یہاں آیا چاہتا ہے اور مجھ کو یہ خط لکھا تھا۔ کہ قصیدہ پہنچا کیا کہنا ہے۔ ایسا ہے اور ایسا ہے۔ میں چند روز وہاں آتا ہوں عند الملاقات اس قصیدہ کے باب میں باتیں ہونگی۔ ضیاء الدین خاں صاحب کا مقدمہ آج فیصل ہوا چاہتا ہے۔ وہ قصیدہ جو میرے پاس امانت ہے۔ اُن کو دیا جائیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ نعیم مصرع

از من فراغ برد بر سیدم من از فراغ

یعنی قطع نظر کردم از فراغ و نومید شدم از فراغ ؎

ایضاً۔ بھائی کیمیا و سیمیا خرافات ہے۔ اگر ان کی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو فلاطون اور بو علی سینا بھی کچھ اس باب میں لکھتے۔ کیمیا و سیمیا دو علم شریف ہیں۔ جو اشیا کی تاثیر سے تعلق رکھے۔ وہ کیمیا اور جو اسما سے تعلق رکھے وہ سیمیا ؎ جان هم سیمیا نمو زد گئے دل سوئے کیمیا نیا ورد شعر با معنی ہو گیا۔ یہ نہ سمجھا کرو۔ کہ اگلے جو لکھ گئے ہیں۔ وہ حق ہے کیا آگے آدمی احمق پیدا نہ ہوتے تھے۔ زمان و زمانہ کو میں پاگل ہوں۔ جو غلط کہوں گا۔ ہزار جگہ میں نے نظم و نثر میں زمان زمانہ لکھا ہوگا۔ وہ شعر کس واسطے کاٹا گیا۔ سمجھو پہلا مصرعہ تو دوسرے مصرعہ نبرد کا فاعل معلوم حلقہ زکی زے پر نقطہ تھا۔ میں نے غصہ میں لکھا۔ کہ نہ حلقہ را درست۔ ورنہ حلقہ را درست گریہ فارسی ہے دلانہ بے قید۔ متعدد مرتبہ ہوں جیسے سمجھاتے ہو کہ سعدی و حریک مراہل زبان خواہند یافت۔ مگر یہ باقی کلام اہل زبان نہیں مصرع گر چہ چرخ ستخوان ہے مائید شد اس سے زیادہ بہتر ہے۔ ؎ سودہ شد استخوان بگردش چرخ باقی اور مصرعے سب اچھے نکلے ہیں۔ غالب ؎

ایضاً۔ حضرت پرسوں میو کو تمہارے سب کاغذ لکھا تھا وہیں بند کر کے ڈاک گھر بھجوا دیئے۔ بھائی اب

چندروز کو جان بچی اس دن شام کو ایک خط آپکا اور پہنچا۔ اس کو بھی روانہ کرتا ہوں۔ اپنا حال پرسوں کے
خط میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ ادنیٰ بات یہ ہے۔ کہ جو کچھ لکھتا ہوں۔ وہ بیٹھے لیٹے لکھتا ہوں۔ مزے
کی بات ہے۔ کہ میرا لکھا ہوا میرا حال یاد نہیں اور کسی نے جو کچھ کہہ دیا۔ کہ غالب کے پاؤں کا ورم اچھا
ہوگیا۔ اور اب وہ شراب دن کو بھی پیتا ہے۔ تو حضور نے ان باتوں کو یقین جانا۔ بیس برس آگے
یہ بات تھی۔ کہ ابر و باران میں یا پیش از طعام چاشت یا قریب شام تین چار جرعے پی لیتا تھا۔ اور نظر بر
شبانہ معمولی میں جبرانہ لیتا تھا۔ اس بیس برس میں بیس برساتیں ہوئیں۔ بڑے بڑے مینہ برسے
پینا یک طرف دل میں بھی خیال نہ گذرا۔ بلکہ رات کی شراب کی مقدار کم ہوگئی۔ پاؤں ورم حد سے زیادہ
گذر گیا۔ مادہ تحلیل کے قابل نہ نکلا۔ کھولن شروع ہوگئی۔ حکما موجود تین یہاں ہیں۔ انکی رائے کے
مطابق کل سے نیب کا بجر تا بندھا ہے۔ وہ پکالائے گا۔ تب اس کے پھوڑنے کی تدبیر کی جائیگی۔ تلوار
زخمی پنڈلی زخمی اگر وہ نامرد ہے جو روٹھا ہے۔ تو اس پر ہزار لعنت اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر ہزار لعنت۔
ایضاً۔ مرزا تفتہ غلطی تمہارے کلام میں کبھی نہیں دیکھی۔ کہ شعر ناموزوں ہو۔ بڑی قباحت یہ ہے کہ مرہم بہ
تشدید لفظ عربی ہے۔ مصرعہ دیگر نتواں گفت احسن کہ مرہم است مگر مجروح ہو جاتی ہے۔ مانا کہ فارسی
گویان عجم نے یوں بھی لکھا ہے۔ کاف کے استقاط کی توجیہ کریں گے۔ وہ پھر اس صورت میں بھی تو بحر بدل
جاتی ہے۔ ناچار اس شعر کو نکال ڈالو۔ ہمیں نے تمہیں قصائد لکھنے کو کہا تھا۔ اب ہم منع کرتے ہیں۔ کہ قطعات
قصائد نہ لکھا کرو۔ مدح بہ شرط ضرورت لکھو۔ مگر اکثر دعو۔ ۱۲۔ غالب ۱۶ جولائی ۱۸۶۳ء
ایضاً۔ صاحب کشیدن کی طرح درکشیدن و برکشیدن بلکہ برکشیدن کی جگہ درکشیدن نہ چاہیے برآمدن
و درآمدن کا استعمال بعض متاخرین نے عام کر دیا ہے۔ یعنی درآید سے برآید کے معنی لیتے ہیں۔ لیکن درکشیدن
اور بیٹھا درکشیدن اور ہیں۔ قریب بمرگ ہوں۔ پاؤں کے ورم نے اور ہاتھ کے پھوڑے نے مار ڈالا ہے
باور کرنا اور میرے سب آدمی بلکہ بعض دوست جو روز آتے ہیں۔ وہ بھی گواہ ہیں۔ کہ صبح سے شام تک اور
شام سے صبح تک پڑا رہتا ہوں خطوط کی تحریر لیٹے لیٹے ہوتی ہے۔ اصلاح کو بہت جگہ سے آتے تھے۔ سب کو
منع کر دیا۔ ایک رئیس کا رام پور اور ایک تمہاری اصلاح رہ گئی۔ ایضاً حضرت آپکے سب خط پہنچے۔ سب قصیدے
پہنچے۔ بعد اصلاح بھیجدے گئے۔ ستر برس کی عمر آرام روحانی نہیں پاتا ہوں۔ نہ کوئی باور کرے۔ امراض جسمانی میں
کیا کلام ہے۔ بائیں پاؤں میں مہینہ بھر سے درد ہے کھڑے ہونے میں رگیں کھنچنے لگتی ہیں۔ افعال دماغ ناقص ہوگئے
حافظہ گویا کبھی تھا ہی نہیں۔ قصہ مختصر ایک قصیدہ سالک کا ایک کل کا آیا ہوا یہ دونوں ایک لفافہ میں آج روانہ
کرتا ہوں۔ جمعہ ۳۔ جولائی۔ ایضاً حضرت من قصیدے کی جتنی تعریف کروں۔ کم ہے کیا کیا شعر نکالے ہیں لیکن

افسوس ہے مجھ اور بیچارہ ۔ اس پر حضرت ممدوح کا بعینہٖ وہ حال ہے۔ کہ ایک مرد پر سیب کا یا بہی کا درخت اُگ جائے خداتم
کو سلامت رکھے۔ دو کان پہ دوق کے زیادہ ہیں ۔۱۲ ۔ ایضاً نواب صاحب ہم نے غفلت گو دونم کی ملازمت اور نعمت پر قناعت
کرکے اخبار کا جانا موقوف کیا اور بڑے گورنر کا دربار اور خلعت او وقت پر موقوف رکھا۔ بیمار ہوں ہاتھ پر ایک تمغہ زخم کیا ایک
غار ہو گیا ہے انجام کا کیا ہوتا ہے؟ غالب ایضاً تم کو معلوم ہے۔ کہ ایک ممدوح تمہارے یہاں انشیر ہے۔ ۱۲ کو
میں نے تمہاری فکر اور تلاش کا مداح پایا جنوری سنہ ۱۸۶۲ء میں کچھ تمہاری نذر نہیں بھیجئے۔ تم کو قبول
کرنا ہوگا۔ سمجھے یہ کون؟ یعنی نواب مصطفےٰ خان صاحب اور دوسرے ممدوح یعنی نواب ضیاء الدین خان وہ آخر دسمبر
سنہ ۱۸۶۲ء میں یا اوائل جنوری سنہ ۱۸۶۳ء میں حاضر ہونگے۔ ایضاً ۔ لاحول ولا قوۃ کس الّو نے بسبب فرق شعر اشعار کی
اصل منصور رکھی اگر میں اس شعر سے بیزار نہ ہوں۔ تو میرا خدا مجھ سے بیزار ہو میں نے بطریق تعریض وہ شعر لکھا تھا جیسے
اچھی جورو برے خاوند کے ساتھ مرنا بہر اختیار کرتی ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ معاملہ کیا ۔ "مرزا قتیل" کیا لکھنا ہے نہ شہر کا پتہ نہ
غالب کا ۔ ۱۲ ۔ ایضاً صاحب تم نے تن تن کا ذکر کیوں کیا ہے
اس باب میں کچھ نہ لکھو۔ تن تن تنتنا صوت ہیں ہندی و فارسی میں مشترک تھا۔ وہ مصرع کے لکھنے کو میں نے
منع ہرگز نہیں کیا۔ شوق سے لکھو یہ تم کو سمجھایا تھا۔ بنیاد تخفیف نہیں بخشی اور اس متعلق یہ امام ہے مشتقات
ہیں سے اسکو تصور نہ کرو۔ قاعدہ ۔ اشتقاق ہم پر پڑینگے ۔۱۲ ۔ ایضاً ۔ کے جتنے شعر تم نے لکھے ہیں۔ سب ہیں
ایک اور سنا یوسف موسوی خان نے بحسب ضرورت شعر الوالکعاب ۔ تہمتن بر وزن قلمتن ہے۔ فردوسی نے تنو
جگہ شاہنامہ میں تہمتن بسکون ہائے ہوز لکھا ہے۔ پس کیا اس لغت کی دو صورتیں قرار پا گئیں ۔ لاحول ولا قوۃ لغت
میں بحرکت ہائے ہوز ہے ۔ میں نے کس قدر کلام کو طول دیا صاحب کے شعر کی تحقیق شرح ولیت سے یکسر نہ ہرگز
اختیار کیا۔ ایک اگر بیچ صنما خدا بیچے بعلامہ قول کو گزشتہ سمجھتے ہو۔ تو اشتباہ باحسرت برہان قاطع میں جو
جو بیان کیا ہے۔ ہم کو دکھاو۔ وہی ہوا ہے۔ کہ جب سنا ہے مصیبت یا حسرت یاد ہلا آتا ہے۔ تو تحتانی کو حفظ کر کے
واویں وغیرہ لکھتے ہیں۔ چاہو ہے دیں نکو جو ہر واو بلا لکھو چاہیے آخر میں ہائے ہوز کو بیا کہ وہ مصیبتا ہ پانے میں گئے
ہوز لکھو۔ واصیبتا اور بہی حال ہے۔ حسرت وہ در و اصف دریغ کا ہے۔ ہم کے ساتھ واصیبتا پاؤ۔ وہاں لے
حذف ندا اور مساوی یعنی تحقیق اور ہمدم کو استعارہ سمجھو۔ فرہنگ لوگ لکھنے والوں نے استعارتہ ان ترکیب میں لکھا ہے۔ انتہا کیا
دو ایک اس کی حقیقت نہیں۔ کہیں ان کا قیاس غلط ہے۔ ہیچ سوا نہیں یہ کہ بیہ جزئیں ہے۔ کہ اس کا قیاس ولغت ہیں
شاہد دروغ نگو بیچ ہو میں نے توصیف لکھوایا تھا۔ کہ موسوی خان نے کی سند پایا تو نہ کہ گرجا ۔ ایک شعر میں یا کو
اللہ اور مصیبتا کو مدد ۔ بجھ تمہارا قیاس ۔ پھر تمہیں کہیں کا نہیں چھینکا۔ اور تم نہیں بدلا۔ کہ صاحب ہو الیوالکلب ۔
تجاہل کا طالب غالب ایضاً ۔ ایضاً گرچہ ہے اگر آپ استادہ ۔ ہیں فقیر نامہ ۔ تعاون کر کے کیا

سے سمجھتا ہے ؏ بہ از من نصیحت گرے بایدت — ندانم پس از من چہ پیش آیدت

میں نے جو کچھ لکھا کہ میں اچھا ہوں۔ اسکو آپ یہ سمجھ کر خدا کا شکر بجا لائے وہ جو میں نے لکھا تھا کہ شدت مرض کا بیان مبالغہ شاعرانہ ہے۔ اس کو بھی آپ نے سچ جانا ہوگا حال آنکہ یہ دونوں کلمے از راہ ظرافت تھے۔ میں جھوٹ سے بیزار ہوں۔ اور جھوٹے کو ملعون جانتا ہوں۔ کبھی جھوٹ نہیں بولتا جب تم نے کسی طرح بیان واقعی کو باور نہ کیا۔ تو میں نے تمہیں لکھ بھیجا کہ اچھا ہوں۔ اور یہ کلمہ تمہیں میں نے جیسے لکھا ہے۔ کہ عہد کر لیا ہے۔ کہ جب تک دم میں دم اور ہاتھ میں جنبش قلم ہے۔ جب تک متوقع اصلاح خواہے یہاں آسکتا ہے۔ آج جو تمہارا دفتر پہنچے گا اس کو کل روانہ کروں گا مجملاً حال میرا یہ ہے۔ کہ قریب مرگ ہوں۔ جو دونوں ہاتھوں میں پھوڑے پاؤں میں ورم نہ وہ اچھے ہوتے ہیں نہ وہ رفع ہوتا ہے۔ بیٹھ نہیں سکتا لیٹے لیٹے لکھتا ہوں کل تمہارا دو ورقہ آیا۔ آج صبح کو لیٹے لیٹے اس کو دیکھ کر تمہیں لکھوایا تمہارا تم مجھے تندرست سمجھا کیجیو دفتر کے دفتر بھیجتے رہو۔ ایک دن سے زیادہ توقف نہ کروں گا۔ قریب مرگ ہوا تو جانے غالب پنجشنبہ ۲۴ جولائی ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ صاحب قصیدہ لکھا اور خوب لکھا آفرین ہے پر استاد کے شعر تضمین کیوں کرتے ہو۔ نہ اس کی کچھ حاجت اور نہ اس میں کوئی افزائش حسن تمہاری ایک شعر کی ایک شعر کے بعد رکھ دیا ہے تاکہ منقطع کلام ہو جائے چنانچہ تمہارا برآمدم کی ردیف کا سست ہے۔ اس کو ہم نے نامنظور کیا اگر نظر ثانی میں جو شعر قابل رکھنے کے ہونگے۔ وہ رکھ کر تم کو بھیج دیں گے۔ بالفعل ایک شعر کی قباحت تم پر ظاہر کرتے ہیں۔ تاکہ آئندہ اس پانو سے احتراز کرو مصرع ز سعادت ار جبہہ قاصدم چہ پدید یہ کیا ترکیب ہے۔ جبہہ بر وزن چشمہ ہے یعنی دو ہائے ہنوز میں اب تک عمد ایک ہائے ہوز کہاں گئی مصرع ہر کجا چشمہ بود شیریں۔ چشمہ کی جگہ چشم لکھتے ہیں۔ یہ بات ہمیشہ یاد رہے تم نے بڑے مشاق سے ایسی غلطی بہت تعجب کی بات ہے۔ ۱۲ میاں مصرع برگ دیبانہ ساز دنیش بود نہ یہ کوئی لغت نہیں بلکہ ایک لفظ نہیں کہ کسی فرہنگ میں سے نکل آئے۔ یہ طرز تحریر ہی کسی کو یاد ہے۔ کہ اس کا نظیر کہاں موجود ہے۔ اس امر سے قطع نظر وہ شخص ایسا کہاں کا فارسی دان اور عالم ہے۔ کہ میں لڑکوں کی طرح بہمنت بخشی کروں۔ وہ جوتیاں آپ لگا دیں ایک جوتی تم سے لگوا دی اب قطع نظر کرو۔ اور سکوت اختیار کرو میں برہان کا خاکہ اڑا رہا ہوں۔ چار شربت اور غیاث اللغات کو حیض کا لتہ سمجھتا ہوں۔ ایسے گمنام چھوکروں سے کیا مقابلہ کروں گا۔ برہان قاطع کی اغلاط ہنسنے نکالی ہیں۔ دو ایک جز کا ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام قاطع برہان رکھا ہے۔ اب اس کے چھاپنے کی فکر ہے۔ اگر یہ مدعا حاصل ہو گیا۔ تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیج دوں گا۔ ورنہ کاتب سے نقل کروا کر قلمی ایک جلد بھیجوں گا۔ بہت سود مند نسخہ ہے ۱۲ اس قصیدہ کو تم کو موافق اصلاح کے قاعدہ سے اور غور کا

نقل کرکے اور جو مطالب کے اس کاغذ پر مرقوم ہیں۔ ان کو حافظے سپرد کر کے اس ورق کو پھاڑ ڈالو اور اس تمہید اپنی ناز [illegible] کرو۔ یہ قصیدہ تمہارا ہم کو بہت [illegible] ہے۔ غالب جمعہ ۴ اکتوبر ۱۸۶۱ء ایضاً [illegible]
تمہارے [illegible] سکندرآباد سے دلی اور دلی سے رامپور پہنچے۔ یقین ہے کہ رامپور سے بخیریت [illegible] سکندرآباد پہنچے ہونگے۔ ایک شعر [illegible] اور یگر کی اصلاح یاد نہیں تو اپنے غزل کو [illegible] آج روز کا [illegible] جیسا [illegible] کیا کہ پہلے یہ بتاؤ۔ کہ رامپور میں مجھے کون ہنر آتا تھا۔ کہاں مولوی وجیہ الزماں [illegible] اور [illegible] رام والی شہر نے اپنی [illegible] مانگا۔ دو تین [illegible] اب میں رہتا ہوں۔ بھئی [illegible] پاس ہے۔ [illegible] ہو گیا ہے۔ میرا یہ جی سے خط پہلے [illegible] ہیں۔ صرف رامپور کا نام اور [illegible] نام [illegible] اور عرف کی حاجت نہیں بلکہ [illegible] مولوی صاحب کے نام سے شاید خط تلف ہو جائے دوسری بات جو تم نے لکھی ہے۔ وہ بھی مطابق و مناسب حال نہیں۔ اگر قامت فرا پیدا نہ ہوئی تو تم کو یاد آئیگا۔ غالب ۱۲
ایضاً۔ صاحب واقعی [illegible] ذکر [illegible] جگہ میں [illegible] عرفی کے ہاں بھی ہے۔ تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا۔ [illegible] دیا قرابت کو [illegible] غریب ہے جسکو اسطرح پوچھتے۔ ہو خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے قرابت اور [illegible]۔ دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں۔ غالب ۱۲
ایضاً۔ دل [illegible] دماغ [illegible] نماند۔ [illegible] نماند۔ اگر [illegible] کے آگے واؤ موقوف اور محذوف کر دوگے تو ہمارے نزدیک کلام سراسر بلیغ ہو جائیگا۔ میری جان جو [illegible] کہ مجھکو تم سے بے شاید بسبب عبادت نہ کرنے کے قیامت میں خدا سے بھی نہ ہوگی اور بسبب خلاف [illegible] کرنے کے [illegible] نہ ہوگی۔ مگر [illegible] جاتا ہے کہ خدا [illegible] جو میرا حال ہے مرگ تا کہ [illegible] طالب غالب ہو
ایضاً۔ میرزا تفتہ صاحب اس قصیدہ کے باب میں بہت باتیں [illegible] عرض کرنی ہیں پہلے تو یہ کہ [illegible] کو تم [illegible] سمجھے۔ اور اس پر اساتذہ [illegible] لائے۔ [illegible] مگر [illegible] اور [illegible] کے [illegible] شراب نقل نخواہد [illegible] را۔ [illegible] شکر نیست [illegible] را۔
یہ غزل [illegible] صاحب [illegible] قدوسی [illegible] اس پر [illegible] جملہ [illegible] پورا تم نے [illegible] آتے ہوئے [illegible] ضیاء الدین [illegible] فارسی میں [illegible] ضیاء الدین [illegible] دیکھو [illegible] مصرعہ ہے [illegible] نام [illegible] جاتے ہیں۔ [illegible] شوق [illegible] کرو۔ [illegible] نام ممدوح کا درست ہے [illegible] فروگذاشت کیوں کرو۔ دوشنبہ نہم ستمبر ۱۸۶۱ء

ایضاً میں تم کو بھیج چکا ہوں پہنچا ہوگا۔ کل ایک رقعہ میرے پاس آیا۔ کوئی صاحب ہیں عطاء اللہ خاں اور تخلص فرحت کرتے ہیں۔ خدا جانے کہاں ہیں۔ اور کون ہیں۔ ایک دوست نے وہ رقعہ میرے پاس بھیجا میں نے اس کا جواب لکھا اور اسی دوست کے پاس بھیج دیا۔ نقل تم کو بھیج رہا ہوں۔ پڑھ کر حال معلوم کروگے تمہارے شہر میں جو تردد تھا۔ اسکا جواب میں نے یہ لکھا۔ تم کو بھی معلوم ہے ؎ رفت آنچہ بمنصور شنیدی تو و من ہم۔

اے دل سخن ہست نگہدار زبان را۔ تردد یہ کہ آنچہ بمنصور رفت نہیں دیکھا۔ آنچہ بمنصور رفت درست ہے۔ جواب بائے موحدہ مع کے معنی بھی دیتی ہے۔ پس جو کچھ بہ سے مراد تھی وہ بامو حدہ سے حاصل ہوگئی اگر بامو حدہ کے معنی معیت کے لیے تو بھی درست ہے نظیری کہتا ہے ؎

شادی کہ غم سیاکشی و دم نمیزنی   در شہر این معاملہ با ہر گدا رود

اگر کوئی یہ کہے۔ کہ یہاں معاملہ ہے اور اس شعر میں معاملہ کا لفظ نہیں۔ جواب اس کا یہ ہے۔ کہ ان دونوں شعروں کی صورت ایک ہے۔ نظیری کے ہاں معاملہ مذکور ہے۔ اور تفتہ کے ہاں مقدر ہے۔ رفت کا صلہ اور تعدیہ بامو حدہ کے ساتھ دونوں جگہ ہے والسلام۔ اسد اللہ۔

ایضاً صاحب دیکھو پھر تم دنگا کرتے ہو۔ وہی شیخ و منشیز کا قصہ نکلا۔ غلطی میرا بہوری کی پیروی کا فرض ہے۔ یاد رکھو یائے تحتانی تین طرح پر ہے۔ جزو کلمہ ؎ ہمائے بر سر مرغان از آن شرف دارد۔ اے منزا منہ ماضی و تقل گرہ کشائے راہ یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یائے تحتانی ہے جزو کلمہ ہے اس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔ دوسرے تحتانی مضاف ہے۔ حرف اضافہ کا کسرہ ہے۔ ہمزہ وہاں بھی مخل ہے۔ جیسے اشیائے خوب یا اشیائے قدیم۔ توصیفی اضافی بیانی کس طرح کا کسرہ ہمزہ نہیں چاہتا۔ خدائے تو شوم رہنمائے تو شوم یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ تیسرے وہ طرح پر ہے۔ یا مصدری اور وہ معروف ہوگی۔ دوسری طرح توحید و تنکیر کی مجہول ہوگی۔ مثلاً مصدری آشنائی یہاں ہمزہ ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور توحیدی آشنائی۔ یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھوگے۔ دانا نہ کہلاؤگے۔ نیم نگاہے تمام نہ یہ مزہ ہے زبان پہ نیم بمعنے اندک ورنہ گناہ ہے آدھا اور نگاہ کی ادھوری ... ہے۔ ان چیزوں کا منہ کیا اگر تم کو یہ گناہ پسند نہیں۔ تا نہ گناہ لکھنے وہ۔ خستہ بستہ تازہ نمونہ دانہ آوارہ بیچارہ روزہ بوزہ ہزار لفظ ہیں۔ اور ان کے آگے جب یائے توحید آتی ہے۔ تو وہ ہائے ملفوظ کے واسطے ہمزہ دیا دیتے ہیں۔ زرہ گرہ کلاہ شاہ آگاہ الٰہ صبح گاہ جیسے الفاظ کے آگے اگر تحتانی آتی ہے تو زرہی گرہی کلاہی شاہی آگاہی الٰہی گاہی ... کر دیتے ہیں۔ ... غالب ... جس کو تم نے بے تکلف ... بھیجا ہے پہنچا۔ نہ اصلاح کو نہ تحریر ... قواعد ... تم نے الگ ... ورق پر ... تفصیل ... ایک ... زیادہ ہو جاتا بہرحال

اب مجھے تشکیک پہنچتے پڑے ہیں سوالات اگر کوئی سوال میری نظر نہ چڑھے۔ اور رہ جاوے اور سہو کی طرح چھوٹ جائے تو اس
کا گناہ سمجھنا میرا قصور نہ جاننا۔ بلا ہائی اس میں تامل کیا ہے۔ لفظ صحیح اور پورا تو یہی ہے۔ زمانہ اس کا
مخفف ہے ۔ بخار ما در ہوش افتادہ ام کہ چون خواہد شد ۔ یہ بہت خوب و معقول ہیں اس وقت خدا جانے کس خیال
میں تھا چوں خواہد شد و کنون خواہد شدن ردیف و قافیہ سمجھا تھا۔ لفظ یہ بیر تورانی بچہ ہائے ہندی نژاد کا تراشا
ہوا ہے۔ جب میں اشعار اردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو شعر فارسی میں کیونکر اجازت دونگا۔
میرزا جلال اسیر علیہ الرحمۃ مختار ہیں۔ اور ان کا کلام سند ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ ان کے باندھے ہوئے لفظ
کو غلط کہوں۔ لیکن تعجب ہے۔ اور بہت تعجب ہے۔ کہ میرزا دو ایسا لفظ لکھے۔ ۔ شکست لیتن جب ظہوری
کے ہاں ہے۔ تو باندھیے یہ روزمرہ ہے۔ اور ہم روزمرہ میں ان کے پیرو ہیں۔ یہ ہیر ایک لفظ ٹکسال باہر ہے
ورنہ صاحب زبان ہونے میں اسیر بھی ظہوری سے کم نہیں ۱۲ ۔ ع

نہ دامن سخت ہرزہ کہ گفتی چہ شدی ۔ ز حق غم خواہ دست گناہے شد وانگہ چہ شود ۔ پہلے مصرع سے یہ سوال غلط
کہ شدی تراچہ شد پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر گناہے شدہ ام یہ جواب نہیں۔ گناہے کردہ ام جواب ہو سکتا ہے
یہاں تم کہوگے کہ [illegible] گناہ یا سلب گناہ یا [illegible] شدہ ام یہ معنی ہے صواب [illegible] جنگ ہستی گناہ نہ ہو ہرگز ہرگز [illegible]
[illegible] رہا۔ تجنیس ہے کہ صرف شدہ ام درست ہے تا چہ شود کے پیوند میں الجھ کر حقیقت معنی سے غافل ہے۔ ع
باز از دل غم دراز پیچ کار ۔ آزار چہ میکشی [illegible] اپنی نے زبردستی کی ہے۔ مگر ہاں اس نے ایک وجہ
ٹھہرائی ہے۔ یعنی آزردن مصدر آرزو مضارع اور آزار امر بمعنی اسم جامد آتا ہے۔ اور اسم جامد کردن کے
مانند پیوند پاتا ہے۔ خیر ہے دو مصرع کہ آن آہوئے وحشی بہ ہوم قرارم ۔ یہ شعر ہو بہو میرے
کلام کا ہے۔ بر او رحم و زدہ ام و سیر ام و فروز ام یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں الف ممدوح نہیں
نہیں [illegible] بودا رو در [illegible] نہایت عقیدہ کی تائید کرتا ہے۔ مگر یہ شعر استاد کا نہیں [illegible]
ہے ایک شعر گرتا ہے۔ مولانا علاؤ الدین [illegible] یہ ترجیح بند نہیں کا ہے۔ ان کو فقرہ و فساد
و [illegible] میں مسند سمجھنا چاہیے [illegible] از کلام ہیں۔ مصرع پیوست شمشیر ہے کہ بر ہوئے میان وار دیوانی
خدا کی قسم یہ مصرع تلوار کی تعریف میں نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک مضمون ہے کہ [illegible] تلوار پر ہو رہی تشبیہ ہلال پر ہو رہا [illegible]
شمشیر با میان تو اگست و وجہ تشبیہ کبھی نہیں۔ اوصاف شمشیر سے تلوار کی خوبی تیزی ہے۔ بانکی یہ وجہ کا نہ کہ تو یا ہو تلوار کو
[illegible] حرکت یا بند وغیرہ تو تلوار میں [illegible] نہیں پائی جاتی جلنے دو شعر ہے باقی الفاظ ۔ میاں جید بھی صحیح اور جمیلہ بھی صحیح
اس میں کس کو تردد ہے۔ مگر لغت او محاورہ اہل زبان میں تقسیم پیش نہیں جاتی ۔ [illegible] بات نہیں لوگوں کو خود
چہ لطف ملتا ہے۔ آج تک نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں [illegible] تمہارا اچھا کو بھی پسند کیا کروں ۔ جو اپنے پیشوا ہوں

سے نہ سنا ہو۔ اُسکو کیونکر صحیح جانوں۔ جمید صیغۂ نفی کا ہے۔ جمیدن اور چمیدن سے مصدر ہے صحیح اور مسلّم چار مضارع چمم امر اس میں کیا گفتگو ہے۔ کلام ختم و جب سوالات ڈھونڈ ڈھونڈ کر انکا جواب لکھدیا اب اشعار کو کیا دیکھنا ہو۔ خدا کرے مجھ سے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور تم بھی جب اوراق طلبی کو دیکھو تو کوئی اصلاح کا اشارہ باقی نہ رہ گیا ہو۔ غرض یہ کہ آپ پھر اس طرح کبھی نہ لکھنا میں بہت گھبراتا ہوں۔ خمیدست و رسیدست میں تو نے دست ہے قافیہ درست ہے مگر ستن کا الف سب جگہ اڑا دو اور یاد رہے کہ صرف سین و تے کافی ہے۔ الف ضرور نہیں ۱۲ غالب ایضاً حضرت اس غزل میں پروانہ و پیمانہ و بتخانہ تین قافیے وصلی ہیں۔ دیوانہ چونکہ علم ذراپا کر ایک لغت جداگانہ مشخص ہو گیا ہے۔ اس کو بھی قافیہ اصلی سمجھ لیجئے۔ باقی غلامانہ و مستانہ و مردانہ و ترکانہ و دلیرانہ و شکرانہ سب ناجائز و نامستحسن ایطا۔ اور ایطا بھی قبیح مجھے بہت پسند ہے۔ کہ انہیں قافیوں میں عطا کا حال تم کو لکھ چکا ہوں۔ اور پھر تم نے غزل میں انہیں قوافی پر کیوں کاشانہ و شانہ و افسانہ و جانانہ و فرزانہ یہ قافیے کیوں ترک کئے۔ ساری غزل میں مردانہ و مستانہ یا اُن کے نظائر میں سے ایک جگہ آئے۔ دوسری بیت میں تنہا نہ آئے۔ یہ غزل نظری ہو گئی۔ اور غزل لکھ کر بھیجو تاکہ اصلاح دی جائے۔ ۱۲ عفو کا طالب غالب

بنام ماسٹر پیارے لال

یک لخت شیشہ بیا صیقل آئینہ ہنوز۔ چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا۔ پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ آئینہ عبارت فولاد کے آئینے سے ہے۔ ورنہ حلبی آئینے میں جوہر کہاں اور اُسکو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو صیقل کرو گے بے شبہ پہلے ایک لکیر نکلے گی۔ اسکو الف صیقل کہتے ہیں۔ جب یہ قدر معلوم ہو تو اب اس مفہوم کو سمجھئے۔ مصرعہ چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا۔ یعنی ابتدائے سن تمیز سے مشق جنوں ہے۔ اب تک کمال فن حاصل نہیں ہوا۔ آئینہ تمام صاف نہیں ہو گا۔ بس وہی ایک لکیر صیقل کی جو ہے۔ سو ہے چاک کی صورت الف کی سی ہوتی ہے۔ اور چاک نے سبب آثار جنوں میں سے ہے۔ ۱۲ غالب

بنام منشی حبیب اللہ المتخلص بہ ذکا

بندہ پرور آپکا مہربانی نامہ پہنچا۔ تمہارے صاحبزادے کی خیر و عافیت معلوم ہونے سے دل خوش ہوا۔ آپ کی عبارت سے سمجھ گیا ہوں۔ اس کا جواب لیجئے۔ اور جو نہیں وہ مطابق میری التماس کے مجھے سمجھا دیجئے۔ عماد۔ عماید شعرائے قدیم میں سے بابا ہی کے یہاں سات بیت کی ایک غزل ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے۔ ؎

پائے مسترا نشود راہ تو رفتن نتوان — جز بہ جادو بہ شرہ کیسوئے تو رفتن نتوان

پہلے مصرع میں رے مفتوح اور دوسرے مصرعے میں مضموم باقی اشعار میں گفتن و سفتن وغیرہ قافیے میں۔ تمام دو مصرعے

میں حرکت ماقبل روی متحرک رہا۔ اگر آپ نے پانچ شعر کے قصیدے میں ایک شعر ایسا لکھا تو کیا غضب ہوا۔
آیا معرض استثنا و حشو و نظیر کو نہیں جانتے۔ یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے یہ دستور جب نکالا تو تمہیں تسلیم ہے ہے
بندہ نواز میں نے لکھا ہے۔ کہ مؤید برہان میرے پاس آ گئی ہے۔ اور میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ تلاش صفحہ بہ سطر
ایک تختہ کاغذ پر لکھ رہا ہوں۔ بعد انصرام نگارش تمہارے پاس بطریق پارسل بھیجوں گا۔ کہ تم ابتدا عنایت مؤید کا جواب
لکھو میری نگارش جو پسند آئے۔ اس کو بھی جابجا درج کرو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں۔ نا۔ کچھ نہ
لکھا۔ اب عنایت فرمائیے ان تینوں باتوں کا جواب لکھیے اور ضرور لکھیے۔ میاں محمد میاں کو دعا۔ ۵ مارچ ۱۸۶۵ء
بنجاب اے عنایت۔ عنایت نامہ مشکل آپ کا خط حاوی حل شبہات جس دن پہنچا۔ اس کے دوسرے دن جواب لکھ
کر بھیج دیا۔ دو لفظوں و مصرعوں بدلے گئے۔ دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی ہوئی دو تین شعر
میں تمہاری بات مسلم ہے۔ باوجود فقدان حافظہ استیلائے نسیان ایک مصرعہ کا بدلا ہوا لفظ یاد ہے۔
بے داد عاشقی کہ چہ تقدیم ذا خرہ گیا ہے ۱۲ صبح شنبہ ۳ ذی الحجہ مطابق ۲ مئی سال حال ۱۲ غالب۔

ایضاً۔ حضرت مولوی صاحب میں بیس دن سے بیمار۔ اور تین مہینے سے صاحب فراش ہوں۔ الغرض جینے
کی طاقت مفقود پھوڑوں سے بدن داغدار۔ پوست سے ہڈیاں نمودار پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے
ہیں اعضا پر دس جگہ پھاہے لگتے ہیں۔ ضعف و ناتوانی علاوہ سوز غم ہائے نہانی۔ علاوہ صنعت سہل
ممتنع۔ میں نے نواب مختارالملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ قدر دانی نہ فرمائی۔ بلکہ فرقہ وہابیہ میں ایک
مثنوی جو سابق میں بھیجی تھی۔ نہ محی الدولہ کو بھیجی۔ رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا ہوں کہ مولوی امام شہید
شاگرد قتیل وہاں کوس انا ولا غیری بجا رہے ہیں اور سخن شناسوں کو اپنا نو طرح دکھا رہے ہیں۔ ایک
کم ستر برس کی میری عمر ہوئی۔ سوائے شہرت خشک کے فن شعر کا پھل نہ پایا۔ قدر داں عصر معتقد
ہوئے۔ مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔ احسنت و مرحبا کا شور سامعہ فرسا ہوا خیر ستائش کا حق ستائش سے
ادا ہوا۔ مختارالملک نے یہ بھی نہ کیا۔ نہ مدح کی داد دی نہ مدح کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب
مجھے کیا سمجھے۔ محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا۔ مگر یہ کہ خدا سمجھے ۱۲
کل سے پلنگ پر لیٹا لیٹا غزل دیکھ رہا ہوں۔ اور لیٹے لیٹے یہ سطریں لکھتا ہوں۔
مصرع۔ دیدم گل و لالہ چہ رنگ برآوردہ شو

بنظیر کے نزدیک دیدم زائد اگر یوں ہو تو بہتر ہے ؎
ہر یک گل و لالہ از اشد شگفتہ کمال بتو اندر شو گر چرخ بکام دل ما رنگ برآوردہ
باشد تحمل ہی ہے۔ اگر اس کی جگہ آوردہ ہو تو بہتر مگر آوردہ صیغہ مستقبل کا ہے آوردہ ماضی کا۔ اور فاعل

دونوں لفظوں کا جمع ہے۔ ہر چند اساتذہ نے یوں بھی لکھا ہے۔ مگر فارسی گویانِ ہند نہ مانیں گے۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے ؎

عاشق کہ شفق منش بہ لعل تو باشد   کے چہرہ بکام دل ما رنگ بر آورد

مصرع ثانی شد دل بغم دیدہ الخ۔ یہ شعر ہموار ہے۔ نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا محتاج ہے۔ ؎ یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے ؎ لب ابر حسرت الخ یہ بھی شعر ہموار ہے نہ صاد چاہتا ہے نہ اصلاح ؎

گوئی کہ زما دور ہمہ برگ حنا بود   تا بوسہ زدم آن کف پا رنگ بر آورد

مولوی صاحب یہ یا تو کچھ نہیں زبان چاٹنے کا آنہ ہے۔ نہ چومنے کا زبان برگ حنا بن گئی تو بوسہ سے کف پا کیونکر حنائی ہو جائے۔ ؎

گوئی ز تو بہ لب رنگ برگ حنا داشت   تا بوسہ زدم آن کف پا رنگ بر آورد۔

مقطع اور اس کے اوپر کے شعر یہ دونوں اچھے۔ اب آپ اس خط کی رسید لکھیے۔ اور اس میں غلام تہید کا حال مفصل لکھیے۔ کہ ان کی اب کیا صورت ہے۔ ایک شخص مجھ سے یوں کہتا تھا۔ کہ مختار الملک نے منہ نہ لگایا۔ مگر حمی الدولہ نے پانسو روپیہ مہینہ سرکار جناب عالی سے مقرر کرا دیا ہے۔ روز چہار شنبہ ۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۰ھ مطابق ۲۶ اگست سنہ ۱۸۶۳ء

ایضاً۔ صبح سہ شنبہ ۲ صفر سال نو صاحب میں تم کو اخوان الصفا میں گنتا ہوں۔ اپنا نور نظر و لخت جگر چاہتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے۔ کہ خود ضبط راز نہیں کر سکتا۔ اور تم سے رازداری اور امانت میں استواری چاہتا ہوں۔ ۱۲ قصیدہ و غزل میں حیلہ و تحسین بر اقتضائے بخت و قسمت ہے نہ بہ اندازہ خوش کلامی، حصہ وسخن نہ ہوتا۔ تو مجھ کو متوسط کے تنہا ہی کا وہ بہتر تھا۔ غبار کو نہ مذاق شعر سے نسبت نہ ملتا اور معاملہ کی فرصت متوسط نے بہتر مکافات سلسلہ نہ پہنچا کی لیکن میرے نہ تو قدردانی کی مولوی غلام غوث بے خبر میر منشی لفٹنٹ گورنر مخلص خاص الاخلاص ہیں۔ ہر گز ان کو مدعی سے قلمبند نہیں البتہ اس کو خوشگوار جانتے ہیں، اور کبھی یہ نہ ہو سکا۔ کہ وہ میرا مقابلہ کریں اور قاطع برہان کا جواب لکھیں ؎ باطل است آنچہ مدعی گوید۔ مدعی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے۔ میاں امیر علی شیر جیسا محتسب اور مولوی جامی جیسا مفتی کہاں سے لاؤں۔ جو نسبت کی رائے دے۔ اور کاذب کو سزا دے۔ شکر ہے خدا کا کہ تم سخنور اور سخندان ہو۔ اور یقین ہے کہ قلمرو ہند میں اور بھی ایسے آدمی ہوں گے۔ اور میرے مدعی کے رتبہ سے متمیز ہو سکیں گے۔ مصرع

عید است بادہ شد فلک و ساغر آفتاب۔ قال ایضاً شد فلک ظرف اور آفتاب ظروف ہے۔ یہ شخص ظرف کو مظروف، اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے۔ اس کو کون مسلّم رکھے گا۔ اس سے بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں وجہ شبہ شرط ہے۔ آفتاب و ساغر میں تدویر وجہ شبہ ہے شراب اور فلک میں وجہ تشبیہ کہاں؟ میں اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں۔ قدردانی کیونکر کہوں۔ قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ نہ استادانہ جو خیال میں آئیگا۔ کہا جائیگا۔ اگر آپ نے اس روش کا یعنی استصلاح کا التزام کیا ہے تو
توحید تک کا غذ اشعار میرے پاس سے واپس نہ جایا کرے۔ ما کتب فیہ شہرت نہ پا کر مجموعہ کلام سابق اگر بھیج دوگے تو میں بکمال طیب خاطر اس کو دیکھ کر بھیج دونگا۔ استجازت کیا ضرور ہے۔ نجات کا طالب غالب

ایضاً۔ صاحب پہلے مطلع میں لطف نہیں ہاں مضمون لطیف ہے۔ وہ فرد میں خوب آگیا ہے مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا ہے۔ ورنہ قافیہ اور شعر میں اس طرح سے بندھ گیا تابیلر شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا ہو گیا جو شعر بتصرف بدستور رہا ذکر اس کا ضرور نہیں۔ ساقی ابھی چھنی ۱۲ الخ چھنی لفظ غریب ہے نہ اہل دہلی کی زبان زد نہ گوش زد غربا۔ ان کو چھلنی کہتے ہیں۔ جسکو فارسی میں پرویزن ہے اور جس کپڑے میں مالائیات کو چھانیں۔ فارسی کی لاسے یالا۔ وہ دوسرا فی ہے تو
بہ یائے معروف برابر نہ ہوا تھا۔ یہ قافیہ دو طرح سے درست ہوا ہے جس طرح چاہو پڑھو۔ دوسرے کا میرے وقت مقرر نہ ہوا تھا تقرر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے۔ ہاں تقرر کا وقت ان کو قرار دیا جائے۔ قطعہ میری پسند نہیں ہے۔ میرے سر کی قسم اسکو نہ رکھو۔ اور قطع کر دو۔ غالب شنبہ ۱۴ نومبر ۱۸۶۳ء

بنام منشی میاں داد خان المخاطب بہ سیف الحق المتخلص بہ سیاح

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان سیف الحق میاں داد خان سیاح کو دعائے۔ صاحب ہم اور چیز ہے۔ اور انضباط اور چیز ہے۔ کیا میرے از راہِ ڈاک میرے خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ پائیں گے۔ اور میرے خطوط کبھی تلف ہونگے۔ آدھ آنہ کی جگہ دوست کا ایک آنہ کیوں لگواؤں۔ گلشن بعض کے نزدیک مونث اور بعض کے نزدیک مذکر۔ یہی خلعت ان کا یہی حال ہے کوئی مونث اور کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک یہی اور خلعت مذکر ہے۔ و قلم مشترک چاہو مذکر کہو چاہو مونث گلشن البتہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بھائی جہاں الف دنیا ہے۔ میرے کلیجہ میں تیر لگتا ہے لکستا ہے یہ گلشن بھی بے الف دنیا ہوا۔ دیکھو کریں نے رکھتی ہے بنا دیا۔ مگر گلشن مذکر مناسب ہے۔ پھلکی یا پھلکا تنہا بمعنی مہمل ہے۔ ہلکی پھلکی اور ہلکا پھلکا یوں آئے تو درست۔ ورنہ لغو۔ اور یہ جو پھلکا پتلی چپاتی کو کہتے ہیں۔ یہ دوسرا

لغت ہے۔ چھلکے کبھی کوئی نہ بولیگا۔ پانی دانی خفقہ و قیہ یوں کہینگے۔ تراوائی اور تراوش نہ کہینگے۔ ہلکا پھلکا اور ہلکی پھلکی کہینگے۔ سبک چیز کو نرا پھلکا یا نری پھلکی نہ کہینگے۔ تذکیر و تانیث کے باب میں مرزا رجب علی بیگ سے مشورہ لیا کرو اور رہتے ہوئے حروف بھی اُن سے پوچھ لیا کرو ۱۲ غالبؔ

ایضاً۔ بھائی ہم نے تم کو یہ نہیں کہا۔ کہ تم مرزا رجب علی بیگ کے شاگرد ہو جاؤ۔ اور اپنا کلام اُن کو دکھاؤ ہم نے یہ کہا ہے۔ کہ تذکیر و تانیث اُن کو پوچھ لیا کرو۔ دکھن بنگالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص میں اہالی لکھنؤ کے رہنے والوں کا تتبع ضرور ہے ۱۲۔ ایک قاعدہ تم کو معلوم ہے۔ عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا جس لغت میں عین ہو اس کو سمجھنا کہ عربی ہے۔ لہذا معلوم ہو اس قاعدے کے یہ سمجھو کہ غربال بغین نکتہ دار مکسور اور رائے قرشت اور بائے موحدہ اور لام یہ لغت فارسی ہے۔

ہندی اس کی چھلنی اور مرادف اس کے پرویزن یعنی فارسی میں چھلنی کو غربال اور پرویزن کہتے ہیں اور چھلنی ایسی چیز ہے نہیں۔ کہ جسکو کوئی نہ جانے رہا غربال یا عربال عین سعفص اور یائے تحتانی سے فصیح و غیر فصیح کیا بلکہ غلط محض و محض غلط ہے۔ ہاں اگر عربی میں چھلنی کو عربال کہتے ہوں تو فارسی غربال اور عربی عربال مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں۔ کہ عربال کا عربی میں کچھ اور اسم ہوگا۔ عربال نہ کہتے ہونگے۔ اب تم سنو فن لغو میں ایک سر ہے۔ اور اس کو تصحیف کہتے ہیں۔ یعنی لفظ کی صورت ایک ہے۔ اور نقطوں میں فرق جیسا کہ سعدی بوستاں میں کہتا ہے ؎

مرا بوسہ گفتا بہ تصحیف دہ | کہ درویش را توشہ از بوسہ بہ

توشہ و بوسہ۔ نوشتہ یہ تین لفظ مصحف ہم دگر ہیں۔ حالانکہ معنی میں وہ فرق کہ جیسا زمین و آسمان میں توشہ ترجمہ زاد کا بوسہ ترجمہ قبلہ کا۔ نوشتہ اسم دولہا کا۔ صاحبان فرہنگ میں برہان قاطع والا تصحیف میں بہت مبتلا ہے گزما اور گرز خریزہ اور خربزہ کہتا ہے کہ سدہ بسین سعفص لفظ فارسی ہے۔ بمعنی آواز اور صدا بصاد تحریف ہے جو لغایت سبیے میں لکھے ہیں۔ انہیں لغات کو لطفے میں لکھتا ہوں۔ حالانکہ جس طرح عین فارسی میں نہیں ہے طوئے بھی نہیں ہے مثلاً تشت لغت فارسی الاصل ہے۔ املا اس کی طوئے سے غلط ہے برہان قاطع والا اس کو تے سے بھی لایا ہے۔ اور طوئے سے بھی محققین جانتے ہیں۔ کہ صدا کے معنی آواز لغت عربی الاصل ہے نہ معرب اور سدا بسین سے ہرگز فارسی میں نہیں کہتا ہاں اردو کے محاورہ میں بمعنی ہمیشہ کے مستعمل ہے قصہ کوتاہ غربال بمعنی چھلنی کے اور فارسی الاصل صحیح اور فصیح ہے اور عربال اگر کسی اور فرہنگ عربی میں مثل قاموس اور صراح وغیرہ کے بمعنی چھلنی کے نکلے۔ تو اس کو مانو۔ ورنہ نہ برہان قاطع والے کی خرافات میں سے ہے نجات کا طالب غالب ۱۲ ۱۷ فروری ء

ایضاً منشی صاحب تمہارے خط پہنچنے کی اطلاع دیتا ہوں۔ اور مطالب مستفسرہ کا جواب لکھتا ہوں۔ اور اپنے دوست روحانی مرزا رجب علی بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں۔ کہہ دیجئے گا۔ بلکہ یہ رقعہ دکھا دیجئے گا۔ ۱۲ بعض لوگ آن بان بولتے ہیں۔ مگر فقیر کے نزدیک آن تان صحیح ہے۔ اور یہی فصیح ہے ۱۲ پر معنی لیکن لفظ مشہور ہے۔ اور یہ اس کا مخفف ہے۔

اس میں شاید کسی کو کلام نہ ہو۔ کوئی اور لکھے یا نہ لکھے میرے اردو کے دیوان میں سو دو سو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا ۱۲ مجھ کو بنگالہ سے آئے ۳۲-۳۳ برس ہوئے۔ بہت احباب مر گئے۔ بہت متفرق ہو گئے۔ اب ایسا وہاں کوئی نہیں جس سے ارسال رسائل کی رسم و راہ ہو ۱۲ صاحب وہ شعر جس کو تم نے پوچھا ہے یہ ہے ؎

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو — کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی

دو شعر اس غزل کے اور یاد آ گئے ہیں۔ وہ دوسرے صفحہ پہ لکھتا ہوں ؎

پایا کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب — آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں — کعبے سے ان بتوں کو نسبت ہے دور کی

دیکھو یہ پر کا مخفف ہے۔ یعنی لیکن ۱۲ بنارس کا کیا کہنا ہے۔ ایسا شہر کہاں پیدا ہوتا ہے۔ انتہائے جوانی میں میرا وہاں جانا ہوا۔ اگر اس موسم میں جوان ہوتا تو وہیں رہ جاتا۔ اور ادھر کو نہ آتا ؎

عبادت خانۂ ناقوسیان است — ہمانا کعبۂ ہندوستان است

جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آ سکے اس کی تدبیر فردوسی و خاقانی سے بھی نہ ہوگی میں کیا کروں گا نام تمہارا آ سکتا ہے لیکن الجھتا بہت ہے۔ خدا کے واسطے اس کی تدبیر سرور صاحب سے بھی ضرور پوچھنا نجات کا طالب غالب ۱۲ سہ شنبہ ۱۲ فروری سنہ ۱۸۶۱ء

ایضاً بھائی صاحب تمہارا خط کل پہنچا۔ اور آج جواب لکھتا ہوں۔ پہلے یہ پوچھتا ہوں۔ کہ میری طرف سے جو اعتراض چھپا ہے۔ وہ تمہاری نظر سے گذرا ہے۔ کہ نہیں نہ گذرا ہو۔ اکمل الاخبار ماہ شوال کے چاروں ہفتے کے دو دو ورقہ دیکھ لو۔

ایک ہفتہ میں نکل آئے گا ۱۲ واقعی اعتراض کا جواب ایک مولوی نے لکھے ہیں۔ اس ہفتے کے اکمل الاخبار کو دیکھ لو۔ جو تم سے بکلام کرے اسی انداز سے تم بھی کلام کرو۔ نجات کا طالب غالب ۲۹۔ اپریل سنہ ۱۸۶۲ء

ایضاً بھائی تمہاری جان کی اور ایمان اپنے کی قسم کہ میں فن تاریخ گوئی و معمہ سے بیگانہ محض ہوں اور عدنا ہر کوئی تاریخ میری نہ سنی ہوگی۔ فارسی دیوان میں وہ چار تاریخیں ہیں ان کا حال یہ ہے۔

کہ مادہ اور وزن کا ہے۔ اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں۔ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادہ بناؤں گا۔ حساب درست نہ پاؤں گا۔ وہ ایک وقت ایسے تھے۔ اگر حاجت ہوتی۔ تو مادہ تاریخ وہ جیسے ڈھونڈھ لا دیتے۔ موزوں میں کرتے۔ اور اگر آپ ہی نے مادہ کی فکر کی ہے۔ اور یہی حساب جمل منظور رکھا ہے۔ تو ایسے ایسے نغمے و تخرجے آگئے ہیں۔ کہ وہ تاریخ ہنسی کے قابل ہوگئی ہے کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خان مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے۔ ان کے بھتیجے مولوی ولایت حسین خاں نے استدعائے تاریخ کی میں نے لکھی چنانچہ فارسی دیوان میں موجود ہے

سے ! مفتی عقل از پئے تاریخ ایں بنا !!! ! الہام بوئے من زرہ اختراع کرد !
! گفتم بو نے بدیہہ خوشا خانہ خدا !!! ! شد خشمگیں دمے کہ نظر در کلام کرد !
! خاشاک رفت و پائے ادب و تشکنجہ بخت ! الہام را بہ تخرجہ معنی تمام کرد !

واسطے خدا کے غور کرو۔ خوشا خانہ خدا مادہ پھر اس میں سے خاشاک کے عدد دور کرو تو سو اکیس [۱۲۶۱] کا تخرجہ پھر بھی دو اور زیادہ ہے پائے ادب ٹھوڑا۔ بھلا یہ کوئی تاریخ ہے۔ مگر ہاں حساب کے قاعدہ کے باہر کچھ معنی سگالی کے طور پر میرا ایجاد ہے۔ اور وہ لطف رکھتا ہے۔ ایک شخص ۱۲۴۸ میں مرا اس کی تاریخ میں نے لکھی سے

زسال واقعہ میرزا مستنیا بیگ ! آنت راست شمار ائمہ امجاد !
صحیفہ ہائے سماوی مبیں از عشرت ! حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از احاد !

ائمہ بارہ یعنی بارہ سو پھر کتب سماوی دہائی کے چار یعنی چالیس۔ بہشت آٹھ چالیس اور آٹھ اڑتالیس بارہ سو اڑتالیس۔ دوسری تاریخ بارہ سو ستر کی۔ سے

از بروج سپہر جوئے آآت عشرات از کواکب سیارا !

بروج بارہ سات دہائی کے ستر یہ جب لکھتے ہیں۔ کہ سید غلام بابا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کیوں نہیں آتا سے

جب کہ سید غلام بابا نے مسند عیش پر جگہ پائی
ایسی رونق ہوئی برات کی رات کہ کواکب بچھے تماشائی

دوسری بحر سنو سے

ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے فراز مسند عیش و طرب جگہ پائی
زمیں پہ ایسا تماشہ ہوا برات کی رات کہ آسمان پہ کواکب بنے تماشائی

اس بحر میں سماتا ہوا کوئی مادہ بہم پہنچا تا تاریخ کہئے۔ وہ دوست جو مادہ ڈھونڈھ دیتے تھے وہ جنت کو

سے یاس ہے میں جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں۔ معذور و مجبور ہوں۔ غالبؔ سہ شنبہ ۱۳ محرم ۱۳ جولائی سال حال۔

بنام شہزادہ بشیرالدّین

پیر و مرشد سلامت۔ اعضا فرسودہ اور بودے ہوگئے۔ بعض ان میں دولتی نہیں بھرتی مگر ابھی رفاقت نہیں کرگئے۔ خدا جانے کس حکمت سے بے اعضا نکمّے ہوگئے۔ اب وہ کام جو ان سے متعلق تھے۔ بند ہوگئے آپ کا حکم ماننا۔ اور آپ کی خدمت بجالانی دل سے تعلق رکھتی ہے وہ لطیفہ غیبی یعنی روح کے کام ہیں۔ جب تک وہ باقی ہے۔ سر انجام پائے جائیں گے خاکم بدہن واسطے اقوال ہے۔ جب کوئی کلمہ کروہ طبع کہتے ہیں تو خاکم بدہن کہہ لیتے ہیں عمر خیام ؎

بر خاک بریختی مئے ناب مرا خاکم بدہن گر تو مستی ربی

اور خاکم بسر اور خاکم بفرق عام ہے جیسا کہ میں ایک شہزادہ کے مرثیہ میں کہتا ہوں ؎

اے اہل شہر مدفن این دودماں کجاست خاکم بہ فرق خوابگہ خسرواں کجاست

استاد[۱] ؎

خاکم بسر کہ عاشق کار آزمودہ ام خاکم کہ با رقیب بسجوت تپیدہ رد

آپ کے ہاں اور مولوی روم کے ہاں خاکم بدہن کا موقع نہیں جیسا کہ مولوی معنوی نے لکھا حضرات بھی اپنے ہاں نہ لکھے ؎ فرق است درمیانہ کہ بسیار نازک است۔ نجات کا طالب غالبؔ

ایضًا ۔ نبیرہ پیر و مہربانی نامہ آیا سر پر رکھا۔ آنکھوں سے لگایا۔ فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصول مناسبت طبیعت کی ہے پھر تتبع کلام اہل زبان۔ لیکن نہ اشعار قتیل و واقف و شعرائے ہندوستان کی یہ اشعار رسالہ اس لئے کہ ان کو موزونی طبع کا نتیجہ کہیئے۔ اور کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی نہ معانی نازک ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ بہ جو المقال دلبستان جانتے ہیں۔ اور منصدی نثر میں درج کرتے ہیں۔ وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں صرف کرتے ہیں۔ جب سعدی کی عنصری و خاقانی و رشید و طواط اور اُن کے امثال و نظائر کا کلام بہ استیعاب دیکھا۔ اور اُن کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچی۔ اور رواعوجاج کی طرف نہ نے جائے

[۱] یہ شعر نواب شیفتہ نواب محمد مصطفیٰ خاں حسرتی تخلص کا ہے۔ ان کے نام کی جگہ استاد کا لفظ یا تو اس لئے لکھا ہے کہ دفعۃً یاد نہیں رہا۔ کہ کس کا شعر ہے۔ یا اس خوف سے لکھا ہے۔ کہ ہندی شاعر کا نام لینے سے مخاطب کے دل میں کچھ رود کی وقعت نہ ہو

جب آدمی جانتا ہے۔ کہ فارسی یہ ہے کہ من کرباشم الخ۔ اس کی جو شرح چھاپے میں لکھی ہے اسکو ملاحظہ کیجئے۔ اور معانی میرے خاطر نشان کیجئے۔ تو میں سلام مسلام کروں۔ پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیئے۔ کہ از اوج بیان انداختہ کا فاعل کون ہے۔ اور مفعول کون ہے۔ اگر عقل کل کو انداختہ کا مفعول اور کہ کے کاف کو کدامیں ٹھہراؤ گے۔ تو لامحالہ انداختہ کے فاعل دو ٹھہراؤ گے۔ ایک ناوک انداز دوسرا مرغ اوصاف تو ایک فعل اور دو فاعل یہ کیا طریق اور کیسی تحقیق ہے۔ اب فقیر سے اس کے معنی سنئے من انداختہ کا مفعول ہے مقدر۔ منکہ کا کاف توصیفی۔ ناوک انداز ادب۔ ادب آموز یعنی اوستاد عقل توصیف تو فاعل مجھ کو کہ عقل کا استاد ہوں تیرے مرغ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا۔

عقل کل تک کہ علویوں میں اعلیٰ ہے۔ اس کا ناوک پہنچ سکتا تھا۔ مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے جہاں اس ناوک انداز کو ناوک کے پہنچانے کی گنجائش نہیں۔ اوج بیان سے گرنا عاجز آجانا ہے قدرت وہ کہ عقل کل سے زیادہ۔ اور عجز یہ کہ اوج بیان سے گر گیا۔ کیا اچھا مبالغہ ہے۔ مرغ اوصاف کی بلندی کا کیا خوب مضمون ہے۔ اظہار عجز باوجود دعوے قدرت ۱۲ اشیاء تو بودوختہ چشم دوبین آگے اس کے معنے تو وہی ہیں۔ جو چھاپے میں لکھے۔ مصرع ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا۔ احسان تو ہر قطرہ و دریا بہ کشاکش تاہم بقید حباب نیامدہ۔ یہ بھی بدون اس معنی کے معنی نہیں سمجھا۔ سیدھی بات ہے۔ مگر خیال میں جب آئیگی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔

کمال ایثار و عطا میں مرجہ یدیا قوت و بحر و معدن کی کمبخت آتی ہے۔ لعل و در کا معدوم ہو جانا اور مرد کال کا خالی رہ جانا نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے کسی زمانہ میں اس زمین میں اسی قصیدہ لکھ کر مدیر الدولہ والی ٹونک کو بھیجا تھا۔ اس میں کے دو شعر آپکو لکھتا ہوں ؎

ناموس نگہ داشتی از جود بہ گیتی ! پردگیان حرم معدن و یم را

وقت ست کہ ایں قوم پئے کوچۂ بازار برسند ز ہم غمشاد رسوائی ہم را

پردگیان حرم معدن و یم۔ لعل و گہر کثرت ایثار سے کوچہ و بازار میں خاک آلودہ پڑے ہوئے ہیں وہ باہم دگر دردمندانہ یہ گفتگو کرتے ہیں۔ کہ اس شخص نے سب کی حرمتیں رکھ لیں۔ اور سب کی آبروئیں بچائیں۔ ہم کو اس قدر بے حرمت اور ذلیل کیونکر رکھا ہے؟ ۱۲ قطرہ و دریا کا حساب کے واسطے چتا بے حساب ہے مقصود عرفی کا یہ ہے۔ کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے۔ وہ بخشدیئے اور بخشش کا دور باقی رہا۔ چونکہ قطرہ کا بالقوۃ استعداد موتی ہو جانے کی ہے۔ تو اس احتمال سے ہر قطرہ دریا کو چھیڑ ڈالا کہ اگر موتی ہاتھ میں آئے۔ تو وہ سائلوں کو دیئے جائیں۔ پہلے مصرعہ میں حرص کا

؎ مصرعہ ثانی یہ ہے۔ کہ احسان تو بشگافتہ ہر قطرہ یم را ۱۲

کا سیر کر دینا موافق مسلمات کے شعرا کے جتنع اور اس کا وقوع میں آنا۔ اغراق دوسرے مصرعہ میں یہ احتمال استعداد بالقوۃ قطرہ کو جیحوں ڈالنا پھر اس طرح کہ ہر قطرہ کو یہ اغراق سے گذر کر تبلیغ و غلول ہے۔
داد کا طالب غالب۔

بنام منشی کیول رام قوم کائتھ المتخلص بہ ہشیار

غالب خاک ناکتا ہے کہ شعرائے ایران کلہم اجمعین مسلم الثبوت ہیں۔ اور ان کا کلام سند ہے سخنوران ہند نے امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہیں۔ جیسے اہل ایران۔ اہل ہند میں امیر خسرو دہلوی نے اہل ایران میں رودکی و فردوسی سے لیکر جامی تک اور جامی سے صاحب و کلیم تک کسی لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو۔ یا کوئی فرہنگ جمع کی ہو تو مجھ کو دکھاؤ۔ اس کو اگر میں نہ مانوں، ور سند نہ جانوں تو میں گنہگار۔ جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں۔ تمام ان کے کہاں تک لوں مشہور و غیر مشہور کچھ کم سو رسالے ہونگے۔ ان سب رسالوں کے جامع ہندی ہیں کوئی اہل زبان نہیں ہیں۔

اشعار اساتذہ ایران کو ماخذ ٹھہرا کر جو لغات ان کی نظم میں دیکھے مناسبت مقام ان لغات کے معنی لکھ دیئے۔ استنباط معنی کا قیاس مدار پر ہے یہ نہیں کہا کہ قیاس ان کا سر سر غلط میرا قول یہ ہے کہ اکثر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔ ان سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی یعنی جامع برہان قاطع احمق اور غلط فہم اور معوج الذہن ہے مگر قسمت کا اچھا ہے۔ مسلمان اس کے قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں۔ اور ہندو اس کے بیان کو مطالب مندرجہ بید کی برابر جانتے ہیں۔ گیا اور گیاہ بہ کاف فارسی کمسور سبز گھاس کو کہتے ہیں۔ گیا بہ کاف فارسی مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے شعر کس نے دیکھے ہیں۔ تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے دو مرکز اور فتحہ بنا دیا ہو۔ فرہنگ نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے۔

جو ایسا سمجھے ہیں۔ نہ گیا بمعنی دہ ہے۔ نہ گیا بمعنی مقدم وہ ہے۔ نہ گیا بمعنی پہلوان ہے نہ کار گیا کوئی لفظ ہے نہ کوئی لغت ہے کہ یہ کاف عربی مفتوح بر وزن سے ایک لغت فارسی ہے تو معنین یعنی دو معنی دیتا ہے۔ ایک تو کب یعنی کس وقت اور دوسرے معنی اس کے ہیں حاکم اور مالک کے الف جو اس کے آگے آتا ہے۔ وہ کثرت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے خوشا بہت خوش بدا بہت بد کیا۔ مجدا حاکم ع

عشق آں بگزیں کہ جملہ اولیا بافتند از عشق او کار کیا۔

یعنی بسبب عشق کا بزرگ یافتند ؎

سر فرو بردیم تا بر سروراں سر شدیم   چاکری کردیم تا کار کیائی یافتیم

یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا کام پس یائے تحتانی اگر مجہول ہے تو تعظیمی ہے۔ اگر معروف ہے۔ تو مصدری ہے۔ یعنی بزرگی کا کام حکومت کا کام وہ کیا مضاف و مضاف الیہ مقلوب ہے۔ یعنی کیا ہے۔ وہ حاکم دہ کار کیا خطا یعنی کیاہی کار دہ ملک کا یہ جہان ماقبل اس کے پڑھے سکتہ لائیں گے۔ وہاں کار موصوف اور کیا صفت ہے۔ نہایت تحقیق و اصل حقیقت یہ ہے۔ فقیر نے جہاں کیا کے نقطہ پر خط مستطیل کھینچا ہے وہ علامت فتحہ ہے۔ دو سرا لعرکز نہیں جو کاف فارسی سمجھا جائے ۱۲ داد کا طالب غالب ؎

بنام مولوی کرامت علی

فقیر اسد اللہ خان جناب مخدومی مولوی کرامت علی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہے۔ کہ آپ کی تحریر کے دیکھنے سے یاد آیا کہ آپ میرے ہاں آئے ہیں۔ اور میں نے آپکی ملاقات سے حظ آٹھایا ہے۔ جل سنی اشعار کی یہ صورت ہے۔ کہ ہندی کے شعر میرے نہیں۔ شعرائے لکھنؤ میں سے کسی کہیں بلکہ اغلب ہے۔ کہ ناسخ کے ہوں۔ اشعار فارسی البتہ میرے ہیں ؎

درخواست کرنا تجدد تقریب رنجیدن نداشت   جرم غیر از دوست پرسیدم پرسیدن نداشت

داشتن بمعنی سکتہ کے ہے لیکن اہل زبان بمعنی بالیست ہے بمفہوم شعر یکہ دوست الیہ احیاء معوذ خفا ہے۔ اس کے ذریعے محبوب پر خفا ہونا چاہتا ہے۔ کہ آزردہ ہو۔ مگر سبب نہیں پاتا تھا۔ رقیبوں کے لب رقیب سے معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو شامت آئی۔ میں نے دوست سے پوچھا۔ کہ رقیب نے کیا گناہ کیا جو رانده اور نگاه ہوا معشوق اسی گستاخی کو بہانہ عتاب ٹھہرا کر آزردہ ہو گیا۔ اب شاعر افسوس کرتا ہے۔ اور کہتا ہے ہائے پرسیدن نداشت یعنی پوچھنا نہ چاہئے تھا ؎

دیر خواندی سوئے خویش و تر د و نہ نہیدہ دریغ   پیش از یں پایم زگردداد ایں پیچیدن نداشت

عاشق ایک مدت تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلائے۔ مگر اس عیار نے نہ بلایا۔ رفتہ رفتہ میں غم میں ایسا زار و ناتواں ہو گیا۔ کہ طاقت رفتار نہ رہی اور گرد راہ سے میرے پاؤں الجھنے لگے۔ جب اس نے یہ جانا کہ اب نہ آسکے گا۔ تب بلایا عاشق کہتا ہے۔ کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اس کی وجہ جلد سمجھ گیا۔ کہ تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ اس سے پہلے میں ایسا ضعیف نہ تھا۔ کہ تو بلائے۔ اور میں نہ آؤں دریغ کو یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ زود نہ فہمیدن پر ہے یا پہلے سے بیمار نہ ہونے پر سے دریغ ہے۔ دوست کی بیوفائی اور بسبب آزار دینے اپنی عمر کے تلف ہونے پر ہے ؎

ملہ [illegible]

من بوکا مردم و رقیب بزد و شد ۔ وہ ضمیمہ لیش انگبین ضمیمہ ترد شد انگبین شہد کو کہتے ہیں ۔ تبرزد مصری کہتے ہیں ۔ ان معنوں میں یہ کہ مانند قند اور بتاشوں کے جلد ٹوٹنے والے نہیں ۔ جب تک اس کو تبر سے توڑ دینے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ۔ بدر زدن اگرچہ لغوی معنی اس کے ہیں باہر زدن یا بدر ماہر او رزدن مارنا ۔ لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے ۔ نکل جانا ۔ اب جب یہ معلوم ہو گیا ۔ تو یوں سمجھیے ۔ کہ معشوق کے ہونٹوں کو میٹھا کہتے ہیں ۔ اور قند و مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں ۔ اور البتہ مکھی مٹھاس کی عاشق ہے ۔ پس جو مکھی کہ مصری پر بیٹھی وہ جب چاہے بے تکلف اڑ جائے ۔ اور جو مکھی شہد پر بیٹھے گی ۔ جب وہ اڑنے کا قصد کریگی ۔ پر و بال اس کے شہد میں لپٹ جائیں گے ۔ اور مر کر رہ جائیگی ۔ پس اب یعنی وہ چاٹ کر لطف اٹھا کر صحیح و سالم چل گیا ۔ اور میں وہیں پھنس کر رہ گیا ۔ ع

در نمکش بین و اعتماد و نوازش گریہ نے انگند و ہم زخم جگر زد

زدن لازمی بھی ہے ۔ اور متعدی بھی لازمی کے معنے ہندی میں لگ جانا ۔ اور متعدی کے معنی مارنا ۔ یہاں زد لازمی ہے ۔ اب یہ سمجھنا چاہیئے ۔ کہ نمک شراب کو بگاڑتا ہے ۔ یعنی شراب میں نون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں ۔ تو اس میں ترش ہوجاتا ہے ۔ اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے ۔ اور زخم پر اگر نمک ڈالیں ۔ تو وہ کشادہ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے ۔ مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق کے نمک کو دیکھ اور دیکھ کر اس نمک نغز پر کتنا بھروسہ ہے ۔ اگر وہ اس نمک کو شراب میں ڈال دیتا ہے ۔ تو وہ شراب میں نہیں ملتا ۔ اور زخم جگر پہ جا لگتا ہے ۔ یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے ۔ تو بھی وہ اپنا کام کر رہتا ہے ع کیست در میں خانہ کز خطوط شعاعی زمیر نفس بیزہ ہا بہ منفذ در زد ۔ یہ خیال ہے ۔ یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا رہتا ہے ۔ اور اس نے جان لیا ہے کہ کون ہے ۔ مگر بطریق تجاہل بھولا بن کر پوچھتا ہے ۔ کہ آیا اس گھر میں ایسا کون ہے ۔ کہ مہر یعنی آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرط شوق سے دروازہ کے روزن پر پھینک دیئے ہیں ۔ آفتاب کے خطوط شعاعی کا روزنوں میں پڑتا ہے ۔ اور ان خطوط شعاعی کا یعنی سورج کی کرن کا بصورت سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے ع

دعوئی او را بود دلیل بدیہی خندۂ دنداں نما بہ حسن گہر زد!

خندہ دندان نما اس ہنسی کو کہتے ہیں جو تبسم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دانت ہنسنے والے کے دکھائی دیں یعنی موتیوں کے حسن پر ہنسا۔ اور ہنستا کوئی اس چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھتا ہے حاصل معنی یہ کہ میرا معشوق موتیوں کے حسن پر ہنسا گویا اس نے یہ دعویٰ کیا کہ موتی کچھ اچھی چیز نہیں اب دعوی کیواسطے دلیل ضرور ہے سو شاعر یہ کہتا ہے۔ کہ میرے معشوق کے دعوے پر دلیل یہی ہے۔ یعنی ہنسنے میں اس کے دانت نظر آئے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو حسن میں موتی کو یکتا گمان کرتے ہیں وہ لغو ہے۔ حسن یہ ہے کہ جو معشوق کے دانتوں میں ہے۔ بس اسی دلیل کو سب نے دیکھ لیا۔ چونکہ یہ بات تھی مان لیا ؎

غیرتِ پروانہ ہم بروز مبارک — نالہ چہ آتش بہ بال مرغ سحر زد

پروانہ کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہئے۔ پروانہ کی غیرت وہ غیرت نہیں کہ جو پروانہ کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہے۔ پروانہ پر یعنی رشک حاصل نہیں معنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں۔ رات کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا ہوں۔ تو مجھ کو اس پر رشک آتا تھا دن کو ایسا کوئی نہ تھا۔ کہ مجھ کو اس پر رشک آوے لو ایک وہی رشک اور وہی غیرت جو پروانہ پر شب کو تھا اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعنی میرے صبح کے نالوں سے مرغ سحر کے پروں میں آگ لگ گئی اور میں اپنی مستی اور بیخودی میں یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سبب سے ہے مجھ کو وہ رنج وغصہ تازہ ہو گیا۔ جو رات کو پروانہ دیکھ کر کھاتا تھا۔ اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر جلتا ہوں کہ ہائے یہ کون ہے کہ میری طرح جلتا ہے ؎

لشکر ہوش ہم بزور مے نہ شکستی — غمزۂ ساقی نخست راہ نظر زد

نظر فکر کو بھی کہتے ہیں۔ اور نگاہ کو بھی یہاں نگاہ کے معنی ہیں شاعر کہتا ہے۔ کہ میں ایسا نہ تھا۔ کہ شراب کی تاب نہ لاتا اور شراب پی کر بیہوش ہو جاتا۔ مگر کیا کروں کہ پہلے غمزہ ساقی نے نگاہ کو تیرہ کر کے مغلوب کر دیا پھر اس پر شراب پی گئی۔ بیخودی کا استعداد بہم پہنچ گیا ہی تھا۔ ناچار ہوش جاتے رہے ؎

زاں بت نازک چہ جائے دعوئ خونست — دست دو دامنکہ او بکمر زد

اس شعر کا لطف وجدانی ہے بیانی نہیں ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں۔ کہ اس معشوق سے کہ بہت نازک ہے خون کا دعوے کیا کریں۔ کہ اس کو وقت عزم قتل۔ دامن گرد- آنے وقت میں وہ صدمہ پہنچا ہے۔ کہ اس کا ہات ہے۔ اور وہ اپنے دامن جو انہوں نے گردان کر کمر پہ باندھا تھا۔ ایسا لچکا کمر کو پہنچا تھا۔ کہ وہ اپنے دامن پہ داد خواہ ہو رہا ہے۔ پس کوئی اس سے خون کا دعوے نہ کرے گا۔ تو شاعر کہتا ہے۔ کہ یہ

یہ سوئیدگیاں بمقتضائے طینت خاک اقطاع کہا برگ طرب ساختیم و بادہ گرفتیم
ہر طرف ظاہر ہوا کرتی ہے۔ مثلاً گنا اب کچھ خاک کو اور ہوا کو بھی منظور نہیں کہ اس کا رس نکلے اور اس کا قند بنے

ہر چہ ز طبع زمانہ بیہدہ سر زد
شاخ چہ بالد گر ارمغاں گل آورد
تاک چہ نازد اگر صلائے ثمر زد

یہ آدمی کی دانشمندی ہے۔ اُس نے اس گناس میں سے یہ بات پیدا کی۔ بیل اسی طرح انگور ہیں اور گلاب کے پھول ہیں۔ شاخ گل کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے۔ تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا ہے۔ ہم نے اپنے زورِ عقل سے انگور کی شراب بنائی۔ اور پھولوں کو ہر رنگ سے اپنے کام میں لائے ؎

کام نہ بخشیدہ گناہ چہ شماری
غالب مسکیں بہ التفات نیرزد

یہ گستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے۔ کہ جب اس عالم میں تو نے میری داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں۔ تو بس اب معلوم ہوا۔ کہ میں لائق التفات کے نہ تھا۔ پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالمِ عقبیٰ میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے۔ جب ہمارے مطالب اپنے ہم کو نہ دیئے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے۔ جانے دیجئے۔ ہم ہی التفات کی ارزش نہیں ہے ۱۲ غالب

بنام منشی جواہر سنگھ جوہر

برخوردار۔ تمہارے خطوں سے تمہارا پہنچنا اور چھاپے کے قصیدہ کا پہنچنا۔ اور ہیرا سنگھ کا ادہر روانہ ہونا معلوم ہوا۔ ہاں لالہ جیمل اکثر بیمار رہتے ہیں۔ ان دنوں میں خصوصاً اس شدت سے نزلہ چھاتی پر گرا۔ کہ وہ گھبرا گئے۔ اور زیست کی توقع جاتی رہی۔ یا اب کچھ فرصت ہو گئی ہے بجائے یہ آفتاب سرکوہ ہیں ہیرا کا ان کے پاس رہنا اچھا ہے۔ تم سے جو ہو سکے گا تم ان کے مصارف کے واسطے مقرر کر دوگے۔ غزل تمہاری ہم کو پسند آئی۔ اصلاح دیکر بھیج دی گئی۔ اس کا تم خیال رکھا کرو۔ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ پیوند ہے۔ مصرع چرا نہ پاس بجاں امیدوار افتد۔ یہاں افتد بمعنی بدل افتادن و پاس بجاں افتادن روزمرہ نہیں اور بھی کئی افتد ایسے ہی ہیں ؎

سیاہ بختم اگر بر سرم گزار افتد
بران سایۂ ہما نیز سوگوار افتد

سوگوار ہونا سایہ کا باعتبار سیاہی لگ ہے۔ اب یہاں دو تو افتد ٹھیک ہیں گزار افتادن روزمرہ اور درست

افتد بمعنی واقع شود ہے۔ شنیدہ ام بجفائے تو مبتلا ست علاوہ چرا نہ شور بجانِ امیدوار افتد
شور افتادن روزمرہ اور یاس افتادہ غلط ہے۔

بجز تنم کہ زد و ترخ کسان دوزخ را — کجا بمند جو آہم شرارہ بار افتد
یہاں افتد کے معنی واقع شود ٹھیک ہے۔

نہ گبرم و نہ مسلمان بجز تنم کہ مرا! — سوائے دوزخ دینیوں کجا گزار افتد
یہ شعر تمہارا بہت خوب ہے آفریں ہے۔

قرار در وطن افسردہ میکند دل را — خوشا غریب کہ دور از دیار یار افتد
یہاں بھی افتد صحیح و با معنی ہے۔

نیم رقیب کہ رسوا ئیم خجل نکند — خوش ست چشم اگر یار پردہ دار افتد
یہاں بھی افتد بمعنی وقوع شود ہے۔

ترا کہ دگر گوں شیوہ کنی بزم غم تباں — خوش ست گر ز جفا بر وفا فزار افتد
افتد یہاں بھی ٹھیک ہے بات نہتی تھی۔ کر یوں کہ دیا لفظ تغافل صاف ہے۔

خط رخ تو بدلدہ خط آتاری! — خوشم کہ در شکن زلف تابدار افتد
یہ صورت بھی نہ تھی۔ مگر طرز خوب ہو گئی معنی کا اعتبار کامل ہو گیا ہے۔

چکد ز خامہ جوہر سخن چنانکہ مگر! — بروز موج در از بحر بر کنار افتد

دولت و اقبال روز افزوں روزی باد۔ اسد اللہ نگاشتہ شنبہ ہفتم اپریل ۱۸۵۳ء

بنام منشی ہیرا سنگھ

فرزند دلبند سعادت مند منشی ہیرا سنگھ کے حق میں میری دعائیں قبول ہوں۔ امار
کے جتنے مطالب و مآرب ہیں۔ وہ عنایت الٰہی سے پورے ہوں۔ بھائی لب سا
کی سند پر یہ شعر ہے طالب آملی کا ہے۔

مدتے آن گدائے خونین دل — بود نبخالہ لب ساحل!

لب بام لب فرش لب گور لب چاہ لب دریا لب ساحل بمعنی کنارہ کے ہے مستعمل اہل ایران

اساتذہ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہو۔ اور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف جو بہٹ دھرم نہ ہو۔ پانچویں سلیم طبع و ذہن مستقیم ہو معوج الذہن و کج فہم نہ ہو۔ نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہونگی۔ اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا۔ ۱۲۔ فہمائش کا لفظ میاں بڈھا والد جانی الوملاۃ گنیشی داس اور لالہ بھیروں ناتھ کا گھڑا ہوا ہے۔ میری زبان سے کبھی ہم نے سنا ہے۔ اب تفصیل سنو۔ امر کے صیغہ کے آگے شین آتا ہے تو امر معنی مصدری دیتا ہے۔ اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ سوختن مصدر سوزد مضارع سوز امر سوزد حاصل بالمصدر اسی طرح ہیں خواہش و کاہش و گذارش آرائش و پیرائش و فہمائش و فہیمدن فارسی الاصل نہیں ہے۔ مصدر جعلی ہے۔ فہم لفظ عربی الاصل ہے طلب لفظ عربی الاصل ہے۔ ان کو موافق قاعدہ تفرس فہمیدن و طلبیدن کر لیا ہے۔ اور اس قاعدے میں یہ کلیہ ہے۔ کہ لغت اصل عربی آخر کو امر بن جاتا ہے۔ فہم یعنی بفہم سمجھ طلب۔ یعنی بطلب۔ مانگ فہمد۔ مضارع بنا طلبد مضارع بنا۔ خیر یہ فرض کیجیے۔ کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنا یا۔ تو اب حاصل مصدر کیوں نہ بنائیں۔ سنو حاصل بالمصدر فہمش اور طلبش ہونا چاہیے۔ فہم تھا صیغہ امر فہمد سے نکلا تھا۔ الف اور ے کہاں سے آیا۔ فہمائی تو نہیں ہے۔ جو فہمائش درست ہو کہیں فرمائش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا۔ اور مصدر اصلی فارسی فرمودن ہے۔ فرماید مضارع۔ فرمائیے امر حاصل مصدر فرمائش۔ ۱۲

پہلے حکیم میر اشرف علی کو دعا اور بیٹا پیدا ہونے کی مبارک باد۔ میاں میں نے رات اپنے عالم سرخوشی تاریخی نام کا خیال کیا میر کاظم الدین کے بارہ پچھتر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ فرمائش ٹکسال سے باہر ہے غالب ۱۲

تمت بالخیر

اردوئے معلّٰی حصہ اوّل و دوم